

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جلیق اور جامع آفتاب
اور ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

مولا محمد منظور عثمانی

دارالاشاعت
نور اسلام لکھنؤ
کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد پنجم

کتب خانہ دارالاشاعت

تألیف

مولانا محمد منظور نعمانی

اُردو بازار ایم ایس جیل روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

دارالاشاعت

جملہ حقوق ملکیت برائے پاکستان بحق "خلیل اشرف عثمانی" دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مصنف سے جو دوا می حقوق اشاعت پہلے حاصل تھے اب انکے ورثاء سے پاکستان کے لئے "جملہ حقوق ملکیت مع اپنے تمام حقوق سے خلیل اشرف عثمانی کے حق میں دستبرداری کا معاہدہ عمل میں آ گیا ہے" اس کی اطلاع ور جسنیشن کاپی رائٹ رجسٹرار کے ہاں عمل میں آ چکی ہے۔ لہذا کوئی شخص یا ادارہ اس کی غیر قانونی اشاعت و فروخت میں ملوث پایا گیا تو بغیر پیشگی اطلاع کے قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ ناشر

طباعت کمپیوٹرائڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت العلوم 20 نا بھر روڈ لاہور	بیت القرآن اردو بازار کراچی
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
یونیورسٹی بک اینجمنسی خیبر بازار پشاور	بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد	مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی	مکتبۃ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLIFIELD ROAD
BOXTON, B15 2NE, U.K

AZHAR ACADEMY LTD.
468 LITTLE FORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOUTH STREET
BOULDER, CO 80501, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6905 BENTLEY HOUSTON,
TX 77024, U.S.A

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں — جو ”نبی اُمی“ سیدنا حضرت محمد
عربی (فداہ اُمی و ابی و روحی و قلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں
اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم
علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں
اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آئیے

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر
آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمہ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

حصہ پنجم

۲۱	۱	عرض ناشر
۲۳	۲	مقدمہ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
۲۹	۳	دیباچہ (از مؤلف)
۳۳	۴	”کتاب الاذکار والدعوات“
۳۵	۵	شریعت کے نظام میں اذکار و دعوات کا امتیاز اور غرض و غایت
۳۷	۶	ذکر اللہ کی عظمت اور اس کی برکات
۳۷	۷	ذکر اللہ کی عظمت و اہمیت پر قرآن کریم کی روشنی میں شیخ ابن القیم کا روح پرور کلام
۴۱	۸	ذکر اللہ کی عظمت اور برکات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات
۴۵	۹	دوسرے تمام اعمال خیر کے مقابلہ میں ذکر اللہ کی فضیلت
۴۶	۱۰	عذاب سے نجات دلانے میں ذکر اللہ سے زیادہ کوئی چیز بھی مؤثر نہیں
۴۷	۱۱	ذکر لسانی کی فضیلت کی احادیث
۴۸	۱۲	ذکر اللہ سے غفلت کا انجام، حسرت و محرومی اور دل کی قساوت
۴۹	۱۳	ذکر کے خاص کلمات اور ان کے فضائل و برکات
۵۰	۱۵	کلمہ تمہید (سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ) کی افضلیت کا راز
۵۱	۱۵	”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کی جامعیت اور فضیلت
۵۲	۱۶	زبان پر نہایت ہلکے اور آخرت کی میزان میں نہایت بھاری دو کلمے
۵۳	۱۷	غیر مادی چیزوں کے وزن کا مسئلہ عقل اور تجربہ کی روشنی میں
۵۳	۱۸	بہت مختصر ذکر و تسبیح کا وہ طریقہ جس کے ذریعہ لمبے لمبے وظیفوں سے زیادہ ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے
۵۵	۱۹	”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی خاص فضیلت اور کلمات ذکر میں اس کا امتیاز
۵۷	۲۰	کلمہ توحید ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ کی خاص عظمت و برکت
۵۸	۲۱	”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کی خاص فضیلت اور اس کی امتیازی تاثیر
۵۹	۲۲	”اسماء حسنی“ اور ان کے بارے میں ایک تحقیقی بحث
۶۳	۲۳	۱۹۹ اسماء حسنی جو سب کے سب قرآن مجید میں موجود ہیں
۶۵	۲۴	”اسم اعظم“ اور اس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی خاص تحقیق
۶۷	۲۵	قرآن مجید کی تلاوت (جو ذکر اللہ ہی کی ایک اعلیٰ شکل ہے)
۶۷	۲۶	قرآن مجید کی عظمت
۶۷	۲۷	اس کائنات کی ہر چیز مخلوق اور غیر اللہ ہے، صرف قرآن ہے جو مخلوق نہیں بلکہ اللہ کی صفت قائمہ ہے

- ۲۸ جس بندے کو قرآن مجید میں مشغول رہنے کی وجہ سے ذکر و دعا کی فرصت نہ ملے، اللہ تعالیٰ اس کو
ذاکرین اور سالکین سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا
- ۲۹ اللہ کی نگاہ میں سب سے اچھے اور مبارک بندے قرآن کے معلمین اور متعلمین ہیں
- ۳۰ حامل قرآن پر رشک برحق
- ۳۱ قرآن اور قوموں کا عروج و زوال
- ۳۲ تلاوت قرآن کا اجر و ثواب
- ۳۳ قرآن مجید کی تلاوت قلب کا صیقل
- ۳۴ تلاوت قرآن کا وہ طریقہ جس سے قلب کی نورانیت اور نسبت مع اللہ نصیب ہو (از شاہ ولی اللہ)
- ۳۵ ماہر قرآن کا مقام
- ۳۶ قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا انعام
- ۳۷ قیامت میں قرآن پاک کی شفاعت و کالت
- ۳۸ خاص خاص صورتوں اور آیتوں کی برکات
- ۳۹ سورۃ فاتحہ
- ۴۰ سورۃ بقرہ
- ۴۱ سورۃ کہف
- ۴۲ سورۃ یس
- ۴۳ سورۃ واقعہ
- ۴۴ سورۃ ملک
- ۴۵ سورۃ الم تنزیل
- ۴۶ سورۃ علی
- ۴۷ سورۃ تکوین
- ۴۸ سورۃ الزلزال سورۃ الکافرون سورۃ الاخلاص
- ۴۹ معوذتین
- ۵۰ چند مخصوص آیات کی فضیلت اور امتیاز
- ۵۱ آیۃ الکرسی
- ۵۲ سورۃ بقرہ کی آخری آیات
- ۵۳ سورۃ آل عمران کی آخری آیات
- ۵۴ دعا
- ۵۵ بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے
- ۵۶ دعا عبدیت کا جوہر اور اس کا خاص مظہر ہے
- ۵۷ دعا کا مقام اور اس کی عظمت

۹۳	۵۸ دعا کی مقبولیت اور نافعیت
۹۵	۵۹ دعا سے متعلق ہدایات
۹۶	۶۰ دعائیں غلت طلبی اور جلد بازی کی ممانعت
۹۷	۶۱ حرام کھانے اور حرام پہننے والوں کی دعا قبول نہیں
۹۷	۶۲ وہ دعائیں جن کی ممانعت ہے
۹۸	۶۳ موت کی دعا کرنے سے ممانعت کا مطلب اور اس کا محل
۹۹	۶۴ خاصانِ خدا کبھی کبھی لقاءِ الہی کے غلبہ شوق سے موت کی تمنا کرتے ہیں
۹۹	۶۵ دعا کے چند آداب
۹۹	۶۶ دوسرے کے لئے دعا کرنے سے پہلے اپنے لئے دعا
۹۹	۶۷ ہاتھ اٹھا کے دعا کرنا
۱۰۰	۶۸ دعا سے پہلے حمد و صلوٰۃ
۱۰۱	۶۹ دعا کے آخر میں آمین
۱۰۱	۷۰ اپنے چھوٹوں سے بھی دعا کی درخواست کرنی چاہئے
۱۰۲	۷۱ وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں
۱۰۳	۷۲ دعا کی قبولیت کے خاص احوال و اوقات
۱۰۵	۷۳ دعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی مختلف صورتیں
۱۰۷	۷۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں
۱۰۷	۷۵ حضور ﷺ کی دعاؤں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے
۱۰۷	۷۶ نماز میں اور نماز کے بعد کی جانے والی دعائیں
۱۰۷	۷۷ تکبیر تحریمہ کے بعد کی افتتاحی دعائیں
۱۰۹	۷۸ رکوع و سجود کی دعائیں
۱۱۱	۷۹ قعدہ اخیرہ کی بعض دعائیں
۱۱۳	۸۰ نماز کے بعد کی دعائیں
۱۱۶	۸۱ ختم تہجد پر حضور ﷺ کی ایک نہایت جامع دعا
۱۱۹	۸۲ مختلف اوقات و احوال کی دعائیں
۱۱۹	۸۳ صبح اور شام کی دعائیں
۱۲۴	۸۴ سونے کے وقت کی دعائیں
۱۲۹	۸۵ نیند نہ آنے کی شکایت کی دعا
۱۳۰	۸۶ نیند میں ڈر جانے کی دعا
۱۳۰	۸۷ سو کر اٹھنے کے وقت کی دعائیں
۱۳۲	۸۸ استنجے کے وقت کی دعا

۱۳۳	۸۹ گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دعائیں
۱۳۵	۹۰ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا
۱۳۵	۹۱ کسی مجلس سے اٹھنے کے وقت کی دعائیں
۱۳۷	۹۲ بازار جانے کی دعا
۱۳۸	۹۳ بازار کی ظلماتی فضاؤں میں اللہ کا ذکر
۱۴۰	۹۴ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھنے کے وقت کی دعا
۱۴۰	۹۵ کھانے پینے کے وقت کی دعائیں
۱۴۱	۹۶ کسی کے یہاں کھانا کھا کر کھلانے والے کیلئے دعا
۱۴۳	۹۷ نیا لباس پہننے کے وقت کی دعا
۱۴۴	۹۸ آمینہ دیکھنے کے وقت کی دعا
۱۴۴	۹۹ نکاح اور شادی سے متعلق دعائیں
۱۴۵	۱۰۰ مباشرت کے وقت کی دعا
۱۴۵	۱۰۱ سفر پر جانے اور واپس آنے کے وقت کی دعائیں
۱۴۸	۱۰۲ سفر میں کسی منزل پر اترنے کے وقت کی دعا
۱۴۸	۱۰۳ کسی ہستی میں داخلہ کے وقت کی دعا
۱۴۸	۱۰۴ سفر پر جانے والے کیلئے وصیت اور اس کے لئے دعا
۱۵۰	۱۰۵ سخت خطرہ کے وقت کی دعائیں
۱۵۱	۱۰۶ فکر اور پریشانی کے وقت کی دعائیں
۱۵۲	۱۰۷ مصائب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں
۱۵۵	۱۰۸ حاکم وقت کے ظلم سے حفاظت کی دعا
۱۵۵	۱۰۹ قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعائیں
۱۵۷	۱۱۰ خوشی اور غم کے وقت کی دعائیں
۱۵۷	۱۱۱ غصہ کے وقت کی دعا
۱۵۸	۱۱۲ عیادت کے وقت کی دعائیں
۱۵۹	۱۱۳ چھینک آنے کے وقت کی دعائیں
۱۶۰	۱۱۴ بادل گرجنے اور بجلی چمکنے کے وقت کی دعا
۱۶۱	۱۱۵ آندھی اور تیز و تند ہوا کے وقت کی دعائیں
۱۶۲	۱۱۶ بادل اٹھنے اور بارش برسنے کے وقت کی دعائیں
۱۶۳	۱۱۷ بارش کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا
۱۶۳	۱۱۸ مہینے کا نیا چاند دیکھنے کے وقت کی دعائیں
۱۶۴	۱۱۹ لیلۃ القدر کی دعا

- ۱۲۰ حج میں عرفات کی خاص الخاص دعا
- ۱۶۵ جامع اور ہمہ گیر دعائیں
- ۱۶۷ اس عنوان کے تحت قریباً ۲۵ صفحات میں آنحضرت کی ۴۰ جامع دعائیں درج کی گئی ہیں جن میں سے
- ۱۶۷ ہر دعا دنیا کیلئے ایک عرفانی معجزہ اور امت کیلئے بیش بہا تحفہ ہے، ہر دعا کیف و سوز سے بھری ہوئی ہے
- ۱۸۷ استعاذہ کی دعائیں
- ۱۲۲ دنیا اور آخرت کا کوئی شر، کوئی فساد، کوئی فتنہ اور کوئی بلا اور آفت ایسی نہیں ہے جس سے رسول اللہ ﷺ
- ۱۲۳ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور امت کو اس کی تلقین نہ فرمائی ہو، اس سلسلہ کی ۱۵ حدیثیں
- ۱۸۷ ”عذاب قبر“ اور ”فتنہ قبر“، ”عذاب نار“ اور ”فتنہ نار“ کا فرق
- ۱۸۹ دولت مندی و خوش حالی اور اسی طرح فقر و تنگدستی نعمت بھی ہے اور فتنہ و آزمائش بھی
- ۱۸۹ غیر طبعی اور ناگہانی موت کی جن صورتوں کو ”شہادت“ بتایا گیا ہے ان سے پناہ مانگنے کی وجہ
- ۱۹۳ بیماری اور بُرے اثرات سے تحفظ کے لئے استعاذہ کی دعائیں
- ۱۹۴ استغفار و توبہ
- ۱۲۸ توبہ و استغفار کی حقیقت اور ان کا باہمی تلازم
- ۱۹۷ توبہ و استغفار بلند ترین مقام
- ۱۹۸ توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ
- ۱۹۹ گناہوں کی سیاہی اور توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ اور کامل صفائی
- ۲۰۰ غفارت کے ظہور کے لئے گناہوں کی ضرورت
- ۲۰۲ بار بار گناہ اور استغفار کرنے والے
- ۲۰۳ کس وقت تک کی توبہ قابل قبول ہے
- ۲۰۴ مرنے والوں کیلئے سب سے بہتر تحفہ استغفار
- ۲۰۵ زندوں کی دعاؤں سے مُردوں کے درجات میں ترقی
- ۲۰۵ عام مؤمنین کیلئے استغفار
- ۲۰۶ عام مؤمنین کیلئے استغفار کی غیر معمولی برکت و مقبولیت
- ۲۰۷ توبہ و انابت سے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی
- ۲۰۸ ”سو آدمیوں کا قاتل سچی توبہ سے بخش دیا گیا“ اس حدیث کے بارے میں ایک اصولی اشکال اور اس کا جواب
- ۲۰۸ توبہ کرنے والے کافروں اور مشرکوں کے لئے بھی منشور رحمت
- ۲۱۰ توبہ و استغفار کے خاص کلمات
- ۲۱۱ سید الاستغفار
- ۲۱۲ حضرت خضر کا استغفار
- ۲۱۵ استغفار کی برکات
- ۲۱۶ استغفار پوری امت کیلئے ایک امان
- ۲۱۷

- ۱۴۸ توبہ واستغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے
- ۲۱۸ ۱۴۹ رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی ایک مسافر بدو کی عجیب و غریب مثال
- ۲۱۸ ۱۵۰ توبہ کرنے والے گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کے موضوع پر شیخ ابن القیم کا رُوح پرور عارفانہ کلام
- ۲۲۰ ۱۵۱
- ۲۲۳ **صلوٰۃ و سلام**
- ۲۲۳ ۱۵۲ قرآن مجید میں غیر معمولی انداز میں صلوٰۃ و سلام کا حکم
- ۲۲۳ ۱۵۳ صلوٰۃ علی النبی ﷺ کا مطلب اور ایک اشکال کا حل
- ۲۲۴ ۱۵۴ صلوٰۃ سلام کی عظمت و اہمیت
- ۲۲۵ ۱۵۵ صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک
- ۲۲۵ ۱۵۶ درود و سلام کا مقصد
- ۲۲۶ ۱۵۷ درود و سلام کی خاص حکمت
- ۲۲۶ ۱۵۸ حدیثوں میں درود و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات
- ۲۳۰ ۱۵۹ آپ کے ذکر کے وقت درود سے غفلت کرنے والوں کی محرومی و ہلاکت
- ۲۳۲ ۱۶۰ مسلمانوں کی کوئی نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے خالی نہ ہونی چاہئے
- ۲۳۳ ۱۶۱ درود شریف کی کثرت قیامت میں حضور ﷺ کے خصوصی قرب کا وسیلہ
- ۱۶۲ اگر کوئی بندہ اپنے مقاصد کیلئے دعاؤں کی جگہ بھی درود ہی پڑھے تو اس کے سارے مسائل غیب سے حل ہوں گے
- ۲۳۴ ۱۶۳ درود شریف دعا کی قبولیت کا وسیلہ
- ۲۳۶ ۱۶۴ دنیا میں کہیں بھی درود بھیجا جائے رسول اللہ ﷺ کو پہنچتا ہے
- ۲۳۶ ۱۶۵ قبر مبارک پر جو درود و سلام عرض کیا جائے اس کو آپ خود سنتے ہیں اور دُور والوں کو پہنچایا جاتا ہے
- ۲۳۷ ۱۶۶ **درود شریف کے خاص کلمات**
- ۲۴۰ ۱۶۷ ایک عظیم تحفہ، درود ابراہیمی بروایت کعب بن عُجرہ
- ۲۴۰ ۱۶۸ استدعا صلوٰۃ کے بعد برکت مانگنے کی حکمت
- ۲۴۱ ۱۶۹ لفظ ”آل“ کی تحقیق
- ۲۴۲ ۱۷۰ درود شریف میں تشبیہ کی حقیقت اور نوعیت
- ۲۴۳ ۱۷۱ درود شریف کا اول و آخر ”اللہم“ ”اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ“
- ۲۴۴ ۱۷۲ اس درود کے الفاظ کی روانی حیثیت
- ۲۴۵ ۱۷۳ شیخ ابن القیم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ایک سبب اور درود شریف کی بنیاد وحی پر ہے
- ۲۴۵ ۱۷۴ ”النبی الامی“ کے لقب کی خاص اہمیت اور محبوبیت
- ۲۴۹ ۱۷۵ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا پسندیدہ اور تعلیم فرمودہ ایک بابرکت درود
- ۲۵۳ ۱۷۶ حضرت علی مرتضیٰ کا تعلیم فرمودہ ایک خاص درود جو رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ میں آپ پر پڑھا گیا
- ۲۵۴

فہرست مضامین حصہ ششم

۲۶۱	۱۷۷ دیباچہ (از مولف)
۲۶۵	۱۷۸ کتاب المعاشرت والمعاملات
۲۶۷	۱۷۹ معاشرت و معاملات کی خصوصی اہمیت
۲۶۷	۱۸۰ معاشرت سے متعلق احکام و ہدایات
۲۶۸	۱۸۱ ماں باپ کی ابتدائی ذمہ داریاں
۲۶۸	۱۸۲ نو مولود بچہ کے کان میں اذان
۲۶۸	۱۸۳ تحنیک اور دعائے برکت
۲۶۹	۱۸۴ عقیقہ
۲۷۳	۱۸۵ تنمیه (نام رکھنا)
۲۷۴	۱۸۶ حسن ادب اور دینی تربیت
۲۷۶	۱۸۷ خاص کر لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت
۲۷۸	۱۸۸ داد و دہش میں مساوات و برابری بھی اولاد کا حق ہے
۲۸۰	۱۸۹ نکاح اور شادی کی ذمہ داری
۲۸۱	۱۹۰ ماں باپ کے حقوق اولاد پر
۲۸۱	۱۹۱ ماں باپ اولاد کی جنت اور دوزخ ہیں
۲۸۲	۱۹۲ اللہ کی رضا والدین کی رضا مندی سے وابستہ ہے
۲۸۲	۱۹۳ ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ
۲۸۳	۱۹۴ بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنے والے بد بخت اور محروم
۲۸۴	۱۹۵ ماں باپ کی خدمت بعض حالات میں ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم
۲۸۵	۱۹۶ جنت ماں کے قدموں میں ہے
۲۸۵	۱۹۷ ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ
۲۸۶	۱۹۸ خدمت اور حسن سلوک کافر اور مشرک ماں کا بھی حق ہے
۲۸۷	۱۹۹ ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے خاص حقوق
۲۸۹	۲۰۰ ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی دنیوی برکات
۲۸۹	۲۰۱ والدین کی نافرمانی اور ایذا رسانی عظیم ترین گناہ
۲۹۰	۲۰۲ دوسرے اہل قرابت کے حقوق اور صلہ رحمی کی اہمیت
۲۹۲	۲۰۳ صلہ رحمی کے بعض دنیوی برکات
۲۹۳	۲۰۴ قطع رحمی جنت کے راستے میں رکاوٹ
۲۹۳	۲۰۵ قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی
۲۹۳	۲۰۶ میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں

- ۲۰۷ بیوی پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے
- ۲۰۸ اگر غیر اللہ کیلئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کے لئے سجدے کا حکم ہوتا
- ۲۰۹ ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ کے لئے
- ۲۱۰ شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری
- ۲۱۱ بیویوں کے حقوق اور ان کی رعایت و مدارات کی تاکید
- ۲۱۲ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت
- ۲۱۳ بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط
- ۲۱۴ بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معیاری اور مثالی برتاؤ
- ۲۱۵ حضرت عائشہ کی گڑیاں اور قصور کا مسئلہ
- ۲۱۶ حضور ﷺ کا حضرت عائشہ سے ڈوڑ میں مقابلہ
- ۲۱۷ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کو خود کھیل دکھایا
- ۲۱۸ عید میں لبو و لعب کی بھی گنجائش
- ۲۱۹ یہ ایک بامقصد اور تربیتی کھیل تھا اس لئے حضور ﷺ نے اس میں دلچسپی لی
- ۲۲۰ پردہ کا سوال
- ہمسائیوں کے حقوق**
- ۲۲۱
- ۲۲۲ پڑوسی کے بارے میں حضرت جبریل کی مسلسل وصیت
- ۲۲۳ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ اللہ و رسول اللہ ﷺ کی محبت کی شرط اور اس کا معیار
- ۲۲۴ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ لازمہ ایمان
- ۲۲۵ وہ آدمی مؤمن اور جنتی نہیں جس کے پڑوسی اس سے مامون اور بے خوف نہ ہوں
- ۲۲۶ وہ شخص مؤمن نہیں جو پیٹ بھر کے سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو
- ۲۲۷ ہمسائیگی کے بعض متعین حقوق
- ۲۲۸ پڑوسی کی تین قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے
- ۲۲۹ تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے
- کمزور اور حاجت مند طبقوں کے حقوق**
- ۲۳۰
- ۲۳۱ مسکینوں، یتیموں اور یتیموں کی کفالت و سرپرستی
- ۲۳۲ محتاجوں، بیمار یوں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت
- غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں ہدایات**
- ۲۳۳
- ۲۳۴ غلاموں کے بنیادی حقوق
- ۲۳۵ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں ان سے برادرانہ سلوک کیا جائے
- ۲۳۶ غلام یا نوکر جو کھانا بنائے اس میں سے اس کو کھلایا جائے
- ۲۳۷ غلاموں کی غلطیوں اور قصوروں کو معاف کیا جائے

- ۳۲۱ غلام پر ظلم کرنے والے سے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا
- ۳۲۲ غلام پر ظلم کا کفارہ
- ۳۲۲ غلاموں کے بارے میں حضور ﷺ کی آخری وصیت
- ۳۲۳ آقاؤں کی خیر خواہی اور وفاداری کے بارے میں غلاموں کو ہدایت
- ۳۲۴ بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی برتاؤ کے بارے میں ہدایات
- ۳۲۵ **اسلامی برادری کے باہمی تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات**
- ۳۲۴ اسلامی رشتہ کے چند خاص حقوق
- ۳۲۹ مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت و حمایت
- ۳۳۱ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہے
- ۳۳۲ عام انسانوں اور مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات
- ۳۳۴ عام مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات
- ۳۳۴ جانوروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت
- ۳۳۷ آداب ملاقات اور آداب مجلس
- ۳۳۷ تحیۃ اسلام، سلام
- ۳۳۸ سلام کی فضیلت و اہمیت
- ۳۴۰ سلام کا اجر و ثواب
- ۳۴۱ عند الملاقات، سلام
- ۳۴۲ اپنے گھریا کسی مجلس میں آویجاؤ تو سلام کرو
- ۳۴۳ سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے
- ۳۴۳ بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے
- ۳۴۴ **مصافحہ**
- ۳۴۴ مصافحہ کا اجر و ثواب اور اس کی برکتیں
- ۳۴۵ معانقہ و تقبیل اور قیام
- ۳۴۷ ملاقات یا گھریا مجلس میں آنے کے لئے اجازت کی ضرورت
- ۳۵۱ ملاقات کو آنے والے کا حق ہے کہ اس کو پاس بٹھایا جائے
- ۳۵۱ مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے
- ۳۵۲ مجلس میں دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھنا چاہئے
- ۳۵۲ اپنی تعظیم کے لئے بندگان خدا کا کھڑا ہونا جسے اچھا لگے وہ جہنمی ہے
- ۳۵۳ رسول اللہ ﷺ اپنے لئے تعظیمی قیام کو ناپسند فرماتے تھے
- ۳۵۳ صاحب مجلس کے اٹھنے پر اہل مجلس کا کھڑا ہو جانا درست نہیں
- ۳۵۴ لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضور ﷺ کی ہدایات اور آپ ﷺ کا طریقہ

- ۲۶۹ سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت ۳۵۴
- ۲۷۰ کھڑی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سونے کی ممانعت اور اس کی وجہ ۳۵۴
- ۲۷۱ پیٹ کے بل اوندھے لیٹنے کی ممانعت ۳۵۵
- ۲۷۲ خود آنحضرت ﷺ کس طرح لیٹتے تھے ۳۵۵
- ۲۷۳ سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے پر مسواک کا اہتمام ۳۵۶
- ۲۷۴ حضور ﷺ کس طرح بیٹھتے تھے اور کس طرح بیٹھنے کی ہدایت فرماتے تھے ۳۵۷
- ۲۷۵ مجلس میں آنے والے کو چاہئے کہ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جائے۔ ۳۵۷
- ۲۷۶ حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جانا سخت ممنوع ہے ۳۵۸
- ۲۷۷ متفرق ہو کر بیٹھنے کی ممانعت ۳۵۸
- ۲۷۸ اس طرح نہ بیٹھا جائے کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سائے میں ۳۵۹
- ۲۷۹ مجلس میں گفتگو، ہنسی مزاح، چھینک اور جمائی وغیرہ کے بارے میں ہدایات ۳۵۹
- ۲۸۰ بے ضرورت بات کو لمبا نہ کیا جائے ۳۵۹
- ۲۸۱ منہ سے نکلنے والی کوئی بات وسیلہ فوز و فلاح بھی ہو سکتی ہے اور موجب ہلاکت بھی ۳۶۰
- ۲۸۲ کسی کی تعریف کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا جائے ۳۶۰
- ۲۸۳ شعر و سخن ۳۶۲
- ۲۸۴ ظرافت و مزاح ۳۶۴
- ۲۸۵ خٹک و تبسم (ہنسنا اور مسکراتا) ۳۶۵
- ۲۸۶ چھینکنے اور جمائی لینے کے بارے میں حضور ﷺ کی ہدایات ۳۶۷
- ۲۸۷ کھانے پینے کے احکام و آداب ۳۷۱
- ۲۸۸ مشروبات کے احکام ۳۸۱
- ۲۸۹ شراب کی حرمت ۳۸۲
- ۲۹۰ شراب کی حرمت اور شرابی کے بارے میں وعیدیں ۳۸۶
- ۲۹۱ نشہ آور شراب کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے ۳۸۸
- ۲۹۲ شراب بطور دوا کے بھی استعمال نہ کیا جائے ۳۸۸
- ۲۹۳ شراب نوشی پر اصرار کرنے والی قوم کے خلاف اعلان جنگ ۳۸۹
- ۲۹۴ شرابیوں کے واسطے سخت ترین وعید ۳۸۹
- ۲۹۵ ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۳۹۱
- ۲۹۶ اُمت کی شراب نوشی کے بارے میں ایک پیشن گوئی ۳۹۱
- ۲۹۷ شراب کے سلسلے میں کچھ سخت ہنگامی احکام ۳۹۲
- ۲۹۸ نبیذ حلال طیب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے ۳۹۴
- ۲۹۹ حضور ﷺ کو ٹھنڈا میٹھا مرغوب تھا ۳۹۴

- ۳۰۰ حضور ﷺ کے لئے میٹھے پانی کا اہتمام
- ۳۰۱ کھانے پینے کے آداب
- ۳۰۲ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا
- ۳۰۳ کھانے کے بعد صرف ہاتھ پونچھ لینا
- ۳۰۴ کھانے سے پہلے اللہ کو یاد کیا جائے اور اس کا نام لیا جائے
- ۳۰۵ کھانا دہنے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھایا جائے
- ۳۰۶ جو تاؤ تار کے کھانے میں زیادہ راحت ہے
- ۳۰۷ کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے
- ۳۰۸ ساتھ کھانے میں برکت ہے
- ۳۰۹ کھانا برتن کے اطراف اور کناروں سے کھایا جائے بیچ میں ہاتھ نہ ڈالا جائے
- ۳۱۰ جو کھانا انگلیوں میں لگا رہ جائے تو اس کی بھی قدر کی جائے
- ۳۱۱ گرا ہوا لقمہ بھی اٹھا کر کھالیا جائے
- ۳۱۲ کھانے میں شیطانی تصرفات، یہ حقیقت ہے یا مجاز؟
- ۳۱۳ اگر کھانے میں مکھی گر جائے
- ۳۱۴ کھانے کے معاملہ میں حضور ﷺ کی شانِ بندگی
- ۳۱۵ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت
- ۳۱۶ آنحضرت ﷺ کسی کھانے کو برا نہیں بتاتے تھے
- ۳۱۷ آپ ﷺ کو کھانے میں کیا چیزیں مرغوب تھیں
- ۳۱۸ کھانے کے بعد اللہ کی حمد اور اس کا شکر
- ۳۱۹ پینے کے آداب
- ۳۲۰ ایک سانس میں نہ پیاجائے
- ۳۲۱ پینے کے برتن میں نہ سانس لیا جائے نہ پھونکا جائے
- ۳۲۲ کھڑے کھڑے پینے کی ممانعت
- ۳۲۳ لباس کے احکام و آداب
- ۳۲۴ اس باب کی تعلیمات کی اساس و بنیاد
- ۳۲۵ لباسِ نعمت خداوندی اور اس کا مقصد
- ۳۲۶ بے پردہ اور بے ڈھنگے لباس کی ممانعت
- ۳۲۷ عورتوں کے لئے زیادہ باریک لباس کی ممانعت
- ۳۲۸ عورتوں کے لئے باریک کپڑا بھی جائز ہے بشرطیکہ
- ۳۲۹ لباس میں تفاخر اور نمائش کی ممانعت
- ۳۳۰ متکبرانہ لباس کی ممانعت اور سخت وعید

- ۳۳۱ مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی ممانعت اور عورتوں کو اجازت
- ۳۳۲ مردوں کیلئے شوخ سرخ رنگ کی ممانعت
- ۳۳۳ مردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس و ہیت کی ممانعت
- ۳۳۴ مردوں کے لئے سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسندیدہ
- ۳۳۵ اللہ نصیب فرمائے تو پچھٹے حال رہنا ٹھیک نہیں
- ۳۳۶ خوب کھاؤ اور پہنو بشرطیکہ استکبار اور اسراف نہ ہو
- ۳۳۷ اول جلول پر آگندہ حال اور میلے کپیلے رہنے کی ممانعت
- ۳۳۸ داڑھی اور سر کے بالوں کی خبر گیری اور درستی کی ہدایت
- ۳۳۹ سادگی اور خستہ حالی بھی ایک ایمانی رنگ ہے
- ۳۴۰ لباس میں خاکساری اور تواضع پر انعام و اکرام
- ۳۴۱ ایک اشکال اور اس کا جواب
- ۳۴۲ رسول اللہ ﷺ کا لباس
- ۳۴۳ لباس میں داہنی طرف سے ابتداء حضور ﷺ کا معمول تھا
- ۳۴۴ کپڑا پہننے کے وقت کی حضور ﷺ کی دعا
- ۳۴۵ جو تاپہنے کے بارے میں ہدایات
- ۳۴۶ انگشتی اور مہر کے بارے میں حضور ﷺ کا طرز عمل اور ہدایات
- ۳۴۷ داڑھی، مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیت سے متعلق ہدایات
- ۳۴۸ عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم
- ۳۴۹ ستر اور پردہ کے بارے میں ہدایات
- ۳۵۰ ضروری ستر
- ۳۵۱ تنہائی میں بھی ستر کا چھپانا ضروری
- ۳۵۲ عورتوں کو پردہ ضروری باہر نکلنا موجب فتنہ
- ۳۵۳ نظر بازی موجب لعنت
- ۳۵۴ کسی اجنبی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے کا حکم
- ۳۵۵ غیر عورت پر نظر پڑ جانے سے دل میں گناہ کا جذبہ پیدا ہو تو
- ۳۵۶ نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت
- ۳۵۷ فہرست مضامین حصہ ہفتم
- ۳۵۷ پیش لفظ
- ۳۵۸ نکاح و ازواج اور اس کے تعلقات
- ۳۵۹ نکاح اور شادی کا طریقہ
- ۳۶۰ مرد و عورت کے جوڑ و میلاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے بارے میں زمانہ جاہلیت کے

- ۴۴۸ طریقے اور ضابطے
- ۴۵۰ ۳۶۲ جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو اس کو ایک نظر دیکھ لینا گناہ نہیں
- ۴۵۱ ۳۶۳ نکاح شادی کے پیام پر دوسرا پیام نہ دیا جائے
- ۴۵۱ ۳۶۴ نکاح کے معاملہ میں عورت کی مرضی اور ولی کا مقام
- ۴۵۲ ۳۶۵ ضروری ہے کہ نکاح پوری چھپے نہ ہو، اعلانیہ ہو
- ۴۵۳ ۳۶۶ نکاح کے لئے گواہ شاہد ضروری
- ۴۵۳ ۳۶۷ خطبہ نکاح
- ۴۵۷ ۳۶۸ مہر کی اہمیت اور اس کا لزوم
- ۴۵۹ ۳۶۹ نکاح کے بعد مبارک باد اور دعا
- ۴۶۰ ۳۷۰ شادی جتنی ہلکی پھلکی اور آسان ہو اتنی ہی بابرکت
- ۴۶۰ ۳۷۱ فاطمی جہیز
- ۴۶۱ ۳۷۲ شادی کے بعد ولیمہ
- ۴۶۲ ۳۷۳ ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہئے
- ۴۶۳ ۳۷۴ کیسے لوگوں کا کھانا نہ کھایا جائے
- ۴۶۳ ۳۷۵ **مباشرت سے متعلق ہدایات و احکام**
- ۴۶۳ ۳۷۶ مباشرت کے وقت کی دہا
- ۴۶۴ ۳۷۷ مباشرت ایک راز ہے اس کا افشاء بدترین گناہ
- ۴۶۴ ۳۷۸ خلاف وضع فطری عمل پر خدا کی لعنت
- ۴۶۵ ۳۷۹ عزل
- ۴۶۶ ۳۸۰ چار بیویوں تک کی اجازت
- ۴۶۷ ۳۸۱ بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں عدل و مساوات
- ۴۶۸ ۳۸۲ طلاق اور عدت
- ۴۶۹ ۳۸۳ طلاق سخت ناپسندیدہ فعل
- ۴۷۰ ۳۸۴ طلاق کا وقت اور طریقہ
- ۴۷۱ ۳۸۵ بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ
- ۴۷۲ ۳۸۶ تین طلاقیں دینے کا نتیجہ اور شرعی حکم
- ۴۷۳ ۳۸۷ ہنسی مذاق کی طلاق بھی طلاق ہے
- ۴۷۳ ۳۸۸ مغلوب العقل کی طلاق
- ۴۷۴ ۳۸۹ زبردستی کی طلاق
- ۴۷۵ ۳۹۰ طلاق کی عدت
- ۴۷۶ ۳۹۱ وفات کی عدت اور سوگ

کتاب المعاملات

- ۳۹۲ معاشرتی معاملات انسانوں کی فطری ضرورت اس باب میں خداوندی ہدایت و بنیادی اصول
- ۳۸۱ حلال روزی حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرائض میں سے ہے
- ۳۸۲ بعض حالات میں روپے پیسے کی اہمیت و ضرورت
- ۳۸۳ سچائی اور دیانت داری کے ساتھ کاروبار کرنے والے انبیاء و صدیقین و شہداء کیساتھ
- ۳۸۳ دست کاری، صنعت و حرفت اور محنت و مزدوری کی فضیلت
- ۳۸۴ زراعت و باغبانی کا عظیم اجر و ثواب
- ۳۸۵ جائز مال و دولت بندہ مؤمن کے لئے اللہ کی نعمت ہے
- ۳۸۵ مالی معاملات کی نزاکت و اہمیت
- ۳۸۶ حرام مال کی نحوست و بد انجامی
- ۳۸۷ مقام تقویٰ۔ مشتبہ سے بھی پرہیز ضروری
- ۳۹۰ مالی معاملات میں دوسروں کے ساتھ نرمی اور رعایت
- ۳۹۲ قرض کی فضیلت اور اس سے متعلق ہدایات
- ۳۹۵ قرض کا معاملہ بڑا سنگین اور اس کے بارے میں سخت و عیدیں
- ۳۹۶ قرض ادا کرنے کی نیت ہو تو اللہ تعالیٰ ادا کر اہی دے گا
- ۵۰۰ قرض لینے اور ادا کرنے کے بارے میں حضور ﷺ کا طرز عمل
- ۵۰۱ ربا (سود)
- ۵۰۳ خرید و فروخت کے متعلق بنیادی احکام و ہدایات
- ۵۱۳ بھلوں کی فصل تیاری سے پہلے نہ بیچی، خریدی جائے
- ۵۱۳ چند سالوں کے لئے فصل کا ٹھیکہ نہ دیا جائے
- ۵۱۳ جو چیز فی الحال اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے
- ۵۱۵ اگر غلہ وغیرہ خریداجائے تو اٹھالینے سے پہلے اس کو فروخت نہ کیا جائے
- ۵۱۵ مضطر (سخت ضرورت مند) سے خرید و فروخت کی ممانعت
- ۵۱۶ فروختی چیز کا عیب چھپانے کی سخت ممانعت اور وعید
- ۵۱۷ بیچنے والے یا خریدنے والی کی ناواقفی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ممانعت
- ۵۱۷ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت
- ۵۲۰ زیادہ نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کی ممانعت
- ۵۲۱ تسعیر یعنی قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ
- ۵۲۲ خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کا اختیار
- ۵۲۳ خیار عیب، یعنی عیب کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار
- ۵۲۵ اقالہ یعنی بیع کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد فسخ اور واپسی

- ۵۲۵ ۴۲۳ سوداگروں کو قسمیں کھانے کی ممانعت
- ۵۲۶ ۴۲۴ دکان داری میں قسمیں کھانے کا کفارہ
- ۵۲۶ ۴۲۵ اگر تجارت نیکی، سچائی اور تقوے کے ساتھ نہیں تو حشر بہت خراب
- ۵۲۷ ۴۲۶ مکان اور جائیداد وغیرہ کی فروخت کے بارے میں ایک مشفقانہ ہدایت
- ۵۲۸ ۴۲۷ کاروبار میں شرکت کا جواز اور دیانتداری کی تاکید
- ۵۲۸ ۴۲۸ تجارت اور کاروبار میں کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے
- ۵۲۹ ۴۲۹ اجارہ (یعنی مزدوری اور کرایہ داری)
- ۵۳۰ ۴۳۰ لگان یا بٹائی پر زمین دینا
- ۵۳۱ ۴۳۱ دم کرنے اور جھاڑنے پر معاوضہ لینا
- ۵۳۲ ۴۳۲ عاریت (مٹلنی)
- ۵۳۵ ۴۳۳ غصب (کسی دوسرے کی چیز ناحق لے لینا)
- ۵۳۸ ۴۳۴ ہدیہ تحفہ دینا لینا
- ۵۳۹ ۴۳۵ ہدیہ دلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے
- ۵۳۹ ۴۳۶ ہدیہ کا بدلہ دینے کے بارے میں آپ ﷺ کا معمول اور ہدایت
- ۵۴۱ ۴۳۷ محسنوں کا شکریہ اور ان کے لئے دعائے خیر
- ۵۴۲ ۴۳۸ وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہئے
- ۵۴۳ ۴۳۹ ہدیہ دے کر واپس لینا بڑی مکروہ بات
- ۵۴۳ ۴۴۰ کن لوگوں کے لئے ہدیہ لینا منع ہے
- ۵۴۴ ۴۴۱ وقف فی سبیل اللہ
- ۵۴۸ ۴۴۲ وصیت
- ۵۵۳ ۴۴۳ نظام عدالت
- ۵۵۴ ۴۴۴ عادل اور غیر عادل حاکم و قاضی
- ۵۵۶ ۴۴۵ قاضی اور حاکم سے اگر اجتہادی غلطی ہو جائے
- ۵۵۶ ۴۴۶ جنتی اور دوزخی قاضی و حاکم
- ۵۵۷ ۴۴۷ رشوت لینے اور دینے والے مستحق لعنت
- ۵۵۷ ۴۴۸ حاکم اور قاضی بننا بڑی آزمائش
- ۵۵۹ ۴۴۹ حکومت کے طالب اللہ کی مدد و رہنمائی سے محروم
- ۵۵۹ ۴۵۰ قاضیوں کے لئے رہنما اصول اور ہدایات
- ۵۶۲ ۴۵۱ دعوے کے لئے دلیل اور ثبوت ضروری
- ۵۶۵ ۴۵۲ جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسم والوں کا ٹھکانہ جہنم
- ۵۶۶ ۴۵۳ خود حضور ﷺ کے فیصلہ سے بھی دوسرے کی چیز حلال نہیں ہو سکتی

- ۳۵۴ جھوٹی قسم شدید ترین گناہ کبیرہ
۳۵۵ کن لوگوں کی گواہی معتبر نہیں
۳۵۶ **نظام حکومت۔ خلافت و امارت**
۳۵۷ عوام کو امیر کی اطاعت اور امیر کو تقویٰ اور عدل کی ہدایت
۳۵۸ امیر کو عوام کی خیر خواہی کی سخت تاکید
۳۵۹ اہل حاجت کے لئے امیر کا دروازہ کھلا رہنا چاہئے
۳۶۰ امیر کا حکم اگر خلاف شریعت نہیں ہے تو بہر حال اس کی اطاعت کی جائے لیکن
۳۶۱ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل الجہاد ہے
۳۶۲ عورت کو سربراہ حکومت بنانا صحیح نہیں
۳۶۳ خلیفہ اپنا جانشین نامزد بھی کر سکتا ہے اور اہل حل و عقد کے انتخاب پر بھی چھوڑ سکتا ہے
۳۶۴ خلافت علی منہاج النبوة صرف ۳۰ سال
۳۶۵ بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کا صحیح طریقہ
۳۶۶ حکمرانوں کا ظلم و تشدد ہماری بد اعمالیوں کا نتیجہ اور خدا کا عذاب ہوتا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرضِ ناشر

حدیث رسول ﷺ اور اس کے علوم کے ساتھ اشتغال اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر نعمت ہے۔ یہ مشغولیت حق تعالیٰ محض اپنے ان مقبول بندوں کو عطا فرماتے ہیں جن پر اس کی خاص رحمت اور خاص نظر کرم ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند بالعموم اور محدث جلیل حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے تلامذہ بالخصوص قابلِ صد ستائش ہیں کہ انہوں نے حدیث اور علوم حدیث کی اشاعت کا جو ولولہ اپنے شیخ کے فیضانِ صحبت سے اپنے قلوب میں پیدا کیا تھا۔ اسے نہ صرف یہ کہ ختم نہ ہونے دیا بلکہ اسے روز افزوں ترقی دے کر حدیث کی وہ عظیم خدمات انجام دی ہیں کہ رہتی دنیا تک طالبانِ علوم حدیث خواہ ان کا تعلق علماء سے ہو یا طلباء سے یکساں طور پر مستفید ہوتے رہیں گے۔

ہمارے اکابر نے حدیث کی جو اصل خدمت عربی زبان میں کر چھوڑی ہے۔ اسے عرب و عجم میں بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ بذلِ المجہود، فیض الباری، شرح بخاری، الکوکب الدری، لامع الدراری، اوجز المسالك، فتح الملہم، معارف السنن، التعلیق الصبیح اور المانی الاحبار وغیرہ اشروح حدیث کے وہ اتھاہ سمندر ہیں جن کے غواص اور اپنی بساط و استعداد کے مطابق جو اہر گرانمایہ حاصل کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کتب کو وہ قبولِ عام عطا فرمایا ہے کہ ہر طبقہ مسلک کے علماء انہیں حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ مگر یہ ذخائر علماء و فضلاء ہی کے لئے کار آمد تھے، عوام الناس، اردو پڑھے لکھے لوگ اور علومِ جدیدہ کے حامل، علوم حدیث کی تشنگی کس طرح دور کرتے؟

ہمارے بزرگوں نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور علوم حدیث کو نہایت وسیع پیمانہ پر اردو میں منتقل کرنے کی طرح ڈالی۔

چنانچہ ترجمان السنہ کی ہر چہار جلد از حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کا سلسلہ فضائل اور معارف الحدیث کی پانچ جلدیں حدیثی تشریحات کا وہ عظیم سرمایہ ہیں جس نے اردو خواں اور جدید تعلیم یافتہ حضرات پر حجت تام کر دی۔

ترجمان السنہ اور معارف الحدیث آج تک انڈیا میں طبع ہوتی رہیں۔ پاکستانی صارفین مختلف حیلوں سے بصدِ مشکل وہاں سے مہیا کرتے رہے تا آنکہ نوبت یہاں تک آپہنچی کہ اب ان کتب کا انڈیا سے درآمد کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال بن گیا ہے۔ اس لئے بنام خدا اب پاکستان میں اس کی عکسی اشاعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں خلوص کے ساتھ اس خدمت کی توفیق رفیق کریں اور ہماری سعی کو

مشکور فرمائیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ نستعین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مقدمہ

از مولانا سید ابوالحسن ندوی

خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے اعجاز اور کارنامے کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-
۱..... عبد و معبود کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم۔

۲..... عبد و معبود کے رشتہ کا استحکام و دوام۔

عبد و معبود کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اور خدا و خالق اور مخلوق اور عبد و معبود کا رشتہ غلط ہو چکا تھا، مسخ و تحریف، جہالت و نادانی، جاہلیت اور وثنیت، اوہام و خرافات اور دجل و تلبیس کا شکار تھا، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے مکمل ناواقفیت اور بے خبری کا دور دورہ تھا یا نہایت ناقص معرفت کا بعض اقوام و ملل میں وجود۔ خدا کی صفات میں اس کی مخلوقات کو شریک بنایا گیا تھا۔ ایک طرف مخلوقات کی بہت سی خصوصیات اور نقائص کے ساتھ اس کو متصف کیا گیا تھا، دوسری طرف اس کی بہت سی صفات خاصہ اور کمالات الوہیت کو مخلوقات کو عطا کر دیا گیا تھا۔ جاہلیت کی بیشتر گمراہیوں، بیماریوں، محرومیوں اور خدا شناسیوں کا سرچشمہ یہی کمزوری تھی اور اسی کا نتیجہ کھلی بت پرستی، شرک جلی کی صورت میں برآمد ہوا۔ پھر جہاں نبوت کی بچی کھچی تعلیمات کے فیض سے اور اس ٹٹماتی ہوئی روشنی کے طفیل کسی درجہ میں معرفت صحیحہ اور توحید کا نور پایا جاتا تھا اور عبد و معبود کے درمیان تعلق کی بنیاد موجود تھی، وہاں اس تعلق کی صحیح تشکیل اور اس کے نظم و انضباط کا کوئی سامان نہ تھا، نبوت محمدی کا پہلا اعجاز و کارنامہ یہ ہے کہ اس نے معرفت صحیحہ اور عقیدہ توحید کے ذریعہ اس تعلق کو صحیح کیا، اس کو تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کیا، اس پر تو بر تو جو حجابات اور پردے پڑ گئے تھے ان کو چاک کیا، جاہلیت کے مشرکانہ خیالات و توہمات کا استیصال۔ تنزیہ و تقدیس کو اس طرح پیش کیا کہ اس کے بعد اس کا کوئی درجہ نہیں۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقیدہ توحید ایسا نکھر کر سامنے آیا اور ”**اللّٰہ الدّین الخالص**“ کے آوازہ سے دست و جبل ایسے گونجے کہ شقاوت ابدی اور انکار و استکبار کے سوا کسی غلط فہمی و غلط روی کا امکان باقی نہ رہا۔ ”**لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَیْنَةِ وَ یُحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیْنَةِ**“ (تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل و برہان اور تمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو جیئے وہ دلیل کی روشنی میں جیئے) یہ تھی عبد و معبود کے اس رستہ کی تصحیح۔ پھر ایمان، مفصل، عقائد، عبادات، فرائض، اوامر و نواہی اور اخلاق و معاملات کے ذریعہ جن کے مجموعہ کا نام ”**شریعت**“ ہے۔ اس رشتہ کو منظم و منضبط کیا۔ یہ تھی عبد و معبود کی اس رشتہ کی تنظیم۔

نبوت محمدی کے دوسرے شعبہ یعنی عبد و معبود کے رشتہ کے استحکام و دوام کی حقیقت یہ ہے کہ یہ رشتہ

نہایت کمزور، بے روح، افسردہ، پژمردہ بلکہ بے جان و مردہ اور ایک سایہ سا بن کر رہ گیا تھا جس میں نہ یقین کی طاقت تھی نہ محبت کی حرارت نہ عبد و معبود کا راز و نیاز تھا نہ سازِ دل کا سوز و ساز نہ اپنے فقر و احتیاج، عجز و درماندی، بے چارگی و بے بسی، بے مائیگی و بے بضاعتی کا احساس تھا نہ خدا کی صفتِ جود، قدرتِ کاملہ اور خزانہ غیب کی وسعت کا علم، پوری پوری ملتوں اور وسیع وسیع رقبوں میں خدا کو خاص تہواروں اور تقریبوں، سخت مصیبتوں و پریشانیوں میں یاد کرنے اور اس سے دعا و سوال کرنے کا رواج رہ گیا تھا۔ مذاہب سے نسبت رکھنے والی قوموں میں بھی وہ افراد گئے چنے رہ گئے تھے جو ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہوں، اس کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوں اور اس سے ان کا تعلق ایک ایسا زندہ، محسوس اور جذباتی ہو کہ وہ اس کو اپنا حقیقی کارساز اور مشکل کشا، سنگسار اور فریاد رس سمجھتے ہوں اور ان کو اس کی قدرتِ کاملہ پر ایسا بھروسہ اور اس کی محبت و شفقت پر ایسا ناز ہو جیسا کم از کم ایک بچہ کو اپنی چاہنے والی ماں یا کسی غلام کو اپنے آقا اور طاقتور بادشاہ پر ہوتا ہے۔ نبوتِ محمدی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس تعلق کے خیال کو واقعہ اور سایہ کو اصل، رسم کو حقیقت، زندگی میں دو چار مرتبہ یا برسوں میں کبھی کبھی ہونے والے عمل کو صبح و شام کا مشغلہ اور روزِ مردہ کا معمول بنادیا بلکہ اس کو ایک مؤمن کے لئے ہوا اور پانی کی طرح ضروری کر دیا، جس کے بغیر زندگی محال ہے اور جن کی شان یہ تھی کہ **”وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا“** (وہ اللہ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں) ان کی شان یہ ہو گئی کہ **”الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ“** (کہ وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں) اور جو صرف سخت مصیبت اور جان کے خطرہ ہی کے مواقع پر خدا کو یاد کرنے سے آشنا تھے **”وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَاجٌ كَالظُّلَلِ دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“** (اور جب دریا کی طوفانی لہریں سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں تو وہ عبادت اور بندگی کے پورے اخلاص کے ساتھ صرف اس کو پکارتے ہیں) ان کی شان ہو گئی۔ **”تَسْجَا فِي جُنُوبِهِمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا“** (رات کے اوقات میں بھی ان کی کروٹیں خوابگا ہوں سے الگ رہتی ہیں اور وہ امید و بیم کے ساتھ اپنے خدا سے دُعائیں کرتے ہیں) جن کے لئے خدا کا یاد کرنا ایک مجاہدہ اور خلافِ طبیعت عمل تھا اور اس وقت ان کی کیفیت وہ ہوتی تھی جس کو قرآن مجید **”كَانُوا يَصْغَدُونَ فِي السَّمَاءِ“** (گویا کہ وہ آسمان میں چڑھ رہے ہیں) کے بلیغ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے لئے خدا کو بھلانا، اس کی یاد سے غافل رہنا شدید ترین مجاہدہ اور نہایت تکلیف دہ سزا بن گئی، جو ذکر و عبادت کی فضا میں اس طرح بے چین رہتے تھے جیسے پرندہ قفس میں، ان کو اگر ذکر و دعا سے باز رکھا جائے اور اس پر پابندی عائد کی جائے تو ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں۔

عبد و معبود کے رشتہ کے اس استحکام و دوام کے لئے نبوتِ محمدی ﷺ نے جو ذرائع اختیار کئے ان کے دو عنوان ہیں۔ ایک ذکر، دوسرے دعا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کی جو تاکید فرمائی، اس کے جو فضائل و منافع بیان فرمائے، اس کے جن اسرار و حکم کی نقاب کشائی فرمائی^۱، اس کے بعد ذکر محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں رہ جاتا بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت، فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ، روح کی غذا اور

دل کی دوا بن جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے الہام خداوندی سے جو اوقات و مواقع، جو اسباب و محرکات تجویز فرمائے اور ان کے لئے جو صیغے اور الفاظ تعلیم فرمائے وہ توحید کی تکمیل کرنے والے عبدیت کے قالب میں روح ڈالنے والے قلب کو نور سے، زندگی کو سکینت و سرور سے اور فضا کو برکت و نورانیت سے بھر پور کرنے والے ہیں^① پھر وہ اس قدر عمومی، پوری زندگی کی وسعت و تنوعات اور شب و روز کے اوقات پر محیط ہیں کہ اگر ان کا ذرا بھی اہتمام کیا جائے تو پوری زندگی ایک مسلسل و مکمل ذکر میں تبدیل ہو جاتی ہے اور مشکل سے کوئی وقت، کوئی کام، کوئی نقل و حرکت اور کوئی پیش آنے والی حالت و تبدیلی اس کی رفاقت و شمولیت سے محروم رہتی ہیں^②۔

اس ذکر میں اگرچہ ہر وہ چیز شامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا استحضار اور ہر وہ کام داخل ہے جو غفلت سے آزاد ہو کر کیا جائے اور اس کا سب سے بڑا مظہر اور اعلیٰ نمونہ دُعا ہے، لیکن نبوت محمدی ﷺ نے دُعا کو دین کا ایک مستقل شعبہ بنادیا اور مذاہب و ملل اور نبوت و روحانیت کی وسیع تاریخ کو سامنے رکھ کر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ نبوت محمدی نے دُعا کے شعبہ کی جس طرح احیاء و تجدید اور اس کی ترقی و تکمیل فرمائی اس کو جو زندگی، قوت، وسعت، عمومیت، دل آویزی و دل کشی، تازگی و رعنائی اور توانائی و برنائی عطا فرمائی۔ وہ نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آئی نہ اس کے بعد۔ درحقیقت نبوت محمدی جہاں کئی اور چیزوں کی مکمل اور خاتم ہے وہاں شعبہ دُعا کی بھی اور یہ شعبہ بھی آپ ﷺ کے ختم نبوت کی ایک دلیل اور آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا ایک ثبوت ہے۔

محمد رسول ﷺ (ارواحنا و نفوسنا فداء) نے محروم و محبوب انسانیت کو دوبارہ دُعا کی دولت عطا فرمائی اور بندوں کو خدا سے ہم کلام کر دیا اور دعا کی کیا دولت عطا فرمائی، بندگی کی بلکہ زندگی کی لذت اور عزت عطا فرمائی۔ اس مطرود انسانیت کو پھر اذن باریابی ملا اور آدم کا بھاگا ہوا فرزند پھر اپنے خالق و مالک کے آستانہ کی طرف یہ کہتا ہوا واپس ہوا۔

بندہ آمد بردرت بگریختہ
آبروئے خود به عصیاں ریختہ^③

نبوت محمدی کی تجدید اور اس کا عمل تکمیل اس پر ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے ہمیں دُعا کرنا بھی سکھایا۔ آپ ﷺ نے انسانیت کے خزانہ کو دنیا کے ادب کو دُعاؤں کے ان جواہرات سے مالا مال کیا جن کی نظیر اپنی آب داری و درخشانی میں صحف سماوی کے بعد مل نہیں سکتی۔ آپ ﷺ نے اپنے مالک سے ان الفاظ میں دُعا کی جن سے زیادہ مؤثر و بلیغ الفاظ، جن سے زیادہ موزوں و مناسب الفاظ انسان نہیں لاسکتا۔ یہ دُعائیں مستقل معجزات اور دلائل نبوت کا نور ہے، پیغمبر کا یقین ہے، ”عبد کامل“ کا نیاز ہے، محبوب رب العالمین کا اعتماد و ناز ہے۔ فطرت نبوت کی معصومیت و سادگی ہے، دل درد مند و قلب مضطر کی بے تکلفی و بے ساختگی ہے۔

① ملاحظہ ہو از صفحہ ۶۰ تا ۶۹ ② ملاحظہ ہو کتاب از صفحہ ۶۹ تا ۱۲۲

③ مندرجہ بالا عبارت مقدمہ نگار کے رسالہ ”سیرت محمدی ﷺ دُعاؤں کے آئینہ میں“ ص ۱۲ سے ماخوذ ہے۔

صاحب غرض و حاجت مند کا اصرار و اضطراب بھی ہے اور بارگاہ الوہیت کے ادب شناس کی احتیاط بھی دل کی جراحت اور درد کی کسک بھی ہے اور چارہ ساز کی چارہ سازی اور دل نوازی کا یقین و سرور بھی اور اس حقیقت کا اعلان بھی کہ ع

دردِ ہا وِ داوی وِ درمانے ہنوز

”پھر پیغمبر انسانیت نے دُعا میں انسانوں کی طرف سے انسانی ضروریات کی بھی ایسی مکمل نیابت کی ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہر زمان و مکان میں ان دُعاؤں میں اپنے دل کی ترجمانی اپنے حالات کی نمائندگی اور اپنے اطمینان کا سامان ملے گا اور بہت سی وہ ضرورتیں ملیں گی جن کی طرف آسانی سے ہر انسان کے ذہن کا جانا مشکل ہے۔^①

یہی وہ حقیقتیں ہیں جن کو ”معارف الحدیث“ کی اس جلد پنجم میں جس کے تعارف و تقدیم کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، دلنشین و دل پذیر اور عام فہم و سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ان کی بنیاد حدیث کے صحیح و مستند ذخیرے، حتی الامکان صحاح اور حدیث کی معتبر شروح، علمائے متقدمین کی تحقیقات اور اپنے طویل مطالعہ و تجربے پر رکھی گئی ہے۔ یہ محض احادیث صحیحہ کا ایک انتخاب ضروری ترجمہ اور تشریح کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایسے عالم کے فہم حدیث، فکر و نظر اور ذوق سلیم کا نتیجہ ہے جس نے کامل الفن اساتذہ سے (جن میں سر آمد علماء متاخرین مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سب سے نمایاں ہے) پوری محنت و توجہ کے ساتھ علم حدیث حاصل کیا۔ پھر سالہا سال مدارس میں اس کا درس دیا۔ شرح حدیث کی محنتوں اور تحقیقات سے استفادہ کیا، فراغت کے بعد سے اس وقت تک دعوت و اصلاح اور تحریر و تصنیف کے کام میں مصروف رہا اور اس طرح مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے ذہن و دماغ، فہم و استعداد اور ان کی ضرورتوں اور الجھنوں سے اس کو وسیع اور گہری واقفیت کا موقع ملا اور ”کلموا الناس علی قدر عقولہم“ کی وصیت و ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی۔ پھر ذوقی طور پر اس جلد کے موضوع ذکر و دُعا سے اللہ تعالیٰ نے مصنف محترم کو خاص مناسبت اور اس سے بہرہ وافر عطا فرمایا اور اس طرح یہ موضوع ان کے لئے محض علمی اور ذہانت کا نتیجہ نہیں رہا بلکہ ذوقی و طبعی بن گیا۔ ان تمام وجوہ سے جو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہیں۔ ان کو اس موضوع پر لکھنے کا استحقاق حاصل تھا اور بلا کسی مدح و تملق کے عرض کیا جاتا ہے کہ وہ اس کا حق ادا کرنے میں بہت کامیاب ہوئے اور اس موضوع پر اردو میں ایک ایسی جامع و مفید اور مؤثر و دلپذیر کتاب تیار ہو گئی جس میں سینکڑوں صفحات کا عطر اور ضخیم کتابوں کا خلاصہ آگیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مولانا کو فیصلہ کن اور نیچی تلی بات کرنے کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے، وہ اس میں بخوبی نمایاں ہے۔ اسماء حسنیٰ ان کے اسرار و حکم اور صلوة و سلام پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کتاب کے محاسن میں ہے۔ درود و سلام کی حکمت پر جو کچھ اس کتاب میں آگیا ہے وہ بڑا قیمتی ہے اور بیسیوں صفحات پر بھاری ہے۔^② اس سلسلہ میں آل پر بڑی منصفانہ اور متوازن گفتگو کی گئی ہے۔ اور اس میں نقطہ اعتدال ملحوظ رہا ہے۔^③

① داوین کے درمیان کی مہارتیں مقدمہ نگار کے رسالہ ”سیرت محمدیؐ و دعاؤں کے آئینہ میں“ سے ماخوذ ہے۔ ② ملاحظہ ہو صفحہ ۲۲۳ ③ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۲۲

اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کو قول فیصل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام تجدید و اجتہاد عطا فرمایا تھا۔ حکمت دین اور فہم حدیث کا جو ملکہ راسخہ ان کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا اور ان کی تحقیقات میں اس زمانہ کے ذہنوں کی تشفی کا جو سامان ہے وہ کسی انصاف پسند اور عقل سلیم رکھنے والے سے مخفی نہیں۔ اس بنا پر اس کتاب کی افادیت اور علمی قدر و قیمت اور بڑھ گئی۔ شاہ صاحب کے ماسوا انہوں نے حافظ ابن قیم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اور حافظ ابن حجر بالخصوص ان کی بے نظیر کتاب ”فتح الباری“ سے پورا استفادہ کیا۔ اس طرح سے یہ کتاب ان لوگوں کو جن کا مطالعہ اردو تک محدود ہے۔ ائمہ سلف اور محققین امت کے نتائج تحقیق سے متعارف کراتی ہے اور اس نسل اور علمائے متقدمین کے درمیان علمی رابطہ کا کام دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مسلمانوں کو اس مفید سلسلہ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور بالخصوص اس جلد سے جو خالص عملی اور ذوقی ہے ذکر و دعا کی دولت حاصل کرنے اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی زندہ اور تابندہ اور قائم و دائم تعلق کے پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابوالحسن علی ندوی

۷ / جمادی آخرہ ۱۳۹۱ھ

۳۱ / جولائی ۱۹۷۱ء

پھانک عبداللہ خاں

رائے بریلی

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَمْدًا وَسَلَامًا

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ اور آپ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا ہر باب اور ہر شعبہ اہل نظر کے لئے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے۔ لیکن ایک خاص شعبہ کو اس لحاظ سے امتیاز حاصل ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی محبت و خشیت، انبات و انابت اور اس کی رحمت اور جلال و جبروت کا دائمی استحضار اور ذکر یاد عاکی شکل میں اس کے ساتھ ہمہ وقتی تعلق و وابستگی جس کا اندازہ مختلف احوال و اوقات کی آپ کی دُعاؤں اور اُن اذکار سے ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جاری رہتے تھے اور جن کی آپ ﷺ دوسروں کو تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ اور بعد کے راویان حدیث نے آپ ﷺ کی میراث کے اس عزیز ترین ذخیرے کو لفظ بہ لفظ محفوظ کرنے کا..... قریب قریب قرآن مجید کی طرح..... خصوصی اہتمام کیا تھا۔ اس لئے الحمد للہ وہ پورا سرمایہ محفوظ ہے اور یہ آپ کا وہ زندہ جاوید معجزہ ہے جو آج بھی پوری تابانی کے ساتھ روشن ہے اور جس کو دیکھ کے اور جس میں غور و فکر کر کے ہر معمولی عقل و فہم والا انسان اگر چاہے تو آج بھی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں وہ یقین و اطمینان حاصل کر سکتا ہے جو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو دیکھ کے حاصل کیا جاسکتا تھا۔

راقم سطور کو جب کبھی غیر مسلموں میں سے کسی ایسے شخص سے گفتگو کرنے کا موقع ملا جس کے متعلق اندازہ ہوا کہ اللہ اس کے بندے کی فطرت سلیم ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے آمادہ ہے، تو اس کے سامنے سب سے پہلے آپ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کی تعلیم کا یہی پہلو رکھا..... اولاً اس مسلمہ تاریخی واقعہ کا ذکر کیا کہ اب سے قریب آچودہ سو سال پہلے آپ ایک ایسے علاقہ اور ایسے ماحول میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے جو معرفت الہی اور خدا آشنائی کے نور سے بالکل خالی تھا اور جہاں کفر و شرک اور خدا فراموشی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، پھر آپ نے لکھنا پڑھنا بھی بالکل نہیں سیکھا، بلکہ ”اُمّی“ رہے، یعنی ماں کے پیٹ سے جیسے بے پڑھے لکھے پیدا ہوئے تھے ویسے ہی رہے، اس لئے کسی کتاب اور تحریری سرمایہ سے استفادہ کا بھی آپ کے لئے امکان نہیں تھا۔ ایسی حالت میں انسانی فطرت کے عام تجربہ کے لحاظ سے آپ کا جو حال اور جو رنگ ڈھنگ ہونا چاہیئے تھا اس کا اندازہ کرنا کسی کیلئے بھی مشکل نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے ان کو مختلف احوال و اوقات کی رسول اللہ ﷺ کی کچھ دُعائیں اور اللہ کی حمد و تسبیح،

توکل و تفویض اور استغاثہ و استغفار کے بعض کلمات جو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جاری رہتے تھے اور جن کی آپ ﷺ دوسروں کو تلقین فرماتے تھے ترجمہ کے ساتھ سنائے اور اللہ کی توفیق کے مطابق ان کے مطالب کی کچھ وضاحت کی، اور ان سے کہا کہ اب آپ عقیدت و احترام اور مخالفت و عناد کے تمام جذبات و خیالات سے اپنے دل و دماغ کو خالی کر کے سوچئے اور بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ معرفت اس کے جلال و جبروت اور اس کی رحمت کے دائمی استحضار کی یہ کیفیت اور یہ ہمہ وقتی تعلق و وابستگی جو ذکر و دعا کے ان کلمات میں آپ نے محسوس کی، یہ آپ ﷺ کو کہاں سے حاصل ہو گئی تھی؟ میں نے ان سے کہا کہ جو شخص ہٹ دھرمی سے کام نہ لے وہ یہ کہنے اور ماننے پر مجبور ہو گا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص بخشش و عنایت سے وحی اور الہام کے راستہ سے آپ ﷺ کو حاصل ہوا تھا اس کے سوا اور اس کی کوئی توجیہ نہ کر سکے گا۔

اس عاجز کا سو فیصدی تجربہ ہے کہ جس کے سامنے بھی یہ بات اس طرح رکھنے کا موقع ملا اس نے کم از کم اپنے انتہائی تاثر کا اظہار اور آپ ﷺ کی غیر معمولی روحانی عظمت کا اعتراف ضرور کیا۔ ان میں سے بعض خوش نصیبوں کو ایمان کی بھی توفیق ملی اور انہوں نے آپ ﷺ کو اللہ کا نبی و رسول مان کر آپ ﷺ کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی۔

یہ تجربہ تو غیر مسلموں کے بارے میں ہوا اور بار بار ہوا۔ خود اپنا حال یہ ہے کہ اگر شیطان کبھی کوئی تشکیکی و سوسہ دل میں ڈالتا ہے تو اپنے ایمان و یقین کی تجدید اور ”لِطَمَنٍ قَلْبِي“ والی اطمینانی کیفیت اپنے باطن میں پیدا کرنے کے لئے یہی نسخہ استعمال کرتا ہوں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ اذکار و دعوات میں تفکر کرتا ہوں، الحمد للہ اس سے ہر و سوسہ کافور ہو کر اڑ جاتا ہے اور ذہن و قلب یقین و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں کتاب اللہ اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ امت کو رسول اللہ ﷺ سے دین و شریعت کی جو نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے اس کے تمام شعبوں میں ذکر و دعا کی حیثیت اصل مقصود اور مغز کی ہے۔ حتیٰ کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ عبادات کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے کہ ان کا خاص مقصد اور ان کی روح ذکر و دعا ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ بندہ کا کوئی عمل اور اس کی کوئی قربانی خواہ دنیا میں اس کو کتنا ہی بڑا سمجھا جاتا ہو، اللہ کی نگاہ میں ذکر و دعا کے برابر نہیں۔ بلکہ جس طرح کوئی غذا معدہ کے لئے اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں نمک یا شیرینی یا ترشی کی آمیزش نہ ہو، اسی طرح اللہ کے یہاں کوئی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ذکر و دعا کا عنصر شامل نہ ہو۔^①

پھر یہ بھی معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ ذکر و دعا اللہ تعالیٰ کے قرب خصوصی اور حصول مقام ولایت کا خاص الخاص وسیلہ ہے، اور امت میں جن لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کو یہ دولت نصیب ہوئی، ان کی زندگیوں میں ذکر و دعا کا عنصر غالب اور نمایاں رہا۔

① عنقریب اصل کتاب کے ابتدائی صفحات ہی میں وہ آیات و احادیث ناظرین کے سامنے آجائیں گی جن سے ذکر و دعا کے بارے میں یہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

ذکر و دعا کے شعبہ کی اس خصوصی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے بڑی آرزو تھی۔ کہ ”معارف الحدیث“ کی تالیف کے سلسلہ میں اذکار و دعوات والی احادیث کے ترجمہ و تشریح کی خدمت بھی اللہ تعالیٰ اس بندہ سے لے لے اور میرے اعمال نامہ میں یہ بھی درج ہو جائے۔ الحمد للہ یہ آرزو پوری ہو گئی اور چار سو صفحات کی یہ مستقل جلد ”کتاب الاذکار والدعوات“ تیار ہو گئی۔ میں اپنے اس حال کا اظہار بھی بہتر سمجھتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی اس عنایت و توفیق پر مجھے بے حد خوشی و شادمانی ہے۔ کاش! میں اس عظیم نعمت کا کچھ شکر ادا کر سکتا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ”قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا“ (یونس - ع: ۶) ^۱

مجھ گناہگار کو اپنے رب کریم کی رحمت سے اس کی بھی پوری امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب میرے لئے اور ان بے شمار پڑھنے والوں کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میراث کی قدر اور اس سے استفادہ کریں گے جو اس میں پیش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و مغفرت کا وسیلہ بنے گی۔ ”اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ“۔

اس جلد کے متعلق کچھ ضروری باتیں!

- (۱)..... اس جلد میں اذکار و دعوات سے متعلق ۳۲۲ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ پہلی جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر ”مشکوٰۃ المصابیح“ اور ”جمع الثوائد“ سے لی گئی ہیں۔ کچھ حدیثیں ”کنز العمال“ سے بھی لی گئی ہیں۔ اور تخریج میں انہی کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ بعض حدیثیں براہ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں۔
- (۲)..... جو حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی لی گئی ہے اس کی روایت اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی کی گئی ہو، لیکن مشکوٰۃ المصابیح کے طریقہ کی پیروی میں حوالہ صرف صحیحین ہی کا دیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں سے کسی ایک میں ہونا بھی اس کی صحت کی کافی ضمانت ہے۔ اس پر علماء فن کا قریب قریب اتفاق ہے۔
- (۳)..... اصل مقصد چونکہ تذکیر و تفہیم ہے اس لئے حدیثوں کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ صحیح مطلب کی وضاحت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی چاروں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔ کہ حدیث نبی کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھایا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے

ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست روحانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے اور اس خدمت کے اتمام کیلئے حسن توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا!

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلب گار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ - ۲۹ مارچ ۱۹۶۹ء

معارف الحديث

حصه پنجم

کتاب الاذکار والدعوات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ط
وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

الاحزاب: ۴۱-۴۲

اے ایمان والو! (دل و زبان سے) اللہ کو خوب یاد کیا کرو اور
(خاص کر) صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ط إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ
الْمُحْسِنِينَ

الاعراف: ۵۶

اور اپنی خطاؤں پر اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب
سے (ڈرتے ہوئے اور) (اس کے رحم و کرم سے)
امیدیں رکھتے ہوئے اللہ سے دعائیں کیا کرو۔ خدا کی
رحمت ان بندوں سے قریب ہے جو نیک کردار ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسی سلسلہ معارف الحدیث میں ”کتاب الطہارۃ“ کے بالکل شروع میں ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا جا چکا ہے کہ:-
 ”اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح و سعادت کی جس شاہراہ کی طرف دعوت دینے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں، اور ہر باب کے تحت سینکڑوں ہزاروں احکام ہیں، لیکن اپنی اس بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آجاتے ہیں:

- (۱) طہارت
- (۲) اخبات
- (۳) سماعت
- (۴) عدالت

یہ لکھنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے ان چاروں میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت ان ہی چار شعبوں میں منقسم ہے۔
 جلد سوم میں (کتاب الطہارۃ) کے شروع میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اس سلسلہ کلام کا صرف وہ حصہ تلخیص کے ساتھ نقل کیا گیا تھا۔ جس میں انہوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی تھی۔
 اخبات کی حقیقت کے بارے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس کو مختصر الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ وہ:

”تخیر اور خوف و محبت کی کیفیات اور رضا جوئی و عنایت طلبی کے جذبہ کے ساتھ ساتھ اللہ ذوالجلال والجلوت کے حضور میں ظاہر و باطن سے اپنی بندگی و نیاز مندی اور محتاجی و رحمت طلبی کا اظہار ہے۔“
 اسی کا دوسرا معروف عام عنوان عبادت ہے، اور وہی انسانوں کی تخلیق کا خاص مقصد ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

حضرت شاہ صاحبؒ نے سعادت رکھنے والے چاروں شعبوں پر ”حجۃ اللہ البالغہ“ مقصد دوم میں ابواب الاحسان کے ذیل میں بھی کلام فرمایا ہے، وہاں فرماتے ہیں کہ:
 ”ان میں سے پہلی چیز یعنی طہارت کی تحصیل کیلئے وضو اور غسل وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے، اور دوسری بنیاد یعنی اخبات کی تحصیل کا خاص وسیلہ نماز اور اذکار اور قرآن مجید کی تلاوت ہے۔“^①
 بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقت ذکر اللہ ہی اخبات کا مخصوص وسیلہ ہے اور نماز اور تلاوت اور اسی طرح

دُعا بھی اس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔

بہر حال نماز اور ذکر اللہ اور تلاوت کلام مجید ان سب کی غرض و غایت اس مبارک صفت کی تکمیل و تکمیل ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ نے اخبات کے عنوان سے ادا کیا ہے اس لئے یہ سب ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں۔

نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کے ارشادات و معمولات اللہ کی توفیق سے اس سلسلہ کی تیسری جلد میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اذکار و دعوات اور تلاوت قرآن مجید سے متعلق حدیثیں اب اس پانچویں جلد میں پیش کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے اس گنہگار بندے کو اور پڑھنے والے حضرات کو ان احادیث پاک پر عمل کرنے اور پورا نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذکر اللہ کی عظمت

اور

اس کی برکات

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ”ذکر اللہ“ اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوت قرآن اور دُعا و استغفار وغیرہ سب ہی کو شامل ہے، اور یہ سب اس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفات کمال کے بیان اور دھیان کو ”ذکر اللہ“ کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے صراحتہ معلوم ہو گا یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور انسان کی روحانی ترقی اور ملاء اعلیٰ سے اس کے ربط کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔

شیخ ابن القیمؒ نے ”مدارج السالکین“ میں ذکر اللہ کی عظمت و اہمیت اور اس کی برکات پر ایک بڑا بصیرت افروز اور روح پرور مضمون لکھا ہے، اس کے ایک حصہ کا خلاصہ ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں۔ آگے درج ہونے والی احادیث میں ذکر اللہ کی جو عظمت بیان ہو گی اس مضمون کے مطالعہ کے بعد اس کا سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو گا۔ فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں ذکر اللہ کی تاکید و ترغیب کے ہم کو مندرجہ ذیل دس * عنوانات ملتے ہیں:-

(۱)..... بعض آیات میں اہل ایمان کو تاکید کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا O (الاحزاب: ۳۳، ۴۱، ۴۲)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً

اور اپنے رب کا ذکر کرو اپنے جی میں (یعنی دل سے) گڑ گڑا کر اور خوف کی کیفیت کے ساتھ۔

(۲)..... بعض آیات میں اللہ کو بھولنے اور اس کی یاد سے غافل ہونے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی ذکر اللہ کی تاکید ہی کا ایک عنوان ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ O (اعراف: ۷، ۲۰۵) ”اور نہ ہونا تم غفلت والوں میں سے“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ. (الحشر: ۵۹، ۱۹)

اور تم ان میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر (اس کی یاداش میں) اللہ نے ان کو ان کے نفس

بھلا دیئے (اور خدا فراموشی کے نتیجہ میں وہ خود فراموش ہو گئے۔)

(۳)..... بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ فلاح اور کامیابی اللہ کے ذکر کی کثرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿سورة الجمعة: ۶۲-۱۰﴾

اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو، پھر تم فلاح و کامیابی کی امید کر سکتے ہو۔

(۴)..... بعض آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے اہل ذکر کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ذکر کے صلہ میں ان کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ کیا جائے گا اور ان کو اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ سورہ احزاب میں ایمان والے بندوں اور بندیوں کے چند دوسرے ایمانی اوصاف بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالَّذَا كَرِنَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالَّذَا كَرَاتِ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿الاحزاب: ۳۳-۲۵﴾

اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اس کے بندے اور اس کی بندیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کے لئے تیار کر رکھی ہے خاص بخشش اور عظیم ثواب۔

(۵)..... اسی طرح بعض آیات میں آگاہی دی گئی ہے کہ جو لوگ دنیا کی بہاروں اور لذتوں میں منہمک اور مست ہو کر اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں گے وہ ناکام اور نامراد رہیں گے۔ مثلاً سورہ منافقون میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿المنافقون: ۶۳-۹﴾

اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو لوگ اس غفلت میں مبتلا ہوں گے وہ بڑے گھائے اور نقصان میں رہیں گے۔

یہ تینوں عنوان بھی ذکر اللہ کی تاکید اور ترغیب کے لئے بلاشبہ بڑے مؤثر ہیں۔

(۶)..... بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے ہمیں یاد کریں گے ہم ان کو یاد کریں گے اور یاد رکھیں گے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿بقرہ: ۲-۱۵۲﴾

میرے بندو! تم مجھے یاد کرو، میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ کرو۔

سبحان اللہ و بحمدہ۔ بندے کی اس سے بڑی سعادت و کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ پوری کائنات کا خالق و مالک اس کو یاد کرے اور یاد رکھے۔

(۷)..... بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ذکر کو ہر چیز کے مقابلہ میں عظمت و فوقیت حاصل ہے اور اس کائنات میں وہ ہر چیز سے بالاتر اور بزرگ تر ہے۔

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ﴿عنکبوت: ۵﴾

”اور یقین کرو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے“

بے شک اگر بندے کو عرفان، نصیب ہو تو اللہ کا ذکر اس کے لئے اس ساری کائنات سے عظیم تر ہے۔

(۸)..... بعض آیات میں بڑے اونچے درجہ کے اعمال کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ان کے اختتام پر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے، گویا ذکر اللہ ہی کو ان اعمال کا ”خاتمہ“ بنانا چاہئے۔ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ. (النساء: ۱۰۳)

جب تم نماز ادا کرو تو اللہ کا ذکر کرو (ہر حال میں) کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے۔ اور خاص کر جمعہ کی نماز کے بارے میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (الجمعة: ۹۲: ۱۰)

جب جمعہ کی نماز ختم ہو جائے تو (اجازت ہے) کہ تم (مسجد سے نکل کر اپنے کام کاج کے سلسلہ میں) زمین میں چلو پھرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس حالت میں بھی اللہ کا خوب ذکر کرو، پھر تم فلاح کی امید کر سکتے ہو۔

اور حج کے بارے میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتْ مِنْاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا. (بقرہ: ۲۰۰)

پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر کے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسے کہ تم (تفاخر کے طور پر) اپنے باپ داداؤں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ درجہ کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد بھی بندہ کے لئے اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ ان سے فراغت کے بعد بھی اس کے دل میں اور اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے اور اسی کو ان اعمال کا خاتمہ بنانا چاہئے۔

(۹)..... بعض آیات میں ذکر اللہ کی ترغیب اس عنوان سے دی گئی ہے کہ دانش مند اور صاحب بصیرت بندے وہی ہیں جو ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ جس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ جو ذکر اللہ سے غافل ہوں وہ عقل و بصیرت سے محروم ہیں۔ مثلاً سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ. (ال عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

یقیناً زمین و آسمان کی تخلیق میں اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں کھلی نشانیاں ہیں، ان ارباب دانش کے لئے جو کھڑے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں (اور اس سے غافل نہیں ہوتے)۔

(۱۰)..... بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اونچے سے اونچے اعمال صالحہ کا مقصد اور ان کی روح ذکر اللہ ہے۔ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد ہے:

اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طہ: ۱۴) ”میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔“

اور مناسک حج کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَّافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمَى الْجِمَارِ لَا قَامَةَ ذِكْرِ اللَّهِ.

بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی اور جمرات کی رمی یہ سب چیزیں ذکر اللہ ہی کے لئے مقرر ہوئی ہیں۔

اور جہاد کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئْتَهُ فَانْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (انفال: ۷۵)

اے ایمان والو! جب تمہاری مدد بھیڑ ہو جائے کسی دشمن فوج سے، تو ثابت قدم رہو (اور قدم جما کے جنگ کرو) اور اللہ کا ذکر کرو، امید ہے کہ تم فلاح یاب ہو گے۔

اور ایک حدیث قدسی میں ہے:

إِنَّ عَبْدِي كُلَّ عَبْدِي الَّذِي يَذْكُرُنِي وَهُوَ مُلَاقٍ قِرْنَهُ

میرا بندہ مکمل بندہ وہ ہے جو اپنے حریف مقابل سے جنگ کے وقت مجھے یاد کرتا ہے۔

قرآن حدیث کے ان نصوص سے ظاہر ہے کہ نماز سے لے کر جہاد تک تمام اعمال صالحہ کی روح اور جان ذکر اللہ ہے۔ اور یہی ذکر اور دل و زبان سے اللہ کی یاد و پرواہ و ولایت ہے جس کو عطا ہو گیا وہ اصل ہو گیا اور جس کو عطا نہیں ہوا وہ دور اور مجبور رہا۔ یہ ذکر اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور ذریعہ حیات ہے، اگر وہ ان کو نہ ملے تو جسم ان قلوب کے لئے قبور بن جائیں۔ اور ذکر ہی سے دلوں کی دنیا کی آبادی ہے، اگر دلوں کی دنیا اس سے خالی ہو جائے تو بالکل ویرانہ ہو کر رہ جائے اور ذکر ہی ان کا وہ ہتھیار ہے جس سے وہ روحانیت کے رہزنوں سے جنگ کرتے ہیں اور وہی ان کے لئے وہ ٹھنڈا پانی ہے جس سے وہ اپنے باطن کی آگ بجھاتے ہیں اور وہی ان کی بیماریوں کی وہ دوا ہے کہ اگر ان کو نہ ملے تو ان کے دل گرنے لگیں اور وہی وسیلہ ربط ہے ان کے اور ان کے علام الغیوب رب کے درمیان۔ کیا خوب کہا گیا ہے۔

إِذَا مَرَضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكَ إِذَا فَتَرْنَا الْذِكْرَ أَحْيَانًا فَتَنَّا

جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں تو تمہاری یاد سے اپنا علاج کرتے ہیں اور جب کسی وقت یاد سے غافل ہو جائیں تو مرنے لگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بینا آنکھوں کو روشنی اور بینائی سے منور کیا ہے اسی طرح ذکر کرنے والی زبانوں کو ذکر سے مزین فرمایا ہے اسی لئے اللہ کی یاد سے غافل زبان اس آنکھ کی طرح ہے جو بینائی سے محروم ہے اور اس کان کی طرح ہے جو شنوائی کی صلاحیت کھو چکا ہے، اور اس ہاتھ کی طرح ہے جو مفلوج ہو کر بیکار ہو گیا ہے۔ ذکر اللہ ہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جو حق جل جلالہ اور اس کے بندے کے درمیان کھلا ہوا ہے اور اس سے بندہ اس کی بارگاہ عالی تک پہنچ سکتا ہے اور جب بندہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے۔

فَنَسِيَانُ ذِكْرَ اللَّهِ مَوْتُ قُلُوبِهِمْ وَأَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُورِ قُبُورُ
وَأَرَوَاهُمْ فِي وَحْشَةٍ مِنْ جُسُومِهِمْ وَلَيْسَ لَهُمْ حَتَّى النُّشُورِ نُشُورُ

اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا اور فراموش کر دینا ان کے قلوب کی موت ہے اور ان کے جسم زمین والی قبروں سے پہلے ان کے مردہ دلوں کی قبریں ہیں۔

اور ان کی روحیں سخت وحشت میں ہیں ان کے جسموں سے اور ان کے لئے قیامت اور حشر سے پہلے

زندگی نہیں۔ (ملخصاً من کلام الشیخ ابن القیم فی مدارج السالکین)

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں ذکر اللہ کی تاکید و ترغیب کے جن دس عنوانات کا ذکر کیا گیا ہے قرآن مجید میں ان کے علاوہ بھی بعض عنوانات سے ذکر اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے کہ:

”قلوب کو (یعنی اللہ سے رابطہ رکھنے والوں کے دلوں اور ان کی روحوں کو) اللہ کے ذکر ہی سے چین و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔“ **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** (جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو چین اور سکون ملتا ہے۔)

ذکر اللہ کی تاثیر اور برکت کے بارے میں ایک دوسرے ربانی محقق اور صوفی صاحب **”ترصیع الجواهر المکیہ“** کے چند فقروں کا ترجمہ بھی پڑھ لیا جائے۔ آگے درج ہونے والی اس باب کی احادیث کے سمجھنے میں انشاء اللہ اس سے بھی خاص مدد ملے گی۔

فرماتے ہیں:

”قلوب کو نورانی بنانے اور اوصاف رویہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کر دینے میں سب طاعات و عبادات سے زیادہ زود اثر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔“
خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ.

بلاشبہ نماز گندی اور ناشائستہ باتوں سے روکتی ہے اور یہ یقینی حقیقت ہے کہ اللہ کا ذکر بہت ہی بڑی چیز ہے۔

اور اکابر نے فرمایا ہے کہ:

”ذکر کا عمل قلب کو صاف کرنے میں بالکل ویسا ہی کام کرتا ہے جیسا کہ تانبے کو صاف کرنے اور مانجنے میں بال۔ اور باقی دوسری عبادات کا عمل قلوب کی صفائی کے بارے میں ویسا ہی جیسا کہ تانبے کے صاف کرنے میں صابن کا عمل۔“ (ترصیع الجواهر المکیہ)

اس تمہید کے بعد ذکر اللہ کی عظمت اور برکات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھئے:

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ أَبِي سَعِيدٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ لَسْكِينَةٌ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کے کچھ بندگانِ خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔“ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:

”اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت و سکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے۔“ (حجۃ اللہ الباقی، ص: ۷۰، جلد: ۲)

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کیلئے چار خاص نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک۔ یہ کہ ہر طرف سے اللہ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ دوسرے۔ یہ کہ رحمت الہی ان کو اپنے آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر تیسری۔ نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلب پر ”سکینت“ نازل ہوتی ہے جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب ہوتا ہے اسی کو اہل سلوک ”جمیعت قلبی“ بھی کہتے ہیں۔ اس دولت اور نعمت کا صاحب سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے۔ اور ذاکر بندوں کو ملنے والی چوتھی۔ نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ میں ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ: ”دیکھو آدم ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بھی بندے ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں اس کے باوجود محبت و خشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق و شوق اور کیسے سوز و گداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محروم نہ رکھے۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملا کہ اگر اللہ کا کوئی ذاکر بندہ اپنے قلب و باطن میں ”سکینت“ کی کیفیت محسوس نہ کرے (جو ایک محسوس کی جانے والی چیز ہے) تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ ابھی وہ ذکر کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہے جس پر یہ نعمتیں موجود ہیں یا اس کی زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں ہیں جو آثارِ ذکر کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ بہر حال اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ رب کریم کے وعدے برحق ہیں۔

۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِيَةُ عَلَى حَلَقَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا أَجَلَسَكُمْ قَالُوا جَلَسْنَا

نَذْكُرُ اللَّهَ قَالَ اللَّهُ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذُلُّكَ؟ قَالُوا اللَّهُ مَا أَجْلَسَنَا غَيْرُهُ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ
 أَسْتَحْلِفْكُمْ تَهْمَةً لَكُمْ وَمَا كَانَ أَحَدٌ بِمَنْزِلَتِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَقَلُّ عَنْهُ حَدِيثًا مِنِّي وَإِنَّ
 رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ عَلَى حَلَقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ مَا أَجْلَسَكُمْ هَهُنَا قَالُوا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللَّهَ
 وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ بِهِ عَلَيْنَا قَالَ اللَّهُ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذُلُّكَ؟ قَالُوا اللَّهُ مَا
 أَجْلَسَنَا إِلَّا ذُلُّكَ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تَهْمَةً لَكُمْ وَلَكِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ
 اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمْ الْمَلَائِكَةَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں قائم ایک
 حلقہ پر پہنچے تو آپ نے ان اہل حلقہ سے پوچھا۔ ”تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ”ہم بیٹھ کر
 اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔“ حضرت معاویہ نے کہا۔ ”کیا اللہ کی قسم! تم صرف ذکر اللہ ہی کے لئے بیٹھے ہو؟“
 انہوں نے کہا۔ ”قسم بخدا! ہمارے بیٹھنے کا کوئی اور مقصد اللہ کے ذکر کے سوا نہیں ہے۔ حضرت معاویہ
 نے کہا۔ ”آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے کسی بدگمانی کی بناء پر آپ لوگوں سے قسم نہیں لی
 ہے، اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس درجہ کا تعلق اور قرب مجھے حاصل تھا اس درجہ کے
 تعلق والا کوئی آدمی آپ کی حدیثیں مجھ سے کم بیان کرنے والا نہیں ہے (یعنی میں روایت حدیث میں
 بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں اس لئے اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت بہت کم حدیثیں بیان کرتا
 ہوں مگر اس وقت ایک حدیث ذکر کرتا ہوں اور میں نے اسی کی پیروی میں آپ لوگوں سے قسم لی ہے۔
 وہ حدیث یہ ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ ایک دن اپنے اصحاب کے ایک حلقہ کے پاس پہنچے آپ ﷺ نے ان
 سے پوچھا۔ ”آپ لوگ یہاں کیوں جڑے بیٹھے ہیں؟“ انہوں نے عرض کیا۔ ”ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں
 اور اس نے جو ہم کو ہدایت سے نوازا اور ایمان و اسلام کی توفیق دے کر احسانِ عظیم فرمایا اس پر اس کی حمد و
 ثناء کر رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”تمہیں معلوم ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کسی بدگمانی کی بناء پر
 تم سے قسم نہیں لی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی جبریل امین میرے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ اللہ
 تعالیٰ فخر و مباہات کے ساتھ فرشتوں سے تم لوگوں کا ذکر فرما رہا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کا ایک جگہ بیٹھ کے اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اس کی باتیں
 کرنا اس کی حمد و تسبیح کرنا اللہ کو بے حد پسند ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں کے
 لئے انجیلا کا اظہار فرماتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ أَنَا مَعَ عَبْدِي إِذَا ذَكَرَنِي وَ
 تَحَرَّكَتْ بِي شَفَاتَاهُ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس
 وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اس وقت میں اپنے اس

بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔“ (صحیح بخاری)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کی ایک معیت وہ ہے جو اس کائنات کی ہر اچھی بری چیز کو اور ہر مؤمن و کافر کو ہر وقت حاصل ہے۔ کوئی چیز بھی کسی وقت اللہ سے دور نہیں اللہ ہر چیز کو محیط ہے ہر جگہ اور ہمہ وقت حاضر و ناظر ہے۔ اور ایک معیت رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اس حدیث قدسی میں جس معیت کا ذکر ہے وہ یہی رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اور حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جب میرا بندہ میرا قرب اور میری رضا حاصل کرنے کے لئے میرا ذکر کرتا ہے تو اس کو میرے قرب و رضا کی دولت فوراً مل جاتی ہے جو وہ ذکر کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دولت کی طلب اس کا ذوق و شوق اور پھر وہ دولت نصیب فرمائے۔

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذْ ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے۔ اور میں اس کے بالکل ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں اس طرح یاد کرے کہ کسی اور کو خبر بھی نہ ہو تو میں بھی اس کو اسی طرح یاد کروں گا۔ اور اگر وہ دوسرے لوگوں کے سامنے مجھے یاد کرے تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا (یعنی ملائکہ کی جماعت میں اور ان کے سامنے)“ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح..... حدیث کے پہلے جملے (أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي) کا مطلب یہ ہے کہ بندہ میرے بارے میں جیسا یقین قائم کرے گا تو میرا معاملہ اس کے ساتھ بالکل اسی کے مطابق ہوگا۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں رحم اور کرم کا یقین کرے تو اللہ تعالیٰ کو رحیم کریم ہی پائے گا۔ اس لئے بندہ کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا یقین کرے اور اسی کے مطابق عمل کرے۔ حدیث کے آخری حصہ میں جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ مجھے خلوت میں اس طرح یاد کرتا ہے کہ اس کے اور میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی تو میری عنایت بھی اس کے ساتھ اسی طرح مخفی ہوتی ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزیت کرانا کاتبین را ہم خبر نیست
اور جب بندہ جلوت میں اور دوسروں کے سامنے میرا ذکر کرتا ہے (جس میں دعوت اور ارشاد اور وعظ و نصیحت بھی داخل ہے) تو اس بندہ کے ساتھ اپنے تعلق اور اس کی قبولیت کا ذکر میں فرشتوں کے سامنے بھی کرتا ہوں جس کے بعد وہ بندہ فرشتوں میں مقبول و محبوب ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس دنیا میں بھی اس کو قبول عام اور محبوبیت عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی سنت اللہ کا یہ ظہور ہے کہ بہت سے عرفاء کا ملین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص تعلق کا اخفا کرتے ہیں اگرچہ اللہ کے ہاتھ اُن کو مقبولیت کا خاص الخاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن دنیا میں ان کو پہچانا

عی نہیں جاتا اور جن کا تعلق باللہ اور دعوت الی اللہ ظاہر اور جلی قسم کی ہوتی ہے ان کو دنیا میں بھی مقبولیت امہ حاصل ہو جاتی ہے۔

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسِيرُ فِي طَرِيقٍ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلَى جَبَلٍ يُقَالُ لَهُ جَمْدَانُ فَقَالَ سِيرُوا هَذَا جَمْدَانُ سَبَقَ الْمُفْرِدُونَ قَالُوا وَمَا لُمُفْرِدُونَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ الدَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں جمندان نامی پہاڑ پر سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پہاڑ جمندان ہے، مُفْرِدُونَ سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا: مُفْرِدُونَ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: جمندان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے۔ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس کا شعور و احساس اس حصہ زمین کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ”ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گزرا؟“ جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گزرا، تو وہ کہتا ہے کہ ”تجھے بشارت ہو، مبارک ہو!“ معلوم ہوتا ہے کہ جمندان پہاڑ پر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں انہوں نے قبول و رضا کے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی کہ مُفْرِدُونَ یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گئے۔ مُفْرِدُونَ کے لغوی معنی ہیں اپنے کو سب سے الگ اور اکیلا اور ہلکا چھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی الجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اکیلے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقام تفرید ہے، اور یہی قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں تَبَتُّل ہے (وَإِذْ كَرَّاسُكُمْ رَبِّكَ وَتَبَتُّلٌ إِلَيْهِ تَبَتُّلًا) پس ”الدَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ“ کے مصداق وہی بندے ہیں جن کا یہ حال ہو اور جنہوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہ کو اپنا قبلہ مقصود بنا لیا ہو۔

دوسرے تمام اعمال کے مقابلہ میں ذکر اللہ کی افضلیت

(۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا أُبَيِّتُكُمْ بِخَيْرٍ أَعْمَا لَكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا بَلَى قَالَ ذِكْرُ اللَّهِ.

(رواه احمد والترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تم کو وہ عمل بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر اور تمہارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے اور تمہارے درجوں کو

دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور راہِ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے اور اس جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لئے اس میں خیر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں اور خدا کے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارو اور وہ تمہیں ذبح کریں اور شہید کریں؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ”ہاں یا رسول اللہ! ایسا قیمتی عمل ضرور بتائیے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”وہ اللہ کا ذکر ہے۔“

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

تشریح — یہ حدیث دراصل قرآن مجید کی آیت ”وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ“ کی تشریح و تفسیر ہے۔ بیشک ”ذکر اللہ“ اس لحاظ سے کہ وہ اصلاً وبالذات مقصدِ اعلیٰ ہے اور اللہ کی رضا اور اس کے تقرب کا سب سے قریبی ذریعہ ہے۔ وہ دوسرے تمام اعمال سے بہتر اور بالاتر ہے۔ اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص حالت میں اور کسی ہنگامی موقع پر صدقہ اور انفاق لوجہ اللہ یا جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عمل ایک اعتبار سے افضل و اہم ہو اور دوسرے اعتبار سے کوئی دوسرا عمل زیادہ اہمیت رکھتا ہو۔ آگے درج ہونے والی حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیثوں کا مطلب و مدعا بھی قریب قریب یہی ہے اور ان میں سے ہر حدیث سے دوسری حدیث کی شرح اور تائید ہوتی ہے۔

(۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ؟ وَارْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ؟ قَالَ الدَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمِنَ الْغَارِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ حَتَّى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا فَإِنَّ الدَّاكِرَ لِلَّهِ أَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً (رواه احمد و الترمذی)

ترجمہ — حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! بندوں میں کون (یعنی کس عمل کا کرنے والا) سب سے افضل ہے اور قیامت میں کس کو اللہ کے ہاں زیادہ بلند درجہ ملنے والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے بندے اور زیادہ یاد کرنے والی بندیاں۔ (یعنی فضیلت اور قیامت میں درجہ کی بلندی انہیں کے لئے ہے) عرض کیا گیا: ”یا رسول اللہ! کیا ان لوگوں کا درجہ اس بندے سے بھی اونچا ہے جو (سر بکف ہو کر) راہِ خدا میں جہاد کرے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر کسی بندہ نے (اس طرح جہاد میں جان بازی کی کہ) دشمنانِ حق (کفار و مشرکین) کی صفوں میں گھس کر تلوار چلائی یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ دشمنوں کے ہاتھوں سے زخمی ہو کر خون میں شربور ہو گیا، جب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا بندہ درجہ میں اس سے افضل ہے۔“ (مسند احمد جامع ترمذی)

(۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ قَالُوا وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ وَلَا أَنْ يُضْرَبَ بِسَيْفِهِ حَتَّى يَنْقُطَعَ (رواه البيهقي في الدعوات الكيين)

ترجمہ — حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: ”ہر چیز کی

صفائی کے لئے کوئی صیقل ہے اور قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں۔ ”لوگوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں! وہ جہاد بھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے۔ (ذوات کبیر للشیخ)

تشریح..... اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں ”ذکر اللہ“ افضل اور عند اللہ محبوب تر ہے (وَلَدُّكَرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ) بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا بشرطیکہ یہ ذکر عظمت اور محبت و خشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ“ (تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا) اور حدیث قدسی: ”اَنَا جَلِيسٌ مَنْ ذَكَرَنِيْ“ --- ”وَاَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَ تَحَرَّكَتْ بِيْ شَفْتَاهُ“ (میں اپنے ذکر کرنے والے بندے کے ساتھ اور اس کا ہم نشین رہتا ہوں)۔۔۔ اور میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرا ذکر کرنے سے حرکت کرتے ہیں تو بس اس کے بالکل پاس اور ساتھ ہوتا ہوں) بہر حال قرآن و حدیث کے ان واضح نصوص کا مدعا یہی ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں ذکر اللہ ہی افضل اور عند اللہ محبوب تر اور اس کے قرب و رضا کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس ذکر میں اور نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ اس قسم کی عبادات سب داخل ہیں۔

خاص ذکر لسانی کی فضیلت

(۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فَقَالَ طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ أَنْ تَفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ: ”یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کے آدمیوں کا انجام زیادہ اچھا ہونے والا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔“ پھر انہوں نے پوچھا کہ: ”یا رسول اللہ! اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کہ تم دنیا کو خیر باد کہو اور اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

تشریح..... پہلے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ عمر جتنی زیادہ ہوگی بندہ اتنی ہی ترقی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوگا۔ دوسرے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے سب سے اچھا عمل یہ بتایا کہ مرتے دم تک اور خاص کر آخری وقت میں بندہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو۔ یعنی اس کی زبان پر ذوق اور لذت کے ساتھ اللہ کا نام ہو۔

بلاشبہ یہ عمل اور یہ حال بڑا ہی عزیز اور قیمتی ہے اور جو بندہ اس کی قدر جانتا ہو وہ سب کچھ دے کے بھی اس کو لینے کے لئے خوشی سے آمادہ ہو گا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بات اسی بندے کو نصیب ہوگی جو زندگی میں اللہ کے ذکر سے خاص مناسبت پیدا کر لے اور ذکر اللہ اس کی روح کی غذا بن جائے۔

(۱۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبْوَابَ الْخَيْرِ كَثِيرَةٌ وَلَا أَسْتَطِيعُ الْقِيَامَ بِكُلِّهَا فَأَخْبِرْنِي عَنْ شَيْئٍ أَتَشَبُّهُ بِهِ وَلَا تُكْثِرُ عَلَيَّ فَأَنْسِيَ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: ”اے اللہ کے پیغمبر (ﷺ)! نیکی کے ابواب (یعنی ثواب کے کام) بہت ہیں اور یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کہ میں ان سب کو بجا لاؤں لہذا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں اور اس پر کار بند ہو جاؤں (اور بس وہی میرے لئے کافی ہو جائے) اسی کے ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ بتائیں وہ بہت زیادہ بھی نہ ہو کیونکہ خطرہ ہے کہ میں اس کو یاد بھی نہ رکھ سکوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: (بس اس کا اہتمام کرو اور اس کی عادت ڈالو کہ) تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہاری فلاح و کامیابی کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہو۔

(۱۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْثَرُوا ذِكْرَ اللَّهِ حَتَّى يَقُولُوا مَجْنُونٌ. (رواه احمد وابو یعلیٰ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر اتنا اور اس طرح کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔

تشریح: اہل دنیا جو تعلق باللہ کی دولت سے محروم ہیں جب کسی ایسے اللہ والے کو دیکھتے ہیں جس کو یہ دولت نصیب ہے اور اس کی وجہ سے وہ دنیا کی طرف سے کسی قدر بے فکر اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا طلبی میں منہمک ہے اور اسی کے نام کی رٹ لگا رہا ہے تو اپنے خیال کے مطابق وہ اس کو دیوانہ کہتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ خود ہی دیوانے ہیں۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

ذکر اللہ سے غفلت کا انجام حسرت و محرومی اور دل کی قساوت

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تَرَةً وَمَنْ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تَرَةً. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کہیں بیٹھا اور اس

نشست میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ نشست اس کے لئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگی اور اسی طرح جو شخص کہیں لیٹا اور اس میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُكْثِرُ وَالْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ قُسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللَّهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو، کیونکہ اس سے دل میں قساوت (تختی اور بے حسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ کے ذکر کے بغیر زبان زیادہ چلانے کا عادی ہوگا، اس کے دل میں قساوت یعنی بے حسی اور بے نوری پیدا ہوگی اور وہ اللہ کے قرب اور اس کی خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ

کلمات ذکر اور ان کی فضیلت و برکت

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اللہ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے، اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم و معرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے جو اسکے شایان شان نہ ہوتا یا جس سے بجائے حمد و ثناء کے معاذ اللہ اسکی تنقیص ہوتی۔ عارف رومی نے اپنی مثنوی میں حضرت موسیٰ اور ایک چرواہے کی جو حکایت بیان کی ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات ذکر تلقین فرمائے ہیں وہ معنوی لحاظ سے مندرجہ ذیل چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہیں: یا تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے منزہ اور پاک ہے جس میں عیب و نقص کا شائبہ بھی ہو) ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کا یہی مفہوم اور مدعا ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں اور اس لئے حمد و ثناء اُسی کو سزاوار ہے۔ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی یہی خصوصیت ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شانِ یکتائی کا بیان ہے۔ چنانچہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی یہی شان ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی اس شانِ عالی کا اظہار ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں منفی اور مثبت طور پر جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور ورء الوریاء ہے، ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کا یہی مفہوم و مدعا ہے۔ یا ان کلمات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں، لہذا وہی اس کا حقدار ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے۔ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کی یہی نوعیت اور خصوصیت ہے۔

اس طرح کے کلمات ذکر کے علاوہ مختلف اوقات اور مختلف حاجتوں کے لئے دعائیں آپ نے تعلیم

فرمائیں۔ ان کے بارے میں انشاء اللہ آگے مستقلاً لکھا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے آگے درج ہونے والی حدیثوں میں جن کلمات ذکر کی تلقین فرمائی ہے وہ اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور تحمید و توحید اور اس کی شانِ کبریائی و صمدیت کے بیان میں بلاشبہ معجزانہ شان رکھتے ہیں اور اس کی معرفت کے گویا دروازے ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے۔

(۱۴) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں: ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ اور ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ (صحیح مسلم)

تشریح: اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ”أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعُ“ کے بجائے ”أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ أَرْبَعُ“ کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ سب کلموں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے یہ چار کلمے ہیں۔

(۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَأَنْ أَقُولَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ کہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ان چاروں کلموں کا اجمالی مفہوم اوپر کی تمہیدی سطروں میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہو گا کہ یہ نہایت مختصر اور ہلکے پھلکے چار کلمے اللہ تعالیٰ کی تمام مثبت و منفی صفاتِ کمال پر کس قدر حاوی ہیں۔ بعض عرفاء کا ملین نے لکھا ہے کہ:-

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماءِ حسنی جو اس کی تمام صفاتِ کمال کی ترجمانی کرتے ہیں ان میں سے کسی کا مفہوم بھی ان چار کلموں سے باہر نہیں ہے۔ مثلاً الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، الطَّاهِرُ جیسے اسماء جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے ہر عیب و نقص کی نفی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مفہوم ان سب پر حاوی ہے۔ اسی طرح الرَّحْمَنُ، الرَّحِيمُ، الْكَرِيمُ، الْعَلِيمُ، الْقَدِيرُ، السَّمِيعُ، الْبَصِيرُ، الْعَزِيزُ، الْحَكِيمُ جیسے وہ تمام اسماءِ حسنی جو اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفاتِ کمال پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب الحمد للہ کے احاطے میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح جو اسماءِ حسنی اس کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی شانِ لاشریکی و بے مثالی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے الْوَاحِدُ، الْأَحَدُ وغیرہ

ان کی پوری ترجمانی کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کرتا ہے۔ علیٰ ہذا العلیٰ، الاعلیٰ، الکبیر، المتعالیٰ جیسے اسماء حسنیٰ جن کا مفہوم ومدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کسی نے جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراہ الوراء ہے۔ بلاشبہ ”اللہ اکبر“ اس حقیقت کی بہترین تعبیر ہے۔

پس جس نے دل کے شعور و یقین کے ساتھ کہلے ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ اُس نے اللہ کی ساری ثناء و صفت بیان کر دی اور تمام اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جن ایجابی یا سلبی صفات کمال کا بیان ہے دل سے ان سب کی شہادت دے دی اُس لئے یہ چار کلمے اپنی قدر و قیمت اور عظمت و برکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے۔

(۱۶) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَلَى شَجَرَةٍ يَا بَسَّةَ الْوَرَقِ فَضْرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَازَلَ الْوَرَقُ فَقَالَ إِنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوبُ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقِطُ وَرَقُ هَذِهِ الشَّجَرَةِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے آپ ﷺ نے اس پر اپنا عصا مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلمے: ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... نیک اعمال کی اس خاصیت کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی برکت اور تاثیر سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ ارشاد ہے: ”إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ“ (یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔)

احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز اور صدقہ وغیرہ بہت سے اعمالِ صالحہ کی اس تاثیر کا خصوصیت سے بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے ان چار کلموں کی یہ تاثیر بیان فرمائی اور درخت کے سوکھے پتے عصا کی ایک ضرب سے جھاڑ کے صحابہ کرام کو اس کا ایک نمونہ بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور ان کلموں کی عظمت و تاثیر سے استفادہ کی توفیق دے۔

(۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزانہ سو دفعہ کہا (سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ) اس کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں

کے برابر ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... ”سبحان اللہ وبحمدہ“ کا مطلب وہی ہے جو ”سبحان اللہ والحمد للہ“ کا ہے، یعنی ہر اس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس جو اس کے شایان شان نہیں ہے اور جس میں ذرا بھی قصور یا عیب کا کوئی شائبہ ہے اور اسی کے ساتھ تمام صفات کمال کا اس کی ذات عالی کے لئے اثبات اور اس کی بناء پر اس کی حمد و ثناء اس طرح مختصر کلمہ ”سبحان اللہ وبحمدہ“ اس سب پر حاوی ہے جو سببی یا ایجابی طور پر اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت کہا جاسکتا ہے۔ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں مختصر دو حرفی کلمہ کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ جو بندہ روزانہ یہ کلمہ سو دفعہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ دور ہو جائیں گے اور وہ گناہوں کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے گا اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں کے برابر حد و حساب سے باہر ہوں۔ گویا جس طرح تیز روشنی اندھیرے کو ایک دم ختم کر دیتی ہے اور جس طرح سخت تپش بالخاصہ نمی اور رطوبت کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اور دوسری نیکیاں گناہوں کے گندے اثرات کو فنا کر دیتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اسی سلسلہ (معارف الحدیث) میں کئی بار پہلے ذکر کیا جا چکا ہے قرآن مجید کی بعض آیات اور رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی برکت اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو ”کبیرہ“ درجہ کی نہ ہوں اس لئے بڑے درجہ کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں ”گناہ کبیرہ“ کہا جاتا ہے۔ ان کی معافی کے لئے توبہ و استغفار ضروری ہے۔ واللہ اعلم

(۱۸) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَىُّ الْكَلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ مَا أَصْطَفَى اللَّهُ لِمَلَئِكَتِهِ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ”کلاموں میں کون سا کلام افضل ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ یعنی ”سبحان اللہ وبحمدہ“ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا خاص ذکر یہی ”سبحان اللہ وبحمدہ“ ہے۔ اس حدیث میں اس کلمہ کو سب سے افضل کہا گیا ہے۔ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو دو ہی ورق پہلے درج ہو چکی ہے فرمایا گیا ہے کہ سب سے افضل یہ چار کلمے ہیں: ”سبحان اللہ والحمد للہ“ لا الہ الا اللہ“ اور ایک دوسری حدیث میں ”لا الہ الا اللہ“ کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کلمے دوسرے سب کلاموں کے مقابلے میں افضل اور اللہ کو زیادہ محبوب ہیں۔

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے“

میزان اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے۔ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ سُبْحَانَ اللَّهِ

العظیم۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح۔ ان دو کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونا بھی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، لیکن میزان اعمال میں بھاری ہونے والی بات کا سمجھنا شاید بعض لوگوں کے لئے آسان نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح مادی چیزیں ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے آلات ہوتے ہیں جن کو میزان (ترازو یا کٹنا) کہا جاتا ہے اسی طرح بہت سی غیر مادی چیزیں بھی ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا ہلکا اور بھاری پن بتانے والا آلہ ہوتا ہے۔ وہی اس کی میزان ہوتی ہے۔ مثلاً حرارت اور برودت یعنی گرمی اور ٹھنڈک ظاہر ہے کہ مادی چیزیں نہیں ہیں بلکہ کیفیات ہیں، لیکن ان کا ہلکا اور بھاری پن تھرمامیٹر کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت میں اللہ کے نام کا وزن ہوگا، کلمات ذکر کا وزن ہوگا، تلاوت قرآن کا وزن ہوگا، نماز کا وزن ہوگا۔ ایمان کا اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کا وزن ہوگا۔ اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ بعض بہت ہلکے پھلکے کلمے بے حد وزنی ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھی بھاری اور وزنی نہ ہوگی۔ لَا يَرْبُحُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْءٌ۔“ اس کلمہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس کی حمد و ستائش کے ساتھ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے۔

(۲۰) عَنْ جَوَيْرِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَ مَا زِلْتُ عَلَى الْحَالِ الَّذِي فَارَقْتُكَ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكَ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ تِلْكَ مَرَّاتٍ لَوْ زُنْتُ بِمَا قُلْتُ مِنْذُ الْيَوْمِ لَوْ زَنْتُهُنَّ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَرَضَى نَفْسِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ (رواه مسلم)

ترجمہ۔ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز فجر پڑھنے کے بعد ان کے پاس سے باہر نکلے، وہ اس وقت اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ پھر آپ ﷺ دیر کے بعد جب چاشت کا وقت آچکا تھا واپس تشریف لائے، حضرت جویریہ اسی طرح بیٹھی اپنے وظیفہ میں مشغول تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”میں جب سے تمہارے پاس سے گیا ہوں کیا تم اس وقت سے برابر اسی حال میں اور اسی طرح پڑھ رہی ہو؟“ انہوں نے عرض کیا: ”جی ہاں!“ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تمہارے پاس سے جانے کے بعد میں نے چار کلمے تین دفعہ کہے، اگر وہ تمہارے اس پورے وظیفے کے ساتھ تو لے جائیں جو تم نے آج صبح سے پڑھا ہے تو ان کا وزن بڑھ جائے گا، وہ کلمے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَرَضَى نَفْسِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ (اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر اور اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر اور

اس کی ذات پاک کی رضا کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مطابق۔ (صحیح مسلم)

(۲۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى امْرَأَةٍ وَبَيْنَ بَدْيِهَا نَوًى أَوْ حَصَى تُسَبِّحُ بِهِ فَقَالَ أَلَا أَخْبِرُكَ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكَ مِنْ هَذَا أَوْ أَفْضَلُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذَلِكَ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللَّهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذَلِكَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ مِثْلَ ذَلِكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِثْلَ ذَلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مِثْلَ ذَلِكَ (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہنچے ایک بیوی کے پاس اور انکے آگے کھجور کی کچھ گٹھلیاں تھیں (یا سنگریزے تھے) وہ ان گٹھلیوں (یا سنگریزوں) پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”میں تم کو وہ نہ بتا دوں جو تمہارے لئے اس سے زیادہ آسان ہے۔ (یا فرمایا کہ اس سے افضل ہے) وہ یہ ہے کہ تم اس طرح کہو:

سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ... وَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ... وَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذَلِكَ... وَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ.

سبحان اللہ ساری مخلوق کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ ساری زمینی مخلوقات کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ زمین و آسمان کے درمیان کی ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق جس کو وہ ابد الابد تک پیدا فرمانے والا ہے۔

اور (اللہ اکبر) اسی طرح اور (الحمد للہ) اسی طرح اور (لا الہ الا اللہ) اسی طرح اور (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) اسی طرح (جامع ترمذی، سنن ابن داؤد)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک طریقہ جس طرح کثرت ذکر ہے اسی طرح ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایسے الفاظ شامل کر دیئے جائیں جو کثرتِ تعداد پر دلالت کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں حضور ﷺ نے بتلایا ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض حدیثوں میں کثرتِ ذکر کی ترغیب دی ہے۔ اور قریب ہی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ ﷺ نے روزانہ سو دفعہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کہنے والے کو گناہوں کے معاف کئے جانے کی خوشخبری سنائی ہے۔ اس لئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث اور اس سے پہلے والی حضرت جویریہؓ کی حدیث سے کثرتِ ذکر کی نفی ماننا پسندیدگی سمجھنا ہر گز صحیح نہ ہوگا۔ ان دونوں حدیثوں کا منشاء اور مدعا دراصل یہ ہے کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک زیادہ آسان طریقہ یہ بھی ہے اور خاص کر وہ لوگ جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ذکر اللہ کے لئے زیادہ وقت فارغ نہ کر سکیں وہ اس طرح سے بھی بڑا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ: ”جس شخص کا مقصد اپنے باطن اور

اپنی زندگی کو ذکر کے رنگ میں رنگنا ہو اس کو کثرت ذکر کا طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے، اور جس کا مقصد ذکر سے صرف ثواب اخروی حاصل کرنا ہو اس کو ایسے کلمات ذکر کا انتخاب کرنا چاہئے جو معنوی لحاظ سے زیادہ فائق اور وسیع تر ہوں جیسے کہ ان دونوں حدیثوں میں مذکور ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد نبوی ﷺ میں تسبیح کا رواج تو نہیں تھا لیکن بعض حضرات اس مقصد کے لئے گھٹلیاں یا سنگریزے استعمال کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس میں اور تسبیح کے دانوں کے ذریعے شمار میں کوئی فرق نہیں بلکہ تسبیح دراصل اس کی ترقی یافتہ اور سہل شکل ہے۔ جن حضرات نے تسبیح کو بدعت قرار دیا ہے بلاشبہ انہوں نے شدت اور غلو سے کام لیا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی خاص فضیلت

(۲۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفْضَلُ الذِّكْرِ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ". (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)
ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل ذکر "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: حضرت سمرہ بن جندبؓ والی وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ سب کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں: **سُبْحَانَ اللَّهِ** اور **الْحَمْدُ لِلَّهِ** اور **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اور **اللَّهُ أَكْبَرُ**۔ اور حضرت جابرؓ والی اس حدیث میں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کو افضل ترین کلمہ فرمایا گیا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ دنیا بھر کے دوسرے سب کلموں اور کلاموں کے مقابلے میں تو یہ چاروں کلمے افضل ہیں، لیکن ان سب میں نسبتاً "**لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**" افضل ہے، کیونکہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** باقی تینوں کلموں کے مدعا کو بھی ضمنی طور پر اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جب بندہ یہ کہتا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں، تو اس کے ضمن میں یہ بات خود بخود آجاتی ہے کہ وہ ہر نقص و عیب سے پاک اور منزہ ہے، اور تمام صفات کمال کا وہ جامع ہے اور عظمت و کبریائی میں وہ برتر ہے، کیونکہ جو لاشریک معبود ہو اس میں یہ سب باتیں ہونا لازمی ہیں۔ اس لئے جس نے صرف **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہا، اس نے گویا وہ سب کچھ بھی کہہ دیا جو **سُبْحَانَ اللَّهِ**، **الْحَمْدُ لِلَّهِ** اور **اللَّهُ أَكْبَرُ** کے ذریعے کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں "**لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**" کلمہ ایمان ہے۔ اور اسی لئے سب پیغمبروں کی تعلیم کا پہلا سبق ہے۔ نیز اپنے اپنے تجربہ کی بناء پر عرفاء اور صوفیاء کا اس پر گویا اتفاق ہے کہ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر اسی کلمہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کا ذکر ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایمانی کیفیت کو قلب میں تازہ کرنے اور ترقی دینے کے لئے اس کلمہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کی کثرت کا حکم دیا ہے۔^①

① عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جددوا ایمانکم قیل یا رسول اللہ کیف نجدد ایماننا؟

(رواہ احمد)

قال اکثرُوا من قول لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

(۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتَّى تُقْضَىٰ إِلَيْهِ الْعَرْشُ مَا اجْتَنَبَ الْكِبَائِرَ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اس کیلئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش الہی تک پہنچے گا بشرطیکہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی ایک خاص فضیلت و خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اخلاص سے یہ کلمہ کہا جائے اور اللہ سے دور کرنے والے بڑے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کلمہ براہ راست عرش الہی تک پہنچتا ہے اور خاص مقبولیت سے نوازا جاتا ہے۔ اور ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے:

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَتَّى تَخْلُصَ إِلَيْهِ.

کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں، یہ کلمہ سیدھا اللہ کے پاس پہنچتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے دوسرے کلموں کے مقابلے میں اس کلمہ کی یہ ایک مخصوص فضیلت اور خصوصیت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ ”حجۃ اللہ الباقیہ“ میں فرماتے ہیں کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ میں بہت سے خواص ہیں۔ پہلی خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک جلی کو ختم کر دیتا ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک خفی کو بھی ختم کرتا ہے اور تیسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بندے کے اور معرفت الہی کے درمیان حجابات کو سوخت کر کے حصول معرفت اور قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

(۲۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ عَلَّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهِ أَوْ أَدْعُوكَ بِهِ فَقَالَ يَا مُوسَىٰ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُ هَذَا إِنَّمَا أُرِيدُ شَيْئًا تَخْصُنِي بِهِ قَالَ مُوسَىٰ لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَغَايِرَهُنَّ غَيْرِي وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ وَضَعْنَ فِي كَفِّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كَفِّهِ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: ”اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جسکے ذریعے میں تیرا ذکر کروں (یا کہا کہ جس کے ذریعے میں تجھے پکاروں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اے موسیٰ“ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ”کہا کرو۔“ انہوں نے عرض کیا کہ: ”اے میرے رب یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں

زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور **لا الہ الا اللہ** دوسرے پلڑے میں **تولا الہ الا اللہ** کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا۔ (شرح ابن عثیم)

تشریح..... موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بناء پر قرب خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اسی کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو **لا الہ الا اللہ** بتایا جو افضل الذکر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری استدعا کسی خاص کلمہ کے لئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے۔ الغرض کلمہ **لا الہ الا اللہ** کا عموم اس کی قدر و قیمت اور عظمت کے بارے میں ان کے لئے حجاب بن گیا۔ اس لئے ان کو بتایا گیا کہ **لا الہ الا اللہ** کی حقیقت زمین و آسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ ہر عامی کو بھی پہنچا دی ہے۔ بہر کیف انبیاء و مرسلین کے لئے بھی کوئی کلمہ **"لا الہ الا اللہ"** سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔

اس بے بہا نعمت خداوندی کا شکر یہی ہے کہ اس کلمہ پاک کو اپنا ورد بنا جائے اور اس کی کثرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ قائم کیا جائے۔

کلمہ توحید کی خاص عظمت و برکت

(۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عِدْلُ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذَلِكَ حَتَّى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلِ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَهُنَّ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے سو دفعہ کہا **لا الہ الا اللہ** و **وحدہ لا شریک لہ** و **لہ الملک** و **لہ الحمد** و **ہو علی کل شیء قدیر** (نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک سا جھی نہیں، فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی ستائش ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے) تو وہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کے لئے سونکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سوغلط کاریاں محو کر دی جائیں گی، اور یہ عمل اس کے لئے اس دن شام تک شیطان کے حملہ سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا اور کسی آدمی کا عمل اس کے عمل سے افضل نہ ہوگا سوائے اس آدمی کے جس نے اس سے بھی زیادہ عمل کیا ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... بے شک کلمہ توحید جس میں کلمہ **لا الہ الا اللہ** کچھ اور اضافہ ہے جس سے اس کے منفی و مثبت مضمون کی مزید تشریح اور وضاحت ہوتی ہے اتنا ہی عظیم القدر اور بابرکت ہے جتنا کہ اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ مرنے کے بعد انشاء اللہ یہ چیز ہم سب کے مشاہدے میں آجائے گی۔ بعض لوگوں کو ایسی

حدیثوں کے بارے میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں جن میں کسی کلمہ کا اتنا بڑا ثواب بتایا جائے۔ حالانکہ خود انہیں اپنی زندگی میں بارہا اس کا تجربہ ہوا ہو گا کہ برائی اور فساد کا ایک کلمہ آگ لگا دیتا ہے، اور اس کے منحوس اثرات برسہا برس تک کے لئے خاندانوں اور گروہوں کی زندگیوں کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی خلوص سے نکلا ہوا ایک اصلاحی کلمہ خیر و فساد کی بھرکتی آگ کو بجھانے میں ٹھنڈے پانی کا کام کرتا ہے اور بے چینوں اور تلخیوں کو دور کر کے زندگیوں کو باغ و بہار بنا دیتا ہے۔ انسان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک کلمہ کے جو اثرات ہماری اس دنیا میں ہوتے ہیں ان میں غور و فکر کر کے آخرت کے ان سے بڑے اور دور رس نتائج و ثمرات کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہتا۔

”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ کی خاص فضیلت

(۲۶) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ بَلَى فَقَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. (رواه مسلم و البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک دن فرمایا: ”میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: ”ہاں حضرت ﷺ! ضرور بتائیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح: اس کلمہ کے ”خزائن جنت“ میں سے ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا اس کے لئے اس کلمہ کے بے بہا اجر و ثواب کا خزانہ اور ذخیرہ جنت میں محفوظ کیا جائے گا جس سے وہ آخرت میں ویسا ہی فائدہ اٹھا سکے گا جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا منشا اس لفظ سے اس کلمہ کی صرف عظمت اور قدرو قیمت بتانا ہے، یعنی یہ کہ جنت کے خزانوں کے جواہرات میں سے یہ ایک جوہر ہے۔ کسی چیز کو بہت قیمتی بنانے کیلئے یہ بہترین تعبیر ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے لئے سعی و حرکت اور اس کے کرنے کی وت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے، کوئی بندہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرا ایک مطلب جو اس کے نزیب ہی قریب ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ”گناہ سے باز آنا اور طاعت کا بجالانا اللہ کی مدد و توفیق کے بغیر ندے سے ممکن نہیں۔“

(۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْثَرُ مِنْ قَوْلٍ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ فَإِنَّهَا مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ یہ خزان جنت میں سے ہے۔ (جامع ترمذی)

(۲۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَدْلُكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَسْلَمَ عَبْدِي وَاسْتَسْلَمَ.

(رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اُترتا ہے اور خزانہ جنت میں سے ہے وہ ہے ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ (جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے تو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”یہ بندہ (اپنی انانیت سے دستبردار ہو کر) میرا تابعدار اور بالکل فرمانبردار ہو گیا۔“ (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح: اس حدیث میں کلمہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کو ”مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ“ کے علاوہ ”مِنْ تَحْتَ الْعَرْشِ“ بھی فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی دراصل اس کلمہ کی عظمت کے اظہار کا ایک عنوان ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اس کا نزول عرش الہی سے ہوا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: بعض مشائخ طریقت کا ارشاد ہے کہ: ”جس طرح شرکِ جلی و خفی اور قلب و نفس کی دوسری کدورتیں دور کرنے اور ایمان و معرفت کا نور حاصل کرنے میں کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ خاص اثر کرتا ہے۔ اسی طرح عملی زندگی درست کرنے یعنی معصیات اور منکرات سے بچنے اور نیکی کی راہ پر چلنے میں یہ کلمہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ خاص اثر رکھتا ہے۔“

اسماءِ حسنی

حقیقی معنی میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ”اللہ“ البتہ اس کے صفاتی نام سینکڑوں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں انہی کو اسماءِ حسنی کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام جعفر بن محمد صادق اور سفیان بن عیینہ اور بعض دوسرے اکابر امت سے نقل کیا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ کے نناوے نام تو صرف قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں۔ اور پھر انہی حضرات سے ان کی تفصیل اور تعین بھی نقل ہے۔ اس کے بعد حافظ ممدوحؒ نے ان میں سے بعض اسماء کے متعلق یہ تبصرہ کر کے کہ یہ اپنی خاص شکل میں قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں بلکہ استخراج اور اشتقاق کے طور پر وضع کئے گئے ہیں انکے بجائے دوسرے اسماء قرآن مجید ہی سے نکال کے بتایا ہے کہ یہ نناوے اسماءِ الہیہ قرآن مجید میں اپنی اصل شکل میں مذکور ہیں اور انکی پوری فہرست دی ہے جو انشاء اللہ عنقریب نقل ہوگی۔

ہمارے ہی زمانہ کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا تتبع احادیث سے کیا تو دوسو سے زائد ان کو ملے۔ یہ سارے صفاتی اسماءِ حُسنی اللہ تعالیٰ کے صفات کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کے ساتھ ان اسماء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے!

(۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نناوے نام یعنی ایک کم سو نام ہیں، جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: صحیحین کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے 'ان نناوے ناموں کی تفصیل اور تعین اس روایت میں نہیں کی گئی ہے۔ عنقریب ہی ان شاء اللہ جامع ترمذی وغیرہ کی اس روایت کا ذکر آئے گا جس میں تفصیل کے ساتھ یہ نناوے نام بیان کئے گئے ہیں۔ شارحین حدیث اور علماء کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اسماء الہیہ صرف نناوے میں منحصر نہیں ہیں اور یہ ان کی پوری تعداد نہیں ہے، کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد احادیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے نناوے ناموں کو یاد کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی صرف نناوے ناموں کا احصاء کر لینے پر بندہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیث پاک کے جملہ "مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" کی تشریح میں علماء اور شارحین نے مختلف باتیں لکھی ہیں۔ ایک! مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء الہیہ کے مطالب سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا۔ دوسرا! ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء حسنی کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو گا وہ جنت میں جائے گا۔ تیسرا! ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ نناوے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ان کے ذریعے اس سے دعا کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ امام بخاری نے "مَنْ أَحْصَاهَا" کی تشریح "مَنْ حَفِظَهَا" سے کی ہے بلکہ اس حدیث کی بعض روایات میں "مَنْ أَحْصَاهَا" کی جگہ "مَنْ حَفِظَهَا" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، اس لئے اس تشریح کو ترجیح دی گئی ہے، اور اسی لئے ترجمہ میں اس عاجز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے نناوے نام محفوظ کر لے اور ان کے ذریعے اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔ واللہ اعلم

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدَةً مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهِيمُنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُدِلُّ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

الْحَكْمُ الْعَدْلُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ الْحَلِيمُ الْعَظِيمُ الْغَفُورُ الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ الْحَفِيفُ
الْمُقِيتُ الْحَسِبُ الْجَلِيلُ الْكَرِيمُ الرَّقِيبُ الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيدُ
الْبَاعِثُ الشَّهِيدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيدُ
الْمُحْيِي الْمُمِيتُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْوَاحِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُفْتَدِرُ
الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِي الْمُتَعَالَى الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنتَقِمُ الْغَفُورُ
الرَّؤُوفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنَى الْمَانِعُ الضَّارُ
النَّافِعُ النُّورُ الْهَادِي الْبَدِيعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصُّبُورُ

(رواه الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ کے
نناوے نام ہیں (ایک لم سو) جس نے ان کو محفوظ کیا، اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔
(ان ناموں کی تفصیل یہ ہے۔)

وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں وہ ہے الرَّحْمَن (بڑی رحمت والا) الرَّحِيم (نہایت
مہربان) الْمَلِك (حقیقی بادشاہ اور فرمانروا) الْقُدُّوس (نہایت مقدس اور پاک) السَّلَام (جس کی ذاتی
صفت سلامتی ہے) الْمُؤْمِن (امن و امان عطا فرمانے والا) السَّمِيع (پوری نگہبانی فرمانے والا)
الْعَزِيز (غلبہ اور عزت جس کی ذاتی صفت ہے اور جو سب پر غالب ہے) الْجَبَّار (صاحب جبروت
ہے، ساری مخلوق اس کے زیر تصرف ہے) الْمُتَكَبِّر (کبریائی اور بڑائی اس کا حق ہے) الْخَالِق (پیدا
فرمانے والا) الْبَارِئ (ٹھیک بنانے والا) الْمُصَوِّر (صورت گری کرنے والا) الْغَفَّار (گناہوں کا
بہت زیادہ بخشنے والا) الْفَقَّار (سب پر پوری طرح غالب اور قابو یافتہ جس کے سامنے سب عاجز اور
مغلوب ہیں) الْوَهَّاب (بغیر کسی عوض اور منفعت کے خوب عطا فرمانے والا) الرَّزَّاق (سب کو
روزی دینے والا) الْفَتَّاح (سب کے لئے رحمت اور رزق کے دروازے کھولنے والا) الْعَلِيم (سب
کچھ جاننے والا) الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ (تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا۔ یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اپنی
حکمت اور مشیت کے مطابق کبھی کسی کے حالات میں تنگی پیدا کرتا ہے اور کبھی فراخی کر دیتا ہے)
الْحَافِضُ، الرَّافِعُ (پست کرنے والا، بلند کرنے والا) الْمُعِزُّ، الْمُدْلُ (عزت دینے والا، ذلت دینے
والا) (یعنی کسی کو نیچا اور کسی کو اونچا کرنا، کسی کو عزت دے کر سر فراز کرنا اور کسی کو قعر مذلت میں گرا
دینا اس کے قبضہ و اختیار میں ہے، اور یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے) السَّمِيعُ الْبَصِيرُ
(سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا) الْحَكْمُ الْعَدْلُ (حاکم حقیقی، سرِ پا عدل و انصاف) اللَّطِيفُ
(لطافت اور لطف و کرم جس کی ذاتی صفت ہے) الْخَبِيرُ (ہر بات سے باخبر) الْحَلِيمُ (نہایت
بردبار) الْعَظِيمُ (بڑی عظمت والا، سب سے بزرگ و برتر) الْغَفُورُ (بہت بخشنے والا) الشَّكُورُ
(حسن عمل کی قدر کرنے والا اور بہتر سے بہتر جزا دینے والا) الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (سب سے بالا، سب
سے بڑا) الْحَفِيفُ (سب کا نگہبان) الْمُقِيتُ (سب کو سامانِ حیات فراہم کرنے والا) الْحَسِبُ

(سب کے لئے کفایت کرنے والا) **الْجَلِيلُ** (عظیم القدر) **الْكَرِيمُ** (صاحب کرم) **الرَّقِيبُ** (نگہدار اور محافظ) **الْمُجِيبُ** (قبول فرمانے والا) **الرَّاسِعُ** (وسعت رکھنے والا) **الْحَكِيمُ** (سب کام حکمت سے کرنے والا) **الْوَدُودُ** (اپنے بندوں کو چاہنے والا) **الْمَجِيدُ** (بزرگی والا) **الْبَاعِثُ** (اٹھانے والا) موت کے بعد مَرْدُوں کو جلائے والا) **الشَّهِيدُ** (حاضر جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے) **الْحَقُّ** (جس کی ذات اور جس کا وجود اصلاً حق ہے) **الْوَكِيلُ** (کارسازِ حقیقی) **الْقَوِيُّ** **الْمَتِينُ** (صاحب قوت اور بہت مضبوط) **الْوَلِيُّ** (سرپرست مددگار) **الْحَمِيدُ** (مستحق حمد و ستائش) **الْمُحْصِي** (سب مخلوقات کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا) **الْمُبْدِي** **الْمُعِيدُ** (پہلا وجود بخشنے والا دوبارہ زندگی دینے والا) **الْمُحْيِي** **الْمُمِيتُ** (زندگی بخشنے والا موت دینے والا) **الْحَيُّ** (زندہ جاوید زندگی جس کی ذاتی صفت ہے) **الْقَيُّومُ** (خود قائم رہنے والا اور سب مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق قائم رکھنے والا) **الْوَاحِدُ** (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا) **الْمَاجِدُ** (بزرگی اور عظمت والا) **الْوَاحِدُ** **الْأَحَدُ** (ایک اپنی ذات میں اور یکتا اپنی صفات میں) **الْصَّمَدُ** (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) **الْقَادِرُ** **الْمُقْتَدِرُ** (قدرت والا سب پر کامل اقتدار رکھنے والا) **الْمُقَدِّمُ** **الْمُؤَخِّرُ** (جسے چاہے آگے کر دینے والا اور جسے چاہے پیچھے کر دینے والا) **الْأَوَّلُ** **الْآخِرُ** (سب سے پہلے اور سب سے پیچھے) (یعنی جب کوئی نہ تھا کچھ نہ تھا جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا کچھ نہ رہے گا وہ اس وقت اور اس کے بعد بھی موجود رہے گا) **الظَّاهِرُ** **الْبَاطِنُ** (بالکل آشکار اور بالکل مخفی) **الْوَالِي** (مالک و کارساز) **الْمُتَعَالِي** (بہت بلند و بالا) **الْبَرُّ** (بوا محسن) **التَّوَّابُ** (توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا) **الْمُسْتَقِيمُ** (مجرمین کو کیفر کردار کو پہنچانے والا) **الْعَفْوُ** (بہت معافی دینے والا) **الرَّؤُوفُ** (بہت مہربان) **مَالِكُ الْمُلْكِ** (سارے جہان کا مالک) **ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ** (صاحب جلال اور بہت کرم فرمانے والا جس کے جلال سے بندہ ہمیشہ خائف رہے اور جس کے کرم سے ہمیشہ امید رکھے) **الْمُقْسِطُ** (حقدار کا حق ادا کرنے والا عادل و منصف) **الْجَامِعُ** (ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا) **الْغَنِيُّ** **الْمَغْنَى** (خود بے نیاز جس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں اور اپنی عطا کے ذریعہ بندوں کو بے نیاز کر دینے والا) **الْمَنَاعُ** (روک دینے والا ہر اس چیز کو جس کو روکنا چاہے) **الضَّارُّ** **النَّافِعُ** (اپنی حکمت اور مشیت کے تحت ضرر پہنچانے والا اور نفع پہنچانے والا) **النُّورُ** (سرِ پانور) **الْهَادِي** (ہدایت دینے والا) **الْبَدِيعُ** (بغیر مثال سابق کے مخلوق کا پیدا فرمانے والا) **الْبَاقِي** (ہمیشہ رہنے والا جس کو کبھی فنا نہیں) **الْوَارِثُ** (سب کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا) **الرَّشِيدُ** (صاحب رُشد و حکمت جس کا ہر فعل اور فیصلہ درست ہے) **الصُّبُّورُ** (بڑا صابر کہ بندوں کی بڑی سے بڑی نافرمانیاں دیکھتا ہے اور فوراً عذاب بھیج کر ان کو تہس نہس نہیں کر دیتا) (جامع ترمذی دعوات کبیر للہبختی)

تشریح..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ابتدائی حصہ بالکل وہی ہے جو صحیحین کے حوالے

سے ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے۔ البتہ اس میں نناوے ناموں کی تفصیل بھی ہے جو صحیحین کی روایت میں نہیں ہے۔ اس بناء پر بعض محدثین اور شارحین حدیث کی یہ رائے ہے کہ حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کا اصل ارشاد بس اسی قدر ہے جتنا صحیحین کی روایت میں ہے یعنی: **”إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنِ احْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“** (اللہ تعالیٰ کے نناوے نام ہیں جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں جائے گا) اور ترمذی کی اس روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ کی روایتوں میں جو نناوے نام بہ تفصیل ذکر کئے گئے ہیں وہ ارشاد نبوی ﷺ کا جز نہیں ہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی شاگرد نے حدیث کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تفسیر کے طور پر قرآن وحدیث میں وارد شدہ یہ اسماء الہیہ ذکر کر دیئے ہیں گویا محدثین کی اصطلاح میں یہ اسماء حسنیٰ مدرج ہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم کی روایات میں نناوے ناموں کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس میں بہت بڑا فرق اور اختلاف ہے۔ اگر یہ نناوے اسماء حسنیٰ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے ہوتے تو ان میں اتنا اختلاف اور فرق ناممکن تھا۔

بہر حال یہ تو فن حدیث و روایت کی ایک بحث ہے، مگر اتنی بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ وغیرہ کی روایات میں جو نناوے اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے نناوے اسماء الہیہ کے احصاء پر (محفوظ کرنے پر) جو بشارت سنائی ہے اس کے وہ بندے یقیناً مستحق ہیں جو اخلاص اور عظمت کے ساتھ ان اسماء حسنیٰ کو محفوظ کریں اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس کی لم اور اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”جو صفات کمال حق تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانی چاہئیں اور جن چیزوں کی اس کی ذات پاک سے نفی کی جانی چاہئے، ان نناوے اسماء حسنیٰ میں وہ سب کچھ آجاتا ہے، اس بناء پر یہ اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مکمل اور صالح نصاب ہیں، اور اسی وجہ سے ان کے مجموعہ میں غیر معمولی برکت ہے، اور عالم قدس میں ان کو خاص قبولیت حاصل ہے اور جب کسی بندے کے اعمال نامہ میں یہ اسماء الہیہ ثبت ہوں تو یہ اس کے حق میں رحمت الہی کے فیصلہ کے موجب ہوں گے۔ واللہ اعلم۔“

ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں جو نناوے اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے دو تہائی تو قرآن مجید میں مذکور ہیں باقی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق وغیرہ جن حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نناوے نام قرآن مجید میں موجود ہیں ان کا ذکر ابھی اوپر کیا جا چکا ہے، اور اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ کی آخری کاوش کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے کہ انہوں نے صرف قرآن مجید سے وہ نناوے اسماء الہیہ نکالے ہیں جو اپنی اصل شکل میں قرآن پاک میں موجود ہیں۔

اگر ان محدثین اور شارحین کی بات مان لی جائے جن کی رائے ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں

جو اسماء حسنی ذکر کئے گئے ہیں یہ حدیث مرفوعہ کا جزو نہیں ہیں بلکہ کسی راوی کی طرف سے مُدرج ہیں^۱ یعنی حدیث کے اجمال کی تفصیل کے طور پر انہوں نے قرآن و حدیث میں وارد شدہ ان ناموں کا اضافہ کر دیا ہے تو پھر حافظ ابن حجر کی پیش کردہ وہ فہرست قابلِ ترجیح ہونی چاہئے جس کے سب اسماء بغیر کسی خاص تصرف کے قرآن مجید ہی سے لئے گئے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی وہ فہرست فَتْحُ الْبَارِی سے نقل کرتے ہیں انہوں نے اسم ذات اللہ کو بھی ان نناوے ناموں میں شمار کیا ہے بلکہ اسی سے اپنی فہرست کا آغاز کیا ہے۔

نناوے اسماء حسنی جو سب کے سب قرآن مجید میں ہیں

اللَّهُ	الرَّحْمَنُ	الرَّحِيمُ	الْمَلِكُ	الْقُدُّوسُ	السَّلَامُ
الْمُؤْمِنُ	الْمُهَيِّمُ	الْعَزِيزُ	الْجَبَّارُ	الْمُتَكَبِّرُ	الْخَالِقُ
الْبَارِئُ	الْمُصَوِّرُ	الْغَفَّارُ	الْقَهَّارُ	التَّوَّابُ	الْوَهَّابُ
الْخَلَّاقُ	الرَّزَّاقُ	الْفَتَّاحُ	الْعَلِيمُ	الْحَلِيمُ	الْعَظِيمُ
الْوَاسِعُ	الْحَكِيمُ	الْحَيُّ	الْقَيُّومُ	السَّمِيعُ	الْبَصِيرُ
اللطيفُ	الْخَبِيرُ	الْعَلِيُّ	الْكَبِيرُ	الْمُحِيطُ	الْقَدِيرُ
الْمَوْلَى	النَّصِيرُ	الْكَرِيمُ	الرَّقِيبُ	الْقَرِيبُ	الْمُجِيبُ
الْوَكِيلُ	الْحَسِيبُ	الْحَفِيطُ	الْمُقِيتُ	الْوَدُودُ	الْمَجِيدُ
الْوَارِثُ	الشَّهِيدُ	الْوَلِيُّ	الْحَمِيدُ	الْحَقُّ	الْمُبِينُ
الْقَوِيُّ	الْمَتِينُ	الْغَنِيُّ	الْمَالِكُ	الشَّدِيدُ	الْقَادِرُ
الْمُقْتَدِرُ	الْقَاهِرُ	الْكَافِي	الشَّاكِرُ	الْمُسْتَعَانُ	الْقَاطِرُ
الْبَدِيعُ	الْغَافِرُ	الْأَوَّلُ	الْآخِرُ	الظَّاهِرُ	الْبَاطِنُ
الْكَفِيلُ	الْغَالِبُ	الْحَكَمُ	الْعَالِمُ	الرَّفِيعُ	الْحَافِظُ
الْمُنْتَقِمُ	الْقَائِمُ	الْمُحْيِي	الْجَامِعُ	الْمَلِكُ	الْمُتَعَالِ
النُّورُ	الْهَادِي	الْغَفُورُ	الشُّكُورُ	الْعَفُوُّ	الرَّؤُوفُ
الْأَكْرَمُ	الْأَعْلَى	الْبَرُّ	الْحَفِيُّ	الرَّبُّ	الْإِلَهِ

الْوَحْدُ	الْأَحَدُ	الصَّمَدُ	الَّذِي	لَمْ يَلِدْ	وَلَمْ يُولَدْ
		وَلَمْ يَكُنْ لَهُ	كُفُؤًا أَحَدٌ		

(فتح الباری صفحہ ۸۳: ۲۹۷)

نناوے اسماء حسنی جو ترمذی کی روایت میں مذکور ہیں اور اسی طرح یہ جو حافظ ابن حجر نے قرآن مجید سے نکالے ہیں، بلاشبہ ان میں سے ہر ایک معرفت الہی کا دروازہ ہے۔ علمائے امت نے مختلف زمانوں میں ان کی شرح میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مہمات میں ان کے ذریعہ دعا کرنا بہت سے اہل اللہ کے خاص معمولات میں سے ہے اور اس کی قبولیت مجرب ہے۔

اسم اعظم

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے بعض وہ ہیں جن کو اس لحاظ سے خاص عظمت و امتیاز حاصل ہے کہ جب انکے ذریعہ دعا کی جائے تو قبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے۔ ان اسماء کو حدیث میں ”اسم اعظم“ کہا گیا ہے، لیکن صفائی اور صراحت کے ساتھ ان کو متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کسی درجہ میں ان کو مبہم رکھا گیا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ **لیلة القدر** کو اور **جمعہ** کے دن قبولیت دعا کے خاص وقت کو مبہم رکھا گیا ہے۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک ہی اسم پاک ”اسم اعظم“ نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ متعدد اسماء حسنی کو ”اسم اعظم“ کہا گیا ہے۔ نیز انہی احادیث سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ عوام میں اسم اعظم کا جو تصور ہے اور اس کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں، اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھی جائیں:

(۳۱) عَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُؤًا أَحَدٌ، فَقَالَ

دَعَا اللَّهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اس طرح دعا کرتے ہوئے

سنا، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہا تھا: ”اے اللہ! میں اپنی حاجت تجھ سے مانگتا ہوں، بوسیله اسکے

کہ بس تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، ایک اور یکتا ہے، بالکل بے نیاز ہے، اور سب تیرے

محتاج ہیں، نہ کوئی تیری اولاد نہ تو کسی کی اولاد اور نہ تیرا کوئی ہمسر“ رسول اللہ ﷺ نے (جب اس بندے

کو یہ دعا کرتے سنا تو) فرمایا کہ: اس بندے نے اللہ سے اسکے اس اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے جب

اسکے وسیلہ سے اس سے مانگا جائے تو وہ دیتا ہے، اور جب اسکے وسیلہ سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۳۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّي فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ أَسْأَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللَّهُ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک بندہ وہاں نماز پڑھ رہا تھا اس نے اپنی دعا میں عرض کیا: ”اے اللہ! میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں بوسیله اس کے کہ ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے، کوئی معبود نہیں تیرے سوا تو نہایت مہربان اور بڑا محسن ہے زمین و آسمان کا پیدا فرمانے والا ہے میں تجھ ہی سے مانگتا ہوں اے ذوالجلال والاکرام! اے حی الہ قیوم!“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اس بندے نے اللہ کے اُس اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے کہ اس کے وسیلہ سے جب خدا سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے وسیلہ سے مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔“ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۳۳) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِسْمُ اللَّهِ الْأَعْظَمُ فِي هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ وَاللَّهُمَّ إِلَهَ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ وَفَاتِحَةِ آلِ عِمْرَانَ ط أَلَمْ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

ترجمہ: اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسم اللہ الاعظم“ ان دو آیتوں میں موجود ہے۔ ایک۔ ”وَاللَّهُمَّ إِلَهَ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ“ اور دوسری۔ ”أَلَمْ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ“۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح: ان احادیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک مخصوص نام پاک کو اسم اعظم نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آخری حدیث میں جن دو آیتوں کا حوالہ دیا گیا اور اس سے پہلی دونوں حدیثوں میں دو شخصوں کی جو دو دعائیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک میں متعدد اسماء الہیہ کی خاص ترکیب سے اللہ تعالیٰ کا جو مرکب اور جامع وصف مفہوم ہوتا ہے اس کو ”اسم اعظم“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس نوع کے علوم و معارف سے خاص طور پر نوازا ہے انہوں نے ان احادیث سے یہی سمجھا ہے۔ واللہ اعلم^①

① شاہ صاحب ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں فرماتے ہیں: واعلم ان الاسم الاعظم الذي اذا سئل به اعطي واذا دعي به اجاب هو الاسم الذي يدل على اجمع تدل من تدليات الحق والذي تدل له الملاء الا على اكثر تد اول ونطق به التراجمة في كل عصر..... وهذا معنى يصدق على ”انت الله لا اله الا انت الاحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد“ و على ”لك الحمد لا اله الا انت الحنان المنان بديع السموات والارض يا ذا الجلال والاکرام يا حي يا قيوم“ ويصدق على اسماء تضاهي ذلك. (حجتہ اللہ البالغہ ص ۷۷ جلد ۲)

قرآن مجید کی تلاوت

ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت بھی ”ذکر اللہ“ کی ایک قسم ہے اور بعض حیثیتوں سے سب سے افضل اور اعلیٰ قسم ہے۔ اس میں بندے کی مشغولیت اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تشبیہ اور مثال سے وراء الوراہے، لیکن ناچیز راقم سطور نے اس حقیقت کو اپنے اس ذاتی تجربہ سے خوب سمجھا ہے کہ جب کبھی کسی کو اس حال میں دیکھا کہ وہ میری لکھی ہوئی کوئی کتاب قدر اور توجہ سے پڑھ رہا ہے تو دل سرور سے بھر گیا اور اس شخص سے ایک خاص تعلق اور لگاؤ پیدا ہو گیا ایسا تعلق اور لگاؤ جو بہت سے قریبی عزیزوں، دوستوں سے بھی نہیں ہوتا۔ بہر حال میں نے تو اپنے اسی تجربہ سے یہ سمجھا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے پاک کلام **قرآن مجید** کی تلاوت کرتے سنتا اور دیکھتا ہوگا، تو اس بندہ پر اس کو کیسا پیار آتا ہوگا (الایہ کہ اپنے کسی شدید جرم کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے پیار اور نظر کرم کا مستحق ہی نہ ہو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قرآن مجید کی عظمت سے آشنا کرنے اور اس کی تلاوت وغیرہ کی ترغیب دینے کے لئے مختلف عنوانات استعمال فرمائے ہیں۔ ہم نے بھی اس سلسلہ کی احادیث کو مختلف عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے وہ نفع اٹھانے کی توفیق دے، جو ان کا اصل مقصد ہے۔

قرآن مجید کی عظمت و فضیلت

قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے، یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں، اور عالم بالا و عالم غیب کی مخلوقات میں عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب ترین فرشتے، یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیر اللہ اور مخلوق ہیں۔ لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذاتِ عالی کے ساتھ قائم ہے۔ یہ اللہ پاک کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم تر نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول امین ﷺ کے ذریعے وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں، پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طویٰ کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا تھا۔ کتنا خوش قسمت تھا وہ بے جان درخت جس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کے لئے بطور آلہ کے استعمال فرمایا تھا۔ جو بندہ اخلاص اور عظمت و احترام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت

کرتا ہے اس کو اس وقت شجرہ موسوی والا یہ شرف نصیب ہوتا ہے اور گویا وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس مختصر تمہید کے بعد قرآن مجید کی عظمت و فضیلت کے بیان میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھئے:

(۳۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِينَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ. (راوہ الترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے، میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں اور دوسرے اور کلاموں کے مقابلہ میں اللہ کے کلام کو ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو۔ (جامع ترمذی سنن دارمی شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: اس سلسلہ معارف الحدیث میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات فرمائیں اور وہ بات قرآن مجید میں نہ ہو تو خاص عرف و اصطلاح میں ایسی حدیثوں کو ”حدیث قدسی“ کہتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ حدیث بھی اسی طرح کی ہے۔ اس میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے جس بندے کو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ایسا شغف ہو کہ وہ دن رات اسی میں لگا پڑتا رہتا ہو، یعنی اس کی تلاوت میں اس کے یاد کرنے میں اس کے تدبر اور تفکر میں یا اس کے سیکھنے سکھانے میں اخلاص کے ساتھ مشغول رہتا ہو اور قرآن پاک میں اس ہمہ وقتی مشغولیت کی وجہ سے اس کے علاوہ اللہ کے ذکر اس کی حمد و تسبیح اور اس سے دعائیں کرنے کا موقع ہی اس کو نہ ملتا ہو، تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ کچھ خسارے میں رہے گا اور ذکر و دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ اس کو نہ پاسکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسے بندوں کو میں اس سے زیادہ اور اس سے بہتر دوں گا جو ذکر کرنے والے اور دعائیں مانگنے والے اپنے بندوں کو دیتا ہوں۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں کے مقابلے میں ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی کہ خود اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت قائم ہے۔

(۳۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ كِتَابُ اللَّهِ، فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ أَفْضَلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ، وَمَنْ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ، وَهُوَ

حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ، هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ إِلَّا لِسْنُهُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقُضِي عَجَابُهُ، هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهُ الْجِنَّ إِذْ سَمِعَتْهُ حَتَّى قَالُوا "إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَأَمْنًا بِهِ" مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدَى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (رواه الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا: ”اگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے۔“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کتاب اللہ“ اس میں تم سے پہلے امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دنیوی و اخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں) قرآن مجید میں ان سب سے بھی اگاہی دے دی گئی ہے) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں ان کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قول فیصل ہے، وہ فضول بات اور یادہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایت حق سے محروم رہے گا) قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے اور محکم نصیحت نامہ ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے۔ وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات سچی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اس کو محرف کر دیا اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی) اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا بلکہ قرآن کے طالبین علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علم قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی ان کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور ان کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ قرآن کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد ان کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اتنا ہی اس کے لطف و لذت میں اضافہ ہوگا) اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے:

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ. (الجن، ۷۲: ۱۰۲)

ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے، رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی، پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر و

ثواب ہو اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے قرآن کی طرف

دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گئی۔ (جامع ترمذی و سنن دارمی)

تشریح۔۔۔۔۔ یہ حدیث قرآن کریم کی عظمت و فضیلت کے بیان میں بلاشبہ نہایت جامع حدیث ہے۔ اس میں جو کلمات اور جو جملے وضاحت طلب تھے انکی وضاحت ترجمہ ہی میں کر دی گئی ہے۔

قرآن کا معلم اور متعلم

(۳۶) عَنْ عُمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (رواہ البخاری)

ترجمہ۔۔۔۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر اور افضل بندہ وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔“ (صحیح بخاری)

تشریح۔۔۔۔۔ قرآن مجید کو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے جب دوسرے کلاموں پر اس طرح کی فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس طرح کی اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا سیکھنا، سکھانا دوسرے تمام اچھے کاموں سے افضل و اشرف ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم پیغمبرانہ وظیفہ وحی کے ذریعہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ سے لینا، اس کی حکمت کو سمجھنا اور دوسروں تک اس کو پہنچانا اور اس کو سکھانا تھا اس لئے اب قیامت تک جو بندہ قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے کو اپنا شغل اور وظیفہ بنائے گا وہ گویا رسول اللہ ﷺ کے خاص مشن کا علمبردار اور خادم ہوگا۔ اور اس کو آنحضرت ﷺ سے خاص الخاص نسبت حاصل ہوگی۔ اس بناء پر قرآن پاک کے متعلم اور معلم کو سب سے افضل و اشرف ہونا ہی چاہئے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ قرآن مجید کا یہ سیکھنا سکھانا اخلاص کے ساتھ اور اللہ کے لئے ہو، اگر بد قسمتی سے کسی دنیوی غرض کے لئے قرآن سیکھنے سکھانے کو کوئی اپنا پیشہ بنائے تو حدیث پاک میں ہے کہ: وہ ان بد نصیبوں میں سے ہوگا جو سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور اس کا اولین ایندھن بنیں گے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔۔۔۔۔

(یہ حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے معارف جلد دوم کے بالکل آخر میں درج ہو چکی ہے)

حامل قرآن پر رشک برحق

(۳۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى الثَّيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آتَاءَ اللَّيْلِ وَآتَاءَ

النَّهَارِ وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آتَاءَ اللَّيْلِ وَ آتَاءَ النَّهَارِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”صرف دو آدمی قابلِ رشک ہیں (اور ان پر رشک آنا برحق ہے) ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی پھر وہ دن اور رات کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ خوش نصیب آدمی جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ دن اور رات کے اوقات میں راہِ خدا میں اس کو خرچ کرتا رہتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:..... دن اور رات میں قرآن پاک میں مشغول ہونے اور رہنے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے سیکھنے سکھانے میں لگا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں اور بیرون نماز اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ فکر و اہتمام کے ساتھ اس کے احکام و ہدایات پر عمل کرتا رہتا ہے۔ حدیث کے الفاظ: ”فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آتَاءَ اللَّيْلِ وَ آتَاءَ النَّهَارِ“ اس طرح کی سب شکلوں پر حاوی ہیں۔ قرآن پاک کی عظیم نعمت کا شکر یہی ہے کہ بندہ اس کو اپنا شغل اور اپنی زندگی کا دستور بنالے۔

قرآن کے خاص حقوق

(۳۸) عَنْ عُبَيْدَةَ الْمَلِیْکِیِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَ اتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ مِنْ آتَاءِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ أَفْشُوهُ وَ تَغْنَّوْهُ وَ تَدَبَّرُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَ لَا تَعَجَّلُوا ثَوَابَهُ فَإِنَّ لَهُ ثَوَابًا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبیدہ مملیکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے قرآن والو! قرآن کو اپنا تکیہ اور سہارا نہ بنالو بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور اس کو پھیلاؤ اور اس کو دلچسپی سے اور مزہ لے لے کر پڑھا کرو اور اس میں تدبر کرو امید رکھو کہ تم اس سے فلاح پا جاؤ گے اور اس کا عاجل معاوضہ لینے کی فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا عظیم ثواب اور معاوضہ (اپنے وقت پر) ملنے والا ہے۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن بندوں کو قرآن کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ اسی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہمارے پاس قرآن ہے اور ہم قرآن والے ہیں بلکہ انہیں چاہئے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کریں رات اور دن کے اوقات میں اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کیا کریں اس کو اور اس کے پیغام ہدایت کو دوسروں تک پہنچائیں اس کو مزہ لے لے کے پڑھیں اس کے احکام اس کی ہدایات اس کے قصص اور نصائح پر غور و فکر کیا کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی فلاح کی پوری امید ہے۔ اور انہیں چاہئے کہ وہ قرآن کے اس پڑھنے اور پڑھانے اور اس کی خدمت کا معاوضہ دنیا ہی میں نہ چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اپنے وقت پر اس کا بڑا غیر معمولی معاوضہ اور عظیم صلہ ملنے والا ہے۔

قرآن اور قوموں کا عروج و زوال

(۳۹) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ

آخِرِينَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ اس کتاب پاک (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا۔“ (صحیح مسلم)

تشریح: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت قائمہ اور بندوں کے لئے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے۔ اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے انحراف اور سرکشی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو امت خواہ وہ کسی نسل سے ہو اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن مجید کو اپنا راہنما بنا کر اپنے کو اس کا تابعدار بنادے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سر بلند کرے گا۔ اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچی گرا دی جائے گی۔

اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے۔ اس حدیث میں ”اقواماً“ کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج و زوال کے اس الہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

تلاوت قرآن کا اجر و ثواب

(۴۰) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ

حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُولُ ”الْم“ حَرْفٌ، أَلِفٌ حَرْفٌ وَ لَا مٌ حَرْفٌ وَ مِيمٌ

حَرْفٌ (رواه الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ کہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ (مزید وضاحت کے لئے آپ نے فرمایا) میں یہ نہیں کہتا (یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے) کہ ”الْم“ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (اس طرح ”الْم“ پڑھنے والا بندہ تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا۔) (جامع ترمذی سنن دارمی)

تشریح: اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون کہ ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا۔

واضح طور پر قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۃ النعام میں ارشاد ہے:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (النعام: ۲۰)

جو بندہ ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو حروفِ تنجی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی جو اجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”میں نہیں کہتا کہ **بسم اللہ** ایک حرف ہے بلکہ ”ب“ ایک حرف ہے، ”س“ ایک حرف ہے ”م“ ایک حرف ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ **الم** ایک حرف ہے بلکہ ”ا“ ”ل“ ”م“ الگ الگ حروف ہیں۔“ اللہ پاک یقین کی دولت نصیب فرمائے۔ اس حدیث میں کلام پاک کی تلاوت کرنے والوں کے لئے بڑی ہی خوشخبری ہے۔ فطوبیٰ لہم۔

اس حدیث سے ایک واضح اشارہ یہ بھی ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ثواب کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی مفہوم سمجھ کر ہی ہو۔ کیونکہ ”الم“ اور سارے حروف مقطعات کی تلاوت معنی مفہوم سمجھے بغیر ہی کی جاتی ہے اور حدیث نے صراحت بتلایا کہ ان حروف کی تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم۔

قرآن کی تلاوت قلب کا صیقل

(۴۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا جِئَاءُ هَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ

الْقُرْآنِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ: ”حضور ﷺ! (ذلوں کے اس زنگ کے دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟“ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: قلب کا زنگ یہ ہے کہ وہ اللہ سے اور آخرت کے انجام سے غافل اور بے فکر ہو جائے یہ سارے چھوٹے بڑے گناہوں کی جڑ بنیاد ہے۔ اور بلاشبہ اس بیماری کی اکسیر دوا یہی ہے کہ اپنی موت کو بہت زیادہ یاد کیا جائے اس کا دھیان اور مراقبہ کیا جائے اور قرآن مجید کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص الخاص نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادب اور اخلاص کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اگر یہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شوق اور تدبر کے ساتھ ہوگی تو انشاء اللہ قلب کے زنگ کو دور کر کے اس کو نور سے بھر دے گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔^① (حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ماہر قرآن کا مقام

(۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَّةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے قرآن میں مہارت حاصل کر لی ہو (اور اس کی وجہ سے وہ اس کو..... حفظ یا ناظرہ..... بہتر طریقے پر اور بے تکلف رواں پڑھتا ہو وہ معزز اور وفادار و فرمانبردار فرشتوں کے ساتھ ہو گا۔ اور جو بندہ قرآن پاک (اچھا یاد اور رواں نہ ہونے کی وجہ سے زحمت اور مشقت کے ساتھ) اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (ایک تلاوت کا اور دوسرے زحمت و مشقت کا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں سفرہ کا جو لفظ ہے اس سے اکثر شارحین نے حامل وحی فرشتے مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے اس سے انبیاء و رسل علیہم السلام مراد لئے ہیں اور لفظی معنی میں ان دونوں ہی کی گنجائش ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے قرآن کو کلام اللہ یقین کرتے ہوئے اس سے شغف رکھیں اور کثرت تلاوت اور اہتمام کی وجہ سے قرآن پاک سے ان کو خاص مناسبت اور مہارت حاصل ہو جائے۔ ان کو انبیاء و رسل کی یا حامل وحی فرشتوں کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ اور جن ایمان والے بندوں کا حال یہ ہو کہ صلاحیت اور مناسبت کی کمی کی وجہ سے وہ قرآن کو رواں نہ پڑھ سکتے ہوں بلکہ تکلف کے ساتھ اور اٹک اٹک کے پڑھتے ہوں اور اس کے باوجود اجر و ثواب کی امید پر تلاوت کرتے ہوں ان کو تلاوت کے اجر و ثواب کے علاوہ اس زحمت و مشقت کا بھی ثواب ملے گا اس لئے ان کو اپنی اس حالت کی وجہ سے شکستہ دل نہ ہونا چاہئے۔

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کر نیکانعام

(۴۳) عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ الْبَسَ وَالِدَاهُ تَابَا

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۱ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ”احسان“ کے بیان میں قرآن مجید کی تلاوت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ”تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و محبت اور انتہائی تعظیم و احوال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے، اور اس کے مواعظ اور نصائح میں غور اور ان سے اثر لینے کی کوشش کرے، اور اس کے احکام و ہدایات کی تعمیل اور پیروی کے عزم کے ساتھ تلاوت کرے اور اس میں بیان ہونے والے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرے، اور جب اللہ کی صفات کا بیان آئے تو کہے ”سبحان اللہ“ اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں جنت اور اللہ کی رحمت کا بیان ہے تو اللہ سے فضل و کرم فرمانے کی دعا کرے اور اپنے لئے جنت اور رحمت کا سوال کرے۔ اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں دوزخ اور اللہ کے غضب کا بیان ہے تو اللہ سے پناہ مانگے۔“

بلاشبہ اس طرح کی تلاوت قلب کا خاص الخاص صیقل ہے اور جس بندہ کو کسی درجہ میں بھی ایسی تلاوت نصیب ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس فضل سے محروم نہ فرمائے۔ ۱۲

يَوْمَ الْقِيَمَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهِذَا. (رواه احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا، قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ حسین ہوگی، جبکہ وہ روشنی دنیا کے گھروں میں ہو اور سورج آسمان سے ہمارے پاس ہی اتر آئے۔ (اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا) پھر تمہارا کیا گمان ہے خود اس آدمی کے بارے میں جس نے خود یہ عمل کیا ہو؟“ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے والدین کو جب ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی حسین تر ہوگی، تو سمجھ لو کہ خود اس قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا عطا فرمایا جائے گا۔

قیامت میں قرآن پاک کی شفاعت و وکالت

(۴۴) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ اقْرَأُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقْرَةَ وَسُورَةَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَأَنَّهُمَا غَنَمَتَانِ أَوْ غَيَاتَانِ أَوْ فُرْقَانٍ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٍ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا اقْرَأُوا سُورَةَ الْبَقْرَةِ فَإِنَّ أَخَذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرَكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيعُهَا الْبَاطِلُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ: ”قرآن پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا۔“ (خاص کر) ”زہراوین“ یعنی اس کی دو اہم نورانی سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سایہ میں لئے اس طرح آئیں گی جیسے کہ وہ ابر کے ٹکڑے ہیں، یا سائبان ہیں، یا صف باندھے پرندوں کے پرے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گی۔ (آپ نے فرمایا) پڑھا کرو سورہ بقرہ کیونکہ اس کو حاصل کرنا بڑی برکت والی بات ہے، اور اس کو چھوڑنا بڑی حسرت اور ندامت کی بات ہے، اور اہل بطلت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ: قرآن اپنے ”اصحاب“ کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا۔ ”اصحاب قرآن“ وہ سب لوگ ہیں جو قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے تعلق اور شغف کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا وسیلہ یقین کرتے ہوئے اس سے خاص نسبت اور لگاؤ رکھیں، جس کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: کثرت سے اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر اور تفکر اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام رکھیں، یا اس کی تعلیم

ہدایت کو عام کرنے اور پھیلانے کی جدوجہد کریں ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ قرآن ان کے حق میں شفیع ہوگا۔ ہاں اخلاص یعنی اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت شرط ہے۔

اس حدیث میں قرآن پاک کی قرأت و تلاوت کی عمومی ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **سورۃ بقرہ** اور **سورۃ آل عمران** کی تلاوت و قرأت کی خصوصیت کے ساتھ بھی ترغیب دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ: قیامت میں اور حشر میں جب ہر شخص سایہ کا بہت ہی محتاج اور ضرورت مند ہوگا یہ دونوں سورتیں بادل یا سایہ دار چیز کی طرح یا پرندوں کے پرے کی طرح اپنے اصحاب پر سایہ کئے رہیں گی اور ان کی طرف سے وکالت اور جوابدہی کریں گی۔ اور آخر میں سورۃ بقرہ کے متعلق مزید فرمایا کہ: اس کے سیکھنے اور پڑھنے میں بڑی برکت ہے اور اس سے محرومی میں بڑا خسارہ ہے۔ اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ”**ساحرین**“ ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کی تلاوت کا معمول رکھنے والے پر کبھی کسی جادوگر کا جادو نہیں چلے گا۔

سورۃ بقرہ کی اس خاصیت اور تاثیر کا اشارہ اس حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: جس گھر میں **سورۃ بقرہ** پڑھی جائے شیطان اس گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے ^۱ بعض شارحین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اہل بطالت یعنی ناحق کوش لوگ سورۃ بقرہ کی برکات حاصل نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان برکات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۵) **عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُوتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَأَهْلُهُ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ تَقْدُمُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَالْإِمْرَانُ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ ظِلَّتَانِ سَوْدَا وَان بَيْنَهُمَا شَرْقٌ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٍ تَحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ فرماتے تھے کہ: ”قیامت کے دن قرآن کو اور ان قرآن والوں کو لایا جائے گا جو اس پر عامل تھے۔ سورۃ بقرہ اور آل عمران (جو قرآن کی سب سے پہلی سورتیں ہیں) وہ پیش پیش ہوں گی (محسوس ہوگا) گویا کہ وہ بادل کے دو ٹکڑے ہیں یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن میں نور کی چمک ہے یا صاف باندھے پرندوں کے دو پرے ہیں اور وہ مدافعت اور وکالت کریں گی اپنے سے تعلق رکھنے والوں کی۔“ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث کا مضمون قریب قریب وہی ہے جو حضرت ابو امامہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے۔ ذرا تصور کیا جائے قیامت اور میدان حشر کی ہولناکیوں کا۔ کیسے خوش نصیب ہوں گے اللہ کے وہ بندے جو قرآن پاک سے خاص تعلق اور شغف اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کی برکت سے حشر کے اس پرہول میدان میں اس شان سے آئیں گے کہ اللہ کا کلام پاک ان کا شفیع و وکیل بن کر ان کے ساتھ ہوگا اور اس کی

پہلی اور اہم نورانی سورتیں **بقرہ** اور **ال عمران** اپنے انوار کے ساتھ ان کے سروں پر سایہ فگن ہوں گی۔ ان احادیث پر مطلع ہو جانے کے بعد بھی جو بندے اس سعادت کے حاصل کرنے میں کوتاہی کریں، بلاشبہ وہ بڑے محروم ہیں۔

خاص خاص سورتوں اور آیتوں کی برکات

بعض حدیثوں میں خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو امامہ باہلیؓ اور حضرت نواس بن سمعانؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں پورے قرآن کی فضیلت کیساتھ خاص طور سے **سورۃ بقرہ** اور **ال عمران** کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسری بعض سورتوں اور خاص خاص آیتوں کے فضائل و برکات بھی مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ ذیل میں اس سلسلہ کی بھی چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ

(۴۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِأَبِي بَنْي كَعْبٍ أَتُحِبُّ أَنْ أَعْلِمَكَ سُورَةَ لَمْ يَنْزِلْ فِي التَّوْرَةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلَهَا قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ فَقَرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أَنْزَلْتُ فِي التَّوْرَةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلَهَا وَأَنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيَتْهُ. (رواه ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب سے فرمایا کہ: ”کیا تمہاری خواہش ہے کہ میں تم کو قرآن کی وہ سورت سکھاؤں جس کے مرتبہ کی کوئی سورت نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ قرآن ہی میں؟“ ابی نے عرض کیا ہاں حضور ﷺ! مجھے وہ سورت بتادیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نماز میں قرأت کس طرح کرتے ہو؟“ ابی نے آپ کو سورۃ فاتحہ پڑھ کر سنائی (کہ میں نماز میں یہ سورت پڑھتا ہوں اور اس طرح پڑھتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ توریت، انجیل، زبور میں سے کسی میں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی، یہی وہ ”سبع من المثنیٰ والقرآن العظیم“ ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: قرآن مجید میں سورۃ حجر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر اپنے خاص الخاص انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ“ (اور ہم نے تم کو سات آیتیں وظیفہ کے طور پر بار بار دہرائی جانے والی عطا کیں اور قرآن عظیم) رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ بالا حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ”سبع من المثنیٰ والقرآن العظیم“ سورۃ فاتحہ ہی ہے۔ اور یہ ایسی عظیم الشان اور عظیم البرکت سورت ہے کہ اس درجہ کی سورت کسی پہلی آسمانی کتاب میں

بھی نازل نہیں کی گئی، اور قرآن میں بھی اس کے درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ یہ پورے قرآن کے مضامین پر حاوی ہے۔ اسی لئے اسکو ”ام القرآن“ بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اسکو قرآن کا افتتاحیہ قرار دیا گیا ہے، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اسکا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ جس بندے کو سورۃ فاتحہ یاد ہے اور اخلاص کے ساتھ اسکا پڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دولت اور نعمت نصیب ہے۔ چاہئے کہ وہ اسکی قدرو عظمت کو محسوس کرے اور اس کا حق ادا کرے۔

سورۃ بقرہ

(۴۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِكُلِّ شَيْئٍ سِنَامٌ وَسِنَامُ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ آيَةُ الْكُرْسِيِّ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”ہر چیز کی کوئی چوٹی ہوتی ہے (جو سب سے اوپر اور بالاتر ہوتی ہے) اور قرآن کی چوٹی سورۃ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت (آیت الکرسی) تمام آیات قرآنی کی گویا سر دار ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اسلام کے بنیادی اصول و عقائد اور احکام شریعت کا جتنا تفصیلی بیان سورۃ بقرہ میں کیا گیا، اتنا اور ایسا قرآن پاک کی کسی دوسری سورت میں نہیں کیا گیا۔ غالباً اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو قرآن مجید میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے، اور غالباً اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو اس حدیث میں ”سنام القرآن“ کا لقب دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ الْبَقَرَةُ فِيهِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اپنے گھروں کو مقبرے نہ بنالو (یعنی جس طرح قبرستانوں میں مُردے ذکر و تلاوت نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے قبرستانوں کی فضا ذکر و تلاوت کے انوار و آثار سے خالی رہتی ہے، تم اس طرح اپنے گھروں کو نہ بنالو بلکہ گھروں کو ذکر و تلاوت سے معمور رکھا کرو) اور جس گھر میں (خاص کر) سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس گھر میں شیطان نہیں آسکتا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: بعض سورتوں کے، اور اسی طرح بعض آیات کے کچھ خواص ہیں۔ اس حدیث میں سورۃ بقرہ کی خاص برکت اور تاثیر یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جس گھر میں اس کی تلاوت کی جائے وہ شیطان کے اثرات اور تسلط سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی بعض خاص فضیلتوں کا بیان اس سے پہلے بھی بعض حدیثوں میں ضمناً گزر چکا ہے۔

سورۃ الکہف

(۴۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ النُّورُ

مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ. (رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھے اس کے لئے نور روشن ہو جائے گا دو جمعوں کے درمیان۔ (دعوات الكبير للبيهقي)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ کہف کو جمعہ کے دن کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس دن میں اس کی تلاوت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ترغیب دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ کہف کے پڑھنے سے قلب میں ایک خاص نور پیدا ہوگا جس کی روشنی اور برکت اگلے جمعہ تک رہے گی۔ اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ ”هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه“

ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے) سورۃ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ: ”جو ان کو یاد کر لے گا اور پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔“ اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ سورۃ کہف کے ابتدائی حصہ میں جو تمہیدی مضمون ہے اور اسی کے ساتھ اصحاب کہف کا جو واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اس میں ہر دجالی فتنہ کا پورا توڑ موجود ہے اور جس دل کو ان حقائق اور مضامین کا یقین نصیب ہو جائے جو کہف کی ان ابتدائی آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ دل کسی دجالی فتنہ سے کبھی متاثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اللہ کے جو بندے ان آیتوں کی اس خاصیت اور برکت پر یقین کرتے ہوئے ان کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کریں گے اور ان کی تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دجالی فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

سورۃ یسین

(۵۰) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ قَرَأَ يَسْنَ إِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى عُفِرَ لَهُ

مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَأَقْرَأُ وَاهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لئے سورۃ یسین پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، لہذا یہ مبارک سورت مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔ (شعب الإيمان للبيهقي)

تشریح: اس حدیث میں مرنے والوں کے پاس (عند موتاکم) یسین شریف پڑھنے کے لئے جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے آخری وقت میں یہ سورت پڑھی جائے۔ اور اکثر علماء نے یہی سمجھا ہے اور اس لئے یہی معمول ہے لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مر جانے

والے کی قبر پر یہ سورۃ پڑھی جائے تاکہ یہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔

(۵۱) عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَرَأَ يَتْسَنَ فِي صَدْرِ النَّهَارِ فَضِيَتْ حَوَائِجُهُ (رواه الدارمی مرسلًا)

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح تابعی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جو بندہ دن کے ابتدائی حصے میں یعنی علی الصباح سورۃ یٰسین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا۔“ (مسند دارمی)

سورۃ واقعہ

(۵۲) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَأْمُرُ بَنَاتَهُ يَقْرَأْنَ بِهَا فِي كُلِّ لَيْلَةٍ (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ پڑھا کرے اسے کبھی فقر و فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی۔“ (نیچے کے راوی بیان کرتے ہیں) کہ خود حضرت ابن مسعود کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور وہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھتی تھیں۔ (شعب الإيمان للبیہقی)

سورۃ الملک

(۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ سُورَةَ فِي الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّىٰ غُفِرَ لَهُ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (رواه احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”قرآن کی ایک سورت نے جو صرف تیس آیتوں کی ہے اس نے ایک بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں سفارش کی یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا اور وہ سورۃ ہے تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔“

(مسند احمد جامع ترمذی مسند ابی داؤد مسند نسائی مسند ابن ماجہ)

الْم تَنْزِيل

(۵۴) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّىٰ يَقْرَأَ الْم تَنْزِيلَ وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (رواه احمد و الترمذی و الدارمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ ”الْم تَنْزِيل اور تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ“ نہ پڑھ لیتے۔ (یعنی رات کو سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا) (مسند احمد جامع ترمذی مسند دارمی)

سورۃ الاعلیٰ

(۵۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُحِبُّ هَذِهِ السُّورَةَ "سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" (رواه احمد)
ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ سورۃ (سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) خاص طور سے محبوب تھی۔ (مسند احمد)

تشریح:..... کتاب الصلوٰۃ میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں اور اسی طرح عیدین کی نماز میں اکثر پہلی رکعت میں: "سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ معمول اسی لئے تھا کہ یہ سورۃ اپنے خاص مضمون اور پیغام کے لحاظ سے آپ ﷺ کو زیادہ محبوب تھی۔

سورۃ التکاثر

(۵۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا يَسْتَطِيعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ أَلْفَ آيَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ؟ قَالُوا وَمَنْ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقْرَأَ أَلْفَ آيَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ؟ قَالَ أَمَّا يَسْتَطِيعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ أَلْفَ آيَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ؟ (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں قرآن پاک کی پڑھ لیا کرے؟" صحابہؓ نے عرض کیا: "حضور ﷺ! کس میں یہ طاقت ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھے (یعنی یہ بات ہماری استطاعت سے باہر ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم میں کوئی اتنا نہیں کر سکتا کہ سورۃ "الحاکم التکاثر" پڑھ لیا کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:..... قرآن مجید کی بعض بہت چھوٹی سورتیں ایسی ہیں جو اپنے مضمون اور پیغام کی اہمیت کی وجہ سے سینکڑوں اور ہزاروں آیتوں کے برابر ہیں۔ انہی میں سورۃ التکاثر بھی ہے۔ اس میں دنیا پرستی اور آخرت فراموشی پر سخت ضرب لگائی گئی ہے اور آخرت کے محاسبہ اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر دل بالکل مُردہ نہ ہو گیا ہو تو اس میں فکر اور بیداری پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی لحاظ سے اس کے پڑھنے کو ہزار آیتیں پڑھنے کے قائم مقام بتایا ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں میں جن دوسری چھوٹی چھوٹی سورتوں کو نصف قرآن یا تہائی قرآن یا چوتھائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے ان کے بارے میں بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے اور ممکن ہے ان کی تلاوت کا ثواب بھی اسی حساب سے زیادہ عطا فرمایا جائے۔ اللہ کا خزانہ ہمارے وہم و گمان سے زیادہ وسیع ہے۔

سورۃ زلزال، سورۃ کافرون، سورۃ اخلاص

(۵۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "إِذَا زُلْزِلَتْ" تَعْدِلُ نِصْفَ

الْقُرْآنِ وَ "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" تَعْدِلُ ثَلَاثُ الْقُرْآنِ وَ "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" تَعْدِلُ رُبْعُ الْقُرْآنِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سورہ "اِذَا زُلْزِلَتْ" نصف قرآن کے برابر ہے اور "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" تہائی قرآن کے برابر ہے اور "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: سورہ "اِذَا زُلْزِلَتْ" میں قیامت کا بیان اور اس کی منظر کشی نہایت ہی مؤثر انداز میں کی گئی ہے اور اسی طرح اس کی آخری آیت: "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ" میں جزا و سزا کا بیان اختصار کے باوجود ایسے مؤثر پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ اگر اس موضوع پر پوری کتاب بھی لکھی جائے تو اس سے زیادہ مؤثر نہ ہوگی۔ غالباً اس سورت کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس حدیث میں اس کو نصف قرآن کے برابر بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ اخلاص (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) میں انتہائی اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی تنزیہ اور اس کی صفاتی کمال جس معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اسکو تہائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔ اور "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" میں واشگاف طریقے پر شرک اور اہل شرک سے براءت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

شرک سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر کے جس طرح خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہے (جو دین کی جڑ، بنیاد ہے) وہ اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اس سورت کو اس حدیث میں چوتھائی قرآن کے برابر کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(۵۸) عَنْ فِرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَّمَنِي شَيْئًا أَقُولُهُ إِذَا أَوَيْتُ إِلَى فِرَاشِي فَقَالَ اقْرَأْ "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ (رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: فروہ بن نوفل اپنے والد ماجد نوفل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کوئی ایسی چیز پڑھنے کو بتادیتے جس کو میں سوتے وقت بستر پر پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" پڑھ لیا کرو اس میں شرک سے براءت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

(۵۹) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيْعِزُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثَلَاثَ الْقُرْآنِ قَالُوا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثَلَاثَ الْقُرْآنِ قَالَ "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" يَعْدِلُ ثَلَاثُ الْقُرْآنِ.

(رواه مسلم و رواه البخاری عن ابی سعید وروی الترمذی عن ابی ایوب الانصاری بمعناه)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی اس سے بھی عاجز ہے کہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے؟" صحابہ نے عرض کیا کہ ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھا جاسکتا ہے۔ "حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" تہائی قرآن کے برابر ہے" (تو جس نے رات میں وہی پڑھی اس نے گویا تہائی قرآن پڑھ لیا) (صحیح مسلم)

اور امام بخاریؒ نے یہی حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور امام ترمذیؒ نے اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۶۰) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَحِبُّ هَذِهِ السُّورَةَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، قَالَ إِنَّ حُبَّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذی وروی البخاری معناه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: ”حضرت ﷺ! مجھے یہ سورۃ ”قل هو اللہ احد“ خاص طور سے محبوب ہے؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس سورت کے ساتھ تمہاری یہ محبت تم کو جنت میں پہنچا دے گی۔ (جامع ترمذی)“
(الفاظ و عبارات کے کچھ فرق کے ساتھ اسی مضمون کی ایک حدیث امام بخاریؒ نے بھی روایت کی ہے۔)

(۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ (رواه مالك و الترمذی و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ”قل هو اللہ احد“ پڑھتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے لئے واجب ہو گئی ہے“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کیا چیز واجب ہو گئی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جنت“۔ (موطأ امام مالک جامع ترمذی سنن نسائی)

تشریح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے تعلیم و تربیت براہ راست رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی تھی اور جو ہر عمل میں آپ کی تقلید اور پیروی کے حریص تھے ظاہر ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی اور خاص کر ان سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کرتے ہوں گے جن میں اللہ کی توحید اور صفات کا بیان نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے تو دوسروں کو بھی صاف محسوس ہوتا ہو گا کہ یہ ان کے دل کا حال ہے اور ان کی زبان پر اللہ بول رہا ہے۔ اس حدیث میں جن صحابی کے (قل هو اللہ احد) پڑھنے کا ذکر ہے ان کا حال اس وقت یہی ہو گا اور حضور ﷺ کو محسوس ہوا ہو گا کہ یہ پوری ایمانی کیفیت اور ایمانی ذوق کے ساتھ ”قل هو اللہ احد“ پڑھ رہے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے جنت واجب ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کا کچھ حصہ ہم کم نصیبوں کو بھی نصیب فرمائے۔

(۶۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلَى فِرَاشِهِ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَقُولُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِي أَدْخُلْ عَلَى يَمِينِكَ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے پھر وہ (سونے سے پہلے) سو دفعہ سورۃ ”قل هو اللہ احد“ پڑھے تو جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: ”اے میرے بندے! اپنے داہنے ہاتھ پر جنت میں چلا جا۔ (جامع ترمذی)“

تشریح: ”علیٰ یمنک“ (اپنے داہنے ہاتھ پر) کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بندہ حساب کے موقف میں جہاں ہو گا وہاں سے جنت اس کے داہنی جانب ہوگی اور اس سے فرمایا جائے گا کہ: ”اپنے داہنے رخ پر چل

کر جنت میں چلا جا“ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود جنت کا جو داہنی جانب کا حصہ ہو گا وہ بائیں جانب کے حصہ سے افضل ہو گا اور اس بندے سے فرمایا جائے گا کہ: ”تو داہنی جانب والی جنت میں چلا جا“ بلاشبہ بڑا سستا ہے یہ سودا کہ سونے سے پہلے صرف سودفعہ **قل هو اللہ شریف** پڑھنے پر یہ دولت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اللہ کے بعض بندوں کو دیکھا ہے کہ ان کا رات کو سونے سے پہلے کار و زمرہ کا معمول اس سے بہت زیادہ ہے۔

معوذتین

(۶۳) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَمْ تَرَ يَا بُنَيَّ أَنزَلْتُ الْإِلَهَ لَمْ يُرْمَلْهُنَّ قُلُوعُذُ بَرِّ الْفَلَقِ وَ قُلُوعُذُ بَرِّ النَّاسِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم نہیں آج رات جو آیتیں مجھ پر نازل ہوئی ہیں (وہ ایسی بے مثال ہیں کہ ان کی مثال نہ کبھی دیکھی گئیں نہ سنی گئیں): ”قل اعوذ برب الفلق“ اور ”قل اعوذ برب الناس“۔ (صحیح مسلم)

تشریح: یہ دونوں سورتیں اس لحاظ سے بے مثال ہیں کہ ان میں اول سے آخر تک تعوذ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ لی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ شرور سے بھی اور باطن کے شرور سے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے، گویا ہر قسم کے شرور سے حفاظت کے لئے یہ حصن حصین ہیں اور دونوں اختصار کے باوجود نہایت جامع اور کافی دانی ہیں۔

(۶۴) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْأَبْوَاءِ إِذْ غَشَيْتَنَا رِيحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِيدَةٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ بِأَعُوذُ بَرِّ الْفَلَقِ وَأَعُوذُ بَرِّ النَّاسِ وَيَقُولُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا لَمَّا تَعَوَّذْ بِمِثْلِهِمَا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا **جُحْفَة** اور **أَبْوَاء** کے درمیان (یہ دونوں دو مشہور مقام تھے مدینہ اور مکہ کے درمیان) اچانک سخت اندھی آگئی اور سخت اندھیری چھا گئی رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سورتیں (معوذتین) پڑھ کر اللہ سے پناہ مانگنے لگے اور مجھ سے ارشاد فرمانے لگے: ”عقبہ تم بھی یہ دو سورتیں پڑھ کر اللہ کی پناہ لو۔ کسی پناہ لینے والے نے ان کے مثل پناہ نہیں لی (یعنی اللہ کی پناہ لینے کے لئے کوئی دعالیسی نہیں ہے جو ان دونوں سورتوں کے مثل ہو اس خصوصیت میں یہ بے مثل اور بے مثال ہیں۔) (رواہ مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مصیبت اور خطرے کا سامنا ہو تو معوذتین پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینی چاہئے اس سے بہتر بلکہ اس جیسا بھی کوئی دوسرا تعوذ نہیں ہے۔

(۶۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلِّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفِّهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا لَقْرًا

فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر رات کو جب آرام فرمانے کے لئے اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا لیتے (جس طرح دعا کے وقت دونوں ہاتھ ملائے جاتے ہیں) پھر ہاتھوں پر پھونکتے اور قل هو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے، پھر جہاں تک ہو سکتا اپنے جسم مبارک پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرتے، سر مبارک اور چہرہ مبارک اور جسد اطہر کے سامنے کے حصے سے شروع فرماتے (اس کے بعد باقی جسم پر جہاں تک آپ کے ہاتھ جاسکتے وہاں تک ہاتھ پھیرتے) یہ آپ تین دفعہ کرتے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: رات کو سونے سے پہلے کا یہ معمول نبی ﷺ تو بہت آسان ہے، کم از کم اس کا اہتمام ہم سب کو کرنا چاہئے اس کی برکات بیان سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

چند مخصوص آیات کی فضیلت اور امتیاز

مندرجہ بالا احادیث میں جس طرح خاص خاص سورتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، اسی طرح بعض احادیث میں بعض مخصوص آیات کی فضیلت اور ان کا امتیاز بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

آیۃ الکرسی

(۶۶) عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى مَعَكَ أَعْظَمُ؟ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى مَعَكَ أَعْظَمُ؟ قُلْتُ "لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ؟" قَالَ فَضْرَبَ فِي صَدْرِي وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ان کی کنیت ابو المنذر سے مخاطب کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: "اے ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: "اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔" آپ ﷺ نے (مکرر) فرمایا: "اے ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟" میں نے عرض کیا: "اللہ لا الہ الا هو الحي القيوم۔" تو آپ ﷺ نے میرا سینہ ٹھونکا (گویا اس جواب پر شاباش دی) اور فرمایا: "اے ابو المنذر! تجھے یہ علم موافق آئے اور مبارک ہو۔" (صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے اس جواب میں ابی بن کعب نے پہلے عرض کیا کہ ”اللہ ورسوله اعلم“ (اللہ اور اس کے رسول کو اس کا علم زیادہ ہے کہ کون سی آیت کتاب اللہ میں زیادہ عظمت والی ہے) یہ جواب ادب کے تقاضے کے مطابق تھا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی سوال فرمایا تو ابی بن کعب نے اپنے علم و فہم کے مطابق جواب دیا کہ میرے خیال میں تو ”اللہ لا الہ الا هو الحي القيوم“ یعنی آیت الکرسی قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کی تصویب فرمائی اور شاباش دی اور اس شاباش میں ان کا سینہ آپ ﷺ نے غالباً اس لئے ٹھوکا کہ قلب (جو محل علم و معرفت ہے) وہ سینہ ہی میں ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنی میں آیت الکرسی سب سے زیادہ باعظمت آیت ہے اور یہ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور صفات کمال اور اس کی شانِ عالی کی عظمت و رفعت جس طرح بیان کی گئی ہے وہ اس میں منفرد اور بے مثال ہے۔

سورہ بقرہ کی آخری آیتیں

(۶۷) عَنْ أَبِي بَنْدَةَ بْنِ أَبِي رَافَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَآتَى سُورَةَ الْقُرْآنِ أَعْظَمُ؟ قَالَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ قَالَ فَآتَى آيَةَ الْقُرْآنِ أَعْظَمُ؟ قَالَ آيَةُ الْكَرْسِيِّ ”اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ قَالَ فَآتَى آيَةَ يَأْتِيهِ اللَّهُ تَحِبُّ أَنْ تُصَيِّبَكَ وَأَمْتِكَ؟ قَالَ خَاتِمَةُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فَإِنَّهَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ تَحْتِ عَرْشِهِ أَعْطَاهَا هَذِهِ الْأُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ. (روا الدارمی)

ترجمہ۔ ابی بندہ بن ابی رافہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! قرآن کی کون سی سورت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”قل هو اللہ احد“ اس نے عرض کیا: ”اور آیتوں میں قرآن کی کون سی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آیت الکرسی اللہ لا الہ الا هو الحي القيوم“ اس نے عرض کیا: ”اور قرآن کی کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ کی خاص طور سے خواہش ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی برکات آپ کو اور آپ ﷺ کی امت کو پہنچیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سورہ بقرہ کی آخری آیتیں (امن الرسول) سے ختم سورہ تک (پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُن خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرشِ عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات رحمت اس امت کو عطا فرمائی ہیں یہ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ (مسند دارمی)

تشریح..... قل هو اللہ احد اور آیت الکرسی کی عظمت اور امتیاز کے بارے میں اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ سورہ بقرہ کی آخری آیات کے متعلق جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے بلاشبہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص خزانِ رحمت میں سے ہیں۔ شروع میں ”امن الرسول بما انزل الیہ من ربه والمؤمنون“ سے ”لا نفرق بین احد من رسلہ“ تک ایمان کی تلقین فرمائی گئی ہے اس کے بعد ”سمعنا واطعنا“ میں اسلام

اور اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لیا گیا ہے، اس کے بعد ”غُفِرَ لَكَ رَبَّنَا وَابْنُكَ الْمَصِيرُ“ میں ان کو تابیوں کی معافی اور مغفرت کی استدعا ہے جو ایمان اور عہد اطاعت کے بعد بھی ہم بندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ میں کمزور بندوں کو تسلی دی گئی ہے اور اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا بوجھ بندوں پر نہیں ڈالاجاتا اور کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جو ان کی استطاعت سے باہر ہو۔ اس کے بعد ”رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا“ سے آخر سورت تک نہایت جامع دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ آیتیں بجائے خود رحمت الہی کا خزانہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر شناسی اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

(۶۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ خَتَمَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ أُعْطِيَتْهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوهُنَّ وَعَلِّمُوهُنَّ نِسَاءَ كُمْ فَإِنَّهَا صَلَوةٌ وَقِرْبَانٌ وَدُعَاءٌ. (رواه الدارمی مرسلاً)

ترجمہ: جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کو ایسی دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو اس نے اپنے اس خاص خزانے سے مجھے عطا فرمائی ہیں جو اس کے عرش عظیم کے تحت ہے۔ تم لوگ ان کو سیکھو اور اپنی خواتین کو سکھاؤ، کیونکہ یہ آیتیں سہرا پارحمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا خاص وسیلہ ہیں اور ان میں بڑی جامع دعا ہے۔ (مسند دارمی)

فائدہ:..... واضح رہے کہ جبیر بن نفیر جنہوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے تابعی ہیں، انہوں نے ان صحابی کا ذکر نہیں کیا جن سے ان کو یہ حدیث پہنچی۔ اس لئے یہ حدیث مرسل ہے۔ اسی طرح پہلی حدیث بھی مرسل ہے کیونکہ اس کے راوی ایفح بن عبد کلامی بھی تابعی ہیں، انہوں نے بھی کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر اس کو روایت کیا ہے۔

(۶۹) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَانِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَهُمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں جو کوئی کسی رات میں ان کو پڑھے گا وہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:..... حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص رات کو بقرہ کی یہ آخری آیتیں پڑھ لے گا وہ انشاء اللہ ہر شر سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص تہجد میں صرف یہی آیتیں پڑھ لے تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہو گا۔ واللہ اعلم

آل عمران کی آخری آیات

(۷۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَأَ آخِرَ آلِ عِمْرَانَ فِي لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ. (رواه دارمی)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: ”جو شخص کسی رات کو آل عمران کی آخری آیات پڑھے گا اس کے لئے پوری رات کی نماز کا ثواب لکھا جائے گا۔ (مسند دارمی)

تشریح: ”آخر آل عمران“ سے مراد ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ سے ختم سورت تک کی آیات ہیں۔ صحیح روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کے لئے اُٹھتے تو سب سے پہلے (وضو کرنے سے بھی پہلے) یہی آیات پڑھتے تھے۔

آل عمران کا یہ آخری رکوع بھی سورہ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح نہایت جامع دعا پر مشتمل ہے، اور غالباً اس رکوع کی خاص فضیلت کا راز ان دعائیہ آیات ہی میں مضمر ہے۔ کائنات کی تخلیق میں تفکر کرنے والے اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والے بندوں کی زبان سے یہ جامع دعا اس رکوع میں اس طرح ذکر کی گئی ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۝ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ کارخانہ ہستی بے مقصد نہیں پیدا کیا، تو اس بات سے پاک اور مقدس ہے کہ کوئی عبث کام کرے (یقیناً اس دنیوی زندگی کے بعد جزا و سزا برحق ہے) سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب ہم نے ایک داعی اور منادی کو سنا کہ وہ ایمان کی دعوت دیتا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے

ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے، اور ہمیں اپنا وفادار نیکو کار بندوں کیساتھ دنیا سے اٹھا، اور اے ہمارے رب ہمیں وہ سب عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی اہل ایمان کے لئے وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔

سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی یہ دعا قرآن مجید کی جامع ترین دو تین دعاؤں میں سے ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس رکوع کی خاص فضیلت ان دعائیہ آیات ہی کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ: ”جو شخص رات کو یہ آیتیں پڑھے اس کے لئے پوری رات کے نوافل کا ثواب لکھا جائے گا۔“ ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی۔ حضور ﷺ سے سنے بغیر کوئی صحابی اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ سکتے اس لئے حضرت عثمان کا یہ ارشاد حدیث مرفوعہ ہی کے حکم میں ہے۔

فائدہ: امت مسلمہ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کی جو خاص رحمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تھوڑے

عمل پر بڑے اجر و ثواب کی بہت سی صورتیں اور بہت سے طریقے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس امت کو بتلائے گئے ہیں، تاکہ جو لوگ اپنے خاص حالات کی وجہ سے بڑے بڑے عمل نہ کر سکیں وہ یہ چھوٹے چھوٹے عمل کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے مستحق ہو سکیں۔

مندرجہ بالا حدیثیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خاص خاص سورتوں اور مخصوص آیتوں کے فضائل بیان فرمائے ہیں، یہ اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ بہت سے بندے جو اپنے خاص حالات کی وجہ سے قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت نہیں کر سکتے وہ ان مخصوص سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کے ذریعہ بڑے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے قابل ہو جائیں۔ اس لئے ان حدیثوں کا حق ہے کہ ان پر یقین کر کے ان سورتوں اور آیات کی تلاوت کا ہم خاص طور سے اہتمام کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات میں ہمارا بھی حصہ ہو۔ بلاشبہ ہم بڑے محروم ہیں اگر اتنا بھی نہ کر سکیں۔

یہاں تک جو ستر حدیثیں درج ہوئیں وہ ”ذکر اللہ“ اور ”تلاوت قرآن مجید“ سے متعلق تھیں۔

آگے وہ حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں جن کا تعلق باب دُعا سے ہے، ان میں وہ بھی ہیں جن میں دُعا کی عظمت و اہمیت بیان فرمائی گئی ہے، وہ بھی ہیں جن میں دُعا سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں، وہ بھی ہیں جن میں اللہ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کی دُعاؤں محفوظ کر کے پیش کی گئی ہیں، جو اُمت کے لئے آپ ﷺ کی عظیم ترین میراث ہیں۔ آخر میں استغفار اور درود شریف سے متعلق احادیث ہیں۔

دعا

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا ان میں سب سے بڑا امتیاز و کمال عبدیت کا مقام ہے۔

عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی و سرافندگی عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے، اس کے در کی فقیری و گدائی۔ اس سب کے مجموعہ کا عنوان مقام عبدیت ہے جو تمام مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلاشبہ سیدنا حضرت محمد ﷺ اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں اور اسی لئے افضل مخلوقات و اشرف کائنات ہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً گھوڑا جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے یعنی سواری اور تیز رفتاری اس کو بڑھیلیا گھٹیا اسی مقصد کے پیمانے سے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گائے یا بھینس کا جو مقصد ہے یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر و قیمت دودھ کی کمی یا زیادتی ہی کے حساب سے لگائی جائے گی۔ و قس علیٰ ہذا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتایا ہے: **”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“** اس لئے سب سے افضل و اشرف انسان وہی ہو گا جو اس مقصد میں سب سے اکمل و فائق ہو۔ پس سیدنا حضرت محمد ﷺ چونکہ کمال عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ ﷺ افضل مخلوقات و اشرف کائنات ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ ﷺ کے بلند ترین خصائص و کمالات اور اللہ تعالیٰ کے آپ ﷺ پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپ ﷺ کو عبد ہی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورہ اسراء میں فرمایا گیا ہے: **”سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ“** پھر اسی سفر معراج کی آخری منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورہ النجم میں فرمایا گیا: **”فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ“** اور سب سے بڑی نعمت و دولت قرآن حکیم کی تنزیل کا ذکر کرتے ہوئے سورہ فرقان میں ارشاد فرمایا گیا: **”تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ“** اور سورہ کہف میں فرمایا گیا: **”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ۔“**

حاصل کلام یہ ہے کہ بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کے امام یعنی اس وصف خاص میں سب پر فائق ہیں۔ اور دعا چونکہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت (بشرطیکہ حقیقی دعا ہو) بندے کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دعا کا ہے اور اُمت کو آپ کے ذریعہ روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں ان میں سب سے بیش قیمت خزانہ ان دُعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ ﷺ نے کیں یا اُمت کو ان کی تلقین فرمائی۔

ان میں سے کچھ دُعائیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد و حاجات سے ہے،

اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دعاؤں کی قدر و قیمت اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ ان سے دعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی۔ اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح پاک کو اللہ تعالیٰ سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی اور آپ کے قلب پر اس کا جلال و جمال کس قدر چھایا ہوا تھا اور اپنی اور ساری کائنات کی بے بسی اور لاچاری اور اس مالک الملک کی قدرتِ کاملہ اور ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا یہ آپ کے لئے غیب نہیں شہود تھا۔ حدیث کے ذخیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سینکڑوں دعائیں محفوظ ہیں ان میں اگر تفکر کیا جائے تو کھلے طور پر محسوس ہو گا کہ ان میں سے ہر دعا معرفت الہی کا شاہکار اور آپ کے کمالِ روحانی و خدا آشنائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے صدقِ تعلق کا مستقل برہان ہے اور اس لحاظ سے ہر ماثور دعا بجائے خود آپ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ **صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔**

اس عاجز راقم سطور کا دستور ہے کہ جب کبھی پڑھے لکھے اور سمجھ دار غیر مسلموں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا تعارف کرانے کا موقع ملتا ہے تو آپ ﷺ کی کچھ دعائیں ان کو ضرور سناتا ہوں۔ قریب قریب سو فیصد تجربہ ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ کی دعاؤں سے متاثر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے کمالِ خدا رسی و خدا شناسی میں ان کو شبہ نہیں رہتا۔

اس تمہید کے بعد پہلے چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی برکتیں بیان فرمائی ہیں یا دعا کے آداب بتائے ہیں یا اس کے بارے میں کچھ ہدایتیں دی ہیں۔ ان کے بعد ایک خاص ترتیب کے ساتھ وہ حدیثیں درج کی جائیں گی جن میں وہ دعائیں مذکور ہیں جو مختلف موقعوں پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیں یا امت کو جن کی تلقین فرمائی۔

دعا کا مقام اور اس کی عظمت

(۷۱) عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **الْدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ "وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ" O**

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دُعائیں عبادت ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی: **"وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ"** (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے انکو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن داؤد)

(سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دُعائیں عبادت ہے۔“ غالباً حضور ﷺ کے

اس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دُعا بھی ہے، جو اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا، اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دُعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصول مقصد کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ ﷺ نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحتہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا عین عبادت ہے۔ آگے درج ہونے والی دوسری حدیث میں دُعا کو عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔

(۷۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدُّعَاءُ مُغُ الْعِبَادَةِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔“ (جامع ترمذی)

تشریح: عبادت کی حقیقت ہے اللہ کے حضور میں خضوع تذلل اور اپنی بندگی و محتاجی کا مظاہرہ اور دُعا کا جزو کل اور اول و آخر اور ظاہر و باطن یہی ہے اس لئے دُعا بلاشبہ عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔

(۷۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ شَيْئٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ. (رواہ

الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دُعا سے زیادہ عزیز نہیں۔“ (جامع ترمذی، مسند ابن ماجہ)

تشریح: جب یہ معلوم ہو چکا کہ دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہو گئی کہ انسانوں کے اعمال و احوال میں دُعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

(۷۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ فَتَحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فَتَحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سَأَلَ اللَّهُ شَيْئًا يَعْنِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ الْعَافِيَةَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے جس کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور اللہ کو سوالوں اور دُعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں، یعنی کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں۔“ (جامع ترمذی)

تشریح: عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ توجو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی

حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ اور سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمالِ عبدیت ہے اسی لئے عافیت کی دعا اللہ تعالیٰ کو سب دعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔ دوسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دعا کی حقیقت نصیب ہو گئی اور اللہ سے مانگنا آگیا اس کے لئے رحمتِ الہی کے دروازے کھل گئے۔ دعا دراصل ان دعاؤں کا نام نہیں ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دعا کا لباس یا قالب کہا جاسکتا ہے۔ دعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے اور حدیث پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے ہی کو بابِ دعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

(۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔“ (جامع ترمذی)

تشریح: دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو، ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑ جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے پر اسے پیار آتا ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کی نگاہ میں بندے کا سب سے عزیز اور قیمتی عمل دعا اور سوال ہے۔ لَكَ الْحَمْدُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ وَيَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ!

(۷۶) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ وَ أَفْضَلُ

الْعِبَادَةِ أَنْتَظَرُ الْفَرَجَ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ سے اس کا فضل مانگو (یعنی دعا کرو کہ وہ فضل و کرم فرمائے) کیونکہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور مانگیں! اور فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُمید رکھتے ہوئے“ اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ بلا اور پریشانی کو اپنے کرم سے دور فرمائے گا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے (کیونکہ اس میں عاجزانہ اور سائلانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہے)۔ (جامع ترمذی)

دعا کی مقبولیت اور نافعیت

(۷۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ

يَنْزِلُ فَعَلَيْكُمْ عَبْدَ اللَّهِ بِالْذُّعَاءِ. (رواه الترمذی ورواه احمد عن معاذ بن جبل)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دعا کار آمد اور نفع مند ہوتی ہے اور ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے خدا کے بندو دعا کا اہتمام کرو۔ (جامع ترمذی)

(اور امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو بجائے عبد اللہ بن عمر کے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کا صرف خطرہ اور اندیشہ ہے، اس سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ نفع مند ہوگی۔ اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کے دفعیہ کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

(۷۸) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ أَنْ يُرُدَّهُمَا صِفْرًا (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تمہارے پروردگار میں بدرجہ غایت حیا اور کرم کی صفت ہے، جب بندہ اس کے آگے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کرے (کچھ نہ کچھ عطا فرمانے کا فیصلہ ضرور فرماتا ہے)۔ (جامع ترمذی)

(۷۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَذْلُكُمْ عَلَى مَا يُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِكُمْ وَ يَذْرُؤُكُمْ أَرْزَاقَكُمْ تَدْعُونَ اللَّهَ فِي لَيْلِكُمْ وَ نَهَارِكُمْ فَإِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ. (رواه ابو یعلیٰ فی مسندہ)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دعا مؤمن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ موصی)

تشریح: دعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین و آسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، اور وہ اپنے در کے سانکوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا فرمائے گا، اس کے در کے سوا میں کہیں سے نہیں پاسکتا۔ اس یقین اور اپنی سخت محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں ”اضطرار“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ دعا کی روح ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملہ سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کے لئے یا وسعتِ رزق یا اس قسم کی کسی

دوسری عام و خاص حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ دعا قبول فرماتا ہے، اس لئے بلاشبہ دعا ان بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور میگزین ہے جن کو ایمان و یقین کی دولت اور دعا کی روح و حقیقت نصیب ہو۔

دُعائے متعلق ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے دعا کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دی ہیں، ضروری ہے کہ دعا کرنے والے بندے ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

(۸۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَدْعُوا اللَّهَ وَانْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءَ مَنْ قَلِبٌ غَافِلٌ لَاهٍ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ سے مانگو اور دعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا، اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ اسکی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دعا کے وقت دل کو پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس کی کریمی پر نگاہ رکھتے ہوئے یقین کے ساتھ قبولیت کی امید رکھنی چاہئے، تذبذب اور بے یقینی کے ساتھ جو دعا ہوگی وہ بے جان اور روح سے خالی ہوگی۔

(۸۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ اَرْزُقْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْرِمْ مَسْئَلَتَهُ اِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرَهَ لَهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ: ”اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما اور تو چاہے تو مجھے روزی دے۔“ بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کمرے گا وہی جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے، اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو ایسا کر دے، اس میں استغنا کا شائبہ ہے اور یہ مقام عبدیت اور دعا کے منافی ہے، نیز ایسی دعا کبھی جاندار دعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ: ”میرے مولا! میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے کرے گا، کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اس سے کچھ کرا لے۔“

(۸۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُسْتَجِيبَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرُّخَاءِ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے، تو اس کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دعا زیادہ کیا کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں، ان کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے، اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی دعا قدرتی طور پر جاندار بنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعا کیا کریں اور مانگا کریں، اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو انکی دعا خاص طور سے قبول ہوگی۔

دعا میں عجلت طلبی کی ممانعت

دعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ کی پیشی ہے، اور وہ مالکِ کل اور قادرِ مطلق ہے، چاہے تو اسی لمحہ دعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرمادے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ ظلم و جہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے بلکہ بسا اوقات خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلد پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر دعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیتِ دعا کا مستحق نہیں رہتا، اور گویا اس کی یہ جلد بازی ہی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

(۸۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يُعَجَلْ فَيَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تمہاری دعائیں اس وقت تک قابلِ قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھودیتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بن رہے اور مانگتا رہے، یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیر

سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دعا جو وہ بڑے اخلاص و اضطرار سے کرتے ہیں اس لئے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ اس دعا کا تسلسل ان کے لئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دعا جلدی قبول کر لی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔

حرام کھانے اور پہننے والے کی دعا قبول نہیں

(۸۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَهُ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ "يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ" وَقَالَ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ" ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبَّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغَدَىٰ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابَ لِذَلِكَ. (رواه مسلم عن أبي هريره)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے۔ پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے: "اے رسولو! تم کھاؤ پاک اور حلال غذا، اور عمل کرو صالح، میں خوب جانتا ہوں تمہارے اعمال۔" اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ: "اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)" اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پر اگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے، اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے: "اے میرے رب! اے میرے پروردگار!" اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے، اور حرام غذا سے اس کا نشوونما ہوا ہے، تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: آج بہت سے دعا کرنے والوں کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب دعا اور اس کی قبولیت برحق ہے اور دعا کرنے والوں کے لئے اللہ کا وعدہ ہی: "ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (تم دعا کرو میں قبول کروں گا) تو پھر ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ اس حدیث میں اس کا پورا جواب ہے۔ آج دعا کرنے والوں میں کتنے ہیں جن کو اطمینان ہے کہ وہ جو کھا رہے ہیں جو پی رہے ہیں جو پہن رہے ہیں وہ سب حلال اور طیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

وہ دعائیں جن کی ممانعت ہے

انسان بے صبر اور جلد گھبرا جانے والا ہے، اور اس کا علم بھی بہت محدود اور ناقص ہے اس لئے بعض

اوقات وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں بھی کرنے لگتا ہے جو اگر قبول ہو جائیں تو اس میں خود اسی کا خسارہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعاؤں سے منع فرمایا ہے۔

(۸۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَا تَوَافِقُوا مِنَ اللَّهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد اور مال و جائیداد کے حق میں بددعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو اور تمہاری وہ دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (جس کے نتیجہ میں خود تم پر یا تمہاری اولاد یا مال و جائیداد پر کوئی آفت آجائے)“ (صحیح مسلم)

(۸۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُ إِنَّهُ إِذَا مَاتَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ وَإِنَّهُ لَا يَزِيدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُهُ إِلَّا خَيْرًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی اپنی موت کی تمنا نہ کرے نہ جلدی موت آنے کے لئے اللہ سے دعا کرے، کیونکہ جب موت آجائے گی تو عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا (اور اللہ کی رضا و رحمت حاصل کرنے والا کوئی عمل بندہ نہیں کر سکے گا جو عمل بھی کیا جاسکتا ہے جیتے جی ہی کیا جاسکتا ہے) اور بندہ مؤمن کی عمر تو اس کے لئے خیر ہی میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ ہے (اس لئے موت کی تمنا اور دعا کرنا بڑی غلطی ہے)۔“ (صحیح مسلم)

(۸۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَدْعُوا بِالْمَوْتِ وَلَا تَتَمَنَوْهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لِأَبَدٍ فَلْيَقُلْ اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي. (رواه نسائي)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تم لوگ موت کی دعا اور تمنا نہ کرو اور کوئی آدمی ایسی دعا کے لئے مضطر ہی ہو (اور کسی وجہ سے زندگی اس کے لئے دو بھر ہو) تو اللہ کے حضور میں یوں عرض کرے: ”اے اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو دنیا سے مجھے اٹھالے۔“ (حسن نسائی)

تشریح: ان حدیثوں میں دراصل موت کی اس دعا اور تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے جو کسی تکلیف اور پریشانی سے تنگ آکر زبان پر آجاتی ہے۔ بعض حدیثوں کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ لَصَبْرٍ نَزَلَ بِهِ“ الحدیث (تم میں سے کوئی کسی پیش آنے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے)

اس صورت میں موت کی تمنا اور دعا سے ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صبر کی صفت کے خلاف ہے اور دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اس کے لئے توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے کو پاک صاف کرنے کا اور حسنات و طاعات کے ذریعہ اپنے ذخیرہ آخرت میں اضافہ اور اللہ

تعالیٰ کا مزید تقرب حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ پس موت کی دعا اس کھلے دروازے کو بند کرنے کی دعا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں بندہ کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ البتہ اللہ کے خاص مقرب بندے جب ان کا وقت موعود قریب آتا ہے تو لقاء الہی کے غلبہ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی ان سے موت کی تمنا اور دعا کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: **﴿فَاطْرَسَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾** **﴿أَنْتَ وَلِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾** اور آخر وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: **﴿اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى﴾** (اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کا طالب و سائل ہوں) اسی قبیل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دعا کے چند آداب

دوسرے سے پہلے اپنے لئے دعا

دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کے لئے دعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے اس کے بعد دوسرے کے لئے۔ اگر صرف دوسرے کے لئے مانگے گا تو اس کی حیثیت محتاج سائل کی نہ ہوگی، بلکہ صرف ”سفارشی“ کی سی ہوگی اور یہ بات دربار الہی کے کسی منگتا کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ جب آپ ﷺ کسی دوسرے کے لئے دعا فرمانا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے۔ عبدیت کاملہ کا تقاضا یہی تھا۔

(۸۸) عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا ذَكَرَ أَحَدًا لَدَعَا لَهُ بَدَأَ بِنَفْسِهِ. (رواه الترمذی)
 ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو یاد فرماتے اور اس کے لئے دعا کرنا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے، پھر اس شخص کے لئے دعا فرماتے۔ (جامع ترمذی)

ہاتھ اٹھا کے دعا کرنا

(۸۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلَوَالَهُ بُّطُونُ أَكْفِكُمْ وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا فَإِذَا فَرَعْتُمْ فَاْمَسَحُوا بِهَا وَجُوهَكُمْ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھاے مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رخ سامنے ہو ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو اور جب دعا کر چکو تو اٹھے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: دوسری بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آنے والی اور

۱ اے زمیں و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مولا ہے دنیا اور آخرت میں مجھے اٹھالے اس حالت میں کہ تیرا فرمانبردار بندہ ہوں اور مجھے ساتھ کر دے اپنے اچھے نیک بندوں کے۔ ۱۲

نازل ہونے والی کسی بلا کو رکوانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی اور جب دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگتے تھے تو سیدھے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے جس طرح کسی سائل اور منگتا کو ہاتھ پسار کے اور پھیلا کے مانگنا چاہئے۔ اس کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب اللہ سے اپنی کوئی حاجت مانگی جائے تو اس کے سامنے فقیروں کی طرح ہاتھ سیدھے پھیلا کے مانگی جائے اور آخر میں وہ پھیلے ہوئے ہاتھ منہ پر پھیر لئے جائیں۔ اس تصور کے ساتھ کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے ہیں رب کریم کی رحمت و برکت کا کوئی حصہ ان کو ضرور ملا ہے۔

(۹۰) عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ.

(رواہ ابو داؤد والبیہقی)

ترجمہ: سائب بن یزید تابعی اپنے والد یزید بن سعید بن ثمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کے دعا مانگتے تو آخر میں اپنے ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ (سنن ابی داؤد، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح: دعائیں ہاتھ اٹھانا اور آخر میں ہاتھ منہ پر پھیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب قریب بتواتر ثابت ہے۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے ان کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے صرف غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں قریباً تیس حدیثیں اس کے متعلق یکجا کر دی ہیں اور تفصیل سے ان حضرات کی غلط فہمی کی حقیقت واضح کی ہے۔

دُعَا سے پہلے حمد و صلوة

(۹۲) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ قَالَ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ لَمْ يَحْمَدِ اللَّهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَلْ هَذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ أَوْ لِيْغَيْرِهِ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ رَبِّهِ وَالشَّاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُو بَعْدُ بِمَا شَاءَ. (رواہ الترمذی و

ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: فضالہ بن عبید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا اس نے نماز میں دعا کی جس میں نہ اللہ کی حمد کی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اس آدمی نے دعائیں جلد بازی کی۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس سے یا اس کی موجودگی میں دوسرے آدمی کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دعا کرنے سے پہلے) اس کو چاہئے کہ اللہ کی حمد و ثناء کرے پھر اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجے اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے۔ (جامع ترمذی)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

دُعا کے آخر میں ”امین“

(۹۲) عَنْ أَبِي زُهَيْرٍ النَّمِيرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَلَحَّ فِي الْمَسْئَلَةِ فَوَقَّفَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ مِنْهُ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بَايَ شَيْءٍ يَخْتِمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِأَمِينٍ فَإِنَّهُ إِنْ خَتَمَ بِأَمِينٍ فَقَدْ أَوْجَبَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے۔ ہمارا گزر اللہ کے ایک بندے پر ہوا جو بڑے الحاج سے اللہ سے مانگ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اس کی دعا اور اللہ کے حضور میں اس کا مانگنا، گڑ گڑانا سننے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ: ”اگر اس نے دُعا کا خاتمہ صحیح کیا اور مہر ٹھیک لگائی تو جو اس نے مانگا ہے اس کا اس نے فیصلہ کر لیا۔“ ہم میں سے ایک نے پوچھا کہ: ”حضور ﷺ! صحیح خاتمہ کا اور مہر ٹھیک لگانے کا طریقہ کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آخر میں امین کہہ کے دُعا ختم کرے (تو اگر اس نے ایسا کیا تو بس اللہ سے طے کر لیا) (رواہ ابو داؤد)

تشریح: ختم کے معنی ختم کرنے کے بھی ہیں اور مہر لگانے کے بھی ہیں، بلکہ یہ دونوں دراصل ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، اس لئے ترجمہ میں دونوں ہی لفظوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ حدیث کا اصل سبق یہ ہے کہ ہر دُعا کے خاتمہ پر بندے کو امین کہنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میری یہ دُعا قبول فرما! اسی پر ہر دُعا کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اس کی حکمت عنقریب ہی پہلے لکھی جا چکی ہے۔

اپنے چھوٹوں سے بھی دُعا کی درخواست

(۹۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْعُمْرَةِ فَأَذِنَ وَقَالَ أَشْرِكُنَا يَا أُخَيُّ فِي دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي أَنْ لِي بِهَا الدُّنْيَا. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: ”ایک دفعہ میں نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ جانے کی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرمادی اور ارشاد فرمایا: ”بھئیّا ہمیں بھی اپنی دُعاؤں میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھئیّا کا جو کلمہ کہا، اگر مجھے اس کے عوض ساری دنیا دیدی جائے تو میں راضی نہ ہوں گا۔“ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُعا ایسی چیز ہے جس کی استدعا بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے کرنی چاہئے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ وہ کسی ایسے مقبول عمل کے لئے یا ایسے مقدس مقام کو جا رہا ہوں جہاں قبولیت کی خاص امید ہو۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ”اُخَيُّ“ کے لفظ سے خطاب فرمایا جو ”اُخَيُّ“ کی تصغیر ہے، اور جس کا لفظی ترجمہ ”بھئیّا“ ہے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جتنی خوشی

ہوئی (جس کا انہوں نے اظہار بھی فرمایا ہے) وہ بالکل برحق ہے۔ اس کے ساتھ اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقام کی رفعت اور بارگاہ الہی میں ان کی مقبولیت کی جو شہادت ملتی ہے وہ بجائے خود بہت بڑی سند ہے۔

وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں

(۹۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَأْسِهِ مَلِكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلِكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلِ.
(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے پاس ایک فرشتہ ہے جس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کے لئے (غائبانہ) کوئی اچھی دعا کرے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ: ”تیری یہ دعا اللہ قبول کرے“ اور تیرے لئے بھی اسی طرح کا خیر عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: غائبانہ دعا کی جس خصوصی قبولیت اور برکت کا اس حدیث میں ذکر ہے اس کی خاص وجہ بظاہر یہ ہے کہ ایسی دعائیں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۹۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تِلْكَ دَعَوَاتُ مُسْتَجَابَاتٍ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمَسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ.
(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین دعائیں ہیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں ان کی قبولیت میں شک ہی نہیں ہے۔ ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا۔ دوسرے مسافر اور پردیسی کی دعا۔ تیسرے مظلوم کی دعا۔ (جامع ترمذی مسنن ابی داؤد مسنن ابن ماجہ)

تشریح: ان دعاؤں کی مقبولیت کا خاص راز بھی یہی ہے کہ یہ دعائیں اخلاص سے اور دل سے ہوتی ہیں۔ اولاد کے لئے ماں باپ کا خلوص تو ظاہر ہے۔ اسی طرح بے چارے پردیسی اور مظلوم کا دل شکستہ ہوتا ہے اور دل کی شکستگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کی خاص طاقت ہے۔

(۹۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ حَتَّى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتَّى يَصْدَرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتَّى يُفْقَدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيضِ حَتَّى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْآخِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَأَسْرَعُ هَذِهِ الدَّعَوَاتِ إِجَابَةً دَعْوَةُ الْآخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ.
(رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پانچ آدمیوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لے لے۔ اور حج کرنے والے کی دعا جب تک وہ لوٹ کے اپنے گھر واپس نہ آئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی دعا جب تک وہ شہید ہو

کے دنیا سے لاپتہ نہ ہو جائے اور بیمار کی دعا جب تک وہ شفا یاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کیلئے غائبانہ دعا۔ یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا کسی بھائی کے لئے غائبانہ دعا ہے۔ (دعوات کبیر للشیخ)

تشریح..... دعا اگر حقیقتہً دعا ہو اور خود دعا کرنے والے کی ذات اور اس کے اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو قبولیت میں مانع ہوتی ہے تو دعا عموماً قبول ہی ہوتی ہے لیکن بندہ مؤمن کے بعض خاص احوال یا اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے رحمت الہی خصوصیت سے متوجہ ہوتی ہے اور دعا کی قبولیت کا خصوصی استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن پانچ آدمیوں کی دعاؤں کا ذکر ہے ان میں سے مظلوم کی دعا اور غائبانہ دعا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حج اور جہاد ایسے اعمال ہیں کہ جب تک بندہ ان میں مشغول ہو وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے قریب تر ہے۔ اسی طرح مرد مؤمن کی بیماری گناہوں سے اس کی تطہیر کا ذریعہ اور قرب الہی کی راہ میں اس کی غیر معمولی ترقی کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اور بیماری کے بستر پر وہ ولایت کی منزلیں طے کرتا ہے اسلئے اس کی دعا بھی خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

قبولیت دعا کے خاص احوال و اوقات

دعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا کرنے والے کے تعلق اور اس اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں ”اضطرار“ اور ”اجتال“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ان احوال و اوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

(۹۷) عَنْ الْعُرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى فَرِيضَةً فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ. (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دعا کرے) تو اس کی دعا قبول ہوگی اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دعا کرے) تو اس کی دعا بھی قبول ہوگی۔ (مجم کبیر للطبرانی)

تشریح..... نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے، بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو، بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندہ مؤمن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمت الہی خود آگے بڑھے اس کا استقبال کرے۔

(۹۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

دعا رد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(۹۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِي أَرْبَعَةِ مَوَاطِنَ عِنْدَ التَّقَاءِ الصُّفُوفِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعِنْدَ نُزُولِ الْغَيْثِ وَعِنْدَ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَ رُؤْيَةِ الْكُعْبَةِ. (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ... حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”چار موقعے ہیں جن میں دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے: ”راہِ خدا میں جنگ کے وقت اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو (اور رحمت کا سماں ہو) اور نماز کے وقت اور جب کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو۔“

(۱۰۰) عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثَةُ مَوَاطِنَ لَا تَرُدُّ فِيهَا دَعْوَةُ رَجُلٍ يَكُونُ فِي بَرِيَّةٍ حَيْثُ لَا يَرَاهُ أَحَدٌ إِلَّا اللَّهَ فَيَقُومُ وَيُصَلِّي وَرَجُلٌ يَكُونُ مَعَهُ فِتْنَةٌ فَيَفِرُّ عَنْهُ أَصْحَابُهُ فَيُثْبِتُ وَرَجُلٌ يَقُومُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ. (رواه ابن مندہ فی مسندہ)

ترجمہ... حضرت ربیعہ بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین موقعے ایسے ہیں کہ ان میں دعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوگی (بلکہ لازماً قبول ہی ہوگی) ایک یہ کہ کوئی آدمی ایسے جنگل بیابان میں ہو جہاں خدا کے سوا کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو وہاں وہ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے (اور پھر دعا کرے) دوسرے یہ کہ کوئی شخص میدانِ جہاد میں (دشمن کی فوج کے سامنے) ہو اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ دشمنوں کے زرعہ میں (ثابت قدم رہا ہو) اور اس حال میں دعا کرے (تیسرے وہ آدمی جو رات کے آخری حصہ میں (بستر چھوڑ کے) اللہ کے حضور میں کھڑا ہو) اور پھر دعا کرے تو ان بندوں کی یہ دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔“

(۱۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُؤَا فِقْهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَذَلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ سے یہ بات سنی ہے کہ: ”رات میں ایک خاص وقت ہے جو مومن بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرمادے گا۔ اور اس میں کسی خاص رات کی خصوصیت نہیں بلکہ اللہ کا یہ کرم ہر رات میں ہوتا ہے۔“

تشریح... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث (معارف الحدیث کی جلد سوم میں) تہجد کے بیان میں صحیحین کے حوالہ سے ذکر کی جا چکی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سماء دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور خود ان کی طرف سے پکار ہوتی ہے کہ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں کوئی ہے بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کا فیصلہ کروں کوئی ہے مجھ

رات کا آخری حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے دعا کی قبولیت کے جو خاص احوال و اوقات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

فرض نمازوں کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، میدان جہاد میں جنگ کے وقت، بارانِ رحمت کے نزول کے وقت جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، ایسے جنگل بیابان میں نماز پڑھ کے جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میدان جہاد میں، جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، اور رات کے آخری حصے میں۔

وہ حدیثیں اپنے موقع پر پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جن میں شبِ قدر میں اور عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت، اور سفر حج اور سفر جہاد میں اور بیماری اور مسافری کی حالت میں دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہیے کہ دعا کا مطلب دعا کے الفاظ اور صرف اس کی صورت نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حقیقت ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے، پودا اسی دانے سے اگتا ہے جس میں مغز ہو۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی احادیث سے دعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیے۔

دعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیت دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ بندے کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم و جہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولتِ مندی نعمت ہے، اور بہت سے ہیں جن کے لئے دولتِ فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار قربِ خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابنِ زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لئے حکومتی اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے۔ اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی یا اس کا عطا کرنا حکمتِ الہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے، یہ بات اس کے علم و حکم کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرمادے۔ دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا کبھی تو اس کو وہی عطا فرمادیتا ہے جو دعائیں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرمادیتا ہے۔ اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کے لئے ذخیرہ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہر حال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

(۱۰۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِنْهُمْ وَلَا قَطِيعَةٌ رَحِمَ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا أَحَدِي ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ يُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ وَإِمَّا أَنْ يَدْخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا قَالُوا إِذَا نُكْثِرُ قَالَ اللَّهُ أَكْثَرُ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو مؤمن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے: یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرمادیا جاتا ہے یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنادیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کے لئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا:

يَا لَيْتَهُ لَمْ يُعَجَّلْ لَهُ شَيْئٌ مِنْ دُعَائِهِ (کنز العمال: ص ۵۷ جلد ۲)

اے کاش! میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔

رسول اللہ ﷺ کی دعائیں

دعا سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک مذکور ہوئیں ان میں یا تو دعا کی ترغیب اور اس کی عظمت و برکات کا بیان تھا یا دعا کے آداب اور اس سے متعلق ہدایات اور موجبات قبولیت بیان فرمائے گئے تھے۔ یہ سب مضامین گویا تمہیدی تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ کی وہ اصل دعائیں اور سوز و گداز سے بھری ہوئی بارگاہ خداوندی میں آپ ﷺ کی وہ مناجاتیں پڑھئے جو آپ کے مقام معرفت اور قلبی کیفیات و واردات کو ممکن حد تک جاننے کا بہترین وسیلہ اور امت کیلئے آپ ﷺ کا عظیم ترین ورثہ ہیں اور جن کو پورے ذخیرہ حدیث کا بجا طور پر گل سرسبد کہا جاسکتا ہے۔ نبوی ﷺ دعاؤں کے اس پورے ذخیرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جن کا تعلق خاص اوقات اور مخصوص حالات سے ہے مثلاً صبح نمودار ہونے کے وقت کی دعا، شام کے وقت کی، سونے کے وقت کی، دعا نیند سے بیدار ہونے کے وقت کی، دعا آندھنی یا بارش کے وقت کی، دعا کسی مصیبت اور پریشانی کے وقت کی، دعا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری وہ دعائیں جو عام نوعیت کی ہیں، کسی خاص وقت اور مخصوص حالات سے ان کا تعلق نہیں۔ یہ دعائیں اکثر جامع قسم کی ہیں۔

تیسری قسم کی دعائیں وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نماز میں یا نماز سے فارغ ہو کر یعنی سلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا کرتے تھے۔ یہاں پہلے یہی تیسری قسم کی نماز والی دعائیں درج کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم ترین اور بیش بہا ورثہ کی شایان شان قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نماز میں اور نماز کے بعد کی جانے والی دعائیں

تکبیر تحریمہ کے بعد کی بعض افتتاحی دعائیں

(۱۰۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ، ثُمَّ قَالَ "إِنْ صَلَوَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ" أَلْهَمَهُمُ اهْدِنِي لِحَسَنِ الْأَعْمَالِ وَالْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِي سَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ." (رواه النسائي)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "میری نماز اور میری ہر عبادت اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک سا جہی نہیں مجھے اسی کا حکم

ہے اور میں سب سے پہلے اس کی فرمانبرداری کرنی والا ہوں اے میرے اللہ! مجھے بہترین اعمال و اخلاق کی ہدایت فرما یہ ہدایت صرف تجھ ہی سے مل سکتی ہے اور برے اعمال و اخلاق سے مجھے بچا اور میری حفاظت فرما یہ حفاظت بھی تو ہی فرما سکتا ہے۔

(سنن نسائی)

تشریح

اس دعا میں شروع میں تو جیسا کہ چاہئے توحید کی شہادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی و نیاز مندی اور مخلصانہ فدویت و وفاداری کا اقرار و اظہار ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے اچھے اعمال و اخلاق کی ہدایت توفیق اور برے اعمال و اخلاق سے حفاظت اور بچاؤ کی التجا اور استدعا کی گئی ہے اور دراصل اسی ہدایت اور حفاظت پر انسان کی سعادت اور فلاح کا دار و مدار ہے۔ معارف الحدیث جلد سوم میں (صفحہ سے تک) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے درج کی جا چکی ہے اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد یہی افتتاحی دعا کافی اضافہ کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے اور وہ اضافہ بڑا دلگداز ہے۔ نیز اس میں اس افتتاحی دعا کے علاوہ رکوع اور قومہ اور سجدہ اور پھر جلسہ اور قعدہ اخیرہ کی خاص پر سوز دعائیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ اور بلاشبہ نماز کی دعاؤں کے بارے میں وہ بڑی جامع حدیث ہے۔ اس کی تشریح میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کی دعائیں زیادہ تر رات کے نوافل میں پڑھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جو دعائیں تفصیل سے ذکر کی ہیں ان میں آپ ﷺ کی نماز کی باطنی کیفیات کا عکس ممکن حد تک دیکھا جاسکتا ہے۔ حدیث کے زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے یہاں اس کو مکرر درج نہیں کیا جا رہا ہے۔ ان چیزوں کا ذوق و شوق رکھنے والے حضرات اس کو معارف الحدیث جلد سوم میں پڑھ لیں۔

(۱۰۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَغَدَكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اَمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنْبَتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنْنِيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے: ”اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ“ (اے میرے اللہ! ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے ہے اور تو ہی اس کا مستحق ہے، تو ہی قائم رکھنے والا ہے زمین و آسمان کا اور ان سب چیزوں کا جو ان میں ہیں) (یعنی سارے عالم علوی اور سفلی کا وجود تیرے ہی ارادہ سے قائم ہے) مولا! ساری حمد و ستائش کا تو ہی مستحق ہے، تو ہی نور ہے زمین و آسمان کا اور

ان سب کا جو زمین و آسمان میں ہیں (یعنی سارے عالم میں جہاں بھی نور کی کوئی کرن ہے وہ تیرے ہی نور سے ہے) اور ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے ہے، تو فرمانروا ہے زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا جو زمین و آسمان میں ہے، ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے، تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے، مرنے کے بعد تیرے حضور حاضری اور تیری ملاقات حق ہے، اور تیرا فرمان حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور سارے نبی برحق ہیں اور محمد ﷺ بھی برحق ہیں اور قیامت کا آنا برحق ہے، اے اللہ! میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا اور میں تجھ پر ایمان لایا اور میں نے تیرا سہارا پکڑ لیا اور پورا بھروسہ تجھ پر کر لیا اور اپنا رخ تیری طرف کر دیا اور (مخالفتین حق سے) تیری ہی مدد سے میری ٹکری ہے، اور میں نے اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے تیری ہی بارگاہ میں پیش کر دیا ہے، پس اے میرے اللہ! بخش دے میرے وہ سب قصور جو مجھ سے پہلے سرزد ہوئے اور جو پیچھے ہوئے اور جو میں نے پوشیدہ کئے اور جو اعلانیہ کئے اور جن کے بارے میں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو جسے چاہے آگے بڑھانے والا ہے اور جسے چاہے پیچھے ڈال دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ صرف تو ہی معبود برحق ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں میں سے ہے جن سے آپ ﷺ کے مقام معرفت اور آپ ﷺ کی باطنی کیفیات و واردات کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَوَتَهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِلٰهَ جِبْرِئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَاسْرَافِيْلَ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فَيَمَّا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو بالکل شروع میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: ”اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَالْحَیْ رَبِّیْ“ اے میرے اللہ! جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے غیب اور شہود کو یکساں جاننے والے، تو ہی فیصلہ فرمائے گا بندوں کے درمیان ان کے اختلافات کے بارے میں، مجھے اپنی خاص توفیق سے اس راہِ حق و ہدایت پر چلا جس کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے، تو ہی جسے چاہے گاسیدھے راستہ پر چلائے گا۔ (صحیح مسلم)

رکوع و سجود کی دعائیں

(۱۰۶) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَتَ قُذِرَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ ”سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ“. (رواہ النسائی)

ترجمہ..... حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو گیا۔ جب آپ ﷺ رکوع میں گئے تو آپ ﷺ نے اتنی دیر تک رکوع کیا جتنی دیر میں سورہ بقرہ

پڑھی جائے۔ اس رکوع میں آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ

پاک ہے اللہ زور و قوت اور فرمانروائی والا اور عظمت و کبریائی والا۔ (سنن نسائی)

تشریح۔۔۔ معارف الحدیث جلد سوم میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول رکوع میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ اور سجدے میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پڑھنے کا تھا اور آپ ﷺ نے اسی کی تعلیم فرمائی۔ لیکن کبھی کبھی ان کے علاوہ دوسرے تسبیح و تہلیل کے کلمات اور دوسری دعائیں بھی آپ ﷺ رکوع و سجود میں کرتے تھے۔ اس سلسلہ کی متعدد احادیث وہاں ذکر کی جا چکی ہیں۔ نیز یہ بھی وہاں ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ نفل نماز میں خاص کر رات کے نوافل میں کبھی کبھی طویل رکوع و سجود بھی کرتے تھے۔ یہ نماز جس میں عوف بن مالک حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہو گئے اور جس میں آپ ﷺ نے بقدر سورہ بقرہ کے طویل رکوع کیا یہ بھی نفل نماز تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو کوئی ذرہ اس کیفیت کا نصیب فرمائے جو اس رکوع میں آپ ﷺ کے قلب مبارک پر جاری رہی ہوگی۔

(۱۰۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً مِنَ الْفَرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ وَبِمُعَا فَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَنْتَ عَلٰی نَفْسِكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا پس میں (اندھیرے میں) آپ ﷺ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوؤں پر پڑا اس وقت آپ ﷺ سجدے میں تھے اور آپ ﷺ کے دونوں پاؤں کھڑے تھے (جیسے کہ سجدے کی حالت میں ہوتے ہیں) اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہے تھے: ”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ الْح“ (اے میرے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے تیری پناہ لیتا ہوں میں تیری ثناء و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا) پس یہی کہہ سکتا ہوں کہ (تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۱۰۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِّیْ ذَنْبِیْ كُلَّهُ دِقَّةً وَجَلَّةً وَاَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَعَلَانِيَةً وَسِرَّةً. (رواہ مسلم)

ترجمہ۔۔۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے: ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِّیْ ذَنْبِیْ كُلَّهُ الْح“ (اے میرے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، چھوٹے بھی بڑے بھی پہلے بھی، پچھلے بھی، کھلے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی یہ دونوں حدیثیں معارف الحدیث جلد سوم میں بھی ذکر کی جا چکی ہیں۔

قعدہ اخیرہ کی بعض دعائیں

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَائِمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا بھی کرتے تھے: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَلْح“ (اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اور گناہ کے ہر کام سے اور قرضہ کے بار سے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے ساتھ متصل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد عذاب نار، عذاب قبر، فتنہ دجال اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بات متعین ہو گئی کہ یہ دعا آخری قعدہ میں سلام سے پہلے کی جائے۔ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث صحیح مسلم ہی کے حوالہ سے معارف جلد سوم میں ذکر کی جا چکی ہے۔

(۱۱۰) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي صَلَوتِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِيْ الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَّلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ.

(رواه النسائي)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے تھے: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِيْ الْاَمْرِ اَلْح“ (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں دین میں ثابت قدمی اور حق و ہدایت پر استواری و مضبوطی اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری نعمتوں کی شکر گزاری کا اور اچھی طرح تیری عبادت گزاری کا اور مانگتا ہوں تجھ سے وہ دل جس میں روگ نہ ہو اور وہ زبان جو صداقت شعار ہو اور تجھ سے سائل ہوں اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے اور پناہ چاہتا ہوں اس شر اور برائی سے جس کا تجھے علم ہے اور معافی اور مغفرت مانگتا ہوں ان گناہوں کے لئے جو تجھے معلوم ہیں۔ (سنن نسائی)

(۱۱۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ صَلَّى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ بِالْقَوْمِ صَلَوةً اَخْفَهَا فَكَانَتْهُمْ اَنْكُرُوْهَا فَقَالَ

اَلَمْ اَتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ؟ قَالُوا بَلَىٰ، قَالَ اِنِّیْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدُعَاءِ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَدْعُوْهُ، اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغِیْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلٰی الْخَلْقِ اَحْبِبْنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاةَ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَیْرًا لِّیْ، اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَشِیَّتَكَ فِی الْغِیْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْأَلُكَ کَلِمَةَ الْاِخْلَاصِ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی وَاَسْأَلُكَ نَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَاَسْئَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَا وَاَسْئَلُكَ قُرَّةَ عَیْنٍ لَا تَنْقَطِعُ وَاَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعِیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ فِی غَیْرِ ضَرَاءٍ مُّضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا بِزِیْنَةِ الْاِیْمَانِ وَاَجْعَلْنَا هُدًى مُّهْتَدِیْنَ۔ (رواه النسائی)

ترجمہ: قیس بن عباد (تابعی) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس پر کچھ چہ میگوئیاں کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا بات ہے؟ کیا میں نے رکوع اور سجدے (اور دوسرے ارکان) پوری طرح ادا نہیں کئے؟“ لوگوں نے کہا: ”یہ بات تو نہیں، لیکن ہم نے محسوس یہی کیا کہ آپ نے (اس وقت) بہت ہلکی نماز پڑھی۔“ حضرت عمار نے فرمایا: ”میں نے تو رکوع و سجود اور دوسرے ارکان پوری طرح ادا کرنے کے علاوہ نماز میں (اچھی خاصی طویل) وہ خاص دعا بھی کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کیا کرتے تھے (اور وہ یہ ہے): اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغِیْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلٰی الْخَلْقِ“ (اے میرے اللہ! تو عالم الغیب ہے، اور تجھے اپنی مخلوق پر پوری قدرت حاصل ہے۔ تو اپنے اس علم غیب اور اس قدرت مطلقہ سے مجھے اس وقت تک دنیا میں رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے باعث خیر ہو اور مجھے اس وقت دنیا سے اٹھا لے جب اٹھایا جانا میرے لئے بہتر ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرا خوف اور تیری خشیت خلوت میں اور جلوت میں، اور مانگتا ہوں تجھ سے بے لاگ اور خدا لگتی مخلصانہ بات کرنے کی توفیق رضامندی کی حالت میں اور سخت ناراضی کی حالت میں (یعنی مجھے توفیق دے کہ کسی کی رضامندی یا ناراضی کی وجہ سے حق و انصاف کے خلاف کوئی بات نہ کہوں) اور اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں میانہ روی، تنگدستی میں اور خوش حالی میں اور میں سائل ہوں رضا بالقضا کی صفت کا، اور سوال کرتا ہوں تجھ سے آخرت کے جاودانی عیش و آرام کا اور آنکھوں کی اس ٹھنڈک کا جو کبھی منقطع نہ ہو، اور تجھ سے مانگتا ہوں مرنے کے بعد ٹھنڈی اور چین و سکون کی زندگی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کا اشتیاق، بغیر اس کے کہ کوئی ضرر رساں کیفیت پیدا ہو، اور بغیر اس کے کہ کسی گمراہ کن فتنہ میں مبتلا ہو۔ اے میرے اللہ! ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔ (سنن نسائی)

تشریح: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعائیں نماز میں کس موقع پر کرتے تھے لیکن دوسری حدیثوں کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ یہ دعائیں نماز کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے کرتے تھے نماز میں

غالباً مطلب یہ ہے کہ لقاء الہی کے شوق کے غلبہ سے کوئی ایسی کیفیت پیدا نہ ہو جائے جو کسی ضرر کا سبب اور کسی گمراہی میں مبتلا کا باعث بن جائے۔ واللہ اعلم

اس قسم کی دعاؤں کا خاص موقع و محل یہی ہے۔ اس موقع کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کی درخواست پر جو دعائیں کو تعلیم فرمائی تھی: ”اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا الْخ“ وہ معارف الحدیث کی جلد سوم میں ذکر کی جا چکی ہے اور اسی کی تشریح میں وہ دلائل اور قرائن لکھے جا چکے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دعاؤں کا موقع اور محل تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔

(۱۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا بَعْدَ التَّشَهُّدِ ”أَلْفَ اللَّهُمَّ عَلَى الْخَيْرِ بَيْنَ قُلُوبِنَا وَأَصْلَحَ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِي أَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُلُوبِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِينَ لِنِعْمَتِكَ قَابِلِيهَا وَآمِنًا عَلَيْهَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تشہد کے بعد یہ دعا سکھایا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ عَلَى الْخَيْرِ بَيْنَ قُلُوبِنَا الْخ“ (اے اللہ! خیر اور بھلائی پر ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور ہمارے باہمی تعلقات کو درست کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نکال کے روشنی کی فضا میں لا اور ظاہر و باطن کی ساری گندگیوں سے ہمیں بچا اور دور رکھ۔ اور ہمارے کانوں ہماری آنکھوں اور ہماری بیویوں اور ہماری نسل میں برکت دے اور ہم پر عنایت فرما تو بڑا عنایت فرما اور مہربان ہے اور ہمیں تو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا اور شایان شان طریقے پر ان کا استقبال کرنے والا بنا اور نعمتوں کا ہم پر اتمام فرما، یعنی اپنی نعمتیں بھرپور عطا فرما۔ (سنن ابی داؤد)

نماز کے بعد کی دعائیں

(۱۱۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ ذُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ”اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّكَ أَنْتَ الرَّبُّ وَحَدِّكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ إِخْوَةٌ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اجْعَلْنِي مُخْلِصًا لَكَ وَأَهْلِي فِي كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ الْخ“ (اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی اکیلا تو ہی مالک اور پروردگار ہے، تیرا کوئی شریک سا جھی نہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا

ہوں کہ تیرے سارے بندے (بندگی کے رشتے سے) بھائی بھائی ہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! مجھے اور میرے گھروالوں کو ہمیشہ کے لئے دنیا اور آخرت کی ایک ایک ساعت کے لئے اپنا مخلص اور وفادار بندہ بنالے۔ اے ذوالجلال والا اکرام میری التجاس لئے 'میری دعا قبول فرمالے اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے اللہ زمین و آسمان کا نور ہے (سارا جہان اسی کے نور سے قائم ہے اور منور ہے) اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے 'میرے لئے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا میرا سہارا اور بھروسہ ہے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے (سنن ابی داؤد)

تشریح ... دعائیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی چیز طلب کی جائے، یا کسی شر اور بلا سے اس کی پناہ مانگی جائے۔ اور دوسری وہ جن میں بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے جلال و جبروت اور بے نہایت احسانات کو یاد کر کے اس کے حضور میں اپنی بندگی و نیاز مندی اور مخلصانہ وفاداری و ممنونیت کا مظاہرہ کرے اور اس طرح اس کی رحمت و عنایت اور اس کا قرب چاہے۔ نماز کے بعد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو حضرت زید بن ارقم کی روایت سے یہاں مذکور ہوئی اسی دوسری قسم کی ہے۔ اس سے پہلے جو دعائیں درج ہو چکی ہیں ان میں سے اکثر میں بھی یہی عنصر غالب ہے۔

(۱۱۴) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُونَ عَنْ يَمِينِهِ يُقْبَلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعُثُ عِبَادَكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم یہ چاہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے داہنی جانب کھڑے ہوں آپ ﷺ (نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف رخ فرماتے تھے تو میں نے سنا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے: "رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعُثُ عِبَادَكَ" (اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا اس دن جس دن کہ تو بندوں کو اٹھائے اور دوبارہ ان کو زندہ کرے) (صحیح مسلم)

تشریح حضرت براء کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد داہنی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ اور حضرت سمرہ بن جندب کی ایک روایت سے جس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سلام کے بعد مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے اس طرح بیٹھتے تھے کہ کسی قدر داہنی جانب کو بھی آپ کا رخ ہوتا تھا اس بناء پر یہ دونوں بیان بجائے خود صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۵) عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ ذُبْرٌ كُلِّ صَلَاةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبُكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ... حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد دعا کرتے تھے: **"اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔"** (اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر سے اور فقر و فاقہ سے اور قبر کے عذاب سے) (جامع ترمذی)

(۱۱۶) عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا کرتے تھے: **"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ لَكَ۔"** (اے اللہ! میرے سارے گناہ معاف فرما دے جو میں نے پہلے کئے اور جو بعد میں کئے اور جو چھپا کے کئے اور جو اعلانیہ کئے اور جو بھی میں نے زیادتی کی اور وہ گناہ بھی معاف فرما دے جن کا تجھ کو مجھ سے زیادہ علم ہے، تو آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں) (سنن ابی داؤد)

(۱۱۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبْرِ الْفَجْرِ اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَ رِزْقًا طَيِّبًا. (رواه زرین)

ترجمہ... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد (کبھی کبھی) یہ دعا کرتے تھے: **"اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَ رِزْقًا طَيِّبًا۔"** (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس علم کا جو نفع مند ہو، اور ایسے اعمال کا جو تیری نگاہ میں قابل قبول ہوں، اور تجھ سے سائل ہوں حلال طیب روزی کا۔) (جامع زرین)

(۱۱۸) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَسْرَأَ إِلَيْهِ فَقَالَ إِذَا نَصَرَفْتَ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ **"اللَّهُمَّ اجْرِنِي مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ قَبْلَ أَنْ تَكَلَّمَ أَحَدًا فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذَلِكَ ثُمَّ مِتَّ فِي لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارٌ مِنْهَا وَإِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ ذَلِكَ فَإِنَّكَ إِذَا مِتَّ يَوْمَكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارٌ مِنْهَا۔"** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو خصوصیت کے ساتھ تلقین فرمائی کہ جب تم مغرب کی نماز ختم کرو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ یہ دعا کرو: **"اللَّهُمَّ اجْرِنِي مِنَ النَّارِ۔"** (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) تم نے مغرب کے بعد اگر یہ دعا کی اور اسی رات میں تم کو موت آگئی تو دوزخ سے تمہارے بچاؤ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اسی طرح جب تم صبح کی نماز پڑھو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرو **"اللَّهُمَّ اجْرِنِي مِنَ النَّارِ۔"** (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) اگر اس دن تمہاری موت مقدر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو دوزخ سے بچانے کا حکم ہو جائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۱۹) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ يَا مَعَاذُ وَاللَّهِ لَا حُجُّكَ أَوْ صِيكَ يَا مَعَاذُ لَا تَدْعُهُنَّ فِي كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُولَ "اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ".

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: "اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے، میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور کیا کر: "اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔" (اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

تشریح: نہایت مختصر ہونے کے باوجود یہ بڑی عظیم اور اہم دعا ہے۔ اس کی عظمت اور اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تاکید کے ساتھ اس کی وصیت اور تلقین فرمائی۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث کی دعا "اللَّهُمَّ اجْرِنِي مِنَ النَّارِ" کی تلقین بھی آپ ﷺ نے مسلم بن الحارث کو خصوصیت اور اہتمام سے فرمائی تھی اور وہ بھی نہایت مختصر ہے۔ اس غیر معمولی اہتمام کیساتھ حضور ﷺ کی تعلیم و تلقین کے بعد ان دعاؤں کا اہتمام نہ کرنا بڑی ناقدری اور کم نصیبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

ختم تہجد پر آپ ﷺ کی ایک نہایت جامع دعا

(۱۲۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَيْلَةً حِينَ فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِي بِهَا قَلْبِي وَتَجْمَعُ بِهَا أَمْرِي وَتَلْمُ بِهَا شَعْبِي وَتُصْلِحَ بِهَا غَائِبِي وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِي وَتُزَكِّي بِهَا عَمَلِي وَتُلْهِمْنِي بِهَا رُشْدِي وَتَعْصِمْنِي بِهَا مِنْ كُلِّ سُوءٍ اللَّهُمَّ آعِظْنِي إِيْمَانًا وَ يَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ وَ رَحْمَةً أَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْقَضَاءِ وَنَزْلَ الشُّهَدَاءِ وَعِيشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْأَعْدَاءِ اللَّهُمَّ إِنِّي أُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِي وَإِنْ قَصُرَ رَأْيِي وَضَعُفَ عَمَلِي افْتَقَرْتُ إِلَى رَحْمَتِكَ فَاسْأَلُكَ يَا قَاضِيَ الْأُمُورِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُورِ كَمَا تُجِيرُ بَيْنَ الْبُحُورِ أَنْ تُجِيرَنِي مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُورِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُورِ اللَّهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَأْيِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِي مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوْ خَيْرٍ أَنْتَ مُعْطِيهِ أَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ فَإِنِّي أَرْغَبُ إِلَيْكَ فِيهِ وَأَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ رَبِّ الْعَالَمِينَ اللَّهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيدِ وَالْأَمْرِ الرَّشِيدِ أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُودِ مَعَ الْمُقَرَّبِينَ الشُّهُودِ الرَّمَّحِ السُّجُودِ الْمُؤَفِّينَ بِالْعُهُودِ إِنَّكَ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَأَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيدُ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِينَ مُهْتَدِينَ غَيْرَ ضَالِّينَ وَلَا مُضِلِّينَ سَلَامًا لِأَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِأَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ أَحَبَّكَ وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ اللَّهُمَّ هَذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْإِجَابَةُ وَهَذَا الْجَهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانِ اللَّهُمَّ اجْعَلْ لِي

نُورًا فِي قَلْبِي وَ نُورًا فِي قَبْرِي وَ نُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَ نُورًا مِنْ خَلْفِي وَ نُورًا عَنْ يَمِينِي وَ نُورًا عَنْ شِمَالِي وَ نُورًا مِنْ فَوْقِي وَ نُورًا مِنْ تَحْتِي وَ نُورًا فِي سَمْعِي وَ نُورًا فِي بَصَرِي وَ نُورًا فِي شَعْرِي وَ نُورًا فِي بَشْرِي وَ نُورًا فِي لَحْمِي وَ نُورًا فِي دَمِي وَ نُورًا فِي عِظَامِي اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُورًا وَ اَعْطِنِيْ نُورًا وَاجْعَلْ لِيْ نُورًا سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ الْعِزُّ وَقَالَ بِهِ سُبْحَانَ الَّذِي لَيْسَ الْمَجْدُ وَتَكْرَمُ سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ اِلَیْكَ“ (اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھ کو اپنے فضل و کرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو۔ میری ظاہری و باطنی پر آگندگی اور ابتوری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں دور اور غائب ہیں تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور الفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔ اے میرے اللہ! میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضا و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بخت بندوں والی زندگی اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں اگرچہ میری عقل و رائے کوتاہ اور میرا عمل اور جدوجہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں پس اے سارے اُمور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرت کاملہ سے (ایک ساتھ بہنے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح تو مجھے آتش دوزخ سے اور اُس عذاب سے جدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کے آدمی موت کی دعا مانگے گا۔ اور اسی طرح مجھے عذاب قبر سے بچا۔ اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کے لئے وعدہ فرمایا ہو، یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل و رائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہنچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو، تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اُس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں، اور تیرے کرم کے بھروسے اُس کا طالب اور شائق ہوں، تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔ اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا

ہر حکم اور کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ ”یوم الوعید“ یعنی قیامت کے دن مجھے امن و چین عطا فرما، اور ”یوم الخلود“ یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے اُن بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفہ حیات ہے اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔ اے میرے اللہ! تو بڑا

مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے اور ”فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ“ تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کر دے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں جو کوئی تجھ سے محبت رکھے ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اُس سے محبت کریں اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اُس سے عداوت اور بغض رکھیں۔ اے اللہ! یہ میری دُعا ہے، اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے، اور یہ میری حقیر کوشش ہے، اور اعتماد و بھروسہ اپنی کوشش اور دُعا پر نہیں بلکہ صرف تیرے کرم پر ہے۔ اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما، اور میری قبر کو نورانی کر دے، اور منور کر دے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور ہو) اور اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما، اور نور کو میرا اور میرے ساتھ کر دے۔ پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت و جلال کی چادر اوڑھ لی ہے اور مجد و کرم اس کا لباس و شعار ہے، پاک ہے وہ رب قدوس جس کے سوا کسی کو تسبیح سزاوار نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل و انعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت و کرم ہے، پاک ہے رب ذو الجلال والاکرام۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... سبحان اللہ! کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دُعا، تنہا اسی ایک دُعا سے (اور اس سے پہلے جو دعائیں درج ہوئیں اُن سے بھی) اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اُس میں آپ کا کیا مقام تھا، اور سید العالمین ﷺ اور محبوب رب العالمین ﷺ ہونے کے باوجود اپنے کو آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی و نیاز مندی کی کس فقیرانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے، نیز یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دُعا کے وقت آپ کے قلب مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے انسانی حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپ کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے رؤف اور رحیم و کریم ہیں اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور عامانگنہ والے پرکتنایار آتا ہوگا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کی دعائیں اُمت کے لئے آپ ﷺ کا عظیم ترین ورثہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس ورثہ کی قدر و قیمت سمجھیں اور اس سے پورا حصہ لینے کی کوشش کریں۔

مختلف اوقات و احوال کی دعائیں

اب تک جو دعائیں مذکور ہوئیں وہ سب نماز کے اندر کی یا نماز کے بعد کی تھیں اور نماز چونکہ اپنی روح و حقیقت کے لحاظ سے خود دعا و مناجات بلکہ اس کی مکمل ترین صورت ہے اور اس کا موضوع ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں اظہارِ عجز و نیاز اور دعا و سوال ہے اس لئے اس میں اس طرح کی دعائیں کامل معرفت اور کمال عبادیت کی علامت ہونے کے باوجود کوئی عجوبہ نہیں۔ لیکن جو دعائیں رسول اللہ ﷺ نے دوسرے اوقات خاص کر کھانے پینے، سونے جاگنے اور دوسرے بشری و حیوانی تقاضوں والے اعمال و اشغال کے اوقات کے لئے تعلیم فرمائی ہیں جن کے ذریعہ یہ اعمال و اشغال بھی سراسر روحانی و نورانی اور اللہ تعالیٰ کے تقریب کا وسیلہ بن جاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا خاص الخاص معجزہ ہے ذیل میں انہی دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔

صبح و شام کی دعائیں

ہر آدمی کے لئے رات کے بعد صبح ہوتی ہے اور دن ختم ہونے پر شام آتی ہے گویا ہر صبح اور ہر شام زندگی کی ایک منزل طے ہو کر اگلی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور اپنے عملی نمونہ سے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہر صبح و شام اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ و مستحکم کرے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اپنے قصوروں کے اعتراف کے ساتھ معافی مانگے اور سائل و بھکاری بن کر رب کریم سے مناسب وقت دعائیں کرے۔

(۱۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ نَ الصِّدِّيقَ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ مُرْنِي بِكَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ قَالَ قُلْ "اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّكُمْ" قَالَ قُلْهَا إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: "مجھے ذکر و دعا کے وہ کلمے تعلیم فرمادیجئے جن کو میں صبح و شام کہہ لیا کروں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔ "اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّكُمْ" (اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے، غیب و شہود کا پورا علم رکھنے والے ہر چیز کے مالک و پروردگار۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں، میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر سے اور اس کے شرک سے) (یعنی اس بات سے کہ وہ مجھے شرک میں مبتلا کر دے۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو بکر! تم اللہ سے یہ دعا کیا کرو صبح کو اور شام کو اور سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت۔" (سنن ابی داؤد جامع ترمذی)

(۱۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعْلَمُ أَصْحَابَهُ يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ

بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ" وَإِذَا أَمْسَى فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ

بِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ النُّشُورُ" (رواه ابو داؤد والترمذی واللفظ له)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو تلقین فرماتے تھے کہ

جب رات ختم ہو کر تمہاری صبح ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: "اللَّهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ

أَمْسَيْنَا . تا "وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری صبح ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم

سے ہماری شام، تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی حکم سے ہم وقت آجانے پر مریں گے،

اور پھر تیری ہی طرف لوٹ کر جائیں گے) اسی طرح جب شام ہو تو عرض کرو: "اللَّهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا

وَبِكَ أَمْسَيْنَا . تا "وَإِلَيْكَ النُّشُورُ" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری شام ہوتی ہے، اور تیرے ہی

حکم سے ہماری صبح، اور تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی فیصلہ سے مریں گے، اور پھر اُٹھ

کر تیرے ہی حضور حاضر ہوں گے۔) (جامع ترمذی نو سنن ابی داؤد)

تشریح: رات کے اندھیرے کے بعد صبح کے اُجالے کا نمودار ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انسان عموماً

دن ہی میں اپنے سارے کام کاج کرتے ہیں اگر رات کے بعد صبح نہ ہو تو گویا قیامت ہو جائے۔ اسی طرح دن

کے ختم پر شام کا آنا اور رات کا شروع ہونا بھی بڑی نعمت ہے، شام آکر کاموں سے چھٹی دلاتی ہے اور آرام و

راحت کا پیام لاتی ہے، اگر ایک دن شام نہ آئے، تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عام انسانوں پر کیا گزر جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب صبح یا شام ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا احساس و

اعتراف کیا جائے۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی یاد کیا جائے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے دن کی عمر ختم ہو کر

رات آتی ہے اور رات کی عمر ختم ہو کر دن نکلتا ہے۔ اسی طرح اس کے حکم سے ہماری زندگی چل رہی ہے،

اور اسی کے حکم سے مقررہ وقت پر موت آجائے گی اور پھر اللہ کے حضور میں پیشی ہوگی۔ الغرض روزانہ صبح

و شام اللہ کی نعمت کا اعتراف اور موت اور آخرت کو یاد کیا جائے۔ نہ صبح کو اس سے غفلت ہونہ شام کو۔

(۱۲۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَمْسَى قَالَ "أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اللَّهُمَّ

إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا. اللَّهُمَّ إِنِّي

أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ." وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ

ذَلِكَ أَيْضًا أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلَّهِ الْخ." (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے

حضور میں عرض کرتے: "أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلَّهِ الْخ." (یہ شام اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور

یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں۔ ساری حمد و ستائش اسی اللہ کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں،

اس کا کوئی شریک سا جھی نہیں، راج اور ملک اسی کا ہے، وہی لائق حمد و ثنا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! یہ آنے والی رات اور جو کچھ اس رات میں ہونے والا ہے میں اس کے خیر کا تجھ سے سائل ہوں، اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پروردگار! تیری پناہ سستی اور کاہلی سے (جو امور خیر سے محرومی کا سبب بنتی ہے) تیری پناہ بالکل نکما کر دینے والے بڑھاپے سے، اور کبر سنی کے بُرے اثرات سے، تیری پناہ دُنیا کے ہر فتنہ سے (اور یہاں کی ہر آزمائش سے) تیری پناہ قبر کے عذاب سے۔ اور جب صبح ہوتی ہے تو رسول اللہ ﷺ بس ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: **”وَأَصْبَحَ الْمُسْلِمُ لِلَّهِ الْحُجَّ“** (ہماری صبح اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں الحُجَّ۔) (صحیح مسلم)

تشریح..... اس دعا میں اپنی ذات اور ساری کائنات کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار اور اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی توحید کا اعلان ہے۔ پھر رات یا دن میں جو خیر اور برکتیں ہوں ان کا سوال ہے، اور جو کمزوریاں خیر و سعادت سے محرومی کا سبب بن جاتی ہیں ان سے پناہ طلبی ہے۔ اور آخر میں دُنیا کے ہر فتنہ اور عذابِ قبر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا ہے اور اس میں اپنی بندگی اور نیاز مندی کا کیسا اظہار ہے۔

(۱۲۴) **عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِينَ يُمَسِّي وَحِينَ يُصْبِحُ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي اللَّهُمَّ اسْتَرْعُو رَاتِي وَأَمِنْ رَوْعَاتِي اللَّهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ لَوْفِي وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي.“** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب شام یا صبح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا ضرور کرتے تھے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“** (اے اللہ! میں تجھ سے دُنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت کا طالب و سائل ہوں۔ اے میرے اللہ! میں اپنے دین اور دُنیا اور اپنے اہل و عیال اور مال کے بارے میں معافی اور عافیت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! میری شرم و عار والی باتوں کی پردہ داری فرما۔ میرے دل کی گھبراہٹ اور تشویشات دور فرما کر مجھے امن و اطمینان نصیب فرما۔ اے اللہ! میری حفاظت فرما میرے آگے سے اور پیچھے سے اور میرے دائیں بائیں اور میری اوپر کی جانب سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس بات سے کہ نیچے کی جانب سے مجھ پر کوئی آفت آئے، مجھے ہمیشہ اس سے محفوظ رکھ۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی صبح شام کی دعاؤں میں یہ دعا بھی بڑی جامع ہے، انسانی ضرورت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان چند لفظوں میں نہ آگیا ہو۔ اللہ تعالیٰ قدر شناسی عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

(۱۲۵) **عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ”مَنْ عَبَدَ مُسْلِمٌ يَقُولُ إِذَا أَمْسَى وَإِذَا أَصْبَحَ ثَلَاثًا“**

”رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا“ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح اور شام تین دفعہ کہے: ”رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا“ (میں راضی ہوں اللہ کو اپنا مالک و پروردگار مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد کو نبی مان کر) تو اللہ نے اس بندے کے لئے اپنے ذمہ کر لیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو ضرور خوش کر دے گا۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

تشریح: سبحان اللہ! کتنی عظیم بشارت ہے کہ جو مؤمن و مسلم بندہ اس مختصر کلمہ کو صبح شام تین دفعہ کہے اللہ و رسول ﷺ اور ان کے دین کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ اور مستحکم کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے کہ میں قیامت کے دن اس کو راضی اور خوش کر دوں گا۔ اس بشارت کے معلوم ہو جانے کے بعد اس دولت کو حاصل کرنے سے غافل رہنا کتنا عظیم خسارہ اور کتنی بڑی محرومی ہوگی۔

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَنَامٍ الْبَيَاضِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ”اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ لِمِنْكَ وَحَدِّكَ لَا شَرِيكَ لَكَ. لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ.“ فَقَدْ أَذَى شُكْرَ يَوْمِهِ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذَلِكَ حِينَ يُمَسِّي فَقَدْ أَذَى شُكْرَ لَيْلَتِهِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: عبد اللہ بن غنم بیاضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بندہ صبح ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرے کہ: ”اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ لِمِنْكَ وَحَدِّكَ لَا شَرِيكَ لَكَ.“ (اے میرے اللہ! اس صبح جو بھی نعمت مجھے نصیب ہے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو بھی میسر ہے وہ تنہا تیرے ہی کرم کا نتیجہ ہے، تیرا کوئی شریک سا جہی نہیں، تیرے ہی لئے ساری حمد و ثنا اور اے کریم صرف تیرا ہی شکر ہے) تو اس نے اس دن کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کر دیا اور جس نے شام ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسی طرح عرض کیا تو اس نے پوری رات کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: حق یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں کا کسی طرح شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ رب کریم کا صرف کرم ہے کہ ایسے حقیر سے شکر کو بھی وہ کافی قرار دیتا ہے۔ منقول ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ: ”اے پروردگار! تیری نعمتیں بے شمار ہیں میں کیسے ان کا شکر ادا کروں۔ ارشاد ہوا کہ: ”تمہارا یہ محسوس کرنا کہ وہ نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں، بس یہی شکر کافی ہے۔ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ“

(۱۲۷) عَنْ أَبِي مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ ”أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهُ وَنَصْرَهُ وَنُورَهُ وَبَرَكَتَهُ وَهُدَاهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ.“ ثُمَّ إِذَا أَمْسَى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذَلِكَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابومالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب صبح ہو تو کہو: ”أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ تا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ۔ (صبح اس حالت میں ہوئی کہ

ہم اور ساری کائنات اللہ رب العالمین کی ملک اور اس کے قبضہ میں ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس دن کی خیر اور فتح و نصرت، نور و برکت اور ہدایت کا سائل ہوں اور اس دن اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں) پھر جب شام ہو تو اسی طرح کہو۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۲۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ "فُسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ" وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ" يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَيُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ" أَدْرَكَ مَا فَاتَهُ يَوْمَهُ ذَلِكَ وَمَنْ قَالَ هُنَّ حِينَ يُمَسِّي أَدْرَكَ مَا فَاتَهُ فِي لَيْلَتِهِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "جو کوئی (سورہ روم کی یہ تین آیتیں) صبح ہونے پر تلاوت کرے وہ اس دن کی وہ ساری خیر اور برکتیں پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی۔ اور اسی طرح جو کوئی شام آنے پر یہ تین آیتیں تلاوت کرے وہ اس رات کی وہ ساری خیر و برکت پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی۔ وہ آیات یہ ہیں:

فُسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ" وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ" يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَيُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ.

اللہ کی پاکی بیان کرو جب تمہارے لئے صبح ہو اور جب شام آئے۔ اور زمین و آسمان میں ہر وقت اس کی حمد و ثناء ہوتی ہے۔ اور چوتھے پہر اور دوپہر کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کرو، وہی قادر مطلق زندہ کو مرنے سے اور مرنے کو زندہ سے برآمد کرتا ہے اور زمین پر مردگی طاری ہو جانے کے بعد اپنی رحمت سے اسے حیات تازہ بخشتا ہے۔ اور تم بھی اسی طرح مرنے کے بعد زندہ کر دیئے جاؤ گے۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۲۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُولُ فِي صَبَاحٍ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءٍ كُلِّ لَيْلَةٍ "بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّهُ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" تِلْكَ مَرَاتٍ فَلَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین دفعہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اسے کوئی مضرت نہیں پہنچے گی اور وہ کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّهُ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (جامع)

ترمذی، سنن ابی داؤد

اس اللہ کے نام سے جس کے نام پاک کیساتھ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ

سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تشریح..... حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی ان کے صاحبزادے ابان ہیں۔ ان پر فاجح کا حملہ ہو گیا تھا جس سے ان کا جسم متاثر تھا۔ ایک دفعہ جب وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے ایک آدمی خاص طرح کی نظر سے ان کی طرف دیکھنے لگا وہ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو رہا ہے کہ جب آپ یہ حدیث اپنے والد ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سن چکے تھے تو پھر آپ پر فاجح کا حملہ کیسے ہو گیا اس حدیث میں تو اس دعا کے صبح و شام پڑھنے والے کے لئے ہر حادثہ سے حفاظت کی ضمانت بتائی گئی ہے۔ ابان نے اس آدمی سے کہا: ”میاں دیکھتے کیا ہو نہ میں غلط بیان کر رہا ہوں نہ حضرت عثمانؓ نے مجھ سے غلط بیان کیا تھا۔ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس میں جو وعدہ ہے وہ بھی برحق ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی معاملہ کی وجہ سے مجھے سخت غصہ تھا اس غصہ کی حالت میں اس دن وقت پر یہ دعا پڑھنا بھول گیا اسی دن یہ فاجح کا حملہ ہوا۔ چونکہ تقدیر الہی میں فاجح ہونا مقرر تھا اس لئے اسی دن بھلا دیا گیا۔ حضرت ابان کا یہ بیان بھی حدیث کے ساتھ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔ صبح شام تین دفعہ اس دعا کا پڑھنا اللہ کے نیک بندوں کے معمولات میں سے ہے اور بلاشبہ اس میں آفات ارضی و سماوی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

(۱۳۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِقْرَأْ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ حِينَ تُمَسِّي وَحِينَ تُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”شام کو اور صبح کو (یعنی دن شروع ہونے پر اور رات شروع ہونے پر) تم قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ دو قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ تین بار پڑھ لیا کرو۔ یہ ہر چیز کے واسطے تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... قُلْ هُوَ اللَّهُ اور **معوذتین** قرآن مجید کی بہت چھوٹی سورتوں میں ہیں، لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے بہت فائق اور بالاتر ہیں، جیسا کہ فضائل تلاوت قرآن کے سلسلہ میں کچھ ہی پہلے بیان بھی کیا جا چکا ہے۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جو لوگ اور زیادہ نہ پڑھ سکیں وہ صبح و شام کم از کم یہی تین سورتیں پڑھ لیا کریں، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے، یہی انشاء اللہ کافی ہوں گی ہر مسلمان کو یہ یاد بھی ہوتی ہیں۔

خاص سونے کے وقت کی دعائیں

نیند کو موت سے بہت مشابہت ہے۔ سونے والا مردے ہی کی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نیند، بیداری اور موت کے درمیان کی ایک حالت ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ تاکید کے ساتھ ہدایت فرماتے تھے کہ جب سونے لگو تو اس سے پہلے دھیان اور اہتمام سے اللہ کو یاد کرو، گناہوں سے معافی مانگو اور اس سے مناسب وقت دعائیں کرو۔ اس سلسلہ میں جو دعائیں آپ ﷺ نے تلقین فرمائیں اور جو آپ ﷺ کے معمولات میں سے تھیں وہ ذیل میں پڑھی جائیں۔

(۱۳۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَمَرَ رَجُلًا قَالًا إِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ قُلْ ااَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَاَنْتَ تَوَلَّيْتَهَا لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاَحْفَظْهَا وَاِنْ اَمَتَهَا فَاغْفِرْ لَهَا ااَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اَلْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ“ فَقِيْلَ لَهُ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ خَيْرٍ مِنْ عُمَرَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو بتایا کہ جب تم سونے کے لئے بستر پر لیٹ جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرو: ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِيْ. تَاَسْئَلُكَ اَلْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ“ (اے میرے اللہ! تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور تو ہی جب چاہے گا میری روح قبض کر لے گا، میرا مرنا اور جینا تیرے ہی اختیار میں ہے، اگر تو مجھے زندہ رکھے تو (ہر بلا اور گناہ سے اور شر و فتنہ کی ہر بات سے) میری حفاظت فرما، اور اگر تیرا فیصلہ میری موت کا ہو تو میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے، اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی اور عافیت کا سائل ہوں) (تو میرے لئے معافی کا اور دنیا و آخرت میں عافیت کا فیصلہ فرما) حضرت عبداللہ بن عمر نے جب یہ دعا تلقین فرمائی تو کسی نے ان سے کہا کہ: ”یہ آپ نے اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ سے سنی ہوگی؟“ انہوں نے فرمایا: ”میں نے اس ہستی سے سنا ہے جو حضرت عمرؓ سے بھی بہتر تھی“ میں نے یہ دعا براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: یہ مختصر دعا عبدیت کے جذبات سے بھرپور ہے اور اللہ کے حضور میں عبدیت و نیاز مندی اور اظہارِ عاجزی و بے بسی ہی سب سے زیادہ اس کی رحمت کو کھینچنے والی چیز ہے۔ خاص کر سوتے وقت کسی بندے کو اس طرح کی دعا کی توفیق ملنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص نظر عنایت و کرم اس کی طرف متوجہ ہے۔

(۱۳۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَىٰ إِلَىٰ فِرَاشِهِ قَالَ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَّفَنَا وَآوَاْنَا لَكُمْ مِّنْ لَاٰ كَافِيٍّ لَّهِ وَلَا مُوْوِيٍّ لَهُ.“ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آرام کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو اس طرح اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ. تَاَوَاْنَا لَكُمْ مِّنْ لَاٰ كَافِيٍّ لَّهِ وَلَا مُوْوِيٍّ لَهُ.“ (اس اللہ کی حمد اور اس کا شکر جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہماری پوری ضرورتیں عطا فرمائیں اور آرام کے لئے ہمیں ٹھکانا دیا، کتنے ہی ایسے بندے ہیں جن کی نہ کوئی ضروریات پوری کرنے والا ہے نہ کوئی انہیں ٹھکانا دینے والا ہے) (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہم جو کھا پیتے ہیں اور جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ سب رب کریم کا عطیہ ہے۔ ہمارے کسی ہنر اور کرتب کو اس میں دخل نہیں اس لئے وہی لائقِ حمد و شکر ہے۔ جس نے سوتے وقت یہ دعا کی اس نے کھانے پینے اور ان سب نعمتوں کا جن سے اسے فائدہ اٹھایا شکر ادا کر دیا۔

(۱۳۳) عَنْ حُدَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَاَحْيَا وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ". (رواه البخارى ورواه مسلم عن البراء بن عازب)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو آرام فرمانے کے لئے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے جیسا کہ دوسری احادیث میں تفصیل ہے) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَاَحْيَا" (اے اللہ! تیرے ہی نام پہ مجھے مرنا اور تیرے ہی نام پر مجھے جینا ہے) اور جب سو کر اٹھتے تو اللہ کا شکر اس طرح ادا کرتے: "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہم کو جلایا اور بالآخر ہمیں اسی کے پاس جانا ہے) (صحیح بخاری)

تشریح: چونکہ نیند میں بہت کچھ مشابہت موت کی ہے اس لئے اس دعا میں نیند کو مرنے اور بیدار ہونے کو زندہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس طرح روزمرہ کے سونے جاگنے کو حیات بعد الموت کی یاد دہانی اور اس کی تیاری کی فکر کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ سونے اور جاگنے کے وقت کی دعاؤں میں سے یہ دعا بہت مختصر ہے اور اس کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائے۔

(۱۳۴) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا آتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ وَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَالْجَاثُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَهْبَةً وَرَغْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَا وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ" فَاِنْ مِتُّ مِتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَقُوْلُ فَقُلْتُ اَسْتَذْكِرُهُنَّ وَبِرَسُوْلِكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ قَالَ بِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ". (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "جب تم بستر پر سونے کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو (جس طرح نماز کیلئے وضو کرتے ہو) پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَالْجَاثُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَهْبَةً وَرَغْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَا وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ" (اے اللہ! میں نے اپنی ہستی کو بالکل تیرے سپرد کر دیا اور اپنے سب امور تیرے حوالہ کر دیئے اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنایا تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے اور تیرے رحم و کرم کی طلب و امید کرتے ہوئے میرے مولا تیرے سوا کوئی جانے پناہ اور بچاؤ کی جگہ نہیں میں ایمان لایا تیری مقدس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے نبی ﷺ پاک پر جن کو تو نے پیغمبر بنا کر بھیجا) آپ نے یہ دعا تلقین فرمانے کے بعد براء بن عازب سے ارشاد فرمایا کہ "رات کو سونے سے پہلے یہ دعا تمہارا آخری بول ہو یعنی اس دعا کے بعد کوئی بات نہ کرو اور بس سو جاؤ اگر اللہ کے حکم سے اسی حال میں تم کو موت آگئی تو تمہاری موت بڑی

مبارک اور دین فطرت پر ہوگی۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میں حضور کے سامنے ہی اس دعا کو یاد کرنے لگا تو میں نے آخری جملہ میں **”نَسِيتُكَ الَّذِي ارْسَلْتَ“** کی جگہ **”رَسُولُكَ الَّذِي ارْسَلْتَ“** کہا (جو بالکل اس کے ہم معنی تھا، صرف ایک لفظ کا فرق تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: **”نَسِيتُكَ الَّذِي ارْسَلْتَ“** کہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس دعا میں اللہ پر اعتماد اور تسلیم و تفویض کی روح بھری ہوئی ہے، اور ساتھ ہی ایمان کی تجدید بھی ہے۔ اس مضمون کے لئے دنیا کا بڑے سے بڑا ادیب بھی اس سے بہتر الفاظ تلاش نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ یہ دعا بھی رسول اللہ ﷺ کی معجزانہ دعاؤں میں سے ہے۔

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا أَرَادَ أَحَدُنَا أَنْ يَنَامَ أَنْ يَضْطَجِعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، مُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو ہدایت فرماتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور اللہ سے یوں دعا کرے: **”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ، تَاوَاغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ“** (اے میرے اللہ! آسمان و زمین کے مالک اور عرش عظیم کے مالک ہمارے اور ہر چیز کے مالک، دانے اور گٹھلی کو اپنی قدرت سے پھاڑ کر اس سے پودا نکالنے والے تورات و انجیل اور قرآن کے نازل فرمانے والے! میں تیری پناہ مانگتا ہوں زمین میں چلنے یا رینگنے والی تیری ہر مخلوق کے شر سے جس پر تیرا مکمل قابو ہے۔ اے اللہ! تو ہی اول (سب سے پہلا) ہے، کوئی چیز تجھ سے پہلی نہیں، تو ہی آخر (سب کے بعد باقی رہنے والا) ہے، کوئی چیز نہیں جو تیرے بعد ہو (اے مالک کل اور قادر مطلق اور اول و آخر) مجھ پر جو قرض ہے اسے ادا کر اے اور فقر و محتاجی دور فرما کر مجھے غنی اور خوش حال کر دے) (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں بھی سونے کے لئے داہنی کروٹ پر لیٹنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور خود حضور ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔ اس کروٹ پر لیٹنے کی صورت میں قلب جو بائیں پہلو میں ہے اوپر معلق رہتا ہے اور اللہ والوں کا تجربہ ہے کہ لیٹتے وقت ذکر و دعا اور توجہ الی اللہ کے لئے یہی شکل زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ یہ دعا اُن بندگان خدا کے زیادہ حسب حال ہے جو مقروض اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ بندہ یہ دعا کر کے سوئے اور رب کریم سے امید رکھے کہ وہ رزق میں کشائش کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

(۱۳۶) عَنْ حَفْصَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرُقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ ”اللَّهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعُثُ عِبَادَكَ“ تِلْكَ مَرَاتِبُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایہا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دعا کرتے: ”اللّٰهُمَّ قُلِّ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ“ (اے میرے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بچا قیامت کے دن جبکہ سارے بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... خاص سوتے وقت اس دعا کی ایک کھلی وجہ تو یہی ہے کہ سونے کو موت سے جو ایک خاص مشابہت ہے اس کی وجہ سے آپ سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت موت اور قیامت اور وہاں کے حساب اور ثواب و عذاب کو یاد کرتے تھے اور جس بندے کو اللہ کی معرفت حاصل ہو گئی اس کو جب موت و قیامت یاد آئے گی تو قدرتی طور پر اسکی سب سے اہم فکر اور دل کی پکار یہی ہوگی کہ وہاں عذاب سے نجات نصیب ہو۔

(۱۳۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِينَ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ ”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ“ تِلْكَ مَرَّاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَ عَدَدَ وَرَقِ الْأَشْجَارِ وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالَجٍ وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ أَيَّامِ الدُّنْيَا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ و استغفار کرے اور تین دفعہ عرض کرے: ”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ“ (میں مغفرت و بخشش چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ہی قیوم ہے ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کار ساز ہے اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ درختوں کے پتوں اور مشہور ریگستان عالج کے ذروں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... اس حدیث میں سوتے وقت مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ توبہ و استغفار کرنے پر سارے گناہ بخش دیئے جانے کا مشرکہ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کتنی بڑی محرومی ہوگی اگر حضور ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کا اہتمام نہ کیا جائے۔ ہاں یہ استغفار و توبہ سچے دل سے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا حال دیکھنے والا ہے اس کو زبان سے دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

(۱۳۸) عَنْ فِرْوَةَ بْنِ نُوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَبِي إِفْرَاءَ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ثُمَّ نَمْ عَلَى خَاتَمَتِهَا فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: فروہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے والد نوفل سے فرمایا کہ: جب تم سونے کا ارادہ کرو تو سورہ ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ پڑھ لیا کرو اس کے بعد سو جایا کرو اس سورت کے مضمون میں شرک سے پوری برأت ہے۔ (سنن ابی داؤد جامع ترمذی)

تشریح:..... ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نوفل نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ مجھے کوئی چیز بتادیتجئے جو میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ان کو یہ بتلایا کہ: ”قُلْ“

يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔ پڑھ لیا کرو۔

(۱۳۹) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَىٰ إِلَىٰ فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفْفِيهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا فَقَرَأَ فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَدًا بِهِمَا عَلَىٰ رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دوامی معمول تھا کہ جب رات کو سونے کے لئے لیٹتے تو ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ و ”قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ اور ”قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ یہ تینوں سورتیں پڑھ کے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے اور جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچ سکتے ان کو جسم مبارک پر پھیرتے، پہلے سر اور چہرے پر اور جسم کے سامنے کے حصے پر پھیرتے، تین دفعہ یہ عمل کرتے۔ (سنن ابی داؤد جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آخری مرض میں جب رسول اللہ ﷺ کو تکلیف زیادہ ہو گئی تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسی طرح تینوں سورتیں پڑھ کے اور اپنے ہاتھوں پر دم کر کے آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیروں اور میں ایسا ہی کرتی تھی۔
فائدہ: ممکن ہے بعض لوگوں کے لئے سونے کے وقت کی بعض دوسری ماثورہ دعائیں یاد کرنا مشکل ہوں، وہ کم از کم ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ تو پڑھ ہی سکتے ہیں، ان کے لئے یہی سب کچھ ہے۔ کم از کم یہ معمول تو مقرر رہی کر لینا چاہئے، جو اتنا بھی اہتمام نہ کر سکے اس کی محرومی قابلِ عبرت ہے۔

نیند نہ آنے کی شکایت کی دعا

(۱۴۰) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ شَكِيَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ لَا يَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْأَرَقِ فَقَالَ إِذَا أَوَيْتَ إِلَىٰ فِرَاشِكَ فَقُلْ ”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَمَتْ وَرَبَّ الْأَرْضِينَ وَمَا أَقْلَمَتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضَلَّتْ كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمْعًا أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ أَوْ أَنْ يَنْغِي عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم بستر پر لیٹو تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لیا کرو: ”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ. تا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ.“ (اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے اور ان سب چیزوں کے مالک جو اس کے نیچے واقع ہیں، اور شیاطین اور ان کی گمراہ کن سرگرمیوں کے مالک، اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے، کوئی مجھ پر زیادتی اور ظلم نہ کر پائے۔ باعزت اور محفوظ ہے وہ جس کو تیری پناہ حاصل ہے۔ تیری حمد و ثنا کا مقام بلند ہے، تیرے سوا کوئی لائق

پرستش نہیں، بس تو ہی معبود برحق ہے۔ (جامع ترمذی)

نیند میں ڈر جانے کی دعا

(۱۴۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا فَزِعَ أَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعَذَابِهِ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونُ" فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُلْقِنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ أَوْلَادِهِ وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَ فِي صَلَاتِهِ وَعَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (ڈرنا خواب دیکھ کے) سوتے میں ڈر جائے تو یوں دعا کرے: "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ" تاوَانِ يَحْضُرُونَ۔ (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس و اثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے یہ حدیث ان کے صاحبزادے شعیب نے روایت کی ہے) ان کا بیان ہے کہ ہمارے والد ماجد عبد اللہ بن عمروؓ کا یہ دستور تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے وہ یہ دعا ان کو تلقین فرماتے تاکہ وہ اس کو اپنا معمول بنالیں۔ اور جو بچے چھوٹے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں (بطور تعویذ کے) ڈال دیتے۔ (سنن ابی داؤد جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ڈر اُونے اور پریشان کن خواب شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں اور اگر اس دعا کو معمول بنالیا جائے تو انشاء اللہ ان اثرات سے حفاظت ہوگی۔ صحابی رسول ﷺ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اس عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا کلام یا کوئی دعا کاغذ پر لکھ کر بطور تعویذ گلے وغیرہ میں ڈال دینا کوئی غلط کام نہیں ہے۔

سو کر اٹھنے کے وقت کی دعا

(۱۴۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اسْتَغْفِرُكَ لِلذَّنْبِ وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللَّهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ." (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نیند سے بیدار ہوتے تو اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ" تا إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (اے اللہ! تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، ہر حمد و ثناء کا تو ہی سزاوار ہے، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سائل ہوں اے میرے اللہ! میرے علم و معرفت میں اضافہ فرما

اور میرے دل کی حفاظت فرما کہ تیری طرف سے ہدایت ملنے کے بعد وہ کج روی اختیار نہ کرے اور اپنے کرم سے مجھے اپنی رحمت سے نواز تو بڑا بخشش والا اور بہت عطا فرمانے والا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... یہ دعا مختصر ہونے کے باوجود کتنی جامع ہے اور اس کے ایک ایک جز میں عبدیت کی کیسی روح بھری ہوئی ہے اس کا کچھ اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو بندہ کے اور اللہ کے تعلق کو کچھ جانتا سمجھتا ہو۔ بلاشبہ جب بندہ نیند سے بیدار ہو کر اخلاص اور حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت اور اس کے بڑے پیار کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس عنایت و رحمت کی سچی طلب اور اس کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۱۴۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي اَوْدَعَا أُسْتَجِيبَ فَإِنْ تَوَضَّأْتُ قُبِلَتْ صَلَاتُي.

(رواہ البخاری)

ترجمہ..... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب رات کو سو کر کسی کی آنکھ کھلے اور وہ اس وقت کہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. اس کے بعد کہے۔ ”اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ (اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے) یا کوئی اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ دعا و التجا قبول فرمائی جائے گی۔ اس کے بعد اگر (وہ ہمت کر کے اٹھ جائے اور) وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز بھی ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حدیث کا مندرجہ بالا متن صحیح بخاری سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں کلمہ ”الحمد لله، سبحان الله“ سے پہلے ہے۔ لیکن امام بخاریؒ کے علاوہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی وغیرہ جن آئمہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان سب کی روایات میں ”سبحان الله“ پہلے اور ”الحمد لله“ بعد میں ہے جیسا کہ کلمہ تجید میں ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ شارحین بخاری نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت میں ”الحمد لله“ کا مقدم ہو جانا کسی راوی کا تصرف ہے۔ بہر حال ان شارحین کے نزدیک بھی ان کلمات کی صحیح ترتیب وہی ہے جو سنن ابی داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ اسی بنا پر ترجمہ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھ دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ جو بندہ رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی توحید تجید اور تسبیح و تحمید اور اس کی مدد کے بغیر اپنی عاجزی و بے بسی کے اعتراف کے یہ کلمے پڑھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی دعا مانگے یا کوئی اور دعا کرے تو وہ ضرور قبول فرمائی جائے اسی طرح اس وقت وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی قبول ہوگی۔ بعض اکابر کا یہ ارشاد ہے کہ جس بندے کو یہ حدیث پہنچے وہ رسول اللہ ﷺ کا خاص الخاص عطیہ سمجھے اور آپ ﷺ کی اس بشارت پر یقین کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل

کر کے استغفار و دعا کی قبولیت کی یہ دولت حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ بلاشبہ حضور ﷺ کے ایسے عطیات کی ناقدری بڑی محرومی ہے۔ امام بخاریؒ سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے امام ابو عبد اللہ فربریؒ فرماتے ہیں کہ: ”ایک دن رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے اللہ کی توفیق سے یہ کلمہ اپنی زبان سے ادا کئے۔ اس کے بعد پھر میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے یہ آیت تلاوت کی: ”وَهْدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهْدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ“^۱ (اور ان کو توفیق و ہدایت ملی بہت اچھی بات کی اور وہ لگا دیئے گئے اللہ کے راستے پر۔)

استنجا کے وقت کی دعائیں

سونے اور کھانے پینے کی طرح بول و براز بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بلاشبہ وہ خاص وقت (جبکہ آدمی اس گندگی کے اخراج میں مشغول ہو) ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ کا نام لینا اور اس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے اللہ سے یہ دعا کرے اور فارغ ہونے کے بعد اس کے حضور میں یہ عرض کرے:

(۱۴۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضِرَةٌ فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ قضائے حاجت کے مقامات (شیاطین اور موزی چیزوں کے) اڈے ہیں لہذا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کیلئے ان میں جانا چاہے تو اللہ کے حضور میں پہلے عرض کرے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ۔“ (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثیوں سے) (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: جس طرح کھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے مکوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موزی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان مقامات میں جانے کے وقت کیلئے یہ دعا فرمائی اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانیکے وقت دعا کرتے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ۔“

(۱۴۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو کہتے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي۔“ (حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے

میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرمادی اور مجھے عافیت و راحت دی۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... پیشاب یا پاخانہ خدا نخواستہ رک جائے اور فطری طریقے سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کے لئے اسپتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں اگر بندہ اس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری طریقے سے پیشاب یا پاخانہ کا خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسی احساس اور دھیان کے تحت اس موقع پر اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي“ سبحان اللہ! کیسی بر محل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔

گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دعا

آدمی کے لئے صبح و شام کے آنے جانے اور سونے جاگنے کی طرح گھر سے باہر نکلنا اور باہر سے گھر میں آنا بھی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بندہ قدم قدم پر اللہ کے رحم و کرم اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا محتاج ہے اس لئے جب گھر سے باہر قدم نکالے یا باہر سے گھر میں آئے تو برکت و استعانت کے لئے خدائے پاک کا نام لے اور اس سے دعا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے ذکر و دعا کے جو کلمے تعلیم فرمائے وہ مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھیں۔

(۱۴۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهِ فَقَالَ ”بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ يُقَالُ لَهُ 'حَسْبُكَ' هُدَيْتَ وَكُفِّيتَ وَوُقِيتَ وَيَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ. (رواه ابو داؤد والترمذی واللفظ له)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے اور نکلتے وقت کہے: ”بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے) تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں): ”اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی، اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا۔“ اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس مختصر حدیث کا پیغام اور روح یہ ہے کہ جب بندہ گھر سے باہر قدم نکالے تو اپنی ذات کو بالکل عاجز و ناتواں اور خدا کی حفاظت و مدد کا محتاج سمجھتے ہوئے اپنے کو اسکی پناہ میں دیدے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے گا اور شیطان اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔

(۱۴۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نُصِلَّ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ يُظْلَمَ عَلَيْنَا أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا. (رواه احمد والترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب گھر سے نکلتے تو کہتے: **”بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ تَا اَوْ يَجْهَل عَلَيْنَا“** (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہمارے قدم بہکیں اور ہم غلط راہ پر چلیں) (یا ہم دوسروں کی گمراہی اور غلط روی کا ذریعہ بنیں) یا ہم کسی پر ظلم و زیادتی کریں یا ہمارے ساتھ ظلم و زیادتی کی جائے یا ہم کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئے۔) (مسند احمد جامع ترمذی سنن نسائی)

تشریح: آدمی جب کسی کام سے گھر سے باہر نکلتا ہے تو مختلف حالات اور مختلف لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اس کے شامل حال نہ ہو اور اس کی دستگیری اور حفاظت نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ظلم و جہول بہک جائے اور کسی ناکردنی میں مبتلا ہو جائے یا کسی دوسرے بندے کی گمراہی اور بے راہ روی کا سبب بن جائے یا کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے اور اس میں وہ کوئی ظالمانہ یا جاہلانہ حرکت کر بیٹھے یا خود کسی کے ظلم و ستم اور جہل و نادانی کا نشانہ بن جائے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلتے وقت اللہ کا نام پاک لینے اور اس پر اپنا ایمان اور اعتماد و توکل تازہ کرنے کے علاوہ ان سبب خطرات سے بھی اس کی پناہ مانگتے تھے اور اپنے عمل سے گویا اس کی شہادت دیتے تھے کہ آپ بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور حفاظت و دستگیری کے حاجت مند ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلے حدیث میں مختصر کلمہ **”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“** بھی ان سبب خطرات سے پناہ جوئی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اس لئے اس مقصد کے لئے وہ بھی کافی ہے۔

(۱۴۸) عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَلْيَقُلْ ”اللَّهُمَّ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ“ بِسْمِ اللَّهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللَّهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللَّهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ” ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَهْلِهِ. (رواه أبو داود)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتا ہو داخل ہو: **”اللَّهُمَّ أَسْأَلُكَ تَا تَوَكَّلْنَا“** (اے خدا میں تجھ سے مانگتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کا خیر) (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے واسطے خیر اور بھلائی کا وسیلہ بنے) ہم اللہ کا نام پاک لے کر داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کا نام پاک لے کر باہر نکلتے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے وہی کار ساز ہے) اللہ کے حضور میں یہ عرض کرنے کے بعد داخل ہونے والا آدمی گھر والوں کو سلام کرے اور کہے: **”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“** (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس تعلیم ہدایت کی روح یہی ہے کہ گھر میں آنے اور گھر سے نکلنے کے وقت بھی بندے کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ پر ہو زبان پر اس کا بابرکت نام ہو اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر خیر و برکت اسی کے قبضہ

قدرت میں ہے اس سے دعا اور سوال ہو اور اسی کی کریمی و کار سازی کا بھروسہ اور اعتماد ہو۔ پھر گھر کے بڑوں اور چھوٹوں پر سلام ہو جو درحقیقت ان کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے خیر اور سلامتی کی دعا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا

مسجد گویا خانہ خدا اور دربار الہی ہے۔ آنے والے وہاں اس لئے آتے ہیں کہ عبادت کے ذریعہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہو۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کوئی بندہ غفلت کے ساتھ نہ مسجد میں جائے اور نہ مسجد سے نکلے بلکہ جانے کے وقت بھی اور آنے کے وقت بھی اس کے دل و زبان پر مناسب دعا ہو۔ اللہ کے دربار کی حاضری کا یہ لازمی ادب ہے۔

(۱۴۹) عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ". (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے: "اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" (اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر آنے لگے تو عرض کرے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ" (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ "رحمت" کا لفظ خاص طور سے روحانی اور اخروی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے جیسے کہ نبوت، ولایت، مقام قرب و رضا اور نعماء جنت وغیرہ۔ چنانچہ سورہ زخرف میں فرمایا گیا ہے: "وَرَحْمَةً رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ" اور "فضل" کا لفظ خصوصیت کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے جیسے رزق کی وسعت اور خوشحالی کی زندگی وغیرہ۔ چنانچہ سورہ جمعہ میں فرمایا گیا ہے: "فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ" پس مسجد چونکہ ان اعمال کی مخصوص جگہ ہے جن کے صلہ میں روحانی اور اخروی نعمتیں ملتی ہیں اس لئے مسجد میں داخلہ کے وقت کے لئے فتح ابواب رحمت کی اور مسجد سے نکلنے کے وقت کے لئے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

کسی مجلس سے اٹھنے کے وقت کی دعا

جب آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو بسا اوقات اس میں ایسی باتیں کہتا یا سنتا ہے جو ایک مؤمن کے لئے مناسب نہیں ہوتیں اور ان پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب مجلس سے اٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح، شہادت توحید اور توبہ و استغفار کا کلمہ پڑھو یہ مجلس کی بے احتیاطیوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

- ① اور تیرے پروردگار کی رحمت اُس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ ۱۲
- ② جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اللہ کی زمین میں چل پھر کر اللہ کے فضل کی تلاش و جستجو میں لگ جاؤ (جس سے تمہاری دنیوی اور معاشی ضرورتیں پوری ہوں)۔ ۱۲

(۱۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا كَثُرَ فِيهِ لَفْظُهُ فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ" إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا جس میں اس سے بہت سی قابل مواخذہ فضول و لایعنی باتیں سرزد ہوئیں، مگر اس نے اس مجلس سے اٹھتے وقت کہا: "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔" (اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس کی ان سب لغزشوں کو معاف کر دے گا جو اس مجلس میں اس سے سرزد ہوئیں۔ (جامع ترمذی)

(۱۵۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَلِمَاتٌ لَا يَتَكَلَّمُ بِهِنَّ أَحَدٌ فِي مَجْلِسِهِ عِنْدَ قِيَامِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِلَّا كَفَّرَ بِهِنَّ عَنْهُ وَلَا يَقُولُهُنَّ فِي مَجْلِسٍ خَيْرٍ أَوْ مَجْلِسٍ ذِكْرٍ إِلَّا خُتِمَ لَهُ بِهِنَّ عَلَيْهِ كَمَا يُخْتَمُ بِالْخَاتَمِ عَلَى الصَّحِيفَةِ "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ". (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چند مختصر سے کلمے ہیں اگر کوئی بندہ کسی مجلس سے اٹھتے وقت اخلاص سے کہہ لے تو وہ اس مجلس کی ساری لغزشوں کا کفارہ ہو جائیں گے، اور اگر یہی کلمے کسی مجلس خیر یا مجلس ذکر کے خاتمے پر کہے جائیں تو اس مجلس کی رونماد کے نوشتہ پر ان کلموں کی مہر لگادی جائے گی، جس طرح اہم کاغذات اور دستاویزوں پر مہر لگادی جاتی ہے، وہ کلمے یہ ہیں: "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔"

(رواہ ابو داؤد)

تشریح: یہ بڑا ہی مختصر اور جامع کلمہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد بھی ہے، اس کی توحید کی شہادت بھی ہے، اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار بھی ہے۔ اللہ کے بعض مقبول بندوں کو دیکھا کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد اور خاص کر ہر سلسلہ کلام کے ختم پر دل کی ایسی گہرائی سے جو اس وقت ان کے چہرے پر اور ان کی آواز میں بھی محسوس کی جاتی تھی یہی کلمے کہتے تھے جس سے سننے والوں کے دل بھی متاثر ہوتے تھے۔

بلاشبہ یہ کلمہ اپنی معنویت اور خاص ترتیب کے لحاظ سے ایسا ہی ہے کہ جب اخلاص کے ساتھ بندہ اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اس کی طرف ضرور بالضرور متوجہ ہوگی۔ یہ کلمہ بھی رسول اللہ ﷺ کے عطا فرمائے ہوئے خاص تحفوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اس کی قدر اور استفادہ کی توفیق دے۔

(۱۵۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُومُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتَّى يَدْعُوَ بِهَؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهِ ”اَللّٰهُمَّ اَقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تَبْلُغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنْ الْيَقِيْنِ مَا تَهْوِيْ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا، وَ مَتَّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمْنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اٹھیں اور اپنے ساتھ اپنے اصحاب کے لئے بھی یہ دُعا نہ فرمائیں۔
اَللّٰهُمَّ اَقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ. تاوَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا۔ (اے اللہ! ہمیں اپنے خوف اور خشیت سے اتنا حصہ دے جو ہمارے درمیان اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی تیرے اس خوف کی وجہ سے ہمارے قدم تیری نافرمانیوں کے لئے نہ اٹھ سکیں۔)
اور اپنی طاعت و عبادت سے اتنا حصہ عطا فرما جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہنچا دے (یعنی جو ہمارے لئے داخلہ جنت کا وسیلہ بن جائے۔)

اور (قضا و قدر) کے یقین سے اتنا حصہ دے جو ہمارے لئے دنیاوی مصائب کو ہلکا کر دے اور جب تک تو ہمیں زندہ رکھے اس لائق رکھ کہ اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی دوسری قوتوں سے کام لیتے رہیں (یعنی مرتے دم تک ہم آنکھ، کان وغیرہ تیری بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں) اور ان کو ہمارے مرنے کے بعد بھی باقی رکھ (یعنی ان سے ہم کچھ ایسے کام کر جائیں جو ہمارے مرنے کے بعد بھی کام آئیں۔)

اور اے ہمارے مالک و مولا! جو کوئی ہم پر (یعنی تیرے ایمان والے بندوں پر) ظلم ڈھائے تو تو اس سے ہمارا بدلہ لے، اور جو کوئی ہماری دشمنی پر کمر بستہ ہو تو تو اس کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اس کے مقابلے میں غالب اور منصور فرما۔ اور ہم پر ہمارے دین میں کوئی مصیبت نہ آئے (یعنی دینی مصائب اور فتنوں سے خاص طور پر ہماری حفاظت فرما) اور اے اللہ ایسا نہ ہو کہ دنیا ہمارا مقصدِ اعظم اور ہمارے علم و نظر کا منتہا بن جائے۔ اور اے اللہ! ہم پر کبھی بے رحم دشمنوں کو مسلط نہ فرما۔ (جامع ترمذی)

تشریح: یہ دعا بھی رسول اللہ ﷺ کی نہایت جامع و بلیغ خاص معجزانہ دعاؤں میں سے ہے۔ حق یہ ہے کہ اپنے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ ان دعاؤں کی قدر و قیمت ظاہر کی جاسکے۔
اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرامؓ اور زمانہ مابعد کے ان سب بزرگوں کی قبروں کو منور فرمائے جنہوں نے اہتمام سے ان دعاؤں کو محفوظ رکھا اور اُمت کو پہنچایا اور ہمیں قدر و استفادہ کی توفیق دے۔

بازار جانے کی دعا

انسان اپنی ضروریات اور خرید و فروخت کے لئے بازار بھی جاتا ہے جہاں اس کے لئے نفع اور نقصان

دونوں کے امکانات ہیں اور ہر دوسری جگہ سے زیادہ خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ہیں اور اسی واسطے اس کو ”نشر البقاع“ (بدترین جگہ) قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ جب ضرورت سے بازار تشریف لے جاتے تو اللہ کے ذکر اور اس سے دعا کا خاص اہتمام فرماتے۔

(۱۵۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ السُّوقَ قَالَ ”بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ السُّوقِ وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أُصِيبَ فِيهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً.“ (رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ بازار جاتے تو کہتے: ”بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ“ تا صَفْقَةً خَاسِرَةً۔ (میں اللہ کا نام لے کر بازار جاتا ہوں۔ اے اللہ! اس بازار میں اور اس کی چیزوں میں جو خیر اور بھلائی ہو اس کا میں تجھ سے سائل ہوں اور اس میں اور اس کی چیزوں میں جو شر ہو میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں اس بازار میں کوئی گھائے کا سودا کروں۔) (دعوات کبیر للبیہقی)

بازار کی ظلمانی فضاؤں میں اللہ کے ذکر کا غیر معمولی ثواب

(۱۵۴) عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوقَ فَقَالَ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.“ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنَّا لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بازار گیا اور اس نے (بازار کی غفلت اور شور و شر سے بھرپور فضا میں دل کے اخلاص سے کہا: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.“ تو اللہ کی طرف سے اس کیلئے ہزاروں ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہزاروں ہزار گناہ محو کر دیئے جائیں گے اور ہزاروں ہزار درجے اس کے بلند کر دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل تیار ہوگا۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: بازار بلاشبہ غفلت اور معصیات کے مراکز اور شیاطین کے اڈے ہیں۔ پس اللہ کا جو باتو فوق بندہ وہاں کی ظلمانی اور شیطانی فضاؤں میں ایسے طریقے پر اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے جن کے ذریعہ وہاں کی ظلمتوں کا پورا توڑ ہوتا ہو وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر بے حد و حساب عنایت ہو۔ اسکے لئے ہزار نیکیوں کا لکھا جانا، ہزاروں ہزار گناہوں کا محو کیا جانا اور ہزاروں ہزار درجے بلند ہونا اور جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا اسی عنایت الہی کی تفصیلی تعبیر ہے۔

بازار میں آدمی کی نگاہ کے سامنے طرح طرح کی وہ چیزیں آتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خدا کو اور اپنے اور ساری دنیا کے فانی ہونے کو بھول جاتا ہے۔ یہ چیزیں اس کے دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں۔ کسی چیز کو وہ

سمجھتا ہے کہ یہ بڑی دلکش اور بڑی حسین ہے، کسی کو سمجھتا ہے کہ یہ بڑی نفع بخش ہے، کسی بڑے کامیاب تاجر یا صاحب دولت و حکومت کو دیکھ کر دل میں سوچنے لگتا ہے کہ اگر اس سے تعلق قائم کر لیا جائے تو سارے کام بن جائیں گے۔ بازار کی فضاؤں میں یہی وہ خیالات و وساوس ہوتے ہیں جو دلوں اور نگاہوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے علاوہ اور تحفظ کے لئے ہدایت فرمائی کہ بازار جاؤ تو یہ کلمہ توحید تمہاری زبانوں پر ہو:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ
الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اللہ کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں، اکیلا وہی معبود برحق ہے، کوئی اس کا شریک اور سا جھی نہیں، صرف اسی کا راج اور اسی کی فرمانروائی ہے، وہی حمد ستائش کے لائق ہے سب کی زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے اور وہ زندہ جاوید ہے، اسے کبھی فنا نہیں، ساری خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے۔

یہ کلمہ ان گمراہانہ خیالات اور ان شیطانی وساوس پر براہِ راست ضرب لگاتا ہے جو بازار میں انسان کے دل و دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کلمہ میں ان حقائق پر یقین کو تازہ کیا جاتا ہے:

(۱) الہ حق جو اس کا مستحق ہے کہ اس کو دل و جان سے چاہا جائے، اس کی عبادت کی جائے اور اپنا مطلوب و مقصود حقیقی بنایا جائے صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس استحقاق میں کوئی چیز اور کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔
(۲) ساری کائنات میں صرف اسی کی فرمانروائی ہے، بلا شرکت غیرے اسی کا حکم چلتا ہے، وہی ساری کائنات کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔

(۳) حمد و ستائش کے لائق بھی صرف وہی ہے، اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں جو چیزیں دل یا نگاہ کو اچھی اور قابلِ تعریف نظر آتی ہیں وہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات ہیں، ان کا حسن و جمال اسی کا عطیہ ہے۔

(۴) اس کی اور صرف اسی کی شان ”حی لا یموت“ ہے، اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے، اور ہر ایک کی موت و حیات اور فنا و بقاء اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۵) ہر خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔

(۶) وہ اور صرف وہی قادرِ مطلق ہے، ہر چیز اور ہر تبدیلی اسی کی قدرت میں ہے۔ بازار کی فضاؤں میں جو بندہ اللہ کو اس طرح یاد کرتا ہے وہ گویا شیاطین کی سر زمین میں اللہ کے نام کا علم بلند کرتا ہے اور گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہدایت کی شمع جلا جاتا ہے۔ اس لئے بلاشبہ وہ اس غیر معمولی عنایت اور رحمت کا مستحق ہے جس کا اس حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث کے لفظ ”الف الف“ کا ترجمہ ہم نے بجائے دس لاکھ کے ”ہزاروں ہزار“ کیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان شارحین کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہاں یہ لفظ معین عدد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ غیر معمولی کثرت کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھنے کے وقت کی دُعا

بسا اوقات ہماری نگاہ اللہ کے ایسے بندوں پر پڑتی ہے جو بے چارے کسی دکھ اور مصیبت میں مبتلا اور برے حال میں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے وقت کے لئے ہدایت فرمائی کہ بندہ ایسا کوئی منظر دیکھے تو اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے کہ اس نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس حمد و شکر کی برکت سے وہ اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا۔

(۱۵۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَآبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ رَجُلٍ رَأَى مُبْتَلًى فَقَالَ "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا" إِلَّا لَمْ يُصِبْهُ ذَلِكَ الْبَلَاءُ كَانِنَا مَا كَانَ. (رواه الترمذی ورواه ابن ماجہ عن ابن عمر)

ترجمہ: امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کی نظر کسی مبتلائے مصیبت اور دکھی پر پڑے اور وہ کہے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا" (حمد اس اللہ کے لئے جس نے مجھے عافیت دی اور محفوظ رکھا اس بلا اور مصیبت سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا گیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس نے مجھے فضیلت بخشی) تو وہ اس بلا اور مصیبت سے محفوظ رہے گا خواہ کوئی بھی مصیبت ہو۔ (جامع ترمذی)

(اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے)

تشریح: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے ساتھ ہی گویا اس کی تشریح کے طور پر امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے امام باقرؑ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: "جب بندہ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے تو پہلے اس مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہے اس کے بعد یہ دُعا اس طرح آہستہ پڑھے کہ وہ بے چارہ مبتلائے مصیبت سُن نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر سُن لے گا تو اس سے اس کا دل دُکھے گا۔ حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا گیا ہے کہ: جب وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتے جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا میں پھنسا ہو تو یہی دعا پڑھتے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا"۔"

کھانے پینے کے وقت کی دُعا

کھانا پینا انسان کے لوازمِ حیات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب کچھ کھانے یا پینے کو میسر ہوتا تو آپ ﷺ اس کو اللہ کی طرف سے اور اس کا عطیہ یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔

(۱۵۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ قَالَ "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ". (رواه ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کچھ کھاتے پیتے تو کہتے: **”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ“** (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور (اس سے بھی بڑا کرم یہ فرمایا کہ) ہمیں اپنے مسلم بندوں میں سے بنایا۔

(سنن ابی داؤد جامع ترمذی)

(۱۵۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّيْ وَلَا قُوَّةَ“ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو بندہ کھانا کھائے اور پھر کہے: **”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّيْ وَلَا قُوَّةَ“** (ساری حمد اس اللہ کے لئے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری اپنی سعی و تدبیر اور قوت و طاقت کے بغیر محض اپنے فضل سے مجھے یہ عطا فرمایا) تو اس حمد و شکر کی برکت سے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: بعض اعمال بظاہر بڑے چھوٹے سے ہوتے ہیں لیکن اللہ کی نگاہ میں وہ بہت بڑے اور اس کی میزان میں بہت بھاری ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ بڑا غیر معمولی نکلتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو بندہ کھانے کے بعد صدق دل سے یہ اعتراف کرے کہ یہ کھانا مجھے میرے پروردگار اور پالنے والے نے عطا فرمایا، میرے کسی ہنر اور کسی صلاحیت اور استحقاق کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا، جو کچھ عطا فرمایا وہ اس نے صرف اپنے کرم سے عطا فرمایا اور ساری حمد و ستائش کا مستحق وہی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حمد کی اتنی قدر فرمائے گا کہ اس کے سارے پہلے گناہ اس کی برکت سے بخش دے گا۔ اور سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس بندے نے کپڑا پہنا اور پھر اس طرح اللہ کی حمد کی:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّيْ وَلَا قُوَّةَ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ.

ساری حمد و ستائش اس اللہ کیلئے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و تدبیر اور قوت و طاقت کے مجھے یہ عطا فرمایا۔ تو اس کے پہلے اور پچھلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
دراصل بندے کا یہ اعتراف و احساس کہ اس کے پاس جو کچھ ہے اس کے رب کا عطیہ ہے وہ خود کسی لائق بھی نہیں ہے، عبدیت کا جوہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور ان اعمال میں سے ہے جن کے صدقہ میں عمر بھر کی خطائیں معاف کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان پر یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

کسی کے یہاں کھانا کھا کر کھلانے والے کیلئے دُعا

(۱۵۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ صَنَعَ أَبُو الْهَيْثَمِ التَّيْهَانُ طَعَامًا فَدَعَا النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ فَلَمَّا فَرَغُوا قَالَ ﷺ

اَيُّوَا اَخَاكُم قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اِثَابَتُهُ؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَ اَكَلَ طَعَامَهُ وَ شَرِبَ شَرَابَهُ فَقَدَعُوْا لَهُ قَدْ لِكَ اِثَابَتُهُ! (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو البیثم بن التیہان نے اپنے ہاں کھانا تیار کر لیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی دعوت کی جب سب کھانا کھا کے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اپنے بھائی کو بدلہ دو۔ عرض کیا گیا کہ: حضور ﷺ! ان کو کیا بدلہ دیا جاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی بھائی کے گھر جائیں اور وہاں کھائیں پیئیں اور پھر اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کریں تو بس یہی بندوں کی طرف سے اس کا بدلہ ہے۔“ (سنن ابی داؤد)

(۱۵۹) عَنْ اَنَسِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ اِلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَجَاءَهُ بِخُبْزٍ وَزَيْتٍ فَاَكَلَ ثُمَّ قَالَ ﷺ ”اَفْطَرَعِنْدَكُمْ الصَّائِمُونَ“ وَ اَكَلَ طَعَامَكُمْ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمْ الْمَلَائِكَةُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کے ہاں تشریف لائے انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں کچی ہوئی روٹی اور روغن زیتون پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور پھر ان کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

اَفْطَرَعِنْدَكُمْ الصَّائِمُونَ، وَ اَكَلَ طَعَامَكُمْ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمْ الْمَلَائِكَةُ

اللہ کے روزہ دار بندے تمہارے ہاں افطار کیا کریں اور ابراہار و صالحین تمہارے ہاں کھانا کھایا کریں اور اللہ کے فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کیا کریں۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۶۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرِ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى اَبِي فَقَرَّبْنَا اِلَيْهِ طَعَامًا وَ وَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اَتَى بِخَمْرِ فَكَأَنَّ يَأْكُلُهُ وَيُلْقِي التَّوْبَى بَيْنَ اَصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَابَةَ وَالْوُسْطَى ثُمَّ اَتَى بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ اَبِي وَ اَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهِ اَدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ ”اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَ اغْفِرْ لَهُمْ وَ اَرْحَمْهُمْ.“ (رواه مسلم)

ترجمہ: عبد اللہ بن بسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے والد بسر اسلمی کے مہمان ہوئے تو میرے والد نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا اور وطبہ (ایک قسم کا مالیدہ) پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، آپ ﷺ ان کو کھاتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا کر کھجور کی گٹھلیاں ان میں لے کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں پینے کے لئے کوئی مشروب پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی نوش فرمایا، پھر آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میرے والد نے آپ ﷺ کی سواری کی لگام تھام کے عرض کیا کہ ہمارے لئے دعا فرما دیجئے تو آپ ﷺ نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَ اغْفِرْ لَهُمْ وَ اَرْحَمْهُمْ (صحیح مسلم)

اے اللہ! تو نے ان کو روزی کا جو سامان عطا فرمایا ہے اس میں ان کے لئے برکت دے اور ان کو اپنی

مغفرت اور رحمت سے نواز۔

تشریح..... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس طرح کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اسی طرح جب اللہ کا کوئی بندہ کھلائے پلائے تو اس کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں کھانا کھانے کے بعد ان کے لئے جو دعا فرمائی جس کا حضرت انسؓ کی اوپر والی حدیث میں ذکر ہے، یعنی: **”أَفْطَرَعَنْدُكُمْ الصَّائِمُونَ الْخ“** اور بسرا سلمیٰ کے ہاں کھانے کے بعد ان کے لئے آپ ﷺ نے جو دعا فرمائی جس کا عبد اللہ بن بسر والی اس حدیث میں ذکر ہے یعنی: **”اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُم الْخ“** ان دعاؤں کے مضمونوں میں فرق غالباً حضرت سعد بن عبادہ اور بسرا سلمیٰ کے دینی مقام اور درجہ کے لحاظ سے ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ آپ ﷺ کے خاص فیض یافتہ اور صف اول کے اصحاب کرامؓ میں سے تھے ان کو آپ ﷺ نے دعادی کہ: **”اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ ہمیشہ تمہارے ہاں اللہ کے روزہ دار بندے افطار کیا کریں اور اس کے صالح اور متقی بندے کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کریں۔“** حضرت سعد بن عبادہ کے دینی مقام کے لئے ایسی ہی دعا زیادہ مناسب تھی۔ اور بسرا سلمیٰ جو اس درجہ کے نہیں تھے ان کے لئے خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی وہی دعا زیادہ مناسب تھی جو آپ ﷺ نے ان کو دی۔ واللہ اعلم

نیا لباس پہننے کے وقت کی دعا

لباس بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور کھانے پینے ہی کی طرح انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: **”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نیا کپڑا نصیب فرمائے اور وہ اس کو زیب تن کرے تو اللہ تعالیٰ کے احسان کے استحضار کے ساتھ اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے اور جو پہنا ہوا کپڑا اس نے پرانا کر کے اتارا ہے اس کو صدقہ کر دے۔“** آپ ﷺ نے بشارت دی کہ ایسا کرنے والے بندے کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پردہ داری نصیب رہے گی۔

(۱۶۱) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **”مَنْ لَبَسَ ثَوْبًا جَدِيدًا فَقَالَ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَآتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي“ ثُمَّ عَمِدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِي أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهِ كَانَ فِي كَنْفِ اللَّهِ وَفِي حِفْظِ اللَّهِ وَفِي سِتْرِ اللَّهِ حَيًّا وَمَيِّتًا“** (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: **”جو بندہ نیا کپڑا پہنے اور کہے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَآتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي“ (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنی پردہ داری کرتا ہوں اور زندگی میں وہ میرے لئے سامانِ زینت بنتا ہے) پھر وہ بندہ اپنا وہ لباس جو اس نے پرانا کر کے اتار دیا ہے صدقہ کر دے تو وہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت و نگہبانی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ داری فرمائے گا۔“**

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دعا

(۱۶۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا نَظَرَ فِي الْمِرْآةِ قَالَ "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَوَّى خَلْقِي وَأَحْسَنَ صُورَتِي وَزَانَ مِنِّي مَا شَاءَ مِنْ غَيْرِي". (رواه البزار)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ آئینہ دیکھتے تو کہتے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَوَّى خَلْقِي وَأَحْسَنَ صُورَتِي وَزَانَ مِنِّي مَا شَاءَ مِنْ غَيْرِي۔" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے میرے جسم کو برابر موزوں بنایا اور مجھے اچھی شکل و صورت عطا فرمائی اور مجھے اس خوشنمائی سے نوازا جس سے دوسرے بہت سے بندوں کو نہیں نوازا گیا) (مسند بزار)

تشریح: دوسری اکثر دعاؤں کی طرح اس دعا کی روح بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے اندر جو حسن و خوبی اور جو جمال و کمال محسوس کرے وہ اس کو اللہ کی دین یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر کرے، اس طریقہ عمل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبہ عبودیت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی اور وہ خود پسندی اور کبر نفس جیسے مہلک امراض سے محفوظ رہے گا۔

نکاح اور شادی سے متعلق دعائیں

نکاح اور شادی بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بظاہر اس کا تعلق انسان کے صرف ایک بھیہ اور نفسانی تقاضا سے ہے اور اس وقت خدا فراموشی کا بڑا امکان ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ اس موقع پر بھی تمہاری نگاہ خدا پر رہے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اس سلسلہ کا خیر و شر بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اس سے دعا کیا کرو اس طرح آپ ﷺ نے زندگی کے اس شعبہ کو بھی خدا پرستی کے رنگ میں رنگ دیا۔

(۱۶۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً أَوْ اشْتَرَى خَادِمًا فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ". (رواه ابو داؤد وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: "جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو اپنے نکاح میں لائے اور بیوی بنائے یا خدمت کے لئے غلام یا باندی خریدے تو یہ دعا کرے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ۔" (اے اللہ! اس میں اور اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی ہو۔ میں تجھ سے اس کی استدعا کرتا ہوں اور اس میں اور اس کی فطرت میں جو شر اور برائی ہو اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔) (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۱۶۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَا الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ "بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ" (رواه احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شادی کرنے والے آدمی کو ان الفاظ کے ساتھ دعا اور مبارک باد دیا کرتے تھے: **”بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔“** (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے مبارک کرے اور تم پر برکتیں نازل کرے اور تم دونوں (میاں اور بیوی) کو خیر اور بھلائی پر جوڑے رکھے) یعنی دنیا اور آخرت کی ہر چیز اور بھلائی کے معاملہ میں تم دونوں کے درمیان باہم اتفاق اور تعاون رہے اور شیطان کوئی فتنہ انگیزی نہ کر سکے۔ (مسند احمد جامع ترمذی مسند ابن ماجہ مسند ابن ماجہ)

مباشرت کے وقت کی دعا

(۱۶۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ ”بِسْمِ اللَّهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا“ فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرُ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کر لیا کرے: **”بِسْمِ اللَّهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔“** (بسم اللہ اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ: ”اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا کی (اور خدا کی طرف سے بالکل غافل ہو کر بہائم کی طرح بس اپنے نفس کا تقاضا پورا کر لیا) تو ایسی مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالی اولاد شر شیطان سے محفوظ نہیں رہے گی۔“ اس کے بعد فرماتے ہیں: **”ازیحا ست فساد احوال اولاد و تباہ کاری ایشان۔“** (یعنی اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق و عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں تو اس کی خاص بنیاد یہی ہے)۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات کی قدر شناسی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق دے۔

سفر پر جانے اور واپس آنے کے وقت کی دعائیں

دیس سے پردیس جانے والے کے لئے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ: سفر کیلئے روانہ ہوتے وقت اللہ سے کیا کیا مانگنا چاہیے نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر یقینی پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد کرنا چاہئے اور اسکی تیاری سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

(۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى بَعِيرِهِ خَارِجًا إِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ ”سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا

نَسْتَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبَرِّ وَالتَّقْوَى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَى اللَّهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هَذَا وَاطْوِلْنَا بُعْدَهُ اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعَثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْظَرِ وَسُوءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ. وَإِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيهِنَّ ائْتَبُون تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو پہلے تین دفعہ ”اللہ اکبر“ کہتے اس کے بعد کہتے: **سُبْحَانَ اللَّهِ تَائِبِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ**۔ (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کے لئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا ہے، اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے) (بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کر دیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکو کاری اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی جو تیری رضا کے باعث ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کر دے۔ اے اللہ! بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں (اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل و عیال اور مال و جائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ بس تجھ ہی پر ہے) اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنج و ہمت دیکھوں اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائیداد میں کوئی بری بات پاؤں) اور جب آپ ﷺ سفر سے واپس ہوتے تب بھی اس کے حضور میں یہی دعا کرتے۔ اور آخر میں ان کلمات کا اضافہ کرتے: **اِئْتَبُون تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ**۔ (ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اپنے پروردگار کی حمد و ستائش کرنے والے ہیں) (صحیح مسلم)

تشریح: اس دعا کا ایک ایک جز اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ ”اللہ اکبر“ کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تین دفعہ ”اللہ اکبر“ کہہ کے اس پر نین نہ بیٹ لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ کے لئے ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کہتے تھے: **سُبْحَانَ اللَّهِ تَائِبِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ**۔ (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کر دیا، ورنہ ہم میں وہ طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکتے) اس میں اس کا متراف اور انبہار ہے کہ اس سواری و ہمارے لئے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں: **وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ**۔ (یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں اسی طرح ایک دن اس

دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود و مطلوب ہے، وہی سفر حقیقی سفر ہو گا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد سب سے پہلی دعا آپ یہ کرتے کہ: ”اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو۔“ بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے، اس لئے ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد آپ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دعا کرتے۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے: **”اللّٰهُمَّ اَنْتَ الصّٰحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ“** (یعنی اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے اور گھربار اور اہل و عیال جن کو میں چھوڑ کے جا رہا ہوں ان کا نگہبان اور نگران بھی تو ہی ہے اور تیری ہی نگہبانی پر بھروسہ ہے۔ ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ سفر کی مشقت سے یاد و ران سفر میں یا واپسی پر کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت و سہولت نصیب رہے اور واپس آکر بھی خیر و عافیت دیکھوں۔

حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب واپسی کے لئے آپ سفر شروع فرماتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ یہی سب کچھ عرض کرتے اور آخر میں یہ کلمات مزید کہتے: **”اَنْتَ تَابِعُونِ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ“** (یعنی اب ہم واپس ہو رہے ہیں، اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے پروردگار اور مالک و مولا کی عبادت اور حمد و ثناء کرتے ہیں۔ ذرا غور کیا جائے کہ جب سفر کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت رسول اللہ کے قلب مبارک کی یہ واردات ہوتی تھیں، جو ان کلمات کے قالب میں زبان مبارک پر جاری ہوتی تھیں، تو مخلوق کے خاص اوقات میں کیا حال ہوتا ہو گا۔ کیسی خوش نصیبی ہے اس امت کی جس کے پاس اس کے نبی کا چھوڑا ہوا ایسا خزانہ محفوظ ہے، اور کیسی قابلِ عبرت بد نصیبی ہے اس امت کی جس کے ۹۹ فیصد افراد یا اس سے بھی زیادہ اس سے بے خبر اور اس لئے استفادہ سے محروم ہیں۔

(۱۶۷) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ يُرِيدُ سَفَرًا أَوْ غَيْرَهُ فَقَالَ حِينَ يَخْرُجُ ”أَمَنْتُ بِاللَّهِ“ اِعْتَصَمْتُ بِاللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ إِلَّا رَزَقَ خَيْرَ ذَلِكَ الْمَخْرَجِ وَصُرِفَ عَنْهُ شَرُّ ذَلِكَ الْمَخْرَجِ.“ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مسلمان اپنے گھر سے نکلے خواہ بارادہ سفر ہو یا بغیر ارادہ سفر، گھر سے نکلنے کے وقت کہے: **”أَمَنْتُ بِاللَّهِ“** **تَوَكَّلْتُ بِاللَّهِ** **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“** (میں اللہ پر ایمان لایا، میں نے اللہ کو مضبوطی سے تھام لیا، میں نے اللہ پر بھروسہ کر لیا اور میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی سعی و حرکت اور کوئی قوت و طاقت کام نہیں کر سکتی اللہ کے حکم کے بغیر) تو اس مسلمان کو گھر سے اس نکلنے کا خیر ضرور حاصل ہو گا اور اس کے شر سے وہ محفوظ رکھا جائے گا۔ (مسند احمد)

سفر میں کسی منزل پر اترنے کے وقت کی دعا

(۱۶۸) عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ "أَعُوذُ

بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے: جو شخص اثنائے سفر میں کسی منزل پر اترے اور اس وقت یہ دعا کرے: "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔" (میں اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوقات کے شر سے) تو جب تک وہ اس منزل سے روانہ نہ ہو جائے گا اس کو کوئی چیز ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ (صحیح مسلم)

کسی بستی میں داخل ہونے کے وقت کی دعا

(۱۶۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا رَأَى قَرْيَةً يُرِيدُ أَنْ يَدْخُلَهَا قَالَ "اللَّهُمَّ بَارِكْ

لَنَا فِيهَا" فَتِلْكَ مَرَّاتٍ "اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا حَيَاةَا وَحَبِّبْنَا إِلَى أَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِي أَهْلِهَا إِلَيْنَا." (رواه الطبرانی فی الأوسط)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب وہ بستی دکھائی دیتی جس میں آپ ﷺ جانے کا ارادہ رکھتے تو پہلے تین دفعہ کہتے: "اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهَا۔" (اے اللہ ہمارے لئے اس بستی کو مبارک کر دے) اس کے بعد یہ دعا فرماتے: "اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا حَيَاةَا وَحَبِّبْ صَالِحِي أَهْلِهَا إِلَيْنَا۔" (اے اللہ! اس بستی کی اچھی پیداوار کو ہمارا رزق بنا اور ہماری محبت اس بستی والوں کے دل میں ڈال دے اور اس میں جو تیرے صالح بندے ہوں ان کی محبت ہمارے لوں میں پیدا فرما دے۔) (مجموعہ الاوسط الطبرانی)

تشریح: کسی نئی بستی میں جانے والے کے لئے سب سے اہم یہی تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ سبحان اللہ! کتنی مختصر، بر محل اور جامع دعا ہے۔

سفر پر جانے والے کو وصیت، اور اس کیلئے دعا

(۱۷۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَسَافِرَ فَأَوْصِنِي قَالَ عَلَيْكَ

بِتَقْوَى اللَّهِ وَالتَّكْبِيرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ "اللَّهُمَّ اطْوِلْهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ." (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: میرا ارادہ سفر کا ہے، حضور ﷺ مجھے کچھ وصیت اور نصیحت فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلی وصیت تو یہ ہے کہ اللہ کا خوف اور اس کی ناراضی سے بچنے کی فکر کو لازم پکڑ لو (اس بارے میں ادنیٰ تسابیل اور غفلت

نہ ہو) اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ اثناء سفر میں جب کسی بلندی پر پہنچنا ہو تو ”اللہ اکبر“ کہو۔ پھر جب وہ آدمی روانہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے دعا دی: ”اللَّهُمَّ اطْلُ لَه الْبُعْدَ وَ هَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ“ (اے اللہ! اس کے طول مسافت کو سمیٹ کر مختصر کر دے اور سفر کو اس کے واسطے آسان فرما دے)۔ (جامع ترمذی)

(۱۷۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُرِيدُ سَفَرًا فَرِوْذَنِي فَقَالَ زَوَّدَكَ اللَّهُ التَّقْوَى قَالَ زِدْنِي قَالَ وَعَفَّرَ ذُنُوبَكَ قَالَ زِدْنِي بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي قَالَ وَيَسِّرْ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میرا ارادہ سفر کا ہے“ آپ ﷺ مجھے ”زاد سفر“ عنایت فرما دیجئے؟ (یعنی ایسی دعائیں کر دیجئے جو سفر میں میرے کام آئیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تقویٰ کو تمہارا زاد سفر بنائے (اور تمہیں پورے سفر میں یہ دولت نصیب رہے) اس شخص نے عرض کیا: حضرت ﷺ! اس میں اور اضافہ فرمائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تمہارے گناہوں کی اللہ مغفرت فرمائے۔ اس نے پھر عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اس میں اور اضافہ فرمائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور جہاں بھی تم پہنچو اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی تمہارے لئے میسر فرمائے۔ (جامع ترمذی)

(۱۷۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الْخَطَمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُسْتَوْدَعَ الْجَيْشَ قَالَ أَسْتَوْدِعُ اللَّهَ دِينَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيمَ أَعْمَالِكُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ الخطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ لشکر کو رخصت کرتے وقت فرماتے: ”أَسْتَوْدِعُ اللَّهَ دِينَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيمَ أَعْمَالِكُمْ“ (میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارے دین کو اور تمہاری صفت امانت کو اور تمہارے آخری اعمال کو)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: یہاں ”امانت“ سے مراد انسان کے دل کی وہ خاص صفت اور کیفیت ہے جو اس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے۔ مختصر لفظوں میں اس کو ”بندگی کی ذمہ داریوں کے احساس“ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

مؤمن کی خاص پونجی اس کی یہ صفت امانت اور اس کا دین اور دینی اعمال ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ لشکر کو رخصت کرتے وقت مجاہدین کی ان چیزوں کو خاص طور سے اللہ کی سپردگی میں دیتے تھے اور دعا فرماتے تھے کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے۔ اسی طرح کسی شخص کو رخصت کرتے وقت بھی آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور فرماتے: ”أَسْتَوْدِعُ اللَّهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ أَعْمَالِكَ“ (تمہارے دین تمہارے امانت اور خاتمہ والے اعمال کو میں خدا کے سپرد کرتا ہوں) وہ ان کی حفاظت فرمائے۔ (رواہ الترمذی عن ابن عمر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو رخصت کرنے کے وقت

مصافحہ فرمانا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ واللہ اعلم۔

سخت خطرے کے وقت کی دعا

(۱۷۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُولُهُ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ "اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" قَالَ فَضْرَبَ اللَّهُ وَجُوهَ أَعْدَائِهِ بِالرِّيحِ هَزَمَ اللَّهُ بِالرِّيحِ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے غزوہ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: حضرت ﷺ! کیا اس نازک وقت کے لئے کوئی خاص دعا ہے جو ہم اللہ کے حضور میں عرض کریں، حالت یہ ہے کہ ہمارے دل مارے دہشت کے اچھل اچھل کے گلوں میں آرہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" (اے اللہ! ہماری پردہ داری فرما اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور اطمینان سے بدل دے) ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر اللہ نے آندھی بھیج کر دشمنوں کے منہ پھیر دیئے اور اس آندھی ہی سے اللہ نے ان کو شکست دی۔ (مسند احمد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر جو سخت سے سخت دن گزرے ہیں ان میں غزوہ خندق کے بعض ایام بھی تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی اس طرح کیا گیا ہے:

إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا. (الاحزاب، ۳۳: ۱۱۰)

جب آگئے دشمنوں کے لشکر تمہارے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل مارے دہشت کے گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت اہل ایمان بڑی آزمائش میں پڑے اور سخت طریقے سے بلا ڈالے گئے۔

انہی حالات میں ایک دن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے وہ درخواست کی تھی جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ مختصر دعا تلقین فرمائی تھی: "اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت آندھی بھیجی گئی جس نے سارے لشکر کو تتر بتر کر دیا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

(۱۷۴) عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ "اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ". (رواه احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی دشمن گروہ کے حملہ کا خطرہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے:

”اللَّهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ.“

اے اللہ! ہم تجھے ان دشمنوں کے مقابلے میں کرتے ہیں تو ان کو دفع فرما اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

فکر اور پریشانی کے وقت کی دعا

(۱۷۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ.“ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوتے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ“ تا رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ۔ (کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا وہ بڑی عظمت والا اور حلیم ہے، کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا وہ رب العرش العظیم ہے، کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ رب السموات والارض اور رب العرش الکریم ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَرِبَهُ أَمَرَ يَقُولُ ”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ.“ وَقَالَ ”الْظُّوْبَايَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.“ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی فکر اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ کی دعا یہ ہوتی تھی: ”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ۔“ (اے حی و قیوم! بس تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں) اور دوسروں سے) فرماتے: ”الْظُّوْبَايَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔“ (یا ذا الجلال والاكرام سے چمٹے رہو) یعنی (اس کلمہ کے ذریعہ اللہ سے استغاثہ اور فریاد کرتے رہو۔) (جامع ترمذی)

(۱۷۷) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَا أَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ تَقُولِينَهُنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ؟ ”اللَّهُ اللَّهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا.“ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”میں تمہیں ایسے کلمے بتا دوں جو پریشانی اور فکر کے وقت تم کہا کرو۔“ (انشاء اللہ وہ تمہارے لئے باعث سکون ہوں گے) ”اللَّهُ اللَّهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔“ (اللہ اللہ وہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی۔)

(۱۷۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ فَلْيَقُلْ ”اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أُمَّتِكَ وَفِي قَبْضَتِكَ نَاصِيَّتِي بِيَدِكَ مَا ضِي فِي حُكْمِكَ عَدْلٌ فِي قَضَائِكَ أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ بِهِ نَفْسُكَ أَوْ أُنْزِلَتْهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ اسْتَأْثَرَتْ بِهِ فِي مَكْنُونِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ

أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ، رَبِّعَ قَلْبِي وَجِلَاءَ هَمِّي وَعَمِّي“ مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ إِلَّا أَذْهَبَ اللَّهُ هَمَّهُ أَبَدْلَهُ بِهِ فَرَجًا. (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو پریشانی اور فکر زیادہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: ”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ“ ”جِلَاءَ هَمِّیْ وَعَمِّی“ (اے اللہ! میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے ایک بندے کا اور تیری ایک بندی کا، اور بالکل تیرے قبضہ میں ہوں اور ہمہ تن تیرے دست قدرت میں ہوں، نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ، میں تجھ سے تیرے ہر اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی مقدس ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کسی کتاب میں اس کو نازل فرمایا ہے یا اپنے خاص مخفی خزانہ غیب ہی میں اس کو محفوظ رکھا ہے۔ استدعا کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنادے اور میری فکروں اور میرے غموں کو اس کی برکت سے دور فرمادے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی عطا فرمادے گا۔ (رہین)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمودہ اس دعا کا ایک ایک کلمہ عبدیت کی کیفیت سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے اپنی اور اپنے ماں باپ کی بندگی اور عبدیت کا اظہار و اعتراف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، میرا باپ بھی تیرا بندہ اور میری ماں بھی تیری بندگی میں یعنی میں تیرا پشتینی بندہ ہوں، تو میرا مالک و رب ہے اور میرے ماں باپ کا بھی مالک و رب ہے۔ اور میں ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، میرے لئے جو بھی تیرا فیصلہ ہے وہ برحق ہے اور نافذ ہونے والا ہے، مجھے اور کسی کو بھی چون و چرا کی مجال نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر تجھ سے کچھ مانگنے کا مجھے حق ہو، اس لئے تیرے ہی ان اسم پاک کے واسطے سے جن سے تو نے اپنی ذات پاک کو موسوم کیا ہے، یا جو تیری کتابوں میں بتائے گئے ہیں یا جو صرف تیرے ہی علم میں ہیں اور جنہیں تیرے سوا کوئی نہیں جانتا، تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے قرآن پاک کو میرے دل کی بہار بنادے اور میری فکریں اور پریشانیاں اس کی برکت سے دور فرمادے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”جب بندہ اس طرح دعا کرے گا تو اس کی فکریں اور پریشانیاں ضرور بالضرور دور فرمادی جائیں گی۔“

مصائب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں

اس دنیا میں انسانوں کو بعض اوقات بڑے مصائب اور مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے، اس میں خیر کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان امتلاآت اور مجاہدات کے ذریعہ اہل ایمان کی تربیت ہوتی ہے اور یہ ان کیلئے انابت الی اللہ اور تعلق باللہ میں ترقی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مواقع کیلئے جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ مصائب و مشکلات سے نجات کا وسیلہ بھی ہیں اور قرب خداوندی کا ذریعہ بھی۔ ان میں سے چند دعائیں ذیل میں پڑھیے:

(۱۷۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دَعْوَةُ ذِي النُّونِ الَّذِي دَعَا بِهَا وَهُوَ فِي بَطْنِ الْحُوتِ "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ". لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ. (رواه احمد والترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ذوالنون (اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام) جب سمندر کی ایک مچھلی کا لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں پہنچ گئے تھے تو اس وقت اللہ کے حضور میں ان کی دعا اور پکار یہ تھی: "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ" (میرے مولا تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس سے رحم و کرم کی درخواست اور مدد کی التجا کروں تو پاک اور مقدس ہے تیری طرف سے کوئی ظلم و زیادتی نہیں میں ہی ظالم اور پاپی ہوں) جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول ہی فرمائے گا۔ (مسند احمد جامع ترمذی سنن نسائی)

تشریح: حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید (سورۃ انبیاء) میں انہی الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ بظاہر تو اس میں صرف اللہ کی توحید و تسبیح اور اپنے قصور وار خطا کار ہونے کا اعتراف ہے لیکن فی الحقیقت یہ اللہ کے حضور میں اظہارِ ندامت اور استغفار و انابت کا بہترین انداز ہے اور اس میں اللہ کی رحمت کو کھینچ لینے کی خاص تاثیر ہے۔

(۱۸۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا وَقَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ الْعَظِيمِ فَقُولُوا "حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ". (رواه ابن مردويه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آجائے تو کہو "حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" (اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔) (ابن مردویہ)

تشریح: یہ بھی قرآن مجید کا خاص کلمہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم کے بت پرستوں نے آگ کے ڈھیر میں ڈالا تو ان کی زبان مبارک پر یہی کلمہ تھا: "حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" مصائب و مشکلات کے موقع پر ہر بندہ مؤمن کا یہی نعرہ ہونا چاہئے۔

(۱۸۱) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا قَالَ عَبْدٌ "اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اكْفِنِي كُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ أَيْنَ شِئْتَ" إِلَّا أَذْهَبَ اللَّهُ تَعَالَى هَمَّهُ. (رواه)

الحرانطی فی مکارم الاخلاق)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ (کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور) اللہ کے حضور میں عرض کرے: "اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ

الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اَكْفُنِي كُلِّ مِنْهُمْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ اَيْنِ شِئْتَ۔“ (اے میرے اللہ! سنا توں آسمانوں اور عرش عظیم کے مالک! میری مہمات و مشکلات حل کرنے کے لئے تو کافی ہو جا اور حل کر دے جس طرح تو چاہے اور جہاں سے تو چاہے) تو اللہ اس کی مشکل کو حل کر کے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرمادے گا۔ (مکارم الاخلاق لخواں علی)

(۱۸۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا عَلِيُّ إِذَا حَزَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ ”اللَّهُمَّ احْرُسْنِي بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِي بِكَفِّكَ الَّذِي لَا يَرَامُ وَاعْفِرْ لِي بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ فَلَا أَهْلِكَ وَأَنْتَ رَجَائِي رَبِّ كَمْ مِنْ نِعْمَةٍ أَنْعَمْتَهَا عَلَيَّ قُلْ لَكَ عِنْدَهَا شُكْرِي وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ ابْتَلَيْتَنِي بِهَا قُلْ لَكَ عِنْدَهَا صَبْرِي فَيَأْمَنْ قُلْ عِنْدَ نِعْمَتِهِ شُكْرِي فَلَمْ يَحْرِمْنِي وَيَأْمَنْ قُلْ عِنْدَ بَلِيَّتِهِ صَبْرِي فَلَمْ يَخْذُلْنِي وَيَأْمَنْ رَأَيْتَنِي عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِي يَا ذَا الْمَعْرُوفِ الَّذِي لَا يَنْقُضِي أَبَدًا وَيَا ذَا النِّعَمَاءِ الَّتِي لَا تُحْصَى أَبَدًا أَسْأَلُكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبِكَ أَدْرَأُ فِي نُحُورِ الْأَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِينَ۔“ (رواه الديلمي في مسند الفردوس)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے علی! جب تمہیں کسی بڑی پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہو تو اللہ سے اس طرح دعا کرو: ”اللَّهُمَّ احْرُسْنِي بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ۔“ تا فی نُحُورِ الْأَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِينَ۔“ (اے اللہ! اپنی اس آنکھ سے میری نگہبانی فرما جو کبھی نیند اور اونگھ سے آشنا نہیں ہوتی اور مجھے اپنی اس حفاظت میں لے لے جس کے قریب جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں کر سکتا اور مجھ مسکین و گناہگار بندے پر تجھے جو قدرت اور دسترس حاصل ہے اس کے صدقہ میں تو میرے گناہ معاف فرمادے کہ میں ہلاکت و بربادی سے بچ جاؤں تو ہی میری امیدوں کا مرکز ہے۔ اے میرے مالک و پروردگار! تو نے مجھے کتنی ہی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کا شکر مجھ سے بہت ہی کم ادا ہو سکا اور کتنی ہی آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا اور ان آزمائشوں کے وقت مجھ سے صبر میں بڑی کمی اور کوتاہی ہوئی۔ پس اے میرے وہ کریم رب جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں میں نے کوتاہی کی تو اس نے مجھے نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا (بلکہ میری اس کوتاہی کے باوجود اپنی نعمتیں مجھ پر انڈیلتا رہا) اور آزمائشوں میں صبر سے میرے قاصر رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی نگاہ کرم سے نہیں گرایا (بلکہ میری بے صبری کے باوجود مجھ پر کرم فرماتا رہا) اور اے میرے وہ کریم رب جس نے مجھے معصیتیں کرتے ہوئے خود دیکھا مگر اپنی مخلوق کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا (بلکہ مجھ گناہگار کی پردہ داری فرمائی) اے ہمیشہ اور تا ابد احسان و کرم فرمانے والے اور بے شمار و بے حساب نعمتوں سے نوازنے والے پروردگار! میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے بندے اور پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر اور ان کے خاص متعلقین پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ خداوند! میں تیرے ہی زور پر اور تیرے ہی بھروسے پر مقابلہ میں آتا ہوں دشمنوں اور جباروں کے۔ (مسند فردوس و بیہی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی اس دعا کے ایک ایک کلمہ پر غور کیا جائے اس کا ہر جملہ عبدیت کی روح سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان کی قدر اور نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حاکم وقت کے ظلم سے حفاظت کی دعا

بسا اوقات انسان خاص کر حق پرست انسان کو ایسے مواقع پیش آتے ہیں کہ وہ وقت کے ارباب اقتدار کے غصہ اور ناراضی کا نشانہ بن جاتا ہے، اور انکے ظلم و عدوان کا خطرہ فطری طور پر اس کے لئے فکر و پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے مستقل طور سے دعا تعلیم فرمائی۔

(۱۸۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَخَوَّفَ أَحَدُكُمْ السُّلْطَانَ فَلْيَقُلْ "اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَاتَّبَاعِهِمْ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَنْ يُطْغَى عَزْجَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ." (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو حاکم وقت کے ظلم و عدوان کا خطرہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ سے یوں دعا کرے: "اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ. تَا وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔" (اے اللہ! ہفت افلاک اور عرش عظیم کے مالک! فلاں ابن فلاں (حاکم) کے شر سے اور سارے شریر انسانوں اور جنوں اور ان کے چیلوں کے شر سے میری حفاظت فرما، اور مجھے اپنی پناہ میں لے، کہ ان میں سے کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے۔ جو تیری پناہ میں ہے وہ باعزت ہے، تیری ثناء و صفت با عظمت ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، صرف تو ہی معبود برحق ہے (الحکم کبیر طبرانی)

قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعا

(۱۸۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ الْمَسْجِدَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقُولُ لَهُ أَبُو أُمَامَةَ فَقَالَ يَا أَبَا أُمَامَةَ مَا لِي أَرَاكَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ وَقْتِ الصَّلَاةِ قَالَ هُمُومٌ لَزِمْتَنِي وَذُبُونُ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلَامًا إِذَا قُلْتَهُ أَذْهَبَ اللَّهُ هَمُّكَ وَقَضَى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلَى يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلْبَةِ الدِّينِ وَفَهْرِ الرِّجَالِ" قَالَ فَفَعَلْتُ ذَلِكَ فَأَذْهَبَ اللَّهُ هَمِّي وَقَضَى دَيْنِي. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری کو (جن کا نام ابو امامہ تھا) آپ ﷺ نے مسجد میں بیٹھے دیکھا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا

بات ہے کہ تم اس وقت جبکہ کسی نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت ﷺ مجھ پر بہت سے قرضوں کا بوجھ ہے اور فکروں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایسا دعائیہ کلمہ بتا دوں جس کے ذریعہ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں ساری فکروں سے نجات دیدے اور تمہارے قرضے بھی ادا کر دے؟ (ابو امامہؓ نے بیان کیا کہ) میں نے عرض کیا: حضرت ﷺ! ضرور بتادیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم صبح وشام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: **اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ الْهَمِّ تَا وَفَقِيْر الرِّجَالِ** (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے اور نکلے پن اور ٹھول پن سے اور سستی و کاہلی سے اور بزدلی و کنجوسی سے اور پناہ مانگتا ہوں قرضے کے بار کے غالب آجانے سے اور لوگوں کے دباؤ سے) ابو امامہؓ نے بیان کیا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا (اور اس دعا کو اپنا صبح وشام کا معمول بنالیا) تو خدا کے فضل سے میری ساری فکریں ختم ہو گئیں اور میرا قرض بھی ادا ہو گیا۔ (مسلم ابی داؤد)

تشریح یہ صاحب واقعہ ابو امامہ مشہور صحابی ابو امامہ بانی کے علاوہ دوسرے صحابی ہیں۔

(۱۸۵) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ جَاءَهُ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّیْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِيْ فَاَعِنِّیْ قَالَ اَلَا اَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمْنِهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ كَانَ عَلَیْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلْ ”اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ

بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ“ (رواہ الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب انکے پاس آیا اور اس نے کہا کہ: میں زر کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا ہوں آپ اس میں میری مدد کر دیجئے؟ آپ نے فرمایا: میں تم کو وہ دعائیہ کلمات نہ بتا دوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے تھے اگر تم پر کسی بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہو گا تو اس دعا کی برکت سے اور اللہ کے حکم سے وہ ادا ہو جائیگا (وہ مختصر دعایہ ہے): **”اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ“** (اے میرے اللہ! مجھے حلال طریقے سے اتنی روزی دے جو میرے لئے کافی ہو اور حرام کی ضرورت نہ ہو اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے) (جامع ترمذی دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح ”مکاتب“ اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کے آقا نے اس کے بارے میں طے کر دیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کر دو تو آزاد ہو ایسا غلام جب وہ معینہ رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی طرح کا کوئی بیچارہ مکاتب آیا تھا جو زر کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا تھا آپ اس وقت رقم سے تو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے لیکن اسی مقصد کے لئے ایک خاص دعا آپ نے اس کو تعلیم فرمادی جو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی۔ معلوم ہوا کہ ضرورت مند سائل کی اگر روپیہ پیسہ سے کسی وقت مدد نہ کی جاسکے تو اس کو اس طرح کی دعا ہی کی طرف رہنمائی کر دی جائے یہ بھی اعانت اور خدمت کی ایک صورت ہے۔

خوشی اور غم کے وقت کی دعا

(۱۸۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى مَا يُسْرُّ بِهِ قَالَ "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ

الصَّالِحَاتِ" وَإِذَا رَأَى شَيْئًا مِمَّا يَكْرَهُ قَالَ "الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ." (رواه ابن النجار)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی ایسی بات دیکھتے جس سے

آپ ﷺ کو مسرت اور خوشی ہوتی تو کہتے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ." (حمد و ستائش

اس اللہ کے لئے جس کے فضل و احسان سے اچھائیاں تکمیل پاتی ہیں) اور جب کوئی ایسی بات دیکھتے جو

آپ ﷺ کو ناپسند اور ناگوار ہوتی تو کہتے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ." (ہر حال میں اللہ کی حمد اور اس کا

شکر۔) (ابن النجار)

تشریح: اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے چاہے اس میں ہمارے لئے مسرت اور خوشی کا سامان ہو یا رنج و غم کا وہ

سب بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور وہ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت

سے خالی نہیں اس لئے وہ ہر حال میں حمد و ستائش کا مستحق ہے۔

غصہ کے وقت کی دعا

(۱۸۷) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى عُرِفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِ أَحَدِهِمَا

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَ لَذَهَبَ غَضَبُهُ" "أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ."

(رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں دو آدمیوں کے

درمیان کچھ سخت کلامی ہو گئی یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے چہرے پر غصہ کے آثار محسوس ہو گئے

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جانتا ہوں ایک دعائیہ کلمہ اگر یہ آدمی اس وقت وہ کہہ لے تو اس کا غصہ

ٹھنڈا پڑ جائے گا وہ کلمہ ہے "أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ." (جامع ترمذی)

تشریح: بلاشبہ اگر آدمی شعور اور دعا کی کیفیت کے ساتھ سخت غصہ کی حالت میں بھی یہ کلمہ کہے اور اللہ

سے پناہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کر دے گا اور وہ غصہ کے نتائج بد سے محفوظ

رہے گا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَأَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (حم السجده)

اور اگر (کسی وقت شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی ہو) (اور اس سے تمہارے اندر غصہ کی آگ

بھڑک اٹھے) تو اللہ کی پناہ مانگو وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے (وہ تمہیں پناہ دے گا)

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ غصہ کی بحرانی کیفیت میں جب آدمی سنجیدگی اور توازن اور اچھائی برائی کا

احساس کھو بیٹھتا ہے تو بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ باتیں اسے یاد آئیں۔ ایسے وقت میں خیر خواہوں کو چاہیئے

کہ وہ حکمت سے اس کو اس طرف متوجہ کریں اور رسول اللہ ﷺ کی یہ زریں ہدایت یاد دلائیں۔

عیادت کے وقت کی دعائیں

بیماروں کی عیادت اور خدمت کو رسول اللہ ﷺ نے اونچے درجہ کی نیکی اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت قرار دیا ہے اور اس کی بڑی ترغیب دی ہے نیز اپنے عمل اور ارشادات سے اس کی تعلیم دی ہے کہ جب کسی مریض کی عیادت کی جائے تو اس کے لئے دعائے صحت بھی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس کو تسلی بھی ہوگی۔ اسی سلسلہ معارف الحدیث کی تیسری جلد میں ”کتاب الجنائز“ کے ذیل میں اس سلسلہ کی متعدد حدیثیں درج کی جا چکی ہیں یہاں کتاب الدعوات میں بھی بعض حدیثوں کے اضافہ کے ساتھ ان کو درج کیا جا رہا ہے۔

(۱۸۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ إِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِمِمْبِهِ ثُمَّ قَالَ ”أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءُ لَا يَغَادِرُ سُقْمًا.“ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا دایا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: ”أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اِنَّ“ (اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرما دے اور شفاء عطا فرما دے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، بس تیری ہی شفاء شفاء ہے، ایسی کامل شفاء عطا فرما جو بیماری کا اثر بالکل نہ چھوڑے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۸۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ إِنَّ جِبْرِئِيلَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ ”بِسْمِ اللَّهِ أَرْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَ حَاسِدٍ، اللَّهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللَّهِ أَرْفِيكَ.“ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ کچھ بیمار ہوئے تو) جبریل امین نے یہ دعا پڑھ کے جھاڑا: ”بِسْمِ اللَّهِ أَرْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَ حَاسِدٍ، اللَّهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللَّهِ أَرْفِيكَ“۔ (میں اللہ کے نام سے تمہیں جھاڑتا ہوں، ہر اُس چیز سے جو تمہیں ایذا پہنچائے، اور ہر نفس اور حاسد کے شر سے اللہ تم کو شفا دے، میں اللہ کے نام سے تمہیں جھاڑتا چھوٹتا ہوں)۔ (صحیح مسلم)

(۱۹۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اشْتَكَى نَفَثَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا اشْتَكَى وَجَعَهُ الَّذِي تُوَفِّي فِيهِ كُنْتُ أَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْفُثُ وَأَمْسَحُ بِبَيْدِ النَّبِيِّ ﷺ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے

اوپر دم فرماتے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے پھر جب آپ ﷺ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا دست مبارک آپ ﷺ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں ”مُعَوِّذَات“ سے مراد بظاہر سورہ ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ اور ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جاتی ہے اور جو آپ ﷺ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بھی بعض حدیثوں میں آچکی ہیں۔

چھینک آنے کے وقت کی دعا

آدمی کو چھینک آجانے کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے بھی دعا تلقین فرمائی، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کا ذریعہ بنادیا۔

(۱۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ أَوْ صَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ فَإِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيكُمْ اللَّهُ وَيُصْلِحْ بِالْكُمْ.

(رواہ البخاری)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ کہے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ (اللہ کی حمد اور اس کا شکر) اور جو بھائی اس کے پاس ہوں، انہیں جواب میں کہنا چاہئے: ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ (تم پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب وہ یہ کہیں تو چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے: ”يَهْدِيكُمْ اللَّهُ وَيُصْلِحْ بِالْكُمْ“ (اللہ تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمہارا حال درست فرمائے) (صحیح بخاری)

تشریح..... چھینک اگر زکام وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو تو دماغ کی صفائی اور اس کے ہلکے ہونے کا ذریعہ ہے۔ جو مادہ چھینک کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اگر وہ خارج نہ ہو تو طرح طرح کی دماغی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لئے بندے کو چاہئے کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے، اور کم از کم ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے۔ بعض روایات میں اس موقع کے لئے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ“ اور بعض دوسری روایات میں ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ بھی وارد ہوا ہے۔ اس لئے ان میں سے ہر کلمہ کہا جاسکتا ہے۔

سننے والوں کو اس کے جواب میں ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہنا چاہئے۔ یہ چھینکنے والے کے حق میں دُعا خیر ہوگی، اس کا جواب چھینکنے والے کو بھی دُعا خیر سے دینا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے ”يَهْدِيكُمْ اللَّهُ وَيُصْلِحْ بِالْكُمْ“ تعلیم فرمایا۔ قربان اس تعلیم کے، ایک چھینک کو خود چھینکنے والے کے لئے اور اس کے پاس والوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تازہ کرنے کا اور بڑھانے کا کیسا ذریعہ بنایا۔

اگر کسی کو نزلہ اور زکام کی وجہ سے مسلسل چھینکیں آتی ہوں تو اس صورت میں نہ چھینکنے والا ہر دفعہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہنے کا مکلف ہے، نہ سننے والے کو ہر دفعہ ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہنے کا حکم ہے۔

(۱۹۲) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ ثُمَّ عَطَسَ أُخْرَى فَقَالَ الرَّجُلُ مَرْكُومٌ. (رواه مسلم وفي رواية للترمذی انه قال له في الثالثة انه مَرْكُومٌ)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ”یَرْحَمُكَ اللَّهُ“ فرمایا۔ وہ پھر چھینکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کو زکام ہے (اس لئے ہر دفعہ یَرْحَمُكَ اللَّهُ کہنا ضروری نہیں۔) (صحیح مسلم)

تشریح: اور جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ یہ بات حضور ﷺ نے اس وقت فرمائی جب اس آدمی کو تیسری دفعہ چھینک آئی۔

ایک دوسرے صحابی عبید بن ابی رفاعہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

سَمِعْتُ الْعَاطِسَ ثَلَاثًا فَمَا زَادَ فَإِنْ شِئْتَ فَشِئْتَهُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا

چھینکنے والے کو تین دفعہ تک تو یرحمک اللہ کہو اس کے آگے کہو چاہے نہ کہو۔ (رواہ ابو داؤد، الترمذی)

(۱۹۳) عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَلَيْسَ هَكَذَا، عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَقُولَ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر کے خادم نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا اسے چھینک آئی تو اس نے کہا: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ“ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں ”الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ“ یعنی یہ کلمہ فی نفسہ بزمبارک ہے اس میں اللہ کی حمد ہے اور رسول اللہ ﷺ پر سلام ہے لیکن اس موقع پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ“ ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک بڑی اہم اور اصولی بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص مواقع کے لئے جو اذکار تعلیم فرمائے ہیں ان میں صلوٰۃ و سلام کا اضافہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اگرچہ وہ فی نفسہ بہت مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی پوری قدر شناسی و احسان مندی اور کمال اتیان نصیب فرمائے۔

بادل گرجے اور بجلی چمکنے کے وقت کی دعا

بلاشبہ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک اور چمک اللہ تعالیٰ کے جلال کے مظہر ہیں اور جب خدا پرست بندہ ان سے دوچار ہو تو پوری عاجزی کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم اور عافیت کی دعا کرنی چاہئے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔

(۱۹۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرُّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ ”اللَّهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ“. (رواه احمد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک سنتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے: **”اللَّهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ“** (اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ختم نہ کر، اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر، اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دے۔) (مسند احمد جامع ترمذی)

آندھی اور تیز و تند ہوا کے وقت کی دعا

تیز و تند ہوائیں اور آندھیاں کبھی عذاب بن کر آتی ہیں اور کبھی رحمت الہی (یعنی بارش کا مقدمہ بن کر) اس لئے خدا شناس اور خدا پرست بندوں کو چاہئے کہ جب اس طرح کی ہوائیں چلیں تو وہ جلالِ خداوندی کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دعا کریں کہ یہ ہوائیں شر اور ہلاکت کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ رحمت کا وسیلہ بنیں۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔

۱۹۵ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ إِلَّا جِئْنَا النَّبِيَّ ﷺ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رِيحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا (رواہ الشافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ ﷺ اپنے زانوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتے اور دعا کرتے تھے کہ: ”اے اللہ! یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت اور سامانِ حیات ہو، عذاب اور سامانِ ہلاکت نہ ہو۔ یہ وہ نہ ہو جسکو قرآن نے ”ریح“ کہا ہے وہ ہو جس کو ”ریح“ کہا ہے۔“ (مسند شافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

تشریح: قرآن مجید کی بعض آیات میں اس ہوا کو جو کسی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ”ریح“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور بعض دوسری آیات میں ان ہواؤں کے لئے جو رحمت بن کر آتی ہیں ”ریح“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ تیز ہوا کے وقت یہ دعا بھی فرماتے تھے کہ۔ ”اے اللہ! یہ ”ریح“ یعنی عذاب والی ہو نہ ہو بلکہ ”ریح“ یعنی رحمت والی ہو۔“

۱۹۶ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرِمَا فِيهَا وَخَيْرِمَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيهَا وَشَرِّمَا أُرْسِلَتْ بِهِ“ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغْيِيرَ لَوْنِهِ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَذْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذَلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمٌ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمِطِرُنَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا جب تیز و تند ہوا چلتی اور آندھی کی کیفیت ہوتی تو اس طرح دعا کرتے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَأْوِيلَهَا وَأُرْسِلَتْ بِهِ“ (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس ہوا کی خیر و برکت اور اس ہوا میں جو کچھ مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی

جاری ہے اس کی خیر و برکت اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں مضمحل ہے اور جس کے ساتھ وہ کبھی گئی ہے اس کے شر اور برے اثرات سے) اور جب آسمان پر ابر گھر کے آتا (جس میں خیر و شر اور رحمت و عذاب کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں) تو اللہ کے قہر و جلال کے خوف سے رسول اللہ ﷺ کا یہ حال ہو جاتا کہ آپ ﷺ کا رنگ بدل جاتا، کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے، کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے۔ پھر جب خیریت سے بارش ہو جاتی تو آپ ﷺ کی یہ کیفیت ختم ہوتی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کیفیت کو محسوس کیا تو آپ ﷺ سے پوچھا کہ: ”آپ ﷺ کا یہ حال کیوں ہو جاتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”آسمان پر ابر دیکھ کے مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ اس قسم کا ابر نہ ہو جسے اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر قوم عاد نے کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے علاقے پر برس کے ہماری کھیتوں کو شاداب کرے گا (حالانکہ وہ عذاب کا بادل تھا جو ان کی مکمل تباہی و بربادی کا سامان لے کر آیا تھا۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بادل اور بارش کے وقت کی دعا

(۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ“ فَإِنْ كَشَفَهُ حَمْدُ اللَّهِ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَتْ ”اللَّهُمَّ سَقِيَا نَافِعًا“ (رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجه والشافعی واللفظ له)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ آسمان پر بادل چڑھتا دیکھتے تو رسول اللہ ﷺ کا حال یہ ہو جاتا کہ جس کام میں آپ ﷺ مشغول ہوتے اس کو چھوڑ کے بادل کی طرف رخ کر لیتے اور اللہ سے دعا کرتے کہ: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ“ (اے اللہ! اس بادل میں جو شر ہو اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں) پھر اگر وہ بادل گھٹ کر آسمان صاف ہو جاتا تو آپ ﷺ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے اور اگر وہ بادل برسنے لگتا تو دعا فرماتے کہ: ”اللَّهُمَّ سَقِيَا نَافِعًا“ (اے اللہ! اس بارش سے پوری سیرابی کر دے اور اس کو نفع مند بنالے) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند شافعی)

(۱۹۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ ”اللَّهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا“ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش ہوتی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے: ”اللَّهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا“ (اے اللہ! بھرپور اور نفع مند بارش ہو)۔ (صحیح بخاری)

تشریح: بارش کا حال بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعہ تباہیاں اور بربادیاں بھی آتی ہیں اور مخلوق کے لئے وہ سامان حیات بن کر بھی برستی ہے اس لئے جب بارش ہو تو خدا پر ایمان رکھنے والے بندوں کو دعا کرنی چاہئے کہ بارش نفع مند اور رحمت بن کر برے۔ رسول اللہ ﷺ جب بارش کی ضرورت محسوس کر کے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے جب بھی آپ ﷺ کی دعا یہی ہوتی۔

بارش کے لئے دُعا

(۱۹۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُوَاكِبِي فَقَالَ "اللَّهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا مُرِيئًا مُرِيئًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ أَجَلٍ" قَالَ فَاطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ السَّمَاءَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دفعہ ہاتھ اٹھائے بارش کے لئے اس طرح دعا کرتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہے تھے: "اللَّهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا مُرِيئًا مُرِيئًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ أَجَلٍ۔" (اے اللہ! ہم پر ایسی بھرپور بارش نازل فرما جو زمین کے لئے موافق اور سازگار ہو، کھیتوں میں سرسبزی اور شادابی لائے۔ اس سے نفع ہی نفع ہو نقصان بالکل نہ ہو۔ اے اللہ! جلدی نازل فرما دیر نہ ہو) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دعا کرتے کرتے آسمان پر گٹھا چھا گئی اور بھرپور بارش ہوئی۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۰۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سْتَسْقَى قَالَ "اللَّهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ وَأَنْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَخِي بَلَدَكَ الْمَيِّتَ". (رواه مالك و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش کے لئے دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرتے: "اللَّهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ وَأَنْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَخِي بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔" (اے اللہ! اپنے بندوں اور اپنے پیدا کئے ہوئے بے زبان چوپایوں اور جانوروں کو سیراب فرما، اپنی رحمت بھیج اور تیری جو بستیاں بارش نہ ہونے کی وجہ سے مُردہ ہو گئی ہیں بارش نازل فرما کہ ان میں جان ڈال دے) (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

تشریح: غور کیا جائے اس دعا میں کیسی اپیل ہے اور رحمت الہی کو متوجہ کرنے کی کتنی طاقت ہے۔

مہینہ کا نیا چاند دیکھنے کے وقت کی دُعا

(۲۰۱) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ "اللَّهُمَّ أَهْلُهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ". (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی مہینہ کا چاند دیکھتے تو اس طرح دعا کرتے: "اللَّهُمَّ أَهْلُهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ۔" (اے اللہ یہ چاند ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا چاند ہو۔ اے چاند تیرا رب اور میرا رب اللہ ہے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ہر مہینہ زندگی کا ایک مرحلہ ہے۔ جب ایک مہینہ ختم ہو کے دوسرے مہینے کا چاند آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو گویا اعلان ہو جاتا ہے کہ ہر آدمی کی زندگی کا ایک مرحلہ پورا ہو کے آگے کا مرحلہ شروع ہو رہا ہے، ایسے موقع کے لئے مناسب ترین دعا یہی ہو سکتی ہے کہ: "اے اللہ! یہ شروع ہونے والا مرحلہ یعنی مہینہ بھی امن و امان اور ایمان و اسلام کے ساتھ گزرے اور تیری فرمانبرداری نصیب رہے۔" چونکہ دنیا

میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چاند کو ایک رب اور دیوتا مانتے ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ مندرجہ بالا دعا کے ساتھ یہ بھی اعلان فرماتے تھے کہ چاند اللہ کی صرف ایک مخلوق ہے اور جس طرح ہمارا رب اللہ ہے اسی طرح اس کا رب بھی اللہ ہے۔

(۲۰۲) عَنْ قَتَادَةَ بَلَّغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْهَلَالَ قَالَ "هَلَالٌ خَيْرٌ وَرُشْدٌ" هَلَالٌ خَيْرٌ وَرُشْدٌ هَلَالٌ خَيْرٌ وَرُشْدٌ "أَمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ تِلْكَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي ذَهَبَ بِشَهْرٍ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرٍ كَذَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مہینہ کا نیا چاند دیکھتے تو تین دفعہ کہتے: "هَلَالٌ خَيْرٌ وَرُشْدٌ" (خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا چاند ہے) پھر تین ہی دفعہ کہتے: "أَمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ" (میرا ایمان ہے اس اللہ پر جس نے تجھے پیدا کیا) اس کے بعد فرماتے حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس کے حکم سے فلاں مہینہ ختم ہوا اور فلاں مہینہ شروع ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: روایت ہلال کے وقت کی یہ دوسری دعا ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ آپ ﷺ نیا چاند دیکھ کے کبھی مندرجہ بالا حدیث والی دعا کرتے تھے اور کبھی یہ دوسری دعا۔

تین دفعہ "هَلَالٌ خَيْرٌ وَرُشْدٌ" کہنے کا منشاء غالباً یہ تھا کہ بہت سے طبقے بعض مہینوں کو منحوس اور نامبارک سمجھتے ہیں اس کلمہ سے اس توہم پرستی کی تردید کر کے یہ بتانا مقصود ہوتا تھا کہ ہر مہینہ خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا مہینہ ہے۔

"أَمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ" تین دفعہ کہہ کے آپ ﷺ ان گمراہوں کے مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگاتے تھے جو چاند کو رب اور دیوتا مانتے ہیں۔

قتادہ جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ غالباً قتادہ بن و عامہ سدوسی تابعی ہیں انہوں نے یہ حدیث کسی صحابی سے سنی ہوگی، بعض تابعین اور اسی طرح بعض تبع تابعین بھی کبھی درمیانی راوی کا ذکر کئے بغیر اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو 'بلاغات' کہا جاتا ہے۔ امام مالک کی مؤطا میں انکی اچھی خاصی تعداد ہے۔

لیلة القدر کی دعا

قبولیت دعا کے لحاظ سے شب قدر کو جو امتیاز حاصل ہے اس کے بارے میں حدیثیں "معارف الحدیث جلد چہارم" کتاب الصوم میں درج ہو چکی ہیں۔ اس رات کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک مختصر ترین دعا یہاں بھی درج کی جا رہی ہے۔

(۲۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ وَافَقْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا أَدْعُو بِهِ؟ قَالَ قُولِي "اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفْوٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض

کیا: حضرت ﷺ! اگر میں شبِ قدر کو پالوں تو کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: ”اللَّهُمَّ أَنْتَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔“ (اے اللہ! تو قصور والوں کو بہت معاف فرمانے والا ہے اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے)۔ (جامع ترمذی)

عرفات کی دعا

۹/ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں جب اللہ کے خصوصی مہمان، حجاج بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں تو جیسا کہ کتاب الحج میں درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے اس دن وہاں رحمتِ خداوندی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، وہ قبولیتِ دعا کا خاص الخاص موقع ہے۔ اس موقع کی جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں وہ ذیل میں پڑھیے:

۲۰۴ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفْضَلُ الدُّعَاءِ يَوْمَ عَرَفَةَ وَأَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ قَبْلِي ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔“ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عرفہ کے دن کی بہترین دعا اور بہترین کلمہ جو میری زبان سے اور مجھ سے پہلے نبیوں کی زبان سے ادا ہوا یہ کلمہ ہے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔“ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ایک معبود ہے، کوئی اس کا سا جہی اور شریک نہیں، اسی کی فرمانروائی ہے، صرف اسی کیلئے حمد و ستائش سزاوار ہے اور ہر چیز اسکے زیرِ قدرت ہے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس کلمہ میں اگرچہ بظاہر دعا اور سوال نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ ”بس وہی رب اور معبود ہے اور ہر چیز پر اس کو قدرت ہے اور اس کی فرمانروائی ہے۔“ یہ بھی دعا ہی کی ایک صورت ہے اور بڑی بلیغ صورت ہے اور بلاشبہ بعض حیثیتوں سے اور بعض پہلوؤں سے یہی افضل ترین کلمہ ہے۔ کلماتِ ذکر کے سلسلہ میں جہاں اس کلمہ سے متعلق حدیث درج کی گئی ہے وہاں اس کی کچھ وضاحت بھی کی جا چکی ہے۔

۲۰۵ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَكْثَرُ مَا دَعَا بِهِ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي الْمَوْقِفِ ”اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَأَلَدِي تَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا نَقُولُ اللَّهُمَّ لَكَ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي وَإِلَيْكَ مَآبِي وَلَكَ رَبِّ تُرَائِي اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَسُوسَةِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْأَمْرِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجْنِي بِهِ الرِّيحُ۔“ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرفہ کے دن وقوف کے وقت رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ یہ دعا کی: ”اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ تَا مِنْ شَرِّ مَا تَجْنِي بِهِ الرِّيحُ۔“ (اے اللہ! تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش سزاوار ہے، اس طرح جس طرح تو فرماتا ہے اس سے بہتر جو ہم تیری حمد و ثناء میں کہتے ہیں! اے اللہ! میری نماز اور میرا حج اور میری ساری عبادات اور میرا جینا مرنا سب تیرے ہی لئے

ہے اور مجھے زندگی ختم کر کے تیرے ہی حضور میں واپس جانا ہے اور جو کچھ میں چھوڑ کے جاؤں تو ہی اس کا وارث ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے اور دل کے وسوسوں سے اور پرانگندہ حالی سے اور پناہ مانگتا ہوں ہواؤں کے شر سے اور ان کے بُرے اثرات اور عواقب سے) (جامع ترمذی)

(۲۰۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ دُعَاءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ "اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَى مَكَانِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي لَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي وَأَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ الْوَجِلُ الْمُسْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهِ أَسْأَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمُسْكِينِ وَابْتَهِلُ إِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الدَّلِيلِ وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ وَقَاضَتْ لَكَ عِبْرَتُهُ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهُ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَكُنْ بِي رَوْفًا رَحِيمًا يَا خَيْرَ الْمُسْأَلِينَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ."

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں رسول اللہ ﷺ کی خاص دعا یہ تھی: "اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں۔ میں ڈکھی ہوں محتاج ہوں فریادی ہوں پناہ جو ہوں ترساں ہوں ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار ہی ہوں۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا ہے۔ تیرے آگے گڑ گڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار گڑ گڑاتا ہے اور تجھ سے دعا کرتا ہوں جیسے کوئی خوف زدہ آفت رسیدہ دعا کرتا ہے۔ اور اس بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اس دعا مانگنے میں ناکام اور نامراد نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحیم ہو جا۔ اے ان سب سے بہتر و برتر جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں۔" (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح: اس دعا کا ایک ایک لفظ عبدیت کی روح سے لبریز اور کمال معرفت کا ترجمان ہے۔ دنیا بھر کے دینی و مذہبی ادب میں اور کسی بھی زبان کی دعاؤں اور مناجاتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس عاجز کو زندگی میں کئی دفعہ اس کا موقع ملا کہ بعض خدا پرست غیر مسلموں کو میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا سنائی اور اس کا ترجمہ کر کے بتایا تو وہ اپنا یہ تاثر ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ دعا اُسی دل سے نکل سکتی ہے جسے اللہ نے اپنے علم کا خاص حصہ دیا ہو اور اس کو معرفتِ نفس اور معرفتِ رب کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اس قیمتی ورثہ کی قدر شناسی اور اس سے استفادہ کی توفیق دے۔

خاص اوقات و مقامات اور خاص مواقع کی دعاؤں کا سلسلہ یہاں ختم ہوا۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى ذَلِكَ

اخلاق درست ہوں، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام پر چلنے والا ہوں اور ظاہر ہے کہ اس کا دار و مدار اللہ کی توفیق پر ہے اس لئے ہر بندہ مؤمن کے دل کی اولین مانگ اور پکار یہی ہونا چاہئے۔ اس دعا کا دوسرا جز ہے:

وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي

اور میری دنیا درست فرمادے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے۔

دنیا کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی رزق وغیرہ کی ضرورتیں حلال اور جائز راستوں سے پوری ہوتی رہیں۔ بلاشبہ ہر مؤمن بندے کی دوسری مانگ اللہ تعالیٰ سے یہی ہونا چاہئے۔ تیسرا جز دعا کا یہ ہے:

وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي

اور میری آخرت اچھی بنادے جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔

اگرچہ دین کی درستی کا لازمی نتیجہ آخرت کی صلاح و فلاح ہے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مستقل طور سے آخرت کی درستی کی یہ دعا کی۔ ایک تو غالباً اس لئے کہ آخرت کی غیر معمولی اہمیت کا یہ حق ہے دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دینی لحاظ سے اچھی حالت ہونے کے باوجود بندے کو آخرت کے بارے میں مطمئن اور بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں اچھے بندوں کی شان یہی بتائی گئی ہے: **وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقَلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُم إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ** ^(۱) (المؤمنون: ۶۰)

چوتھا اور پانچواں جز دعا کا یہ ہے:

وَأَجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّی فِی كُلِّ خَیْرٍ وَأَجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّی مِنْ كُلِّ شَرٍّ

اور زندگی کو میرے لئے نیکی اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنادے اور موت کو ہر شر اور برائی سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنادے۔

ہر آدمی کو اس دنیا میں اپنی زندگی کا وقت پورا کر کے مرنا یقینی ہے۔ اللہ کی دی ہوئی عمر سے آدمی نیکی بھی کما سکتا ہے اور بدی بھی، وہ اس کے لئے سعادت میں ترقی کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے اور شقاوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ دین و دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے تھے کہ اے اللہ! میری حیات کو خیر اور سعادت میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ بنادے یعنی مجھے توفیق دے کہ میں عمر کے لحاظ اور زندگی کے اوقات کو تیری رضا والے کاموں میں صرف کر کے سعادت کے راستہ میں آگے بڑھتا چلوں اور میری موت کو شر و فتن کی اذیتوں سے راحت کا ذریعہ بنادے، یعنی مستقل کے جو شر اور فتنے میرے لئے اذیت کا باعث ہو سکتے ہیں تیرے حکم سے آنے والی میری موت ان سے میری حفاظت کا ذریعہ بن کر ان سے مجھے راحت دے دے۔

① اس آیت میں اللہ کے اچھے بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہدیہ قبول ہوتا ہے یا نہیں ۱۲۔

یہ دعا بھی ”جوامع الکلم“ اور دریا کوزہ کی بہترین مثال ہے، الفاظ کتنے مختصر اور مضامین کتنے وسیع!

۲۰۸ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ **”اللَّهُمَّ إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر یہ دعا کیا کرتے تھے: **”اللَّهُمَّ إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“** (اے میرے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آتش دوزخ کے عذاب سے بچا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: سبحان اللہ! کتنی مختصر اور کتنی جامع دعا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے اس دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں بھی بھلائی مانگی گئی ہے۔ ظاہر ہے اس میں دنیا اور آخرت کی ساری ہی اچھی مرغوبات اور مطلوبات آگئیں۔ اور آخر میں عذاب دوزخ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی استدعا کی گئی ہے۔ الغرض دنیا اور آخرت میں ایک بندے کو جو کچھ چاہئے وہ سب ہی اس مختصر ترین دعائیں مانگ لیا گیا ہے۔ پھر اس کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ دراصل قرآن مجید کی دعا ہے اس فرق کے ساتھ کہ قرآن پاک میں اس کا پہلا لفظ **”رَبَّنَا“** ہے اور حدیث میں اس کی جگہ پہلا لفظ **”اللَّهُمَّ“** ہے۔ حاصل ایک ہی ہے۔ حضرت انس کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہ کثرت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو بھی رسول اللہ ﷺ کے اس اکثری معمول کی پیروی کی توفیق دے۔

۲۰۹ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَىٰ وَالْقَيِّمَ وَالْعَفَافَ وَالْغَنَى“** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَاوَالِغِي“** (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ہدایت اور تقویٰ اور پاک دامنی اور مخلوق کی نامحتاجی۔) (صحیح مسلم)

تشریح: اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے چار باتوں کا سوال ہے: ایک ہدایت یعنی راہ حق پر چلنا، اور استقامت کے ساتھ چلتے رہنا۔ دوسرے تقویٰ اور پرہیزگاری یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے معاصی و منکرات سے بچنا۔ تیسرے عفت و پاک دامنی۔ چوتھے غنی، یعنی دل کی یہ حالت کہ بندہ اپنے اندر کسی مخلوق کی محتاجی اور دست نگری محسوس نہ کرے اپنے مالک کی عطا پر مطمئن ہو۔ یہ دعا بھی ”جوامع الکلم“ کی اعلیٰ مثال ہے۔

۲۱۰ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَىٰ بِالْقَدْرِ“** (رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ تَاوَالِغِي بِالْقَدْرِ“** (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت و تندرستی

اور عفت و پاکدامنی اور امانت کی صفت اور اچھے اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا (ذکوات کبیر للشیخ)

تشریح..... اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صحت مانگی ہے۔ صحت و تندرستی دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کسی وقت بندہ اس سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کا ایک ایک لمحہ کتنی بڑی دولت اور اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت ہے۔ عارفین کو اس کا احساس اس لئے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ صحت کی خرابی کی حالت میں اکثر و بیشتر عبادت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے اور توجہ الی اللہ کا ذوق و کیف بھی متاثر ہوتا ہے اور یہ چیز ان کے لئے شدید روحانی کرب اور بے چینی کا باعث بنتی ہے۔ امانت قرآنی اور دینی زبان کا نہایت اہم اور وسیع المعنی لفظ ہے اس سے مراد انسان کے اندرون کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور بندوں کے تعلق سے جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے۔ حسن اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے صحت کے علاوہ عفت امانت حسن اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کیا ہے یہ سب ایمانی صفات اور ایمان کے اہم شعبے ہیں اور ان سے محرومی بلاشبہ بڑی محرومی ہے اور ساری دینی اور دنیوی نعمتوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطائی سے کسی کو مل سکتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۲۱۱) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ قُلْ "اللَّهُمَّ اجْعَلْ سِرِّي رَيْتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَالْمُضِلِّ." (رواه الترمذی)

ترجمہ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دعا تعلیم فرمائی اور مجھ سے ارشاد فرمایا: "اللَّهُمَّ اجْعَلْ سِرِّي رَيْتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَالْمُضِلِّ." (اے اللہ! میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کر دے اور میرے ظاہر کو بھی صلاح سے آراستہ فرما دے۔ اے اللہ! تو اپنے بندوں کو (اپنے فضل و کرم سے) جو ایسے صالح گھروالے، صالح مال اور صالح اولاد عطا فرماتا ہے جو نہ خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن ہوں۔ میں بھی تجھ سے ان چیزوں کا سائل ہوں) (مجھے بھی اپنے فضل و کرم سے یہ چیزیں عطا فرما)۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس دعا کا پہلا جزیہ ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میرا ظاہر بھی صالح ہو اور میرا باطن بھی صالح ہو اور باطن کی حالت ظاہر سے بھی بہتر ہو۔ اور دوسرا جزیہ ہے کہ میرے اہل خانہ اور میری اولاد اور میرا مال و منال یہ سب بھی صالح ہوں نہ خود ان میں ضلال و فساد ہو نہ دوسروں کے لئے یہ باعث ضلال و فساد بنیں۔

(۲۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءَ حَفِظْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا أَدْعُهُ "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي أُعْظَمُ شُكْرَكَ

وَأَكْثِرْ ذِكْرَكَ وَاتَّبِعْ نَصْحَكَ وَاحْفَظْ وَصِيَّتَكَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دعا رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کی تھی (وہ دعا میں برابر کیا کرتا ہوں) اس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا (وہ یہ ہے) "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي أَكْثَرَ شُكْرِكَ تَا أَحْفَظْ وَصِيَّتَكَ" (اے اللہ! مجھے ایسا کر دے کہ میں تیری نعمتوں کے شکر کی عظمت و اہمیت کو سمجھوں) (تاکہ پھر شکر میں کوتاہی نہ کروں) اور تیرا ذکر کثرت سے کروں اور تیری نصیحتوں کی پیروی کروں اور تیری وصیتوں اور حکموں کو یاد رکھوں (اور ان کی تعمیل سے غفلت نہ برتوں)۔ (جامع ترمذی)

(۲۱۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو يَقُولُ رَبِّ اَعْنِي وَلَا تُعْنِ عَلَيَّ وَانصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِي وَيَسِّرْ لِي الْهُدَى لِي وَانصُرْنِي عَلَيَّ مَنْ بَغَى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَارًا لَكَ ذِكْرًا لَكَ رَهَابًا لَكَ مَطْوَعًا لَكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوْ آهًا مُنِيًّا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي وَاغْسِلْ حَوْبَتِي وَأَجِبْ دَعْوَتِي وَثَبِّتْ حُجَّتِي وَسَدِّدْ لِسَانِي وَاهْدِ قَلْبِي وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ صَدْرِي. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: "رَبِّ اَعْنِي وَلَا تُعْنِ عَلَيَّ" (اے میرے رب! میری مدد فرما، میرے خلاف (میرے دشمنوں کی کارروائیوں میں ان کی) مدد نہ فرما، میری حمایت فرما (میرے مخالفین کی) میرے خلاف حمایت نہ فرما، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال فرما، میرے خلاف استعمال نہ فرما، مجھے ٹھیک راستے پر چلا اور صراطِ مستقیم پر چلتے رہنا میرے لئے آسان فرما جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ اے پروردگار! مجھے بنادے اپنا خوب شکر کرنے والا، خوب ذکر کرنے والا، اپنے سے بہت ڈرنے والا، سرِ اطاعت گزار و فرمانبردار، اپنے حضور میں عاجزی اور نیاز مندی سے جھکنے والا، نرم دل اور تیری بارگاہِ کرم کی طرف رجوع ہونے اور پلٹنے والا۔ اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما لے، میرے گناہوں کے میل کچیل کو دھو دے، میری دعا قبول فرما، میرا ایمان (جو آخرت میں میری حجت بنے والا ہے) مستحکم کر دے، میری زبان کو ٹھیک چلنے والی بنادے، میرے دل کو ہدایت بخش دے اور میرے سینے کے کینہ کپٹ اور ہر قسم کی کھوٹ نکال دے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: اس دعا کی جامعیت ظاہر ہے۔ مندرجہ بالا سب ہی دعاؤں کا خاص قابل غور پہلو یہ ہے کہ ہر دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح پیش کیا ہے کہ میں زندگی کے ہر معاملہ میں تیرا محتاج ہوں، خود عاجز اور بے بس ہوں، یہاں تک کہ اپنے ظاہر و باطن اور زبان و قلب پر بھی میرا اختیار اور قابو نہیں۔ اپنے اخلاق و جذبات اور اعمال و احوال کی اصلاح میں بھی تیری نظرِ کرم کا محتاج ہوں۔ میری صحت اور بیماری بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، دشمنوں اور بدخواہوں کے شر سے تو ہی میری حفاظت فرما سکتا ہے، میں اس معاملہ میں بھی عاجز و بے بس ہوں، تو کریم رب اور داتا ہے اور میں سائل و منگتا ہوں۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا کمال عبدیت ہے اور بلاشبہ یہ کمال آپ ﷺ پر ختم ہے اور یہ دوسرے تمام کمالات سے بالاتر ہے **صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم**

(۲۱۴) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَّمَهَا هَذَا الدُّعَاءَ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ مِنْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيهِ لِي خَيْرًا (رواه ابن أبي شيبة وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ جامع دعا تعلیم فرمائی: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ" (یعنی اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی مانگتی ہوں دنیا کی خیر بھی اور آخرت کی خیر بھی وہ خیر بھی مانگتی ہوں جس کو میں جانتی ہوں اور وہ بھی جس کو میں نہیں جانتی اور میں تیری پناہ چاہتی ہوں ہر قسم کے شر اور برائی سے دنیا کے بھی شر سے اور آخرت کے بھی شر سے اس شر سے بھی جس کو میں جانتی ہوں اور اس سے بھی جس کو میں نہیں جانتی۔ اے میرے اللہ! تیرے خاص بندے اور پیارے نبی ﷺ نے جس جس خیر کا بھی تجھ سے سوال کیا میں تجھ سے اس کی سائل ہوں اور جس جس شر سے انہوں نے تیری پناہ چاہی اے اللہ میں بھی اس شر سے تیری پناہ چاہتی ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتی ہوں اور اس قول و عمل کی توفیق کی سائل ہوں جو مجھے جنت سے قریب کر دے اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ چاہتی ہوں اور ہر اس قول و عمل سے جو دوزخ سے قریب کرنے والا ہو۔ اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جو فیصلہ تو میرے حق میں فرمائے وہ میرے لئے خیر اور بھلائی کا ضامن ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ و سنن ابن ماجہ)

تشریح: اس دعا کے ایک ایک جز پر غور کیا جائے انسان کو دنیا اور آخرت میں جس چیز کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے یہ اس سب پر حاوی ہے۔ اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ تفصیل بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کے گھر پر حاضر ہوئے اور کوئی بات بالکل تنہائی میں کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں اور بہت طویل طویل دعائیں مانگ رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے جلدی تخلیہ کرانے کے لئے ان سے فرمایا کہ: جامع قسم کی دعائیں کر کے جلدی پوری کر لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ: مجھے ایسی جامع دعا بتا دیجئے؟ اس وقت آپ ﷺ نے ان کو یہ دعا تلقین فرمائی۔

(۲۱۵) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِدُعَاءٍ كَثِيرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ كَثِيرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَجْمَعُ ذَلِكَ كُلُّهُ؟ تَقُولُ اللَّهُمَّ إِنَّا

نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی دعائیں فرمائیں جو ہمیں یاد نہیں رہیں، تو ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

یا رسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں فرمائی تھیں اُن کو ہم یاد نہیں رکھ سکے (اور چاہتے یہ ہیں کہ اللہ سے وہ سب دعائیں مانگیں، تو کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایسی دعا بتائے دیتا ہوں جس میں وہ ساری دعائیں آجائیں! اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرو کہ: ”اے اللہ! ہم تجھ سے وہ سب مانگتے ہیں جو تیرے نبی محمد ﷺ نے تجھ سے مانگا، اور ہم ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں جن سے تیرے نبی محمد ﷺ نے تیری پناہ چاہی، بس تو ہی ہے جس سے مدد چاہی جائے اور تیرے ہی کرم پر موقوف ہے مقاصد اور مرادوں تک پہنچنا۔ اور کسی مقصد کیلئے سعی و حرکت اور اس کو حاصل کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے۔“ (جامع ترمذی)

تشریح:..... دنیا میں ایسے ہی بندوں کی تعداد زیادہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول شدہ زیادہ دعائیں یاد نہیں رکھ سکتے۔ ان کے لئے اس حدیث میں نہایت آسان طریقہ بتا دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگا کریں کہ: اے اللہ! تجھ سے جو کچھ تیرے نبی حضرت محمد ﷺ نے مانگا میں وہ سب تجھ سے مانگتا ہوں، اور جن چیزوں سے انہوں نے تیری پناہ چاہی میں ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ناچیز راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اس میں بھی کوئی خسارہ اور مضائقہ نہیں ہے کہ یہ بات اپنی ہی زبان میں کہی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دل سے عرض کیا جائے، دراصل دعا وہی ہے جو دل سے ہو۔

(۲۱۶) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ مَرْفُوعًا ”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ آيَةٍ وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ.“ (رواه الحاكم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ تَا مِنَ النَّارِ۔“ (اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں تیری رحمت کو واجب کر دینے والے اور تیری مغفرت کو پکا کر دینے والے اعمال کا اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا اور ہر نیکی کی توفیق کا اور تجھ سے مانگتے ہیں جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات۔) (مستدرک حاکم)

(۲۱۷) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ مَرْفُوعًا ”اللَّهُمَّ احْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ قَائِمًا وَاحْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ قَاعِدًا وَاحْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ رَاقِدًا وَلَا تُشْمِتْ بِي عَدُوًّا وَلَا حَاسِدًا اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ.“ (رواه الحاكم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ احْفَظْنِي تَا خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ۔“ (اے اللہ! میری حفاظت فرما اسلام کے ساتھ کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھے

ہونے کی حالت میں اور سونے کی حالت میں (یعنی میں کھڑے بیٹھے اور سوتے ہر حال میں ایمان و اسلام کے ساتھ محفوظ رہوں) اور میرے دشمنوں اور حاسدوں کو تیرے کسی فیصلہ سے شمت کا موقع نہ ملے۔ اے میرے اللہ! تیرے ہاتھ میں خیر کے جو خزانے ہیں میں تجھ سے ان کو مانگتا ہوں اور تیرے قبضہ میں جو شر ہے اس سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (مسند کے جامع)

۲۱۸ عَنْ بُرَيْدَةَ مَرْفُوعًا "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي شُكُورًا وَاجْعَلْنِي صُورًا وَاجْعَلْنِي فِي عَيْنِي صَغِيرًا وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرًا." (رواہ البزار)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي تَا كَبِيرًا" (اے اللہ! مجھے اپنا شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا بندہ بنا اور مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسرے لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دے) (مسند بزار)

تشریح: اس دعا کا آخری جزو خاص طور سے قابل غور ہے۔ بندے کو چاہئے کہ اپنے کو وہ چھوٹا اور حقیر و ذلیل سمجھے اور ساتھ ہی اللہ سے دعا کرتا رہے کہ دوسروں کی نگاہ میں وہ ذلیل نہ ہو۔

۲۱۹ عَنْ الْأَوْزَاعِيِّ مُرْسَلًا "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ التَّوْفِيقَ لِمَحَابِبِكَ مِنَ الْأَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ." (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

ترجمہ: امام اوزاعی نے بطریق ارسلان رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَا وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ" (اے اللہ! میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں تو مجھے توفیق دے ان اعمال کی جو تجھے محبوب ہیں اور عطا فرما مجھے سچا توکل اور اپنی ذات پاک کیساتھ حسن ظن۔) (عیبہ ابو نعیم)

۲۲۰ عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوعًا "اللَّهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِي لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنِي طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُولِكَ وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ." (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اللَّهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِي تَا وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ" (اے اللہ! اپنے ذکر کے لئے اور اپنی نصیحت کے لئے میرے دل کے کان کھول دے) اور مجھے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول پاک ﷺ کی تابعداری کی نصیب فرما اور اپنی مقدس کتاب قرآن مجید پر عمل کی توفیق دے۔ (معجم الاوسط طبرانی)

۲۲۱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ صِحَّةً فِي إِيْمَانٍ وَإِيْمَانًا فِي حُسْنِ خُلُقٍ وَنَجَاحًا تُتْبِعُهُ فَلَاحًا وَرَحْمَةً مِنْكَ وَعَافِيَةً وَمَغْفِرَةً مِنْكَ وَرِضْوَانًا." (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

والحاکم فی المستدرک

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ صِحَّةً تَا وَرِضْوَانًا" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت و تندرستی ایمان کے ساتھ اور استدعا کرتا ہوں

ایمان کی حسن اخلاق کے ساتھ اور سوال کرتا ہوں تجھ سے مقاصد میں کامیابی کا آخرت کی فلاح کے ساتھ اور سائل ہوں تجھ سے رحمت اور عافیت کا اور تیری مغفرت اور رضا مندی کا۔ (مجموع اوسط الطبرانی و مستدرک حاکم)

۲۲۲ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِي وَيَقِينًا صَادِقًا حَتَّى أَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُضَيِّبُنِي إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِي وَرِضًا مِنَ الْمَعِيشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِي." (رواه البزار)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ" تا "بِمَا قَسَمْتَ لِي" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا ایمان جو میرے دل میں پیوست ہو جائے اور ایسا یقین صادق جس کے بعد یہ حقیقت میرا علم بن جائے کہ مجھ پر صرف وہی تکلیف آئیگی جو تو نے میرے لئے لکھ دی ہے اور میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ میرا یہ حال کر دے کہ زندگی کا جو سامان تو مجھے دے میں اس پر دل سے راضی رہوں)۔ (مسند بزار)

۲۲۳ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا "اللَّهُمَّ الطُّفْ بِي فِي تَيْسِيرِ كُلِّ عَسِيرٍ فَإِنَّ تَيْسِيرَ كُلِّ عَسِيرٍ عَلَيْكَ يَسِيرٌ وَأَسْأَلُكَ الْيُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ." (رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اللَّهُمَّ الطُّفْ بِي فِي تَيْسِيرِ كُلِّ عَسِيرٍ" تا "فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ" (اے اللہ! میری ہر دشواری کو آسان فرما کے مجھ پہ مہربانی فرما ساری دشواریوں اور مشکلوں کو آسان کرنا تیرے لئے بالکل آسان ہے۔ اور میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں دنیا اور آخرت میں سہولت اور آسانی کیلئے اور کامل عافیت کیلئے)۔ (مجموع اوسط الطبرانی)

۲۲۴ عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَدْعُو "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَإِذَا أَرَدْتُ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَأَقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ." (مالك في الموطأ)

ترجمہ: امام مالک سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ" تا "غَيْرَ مَفْتُونٍ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اچھے عمل کرنے کی توفیق اور برے اعمال کو چھوڑ دینے کی توفیق اور تیرے مکین بندوں کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق۔ اور اے اللہ! جب تیرا فیصلہ کسی قوم کو فتنہ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ہو تو مجھے اس فتنہ میں مبتلا کئے بغیر اپنی طرف اٹھالے)۔ (موطأ امام مالک)

تشریح: پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے ہیں کبھی کبھی بعض حدیثیں سند کا ذکر کئے بغیر "بَلَغَنِي" کے عنوان سے بھی بیان کرتے ہیں۔ ان کو اصطلاح میں "بَلَاغَات" مالک کہا جاتا ہے اور محدثین کے نزدیک یہ سب قابل قبول ہیں۔ یہ روایت بھی انہیں "بَلَاغَات" میں سے ہے۔

(۲۲۵) عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ (مَرْفُوعًا) "اللَّهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَاجْرِنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ" (رواه احمد وابن جبان والحاكم)

ترجمہ: حضرت بسر بن ارطاة رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا نقل فرمائی: "اللَّهُمَّ أَحْسِنْ تَارَةً وَعَذَابِ الْآخِرَةِ" (اے اللہ! ہمارے سارے کاموں کا انجام بہتر کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچا اور ہماری حفاظت فرما)۔ (مسند احمد صحیح ابن جبان مستدرک حاکم)

تشریح:..... یہ دعا بھی بہت ہی مختصر اور بہت جامع ہے۔

(۲۲۶) عَنْ أُمِّ مَعْبِدِ الْخَزَاعِيَةِ مَرْفُوعًا "اللَّهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِي مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِي مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِي مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ" (رواه الحكيم الترمذی والخطيب)

ترجمہ: ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اللَّهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي تَارَةً وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ" (اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے اعمال کو ریاہ کی آمیزش سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو نظر کی خیانت سے بالکل پاک صاف کر دے تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے تجھ سے میری کوئی چیز مخفی نہیں) (نور الحکیم ترمذی تاریخ خطیب)

تشریح:..... ان سب دعاؤں کی جامعیت اور جمعہ گیری ظاہر ہے۔ انکے مضامین بھی کسی خاص تشریح اور وضاحت کے محتاج نہیں۔ غور کرنیوالوں اور سمجھنے والوں کیلئے ان کا ہر جز معرفت کا خزانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس محفوظ اور نہایت قیمتی ورثہ کی قدر کریں۔ اور ان دعاؤں کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی برکتیں اور رحمتیں براہ راست مالک الملک کے خزانہ سے حاصل کیا کریں۔

(۲۲۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا أَنْ نَقُولَ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ وَأَسْأَلُكَ عَزِيمَةَ الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَقَلْبًا سَلِيمًا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ" (رواه الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم فرماتے تھے کہ ہم دعا میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ. تَارَةً أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ" (اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے استقامت اور ثابت قدمی دین کے معاملہ میں اور طلب کرتا ہوں اعلیٰ صلاحیت اور سوچہ بوجہ میں پختگی اور تیری نعمتوں کے شکر کی اور حسن عبادت کی توفیق اور طالب ہوں تجھ سے لسان صادق اور قلب سلیم کا اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس شر سے جس کا تجھے علم ہے۔ اور سائل ہوں ہر اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے اور معافی اور مغفرت چاہتا ہوں اپنے ان سب گناہوں سے جو تجھے معلوم ہیں تو ساری پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے)۔ (جامع ترمذی و سنن نسائی)

تشریح..... اس دعا کے ایک ایک جز پر غور کیجئے، یہ ان تمام مقاصد پر حاوی ہے جو ایک مؤمن کو عزیز ہونے چاہئیں۔ اسی حدیث کو ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تلقین کرنے کے بعد فرمایا کہ:

”اے شہاد بن اوس! جب تم دیکھو کہ لوگ سونے اور چاندی کو بطور خزانہ کے جمع کرتے ہیں تو تم اس دعا کو اپنا خزانہ سمجھو۔“

(۲۲۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ دُعَاءَ كَاللَّيْلَةِ فَكَانَ الَّذِي وَصَلَ إِلَيَّ مِنْهُ إِنَّكَ تَقُولُ ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي وَبَارِكْ لِي فِيْمَا رَزَقْتَنِي“ قَالَ فَهَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَيْئًا. (رواه الترمذی)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: ”رات میں نے آپ ﷺ کو دعا کرتے سنا اس دعا میں سے یہ الفاظ مجھے پوری طرح پہنچے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي فِيْمَا رَزَقْتَنِي“ (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لئے میرے گھر میں وسعت عطا فرما اور تو نے جو رزق مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لئے برکت دے۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے دیکھا ان مختصر لفظوں نے کچھ بھی چھوڑا۔“ (جامع ترمذی)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بندے کے رزق میں برکت دی جائے اس کو رہنے بسنے کے لئے ایسا مکان عطا ہو جس کو وہ اپنے لئے کافی سمجھے اور اس میں وسعت محسوس کرے اور آخرت کیلئے اس کی لغزشوں، گناہوں کی مغفرت اور معافی کا فیصلہ ہو جائے تو اس کو سب ہی کچھ مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے آخری جملہ ”هل تراهن تركن شيئا“ کا مطلب یہی ہے کہ بندے کو جو کچھ چاہئے وہ اس مختصر سی دعا میں سب آگیا ہے، چھوٹے چھوٹے ان تین کلموں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔

(۲۲۹) عَنْ طَارِقِ الشَّجْعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَآتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ كَيْفَ أَقُولُ حِينَ أَسْأَلُ رَبِّي قَالَ قُلْ ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي“ (وَجَمَعَ أَصَابِعَهُ الْأَرْبَعِ إِلَّا الْإِبْهَامَ) فَإِنَّ هَؤُلَاءِ يَجْمَعْنَ لَكَ دِينَكَ وَدُنْيَاكَ. (رواه ابن ابی شیبہ)

ترجمہ..... حضرت طارق الشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ: ”مجھے بتا دیجئے کہ جب میں اپنے پروردگار سے مانگوں تو کس طرح عرض کروں اور کیا عرض کروں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں عرض کیا کرو۔ ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي۔“ (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور مجھے بخش دے، مجھ پہ رحمت فرما مجھے عافیت اور آرام و چین نصیب فرما اور مجھے روزی عطا فرما) اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی چاروں انگلیاں ملا کے ۴ کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ: یہ چار کلمے تیری دینی اور دنیوی ساری ضرورتوں پر حاوی

ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

تشریح..... بلاشبہ جس کو دنیا میں بقدر ضرورت روزی اور چین و آرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو جائے اور آخرت میں اسکے لئے مغفرت اور رحمت کا فیصلہ ہو جائے اسے سب کچھ مل گیا۔ یہ دعا بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی نہایت جامع اور مختصر دعاؤں میں سے ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا تو رسول اللہ ﷺ اس کو نماز کی تعلیم فرماتے اور اس دعا کی تلقین فرماتے: **”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي“**

(۲۳۰) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي قُدْرَتِكَ وَأَدْخِلْنِي فِي رَحْمَتِكَ وَأَقْضِ أَجَلِي فِي طَاعَتِكَ وَاخْتِمِ لِي بِخَيْرِ عَمَلِي وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ.** (رواه البيهقي في السنن)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی: **”اللَّهُمَّ عَافِنِي تَا وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ“** (اے اللہ! مجھے اپنی قدرت سے عافیت عطا فرما اور مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے اور میری زندگی اپنی طاعت و عبادت میں پوری کر دے) (یعنی میں زندگی کے آخری لمحہ تک تیری طاعت و عبادت کرتا رہوں) اور میرے بہترین عمل پر میرا خاتمہ فرما اور اس کے صلے میں مجھے جنت عطا فرما۔ (سنن کبریٰ للبیہقی)

(۲۳۱) **عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ (مَرْفُوعًا) ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فَإِنَّهُ لَا يَمْلِكُهُمَا إِلَّا أَنْتَ.“** (رواه الطبرانی في الكبير)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَا لَا أَنْتَ“** (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل اور تیری رحمت مانگتا ہوں، بس تو ہی فضل و رحمت کا مالک ہے۔) (مجموع کبیر طبرانی)

تشریح..... اسی سلسلہ معارف الحدیث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دینی و اور مادی نعمتیں نصیب ہوں ان کو قرآن و حدیث کی زبان میں **”فضل“** سے تعبیر کیا جاتا ہے اور روحانی و اخروی نعمتوں کو **”رحمت“** سے۔ اس بناء پر اس دعا کا مطلب یہ ہوا کہ: ”اے اللہ! دنیوی و اخروی اور مادی و روحانی سب نعمتوں کا مالک تو ہی ہے، تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو کچھ بھی دے سکے اس لئے میں تجھ ہی سے دونوں قسم کی نعمتوں کا طالب و سائل ہوں۔“

(۲۳۲) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عَيْشَةً نَقِيَّةً وَمِيتَةً سَوِيَّةً وَمَرَدًّا غَيْرَ مُخْزِيٍّ وَلَا فَاضِحٍ.** (رواه البزار والحاكم والطبرانی في الكبير)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَا وَلَا فَاضِحٍ“** (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں پاک صاف زندگی اور ڈھنگ کی موت) (جس میں کوئی بدنمائی نہ ہو) اور (اصلی وطن آخرت کی طرف) ایسی مراجعت جس میں رسوائی اور فضیحت نہ ہو۔)

(مسند بزار مستدرک حاکم، مجمع کبیر طبرانی)

تشریح..... آدمی کے لئے تین ہی مرحلے ہیں: ایک اس دنیا کی زندگی کا مرحلہ، دوسرا موت کا مرحلہ اور تیسرا دارِ آخرت کا مرحلہ۔ اس مختصر دعا میں تینوں مرحلوں کے لئے بڑے سادہ انداز میں بہترین دعا موجود ہے۔

(۲۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا
الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ. (رواه الترمذی ابن ماجہ)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ انْفَعْنِي تَامِنُ حَالِ أَهْلِ النَّارِ۔“ (اے اللہ! جو کچھ علم تو نے مجھے عطا فرمایا اس کو میرے لئے نفع مند بنادے) (یعنی مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق دے) اور مجھے وہ علم عطا فرما جو میرے لئے نافع ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اللہ کے لئے حمد و ستائش ہے ہر حال میں اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخیوں کے حال سے)۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۳۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَا تَنْزِعْ مِنِّي صَالِحَ مَا أُعْطِيتَنِي. (رواه البزار)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ لَا تَكِلْنِي تَامًا أُعْطِيتَنِي۔“ (اے اللہ! مجھے پل بھر کے لئے میرے نفس کے حوالے نہ کر اور جو کوئی اچھی چیز (اچھا عمل یا اچھا حال) تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو مجھ سے واپس نہ لے)۔ (مسند بزار)

تشریح..... بندوں کے پاس جو کچھ خیر ہے وہ صرف اللہ کی توفیق اور اس کی عطا سے ہے اگر اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہِ کرم پھیر لے اور بندے کو اس کے نفس کے حوالے کر دے تو وہ محروم ہو کے رہ جائے گا اس لئے ہر عارف بندے کے دل کی یہ صدا ہوتی ہے کہ: ”اے اللہ! ایک لمحہ کے لئے مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر ہر دم میری نگرانی اور مجھ پر نظرِ کرم فرما۔“

(۲۳۵) عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوعًا) ”اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمْرِيْ.“

(رواه الحاكم)

ترجمہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ اجْعَلْ تَامًا وَانْقِطَاعِ عُمْرِيْ۔“ (اے اللہ! میرے بڑھاپے کے دنوں میں اور میری عمر کے آخری حصے میں میری روزی میں زیادہ سے زیادہ وسعت فرما)۔ (مستدرک حاکم)

تشریح..... بڑھاپے میں اور عمر کے آخری حصے میں رزق کی تنگی زیادہ تکلیف دہ ہو سکتی ہے، کیونکہ آدمی اس وقت دوڑ بھاگ اور جدوجہد کے قابل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں موت کے قرب کا زمانہ ہوتا ہے اور ہر مؤمن کی آرزو یہ ہونی چاہئے کہ اس زمانہ میں آدمی اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری کے لئے دوسری تمام فکروں سے فارغ اور آزاد ہو اس لئے یہ مسنون دعا ہر مؤمن کے دل کی دھڑکن ہونی چاہئے: ”اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمْرِيْ۔“

(۲۳۶) عَنْ أَنَسٍ (مَرْفُوعًا) "اللَّهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِي الْخَيْرَ وَخَيْرَ عَمَلِي خَوَاتِمَهُ وَخَيْرَ أَيَّامِي يَوْمَ الْقَاكَ فِيهِ." (رواه الطبرانی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے۔ "اللَّهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِي تَا
يَوْمَ الْقَاكَ فِيهِ۔" (اے اللہ! میری عمر کے آخری حصے کو میری زندگی کا بہترین حصہ کر دے اور میرے
آخری عمل میری زندگی کے بہترین عمل ہوں اور میرا سب سے اچھا دن وہ ہو جو تیرے حضور میں
میری حاضری کا دن ہو۔) (مجموع میر طبرانی)

(۲۳۷) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ (مَرْفُوعًا) "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَارْضَ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَادْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَأَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهُ." قِيلَ زِدْنَا قَالَ أَوْلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهُ." (رواه احمد وابن ماجه والطبرانی في الكبير)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا تَا شَأْنَنَا
كُلَّهُ۔" (اے اللہ! ہم کو بخش دے، ہم پر رحمت فرما اور دوزخ سے ہمیں بچالے اور ہمارے حالات اور
جملہ معاملات درست فرما دے) آپ سے عرض کیا گیا: حضور (ﷺ)! ہمارے لئے اور زیادہ دعا فرمائیے؟
آپ ﷺ نے فرمایا: کیا (اس دعائیں جو میں نے ابھی کی) ساری خیر کو ہم نے جمع نہیں کر لیا۔

(مسند احمد، مسند ابن ماجہ، مجمع میر طبرانی)

تشریح: اس دعائیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگی گئی ہے، رحمت مانگی گئی ہے اللہ کی رضا اور قبولیت
مانگی گئی ہے، جنت کا داخلہ اور دوزخ سے نجات مانگی گئی ہے اور سب سے آخر میں استدعا کی گئی ہے کہ ہمارے
جملہ معاملات اور سارے حالات درست فرما دے (وَأَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهُ) ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوئی
بھی انسانی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس سے زیادہ جو کچھ مانگا جائے گا وہ اسی اجمال کی تفصیل
ہوگی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أَوْلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهُ۔" (یعنی اس دعائیں ہم نے وہ
سب مانگ لیا ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں مطلوب ہو سکتا ہے۔)

(۲۳۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ يَوْمًا..... فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ
وَقَالَ "اللَّهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاکْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاعْظِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَائْتِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا
وَارْضْنَا وَارْضَ عَنَّا." (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی (اور اس
وقت آپ ﷺ کی وہ کیفیت ہو گئی جو نزول وحی کے وقت ہو جایا کرتی تھی جب وہ کیفیت ختم ہوئی) تو
آپ ﷺ قبلہ رو ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا فرمائی: "اللَّهُمَّ زِدْنَا تَا وَارْضَ عَنَّا۔" (اے اللہ! ہماری
تعداد میں زیادتی اور اضافہ فرما، کمی نہ فرما، اور ہمیں عزت و عظمت عطا فرما، ہماری اہانت و ذلت نہ فرما،
ہمیں اپنی ہر طرح کی نعمتیں عطا فرما، ہمیں محروم نہ فرما ہمیں اپنالے، ہمارے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح

نہ دے، ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں خوش کر دے۔) (مسند احمد جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں آگے یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ ﷺ پر سورہ مومنون کی ابتدائی دس آیتیں نازل ہوئی تھیں، ان کا آپ ﷺ کے قلب مبارک پر غیر معمولی اثر تھا اسی تاثر کے ماتحت آپ ﷺ نے خاص اہتمام سے اپنی جماعت اور امت کے لئے یہ دعا فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی دعا زیادہ اہتمام سے کرنی ہو تو بہتر ہے کہ قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

۲۳۹ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ (مَرْفُوعًا) ”اللَّهُمَّ أَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَآلِفَ بَيْنَ قُلُوبِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي أَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُلُوبِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِينَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِينَ بِهَا قَابِلِينَهَا وَآتِمِّمْهَا عَلَيْنَا.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ أَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا تَاوَاتِمِّمْهَا عَلَيْنَا۔“ (اے اللہ! ہمارے آپس کے تعلقات درست فرما دے اور ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور ہمیں سلامتی کے راستوں پر چلا، اور ہر طرح کی گمراہیوں سے نکال کر ہمیں نور کی طرف لا، اور ظاہری و باطنی قسم کی ساری بے حیائیوں سے ہمیں بچا۔ اے اللہ! ہماری سماعت و بصارت اور ہمارے قلوب میں اور اسی طرح ہمارے بیوی بچوں میں برکت عطا فرما، اور ہماری توبہ قبول فرما کر ہم پر عنایت فرما، تو بڑا عنایت فرمایو والا بڑا مہربان ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ثناء خواں اور قدر کے ساتھ قبول کرنے والا بنا اور ہمیں اپنی وہ نعمتیں بھرپور عطا فرما۔) (معجم کبیر طبرانی، مستدرک حاکم)

تشریح..... اس جامع ترین دعا میں سب سے پہلے آپس کے تعلقات کی درستی اور دلوں کے جوڑ کی استدعا کی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دلوں میں پھوٹ اور سینوں میں بغض و عداوت ہو تو دین بھی برباد ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ اللہ تعالیٰ کی دینی و دنیوی اور مادی و روحانی ساری نعمتوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ معاشرہ بغض و عداوت کے عذاب سے محفوظ ہو۔ علاوہ ازیں اہل ایمان کے دلوں کا باہمی جوڑ اور ان کے تعلقات کی خوش گواری بجائے خود اہم مطلوبات میں سے ہے۔

آنکھوں، کانوں اور بیوی بچوں وغیرہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں برابر نصیب رہیں اور ان سے وہ فوائد و برکات حاصل ہوتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھے ہیں۔

نعمتوں کی قدر اور ان پر شکر و حمد کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور ان سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے، اس لئے اس کو بھی اللہ سے مانگنا چاہئے اور ایک محتاج بندے کی حیثیت سے ہر نعمت کے اتمام کی بھی اس سے استدعا کرنی چاہئے۔

۲۴۰ عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوعًا) رَبِّ اعْطِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرٌ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيَّهَا

وَمَوْلَاهَا. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: **”رَبِّ اعْطِ نَفْسِي تَا
اَنْتَ وَلِيَّهَا وَمَوْلَاهَا۔“** (اے میرے رب! میرے نفس کو تقویٰ سے آراستہ فرما اور (اس کی گندگیاں
دور فرما کر) اس کو پاکیزہ بنادے، تو ہی سب سے اچھا پاکیزہ بنانے والا ہے، تو ہی اس کا والی اور مالک و مولی
ہے۔) (مسند احمد)

(۲۴۱) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ (مَرْفُوعًا) قُلْ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا مُّطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِبَلْقَائِكَ وَتَرْضَى
بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ.“ (رواہ الضیاء فی المختارۃ والطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَا تَقْنَعُ
بِعَطَائِكَ۔“** (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں **”نفس مطمئنہ“** یعنی ایسا نفس جس کو تیری طرف سے
اطمینان اور جمعیت کی دولت نصیب ہو، اور مرنے کے بعد تیرے حضور میں حاضری کا اس کو کامل یقین
ہو اور تیرے فیصلوں پر وہ راضی و مطمئن ہو، اور تیری طرف سے جو کچھ ملے وہ اس پر قانع ہو۔)

(مختارہ للضیاء المقدسی، ترجمہ کبیر طبرانی)

تشریح: **”نفس مطمئنہ“** وہی ہے جس میں یہ صفائی پائی جائیں اور یہ وہ نعمت ہے جو خاص ہی خاص بندوں کو
عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

(۲۴۲) عَنْ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ لِي عَلِيٌّ أَلَا أَعْلَمُكَ دُعَاءَ عَلَمِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُلْتُ بَلَى قَالَ قُلْ
”اللَّهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِي لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنِي طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُولِكَ وَ عَمَلًا بِكِتَابِكَ.“

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حارث اعور سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ: ”میں تم کو ایک دعا بتاؤں جو
مجھے رسول ﷺ نے بتائی تھی! میں نے عرض کیا: ضرور بتائیے! آپ نے فرمایا: یوں عرض کیا کرو۔ **”اللَّهُمَّ
افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِي تَا و عَمَلًا بِكِتَابِكَ۔“** (اے اللہ! تو اپنے ذکر کے لئے (یعنی اپنی ہدایت و نصیحت
قرآن پاک کے لئے) میرے دل کے کان کھول دے، اور مجھے اپنی اور اپنے رسول پاک ﷺ کی تابعداری
کی اور اپنی کتاب پاک قرآن مجید پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔) (مجموع الاوسط الطبرانی)

(۲۴۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي أَخْشَاكَ كَأَنِّي أَرَاكَ أَبَدًا حَتَّى أَلْقَاكَ وَأَسْعِدْنِي
بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنِي بِمَعْصِيَتِكَ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: **”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي تَا وَلَا
تُشْقِنِي بِمَعْصِيَتِكَ۔“** (اے اللہ! میرا حال ایسا کر دے کہ تیرے حضور میں حاضر ہونے تک (یعنی
مرتے دم تک) تیرے قہر و جلال سے میں ہر وقت اس طرح ترساں و لرزاں رہوں کہ گویا ہر دم تجھے دیکھ
رہا ہوں، اور اپنے خوف و تقویٰ کی دولت نصیب فرما کر مجھے خوش بخت کر دے، اور ایسا نہ ہو کہ تیری

نافرمانی کر کے میں بد بختی میں مبتلا ہو جاؤں۔) (مجموعہ اوسط طہرائی)

تشریح..... غور کیا جائے مندرجہ بالا دعاؤں میں خاص کر اس دعا میں کتنے مختصر الفاظ میں کتنی عظیم نعمتوں کی استدعا کی گئی ہے۔ یہ دعائیں آنحضرت ﷺ کی خاص میراث میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان کی قدر و قیمت کو سمجھیں۔

(۲۴۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي عَيْنَيْنِ هَطَّائِيْنِ تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَكُونَ الدَّمُ دَمْعًا وَالْأَضْرَاسُ جَمْرًا. (رواہ ابن عساکر)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي تَامِنَ الْأَضْرَاسِ جَمْرًا.“ (اے اللہ! مجھے وہ آنکھیں نصیب فرما جو تیرے عذاب اور غضب کے خوف سے آنسوؤں کی بارش برسا کر دل کو سیراب کر دیں، اُس گھڑی کے آنے سے پہلے جب بہت سی آنکھیں خون کے آنسو روئیں گی اور بہت سے مجرمین کی ڈاڑھیں انگارہ ہو جائیں گی۔) (ابن عساکر)

تشریح..... جن کو اللہ نے حقائق کی معرفت دی ہے ان کے نزدیک وہی آنکھ زندہ اور بینا ہے جو اللہ کے خوف سے روئے اور آنسوؤں کی بارش برسائے ان کے دل اسی بارش سے سیراب ہوتے ہیں، اس لئے وہ اللہ سے رونے والی آنکھیں مانگتے ہیں۔

(۲۴۵) عَنْ الْهَيْثَمِ الطَّائِي (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ كُلِّهَا وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ أَخَوْفَ الْأَشْيَاءِ عِنْدِي واقْطَعْ عَنِّي حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشُّوقِ إِلَى لِقَائِكَ وَإِذَا أَقْرَرْتُ أَغْنِ أَهْلَ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَا هُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِي مِنْ عِبَادَتِكَ. (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

ترجمہ..... ہیشم بن مالک طائی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ تَامِنَ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَا هُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِي مِنْ عِبَادَتِكَ.“ (اے اللہ! ایسا کر دے کہ کائنات کی ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیری محبت ہو، اور ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیرا خوف ہو اور اپنی ملاقات کے شوق کو مجھ پر اتنا طاری کر دے کہ دنیا کی ساری حاجتوں کا احساس اس کی وجہ سے فنا ہو جائے اور جہاں تو بہت سے اہل دنیا کو ان کی مرغوبات دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے تو میری آنکھیں طاعت و عبادت سے ٹھنڈی کر (یعنی مجھے عبادت کا وہ ذوق و شوق بخش دے کہ اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور پھر مجھے عبادت کی بھرپور توفیق دے۔) (حلیۃ ابی نعیم)

(۲۴۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُولُ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُلْغِنِي حُبَّكَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي وَمِنْ الْمَاءِ الْبَارِدِ“ قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ كَانَ أَعْبَدًا لِبَشَرٍ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ

السلام جو دعائیں کرتے تھے ان میں ایک خاص دعا یہ بھی تھی: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ تَا وَمِنْ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔“** (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت (یعنی مجھے اپنی محبت عطا فرما) اور اپنے ان بندوں کی محبت بھی مجھے عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور ان اعمال کی بھی محبت مجھے عطا فرما جو تیری محبت کے مقام تک پہنچاتے ہوں۔ اے اللہ! ایسا کر دے کہ اپنی جان اور اہل و عیال کی محبت اور ٹھنڈے پانی کی چاہت سے بھی زیادہ مجھے تیری محبت اور چاہت ہو) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو ان کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”وہ بہت ہی زیادہ عبادت گزار بندے تھے۔“ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دعا جو ان کے جذبہ محبت اور عشق الہی کی آئینہ دار تھی رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی پسند تھی اسی لئے آپ ﷺ نے خاص طور سے صحابہ کرام کو بتلائی۔ وصف نبوت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک شرف ہے، لیکن اس کے علاوہ بعض انبیاء علیہم السلام کے کچھ خصائص بھی ہوتے ہیں جن میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کثرت عبادت حضرت داؤد علیہ السلام کی امتیازی خصوصیت تھی۔

۲۴۷ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطَمِيِّ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ **”اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ اللَّهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيمَا تُحِبُّ وَمَا رَزَوْتَ عَنِّي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قَرَأًا لِي فِيمَا تُحِبُّ۔“** (رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن یزید خطمی انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دعا یہ بھی کیا کرتے تھے: **”اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي تَا فِيمَا تُحِبُّ۔“** (اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اپنے ان بندوں کی محبت عطا فرما جن کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع مند ہو۔ اے اللہ! میری چاہت اور رغبت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں ان سے مجھے ان کاموں میں تقویت پہنچا جو تجھے محبوب ہیں اور میری رغبت و چاہت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا نہیں فرمائیں (اور میرے اوقات کو ان سے فارغ رکھا) تو مجھے توفیق دے کہ میں اس فراغ کو ان کاموں میں استعمال کروں جو تجھے محبوب ہیں۔) (جامع ترمذی)

تشریح..... آدمی کو اس کی مرغوبات دے دی جائیں تو اس کا بھی امکان ہے کہ وہ ان میں مست اور منہمک ہو کر خدا سے غافل ہو جائے یا وہ ان کو اس طرح استعمال کرے کہ معاذ اللہ خدا سے اور دور ہو جائے۔ اسی طرح مرغوبات نہ ملنے کی صورت میں بھی امکان ہے کہ وہ دوسری قسم کی خرافات میں اپنا وقت برباد کرے۔ اس لئے بندے کو برابر یہ دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اگر اس کی مرغوبات عطا فرمائے تو اس کو اس کی بھی توفیق دے کہ وہ مرغوبات کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنائے اور اگر مرغوبات نہ ملیں اور اس کی وجہ سے فرصت و فراغ حاصل ہو تو اس کو توفیق ملے کہ فارغ اور خالی وقت کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات ہی میں لگائے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر دعا اور اس کا ہر جزو بلاشبہ معرفت کا خزانہ ہے۔

(۲۴۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ "اللَّهُمَّ اَلْهِنِّي رُشْدِي وَاَعِزَّنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي." (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا تلقین فرمائی: "اللَّهُمَّ اَلْهِنِّي رُشْدِي وَاَعِزَّنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي۔" (اے اللہ! میرے دل میں وہ ڈال جس میں میرے لئے بھلائی اور بہتری ہو اور میرے نفس کے شر سے مجھے بچا اور اپنی پناہ میں رکھ۔)

(جامع ترمذی)

(۲۴۹) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا كَانَ عِنْدَهَا يَامُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبَّتَ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اُن کے پاس ہوتے تو اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "يَامُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبَّتَ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ۔" (اے دلوں کو پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھ۔) (جامع ترمذی)

تشریح: اس روایت میں آگے حضرت ام سلمہ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں نے ایک دن حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: کیا بات ہے کہ آپ ﷺ اکثر و بیشتر یہ دعا کرتے ہیں؟ (حضرت ام سلمہ کا مطلب غالباً اس سوال سے یہی ہو گا کہ آپ ﷺ تو لغزشوں سے محفوظ ہیں پھر آپ ﷺ یہ دعا کیوں کرتے ہیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ہر آدمی کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے اُسی کے اختیار میں ہے جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے۔ آپ ﷺ کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ میرا معاملہ بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اسی لئے مجھے بھی اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ جس بندے کو اپنے نفس کی اور ساتھ ہی اپنے رب کی معرفت نصیب ہوگی اس کا یہی حال ہو گا اور وہ کبھی اپنے کو مامون و محفوظ نہیں سمجھے گا۔ بندوں کے حق میں یہی بلندی اور کمال ہے۔

”قریباً ایش بود حیرانی“

(۲۵۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوعًا) اللَّهُمَّ إِنِّي ضَعِيفٌ فَقْوِي رِضَاكَ ضَعْفِي وَخُذْ لِي الْخَيْرَ بِنَاصِيَتِي وَاجْعَلِ الْإِسْلَامَ مُنْتَهَى رِضَائِي اللَّهُمَّ إِنِّي ضَعِيفٌ فَقْوِي وَإِنِّي ذَلِيلٌ فَأَعِزَّنِي وَإِنِّي فَقِيرٌ فَارْزُقْنِي. (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اللَّهُمَّ إِنِّي ضَعِيفٌ وَإِنِّي فَقِيرٌ فَارْزُقْنِي۔" (اے میرے اللہ! میں تیرا ایک کمزور بندہ ہوں تو اپنی رضا طلبی کی راہ میں میری کمزوری کو قوت سے بدل دے) تاکہ میں پوری تندہی اور تیز رفتاری سے تیری رضا کے لئے کام کر سکوں (اور میری پیشانی پکڑ کے میرا رخ خیر کی طرف کر دے) اور اسلام کو میرا منتہائے رضا بنا دے (یعنی میری انتہائی خوشی یہ ہو کہ میں پورا پورا مسلم ہو جاؤں) اے میرے اللہ! میں ضعیف و ناتواں ہوں

تو میری ناتوانی کو توانائی سے بدل دے اور میں ذلت و پستی کے حال میں ہوں تو مجھے عزت بخش دے اور میں فقیر و نادار ہوں تو مجھے میری ضروریات عطا فرمادے۔ (مجم کبیر طبرانی)

(۲۵۱) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ (مَرْفُوعًا) إِلَيْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِي وَفِي نَفْسِي لَكَ فَلَذِلِّلْنِي وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ فَعِظْمَنِي وَمِنْ سَيِّئِ الْأَخْلَاقِ فَحَبِّبْنِي۔ (رواہ ابن ہلال فی مکارم الاخلاق)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: ”إِلَيْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِي تَا فَحَبِّبْنِي۔“ (اے میرے پروردگار! مجھے اپنا پیارا بنا لے اور مجھے ایسا کر دے کہ میں اپنے کو تیرے حضور میں ذلیل سمجھوں اور دوسرے بندوں کی نگاہ میں مجھے با عظمت بنادے اور برے اخلاق سے مجھے بالکل بچا دے اور دور رکھے۔ (مکارم اخلاق ابن ہلال)

تشریح: کسی بندے سے اللہ تعالیٰ کا محبت فرمانا عظیم ترین دولت ہے جس کی ہر مؤمن کو دلی آرزو ہونی چاہئے اس دعا میں سب سے پہلے یہی نعمت مانگی گئی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بندے پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ وہ خود کو تو ذلیل و حقیر سمجھے لیکن اللہ کے بندے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کا احترام و اکرام کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا پہلے گزر چکی ہے: ”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي فِي عَيْنِي صَغِيرًا وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرًا۔“ ①

(۲۵۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُلْ ”اللَّهُمَّ أَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيمُ اللَّهُمَّ إِنَّكَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللَّهُمَّ إِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ اللَّهُمَّ إِنَّكَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اللَّهُمَّ إِنَّكَ الْجَوَادُ الْكَرِيمُ فَاغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَرْزُقْنِي وَاسْتُرْنِي وَاجْبُرْنِي وَارْفَعْنِي وَاهْدِنِي وَلَا تُضِلَّنِي وَأَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ“ تَعَلَّمْنَهُنَّ وَعَلِّمْنَهُنَّ عَقَبَكَ مِنْ بَعْدِكَ۔ (رواہ الدیلمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا تلقین فرمائی: ”اللَّهُمَّ أَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيمُ تَا بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔“ (اے میرے اللہ! تو خالق کل اور خلاق عظیم ہے تو سمیع و علیم (سب کچھ سننے والا اور جاننے والا) ہے۔ تو غفور و رحیم (بخشنے والا اور نہایت مہربان) ہے۔ تو مالک عرش عظیم ہے، تو نہایت فیاض اور کریم ہے۔ اپنی ان عالی صفات کے صدقہ میں، تو مجھے بخش دے، مجھ پر رحمت فرما، مجھے عافیت عطا فرما، مجھے رزق نصیب فرما، میری پردہ داری فرما، میری شکستگی کو جوڑ دے، مجھے عزت و رفعت عطا فرما، مجھے اپنی راہ پر چلا، مجھے گمراہی سے بچا اور اے ارحم الراحمین (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخلہ نصیب فرما۔)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی اور مجھ سے ارشاد فرمایا: اس کو سیکھ لو اور اپنے بعد والوں کو سکھاؤ۔ (مسند فردوس بیہمی)

تشریح..... کس قدر جامع دعا ہے! اس کو نہ سیکھنا اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا بلاشبہ بڑے خسارے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان انمول جواہرات کی قدر نصیب فرمائے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

دعوات استعاذہ

ذخیرہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں ماثور و منقول ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں خود کیں یا اُمت کو ان کی تعلیم و تلقین فرمائی ان میں زیادہ تر وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے کسی دنیوی یا اخروی، روحانی یا جسمانی، انفرادی یا اجتماعی نعمت اور بھلائی کا سوال کیا گیا ہے اور مثبت طور پر کسی حاجت اور ضرورت کے لئے استدعا کی گئی ہے۔ ڈیڑھ سو سے کچھ اوپر جو دعائیں اس سلسلہ میں اب تک درج ہو چکی ہیں وہ سب اسی قبیل کی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سی ایسی دعائیں بھی آپ ﷺ سے مروی ہیں جن میں کسی خیر و نعمت اور کسی مثبت حاجت و ضرورت کے سوال کے بجائے دنیا یا آخرت کے کسی شر سے اور کسی بلا اور آفت سے پناہ مانگی گئی ہے اور حفاظت و بچاؤ کی استدعا کی گئی ہے۔ پھر جس طرح پہلی قسم کی دعاؤں کو مجموعی طور پر سامنے رکھ کر یہ کہنا برحق ہے کہ دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی اور کوئی حاجت و ضرورت ایسی نہیں ہے جس کی دعا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نہ کی ہو، اور اُمت کو تلقین نہ فرمائی ہو۔ اسی طرح دوسری قسم کی دعاؤں کو پیش نظر رکھ کر یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے کہ دنیا اور آخرت کا کوئی شر، کوئی فساد، کوئی فتنہ اور کوئی بلا اور آفت اس عالم وجود میں ایسی نہیں ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور اُمت کو اس کی تلقین نہ فرمائی ہو۔ غور کرنے اور سمجھنے والوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا نہایت روشن معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعائیں انسانوں کی دنیوی و اخروی، روحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی ظاہری اور باطنی، مثبت اور منفی ساری ہی حاجتوں اور ضرورتوں پر حاوی ہیں اور کوئی خفی سے خفی اور دقیق سے دقیق حاجت نہیں بتائی جاسکتی جس کو آپ ﷺ نے بہتر سے بہتر پیرائے میں اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا ہو، اور اُمت کو اس کے مانگنے کا طریقہ نہ سکھایا ہو۔ قرآن مجید میں بھی ان دونوں ہی قسموں کی یعنی مثبت اور منفی دعائیں موجود ہیں اور بالکل آخر کی دو مستقل سورتیں ”**قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ**“ اور ”**قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ**“ اول سے آخر تک منفی قسم کی دعا یعنی استعاذہ ہی پر مشتمل ہیں اور اسی لئے ان کو ”**معوذتین**“ کہا جاتا ہے اور ان ہی پر قرآن مجید ختم ہوا ہے۔

قرآن پاک کے اس طریقے ہی کی پیروی میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ جو احادیث ایسی دعاؤں پر مشتمل ہیں جن میں شرور اور فتن اور بلیات سے اور برے اعمال و اخلاق اور ہر قسم کی ناپسندیدہ باتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، اُن کو آخر میں درج کیا جائے اور ان ہی کو اس سلسلہ کا خاتمہ بنایا جائے۔ اب ذیل میں وہی حدیثیں پڑھیں:

(۲۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ

الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے اور بد بختی کے لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کی شامت سے۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بظاہر تو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت دنیا اور آخرت کی کوئی برائی اور کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی ایسی نہیں سوچی جاسکتی جو ان چار عنوانوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ ان میں سب سے پہلی چیز ہے: ”جَهْدُ الْبَلَاءِ“ (کسی بلا کی مشقت اور سختی) بلا ہر اس حالت کا نام ہے جو انسان کے لئے باعث تکلیف اور موجب پریشانی ہو، اور جس میں اس کی آزمائش ہو، یہ دنیوی بھی ہو سکتی ہے اور دینی بھی، روحانی بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی بھی، انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ الغرض یہ ایک ہی لفظ تمام مصائب و تکالیف اور آفات و بلیات کو حاوی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے ”ذَرَكُ الشَّقَاءِ“ (بد بختی کا لاحق ہونا) اور تیسری چیز ہے: ”سُوءُ الْقَضَاءِ“ (بری تقدیر) ان دونوں کی جامعیت بھی بالکل ظاہر ہے، جس بندے کو ہر نوع کی بد بختی سے اور بری تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گئی بلاشبہ اسے سب کچھ مل گیا۔ آخری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے ”شَمَاتَةُ الْأَعْدَاءِ“ (یعنی کسی مصیبت اور ناکامی پر دشمنوں کا ہنسنا) بلاشبہ دشمنوں کی شامت اور طعنہ زنی بعض اوقات بڑی روحانی تکلیف و اذیت کا باعث ہوتی ہے، اس لئے اس سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کے لئے فرمایا، اگرچہ اس سے پہلے تین جامع عنوانات اس کو بھی حاوی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کے لئے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَذَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ.

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی سختی سے اور بد بختی لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے ہنسنے اور ان کی طعنہ زنی سے۔

۲۵۴ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدِّينِ وَغَلْبَةِ الرِّجَالِ.“ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کیا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ“ (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاہلی و ہزدلی سے اور بخیلی و کج نوسی اور قرضہ کے بار سے اور لوگوں کے دباؤ سے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس دعا میں جن آٹھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان میں سے چار (فکر و غم، قرضہ کا

بار اور مخالفین کا غلبہ) ایسی چیزیں ہیں جو حساس و صاحب شعور آدمی کے لئے زندگی کے لطف سے محرومی اور سخت روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور اس کی قوت کار اور صلاحیتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں اور سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور باقی چار (کم ہمتی، کاہلی، کجغوسی اور بزدلی) ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آدمی وہ جرأت مندانہ اقدامات اور محنت و قربانی والے وہ اعمال نہیں کر سکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز و فلاح اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ ان سب چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے اور اپنے عمل سے اُمت کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

۲۵۵ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْتَمِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلَجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّ قَلْبِي كَمَا يُنْقَى الثُّوبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ." (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ" تا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی، کاہلی سے اور انتہائی بڑھاپے سے) (جو آدمی کو بالکل ہی اذکار رفتہ کر دے) اور قرضہ کے بوجھ سے، اور ہر گناہ سے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور فتنہ قبر سے، اور عذاب قبر سے، اور دولت و ثروت کے فتنہ کے شر سے، اور مفلسی و محتاجی کے فتنہ کے شر سے اور فتنہ دجال کے شر سے۔ اے میرے اللہ! میرے گناہوں کے اثرات دھو دے اولے اور برف کے پانی سے اور میرے دل کو (گندے اعمال و اخلاق کی گندگیوں سے) اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے، اور میری اور گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا کر دے جتنی دوری تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس دعا میں علاوہ اور چیزوں کے "ہرم" یعنی بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ عمر کی اس حد تک درازی کہ ہوش و حواس صحیح سالم رہیں (اور آخرت کی کمائی کا سلسلہ جاری رہے) اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، لیکن ایسا بڑھاپا جو بالکل ہی اذکار رفتہ کر دے جس کو قرآن پاک میں "أَذِلَّ الْعُمْرُ" فرمایا گیا ہے۔ ایسی ہی چیز ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگی جائے "ہرم" بڑھاپے کا وہی درجہ ہے۔

اس دعا میں "عذاب نار" کے ساتھ "فتنہ نار" سے اور "عذاب قبر" کے ساتھ "فتنہ قبر" سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ عذاب نار سے مراد بظاہر دوزخ کا وہ عذاب ہے جو ان دوزخیوں کو ہو گا جو کفر و شرک جیسے سنگین جرائم کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اسی طرح عذاب قبر سے مراد بظاہر قبر کا وہ عذاب ہے جو اسی

طرح کے بڑے مجرموں کو قبر میں ہوگا۔ لیکن جوان سے کم درجہ کے مجرمین میں ان کو اگرچہ دوزخیوں کی طرح دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا اور قبر میں بھی ان پر درجہ اول کے ان مجرمین والا وہ سخت عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا، لیکن دوزخ اور قبر کی کچھ تکلیفوں سے ان لوگوں کو بھی گزرنا پڑے گا اور بس یہی سزا ان کے لئے کافی ہوگی۔ اس عاجز کے نزدیک ”فتنہ نار“ اور ”عذاب قبر“ کے ساتھ اس ”فتنہ نار“ اور ”فتنہ قبر“ سے بھی پناہ چاہی اور اپنے عمل سے ہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی ہے۔

دجال کا فتنہ بھی ان عظیم ترین فتنوں میں سے ہے جن سے رسول اللہ ﷺ بکثرت پناہ مانگتے تھے اور اہل ایمان کو اس کی تلقین فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ دجال اکبر کے فتنہ سے (جس کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے) اور ہر دجالی فتنہ سے اپنی پناہ میں رکھے اور مرتے دم تک ایمان و اسلام پر ثابت قدم رکھے۔

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے اور اس کے ساتھ فقر و محتاجی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ دولت و ثروت بذاتِ خود کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا کہ: ”عثمان اس کے بعد جیسا بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا اور ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی (مَاعَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذَا مَرَّتَيْنِ)“ اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر و قناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی، اور فقر اور اہل فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ لیکن اگر بد قسمتی سے دولت مندی و خوش حالی تکبر و غرور پیدا کرے اور مال و دولت کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اسی طرح اگر فقر و محتاجی کے ساتھ صبر و قناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی ناکردنی کرنے لگے تو وہ خدا کا ایک عذاب ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا“ (محتاجی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر و فتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

اس دعا کے آخر میں گناہوں کے اثرات دھونے کی اور دل کی صفائی کی اور گناہوں سے بہت دور کئے جانے کی جو دعا کی گئی ہے وہ اگرچہ بظاہر مثبت دعاؤں میں سے ہے، لیکن غور کیا جائے تو وہ بھی ایک طرح کہ سلبی دعا ہے اور گویا استعاذہ ہی ہے۔

(۲۵۶) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبُكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ نَفْسِیْ تَقْوَاهَا وَزَكَّاهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبُكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا یُسْتَجَابُ لَهَا۔“ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ تَا وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يَسْتَجَابُ لَهَا“** (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کم ہمتی سے اور سستی و کاہلی اور بزدلی سے اور بخیلی و کنجوسی سے اور انتہائی درجہ کے بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے۔ اے میرے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرمادے اور اس کا تزکیہ فرما کے اس کو مصفیٰ بنا دے تو ہی سب سے اچھا تزکیہ فرمانے والا ہے، تو ہی اس کا والی اور مولیٰ ہے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع مند نہ ہو اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس (ہوسناک) نفس سے جس کی سیری نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔) (صحیح مسلم)

تشریح: علم غیر نافع، قلب غیر خاشع، اور ہوسناک نفس جس کی ہوسناکی ختم ہی نہ ہو اور وہ دعا جس کی اللہ کے ہاں سماعت نہ ہو۔ ان چاروں چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا مطلب یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ علم نافع عطا فرمائے، قلب کو خشوع کی صفت مرحمت فرمائے، نفس کو ہوسناکی سے پاک فرما کر اس کو قناعت سے آراستہ فرمائے اور دعاؤں کو قبولیت سے نوازے۔

۲۵۷ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَلُجْأَةِ نَقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ“** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ تَا وَجَمِيعِ سَخَطِكَ“** (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیری نعمتوں کے زائل ہو جانے سے، اور تیری بخشی ہوئی عافیت کے چلے جانے سے، اور تیرے عذاب کے ناگہانی آجانے سے، اور تیری ہر قسم کی ناراضی اور ناخوشی سے) (صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے بلکہ اس سلسلہ کی ساری ہی دعاؤں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبوت رسالت بلکہ مقام محبوبیت پر بھی فائز ہونے کے باوجود قضاء و قدر کے فیصلوں سے آپ ﷺ کتنے لرزاں و ترساں رہتے تھے اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم اور اس کی حفاظت و پناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، صحیح ہے۔

”قریبانِ ہمیش بود حیرانی“

۲۵۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ“** (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: **”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ“** (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شقاق یعنی آپس کے سخت اختلاف اور نفاق سے اور برے اخلاق سے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: ”شقاق“ اس شدید اختلاف کو کہتے ہیں جس کے نتیجے میں فریقین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جائیں اور ان کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر و باطن کا فرق، یہ اعتقادی نفاق کے

علاوہ عملی زندگی میں منافقانہ رویہ کو بھی شامل ہے، یہ تینوں چیزیں جن سے اس دعا میں اللہ کی پناہ چاہی گئی ہے (یعنی خلاف و شقاق، نفاق اور برے اخلاق) آدمی کے دین کو بلکہ اس کی دنیا کو بھی برباد کر دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ معصوم اور قطعاً محفوظ تھے لیکن اس کے باوجود ان مہلکات کی ہلاکت خیزی ہی کی وجہ سے ان سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان چیزوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی اتنی فکر کریں جتنی ایک مومن کو ہونی چاہئے اور ہمیشہ ان سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

(۲۵۹) عَنْ شَكْلِ بْنِ حُمَيْدٍ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ عَلَّمَنِي تَعَوُّذًا اتَّعَوُّذُ بِهِ فَاَخَذَ بِكَفِّي وَقَالَ قُلْ "اللَّهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِيْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِيْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِيْ وَمِنْ شَرِّ مَنِيَّ." (رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی)

ترجمہ: شکل بن حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی تعوذ تعلیم فرما دیجئے (یعنی کوئی ایسی دعا بتا دیجئے) جس کے ذریعہ میں اللہ سے پناہ و حفاظت طلب کیا کروں؟ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں تھام کر فرمایا: کہو "اللَّهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ تا وَمِنْ شَرِّ مَنِيَّ۔" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے، اور اپنی زبان کے شر سے، اور اپنے قلب کے شر سے، اور اپنے مادہ شہوت کے شر سے۔) (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح: سمع و بصر اور زبان و قلب اور اسی طرح جنسی خواہش کا شر یہ ہے کہ یہ چیزیں احکام خداوندی کے خلاف استعمال ہوں، جس کا انجام اللہ کا غضب اور اس کا عذاب ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس شر سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اس کی پناہ مانگی جائے، وہی اگر بچائے گا تو بندہ بچ سکے گا ورنہ مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

(۲۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ "اللَّهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ فَإِنَّهُ بَشْسِ الضُّجِيعِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا بَشْسِ الْبِطَانَةِ." (رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ تا بِشْسِ الْبِطَانَةِ۔" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک اور فاقہ سے، وہ بڑا تکلیف دہ رفیق خواب ہے اور خیانت کے جرم سے، وہ بہت بری ہمراز ہے۔) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے بھوک کو "رفیق خواب" (یعنی بستر کا ساتھی) کہا گیا ہے۔ اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنے والے ہی کو معلوم ہوتا ہے، اس لئے خیانت کو "بطانہ" (ہمراز) کہا گیا ہے۔

بھوک اور خیانت جیسی چیزوں سے رسول اللہ ﷺ کا پناہ مانگنا کمالِ عبدیت کا وہ آخری اور انتہائی مقام ہے

جو بلاشبہ آپ ﷺ کا طرہ امتیاز ہے اور اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔

۲۶۱ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجَذَامِ وَالْجُنُونِ وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ." (رواه ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ تَا وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ۔" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، برص، جذام اور پاگل پن سے، اور سب خراب بیماریوں سے) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: برص، جذام، جنون اور اس طرح کی وہ سب بیماریاں جن کی وجہ سے لوگ مریض سے نفرت اور گھن کریں اور جن کی وجہ سے آدمی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ بلاشبہ ان سے ہر آدمی کو پناہ مانگنی چاہئے، لیکن ہلکی اور معمولی قسم کی بیماریاں بعض پہلوؤں سے یقیناً خدا کی رحمت ہوتی ہیں۔

۲۶۲ عَنْ أَبِي الْيُسْرِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَذَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرْدَى وَمِنَ الْفَرْقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ مُذْبِرًا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا." (رواه ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ تَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا۔" (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں {اپنے اوپر کسی عمارت وغیرہ کے} ڈھے جانے سے اور {کسی بلندی کے اوپر} گر پڑنے سے اور {دریا وغیرہ میں} ڈوب جانے سے، اور آگ میں جل جانے سے، اور انتہائی بڑھاپے سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں، اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے وسوسوں میں مبتلا کر دے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا مروں، اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آجائے۔) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح: کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مر جانا، اور اسی طرح کسی بلندی سے نیچے گر کر، یا دریا وغیرہ میں ڈوب کے، یا آگ میں جل کر یا کسی زہریلے جانور سانپ وغیرہ کے ڈسنے سے ختم ہو جانا، یہ سب صورتیں مفا جاتی اور ناگہانی موت کی ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انسانی روح موت کی ان سب صورتوں سے فطری طور پر بہت زیادہ گھبراتی ہے، ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں مرنے والے کو موت کی تیاری، تجدیدِ ایمان اور توبہ و استغفار وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (جو موت کی دوسری عام شکلوں میں عموماً مل جاتا ہے) اس لئے ایک مؤمن کو موت کی ان سب ناگہانی صورتوں سے پناہ ہی مانگنا چاہئے۔ اسی طرح اس سے بھی پناہ مانگنا چاہئے کہ میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے موت آئے، اللہ کی نگاہ میں یہ نہایت سنگین جرم ہے، علیٰ ہذا اس سے بھی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ موت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعہ ہم کو گڑبڑا سکے اور گمراہ

کر سکے۔ خاتمہ ہی کے اچھے یا برے ہونے پر سارا دار و مدار ہے۔

موت کی جن ناگہانی صورتوں سے اس دعا میں پناہ مانگی گئی ہے، دوسری حدیثوں میں اس قسم کے حوادث سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے، اور ان کو شہید قرار دیا گیا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ اپنی بشری کمزوری کے لحاظ سے موت کی ان سب صورتوں سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے لیکن جب تقدیر الہی سے کسی بندے کو اس طرح سے موت آجائے تو ارحم الراحمین کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہوئے توقع رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس مفا جاتی موت ہی کی وجہ سے اسکو ”اعزازی شہادت“ کا مقام عطا فرمایگا۔ اور اگر عقائد و اعمال کے حساب سے کچھ بھی گنجائش ہوگی تو یقیناً رب کریم کی طرف سے ایسا ہی ہوگا۔ ”انہ غفور رحیم۔“

(۲۶۳) عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ." (رواه الترمذی)

ترجمہ: قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ۔“ (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے) (جامع ترمذی)

(۲۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا أَعْمَلُ." (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا أَعْمَلُ۔“ (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ان اعمال کے شر سے جو میں نے کئے ہیں اور ان اعمال کے شر سے جو میں نے نہیں کئے۔) (صحیح مسلم)

تشریح:..... کسی برے عمل کا سرزد ہو جانا اور اسی طرح کسی اچھے عمل کا فوت ہو جانا، دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کے شر سے ہم جیسے عامی بھی پناہ مانگتے ہیں، لیکن عارفین اچھے سے اچھے عمل کرنے اور برے اور گندے اعمال سے دامن بچانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے اندر اس کی وجہ سے عجب و غرور اور نیکی و پاکدامنی کا پندرانہ پیدا ہو جائے (جو اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے) اس لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے شر اور برے اعمال کے ترک کے شر سے بھی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ سچ ہے ”حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرَبِينَ۔“

بیماری اور برے اثرات سے تحفظ کے لئے استعاذہ

(۲۶۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُولُ "أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَةٍ." وَيَقُولُ هَكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يُعَوِّذُ إِسْحَقَ وَإِسْمَاعِيلَ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (اپنے دونوں نواسوں) حضرت حسن و حسین پر دم کیا کرتے تھے (یہ کلمات پڑھ کے دم فرماتے تھے): **”أَعِذُّكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَةٍ“** (میں تم کو اللہ کے پورے پورے کلموں کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان کے اثر سے اور ڈسنے والے ہر زہریلے کیڑے سے اور لگنے والی ہر نظر بد سے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... یہ کلمات پڑھ کر بچوں پر دم کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ بلاشبہ بڑے بابرکت ہیں یہ کلمات۔

۲۶۶ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ شَكَى إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ اسْلَمَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الْذِي يَأْلُمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ ثَلَاثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاطِرُ“ (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی تکلیف عرض کی کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں جسم کے فلاں حصہ میں درد رہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس جگہ درد ہے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھو اور تین دفعہ بسم اللہ پڑھ کر سات دفعہ کہو: **”أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاطِرُ“** (میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور تو اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ہر جسمانی تکلیف کے لئے یہ عمل اور تعوذ رسول اللہ ﷺ کا خاص عطیہ ہے اور بہت مجرب ہے۔

استغفار و توبہ

دُعا ہی کی ایک خاص قسم استغفار ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا۔ اور توبہ گویا اس کے لوازم میں سے ہے، بلکہ یہ دونوں ہی آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل بندے سے سرزد ہو جائے اس کے بُرے انجام کے خوف کے ساتھ اس پر اسے دلی رنج و ندامت ہو، اور آئندہ کیلئے اس سے بچے رہنے اور دور رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اسکی رضا جوئی کا وہ عزم اور فیصلہ کرے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ توبہ والی کیفیت نصیب ہوگی تو جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں بندہ اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی اور بخشش کی استدعا بھی ضرور کرے گا، تاکہ ان کی سزا اور بُرے انجام سے بچ سکے۔ اور اسی طرح جب سزا اور عذاب کے خوف سے معافی اور بخشش مانگے گا تو اس کو گناہ پر رنج و افسوس اور آئندہ کے لئے اس کے پاس نہ جانے کا عزم بھی ضرور ہوگا۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ فی الحقیقت یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

توبہ و استغفار کی حقیقت اس مثال سے اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ کوئی آدمی مثلاً غصہ کی حالت میں خود کشی کے ارادہ سے زہر کھالے، اور جب وہ زہر اندر پہنچ کر اپنا عمل شروع کرے اور آنتیں کٹنے لگیں اور وہ ناقابل برداشت تکلیف اور بے چینی ہونے لگے جو زہر کے نتیجہ میں ہوتی ہے، اور موت سامنے کھڑی نظر آئے تو اس کو اپنی اس احمقانہ حرکت پر رنج و افسوس ہو اور اس وقت وہ چاہے کہ کسی بھی قیمت پر اس کی جان بچ جائے، اور جو دوا حکیم یا ڈاکٹر اسے بتائیں وہ اسے استعمال کرے اور اگر قے کرنے کے لئے کہیں توفیق لانے کے لئے بھی ہر تدبیر اختیار کرے۔ یقیناً اس وقت وہ پوری صدق دلی کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کرے گا کہ اگر میں زندہ بچ گیا تو آئندہ کبھی ایسی حماقت نہیں کروں گا۔

بالکل اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی صاحب ایمان بندہ غفلت کی حالت میں اغواءِ شیطانی یا خود اپنے نفسِ امارہ کے تقاضے سے گناہ کر بیٹھتا ہے، لیکن جب اللہ کی توفیق سے اس کا ایمانی حاسہ بیدار ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنے مالک و مولیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو ہلاک کر ڈالا، اور اللہ کی رحمت و عنایت اور اس کی رضا کے بجائے میں اس کے غضب اور عذاب کا مستحق ہو گیا اور اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو قبر میں اور اس کے بعد حشر میں مجھ پر کیا گزرے گی اور وہاں اپنے مالک کو کیا منہ دکھاؤں گا اور آخرت کا عذاب کیسے برداشت کر سکوں گا۔ الغرض جب توفیقِ الہی سے اس کے اندر یہ فکر و احساس پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ یقین و عقیدہ رکھتے ہوئے کہ میرا مالک و مولیٰ بڑا رحیم و کریم ہے، معافی مانگنے پر بڑے سے بڑے گناہوں، قصوروں کو وہ بڑی خوشی سے معاف فرما دیتا ہے، وہ اس سے معافی اور بخشش کی استدعا کرتا ہے اور اسی کو گناہ کے زہر کا علاج سمجھتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ وہ آئندہ کے لئے فیصلہ کرتا ہے کہ اب کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کروں گا اور کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ بس بندے کے اسی عمل کا نام استغفار اور توبہ ہے۔

توبہ واستغفار بلند ترین مقام

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مقبولین و مقربین کے مقامات میں سب سے بلند مقام عبدیت اور بندگی کا ہے اور دعا چونکہ عبدیت اور بندگی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، بلکہ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق وہی ”فُحَّ الْعِبَادَةِ“ (یعنی بندگی اور عبادت کا مغز اور جوہر ہے) اسلئے انسانی اعمال و احوال میں سب سے اکرم و اشرف دعا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے موقع پر درج ہو چکا ہے: **لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ** (اللہ کے یہاں کوئی چیز دعا سے زیادہ عزیز اور قیمتی نہیں ہے۔)

اور استغفار و توبہ کے وقت بندہ چونکہ اپنی گنہگاری اور تقصیر کے احساس کی وجہ سے انتہائی ندامت اور احساسِ پستی کی حالت میں ہوتا ہے، اور گناہ کی گندگی کی وجہ سے مالک کو منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا، اور اپنے کو مجرم اور خطاوار سمجھ کر معافی اور بخشش مانگتا اور آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہے، اس لئے بندگی اور تذلل اور گنہگاری و قصور واری کے احساس کی جو کیفیت استغفار و توبہ کے وقت میں ہوتی ہے وہ کسی دوسری دعا کے وقت میں نہیں ہوتی بلکہ نہیں ہو سکتی اس بناء پر استغفار و توبہ دراصل اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قرب الہی کے مقامات میں بلند ترین مقام ہے، اور توبہ واستغفار کرنے والے بندوں کے لئے صرف معافی اور بخشش ہی کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و محبت اور اس کے پیار کی بشارت سنائی گئی ہے۔

وہ حدیثیں آگے آئیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہر وقت توبہ واستغفار کرتے تھے۔ اوپر کی سطروں میں توبہ واستغفار کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے اس کثرت استغفار کی وجہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔

دراصل یہ خیال بہت ہی عامیانہ اور غلط ہے کہ استغفار و توبہ عاصیوں اور گنہگاروں ہی کا کام ہے، اور انہی کو اس کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے خاص مقرب بندے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق بالکل ادا نہ ہو سکا، اس لئے وہ برابر توبہ واستغفار کرتے ہیں، اور اپنے ہر عمل کو حتیٰ کہ اپنی نمازوں تک کو قابل استغفار سمجھتے ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری جلد ”**کتاب الصلوٰۃ**“ میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ کہتے تھے: **”اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ“** (یعنی اے اللہ میں تجھ سے بخشش و معافی چاہتا ہوں) نماز کے بعد آپ ﷺ کا یہ استغفار اسی بنیاد پر ہوتا تھا کہ آپ ﷺ محسوس کرتے تھے کہ نماز کا حق ادا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

بہر حال توبہ واستغفار عاصیوں اور گنہگاروں کے لئے مغفرت و رحمت کا ذریعہ اور مقربین و معصومین کے لئے درجاتِ قرب و محبوبیت میں بے انتہا ترقی کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم و یقین اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

اس تمہید کے بعد استغفار و توبہ سے متعلق احادیث پڑھئے۔ اور سب سے پہلے وہ احادیث پڑھئے جن میں توبہ و استغفار کے باب میں خود رسول اللہ ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے۔

توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ

(۲۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ”وَاللَّهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً“ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خدا کی قسم میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہوں۔“ (صحیح بخاری)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور و احساس ہو گا وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو اداءِ حقوقِ عبودیت میں قصور وار سمجھے گا اور رسول اللہ ﷺ کو چونکہ یہ چیز بدرجہ کمال حاصل تھی اس لئے آپ ﷺ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہو سکا اسی واسطے آپ ﷺ بار بار اور مسلسل توبہ و استغفار فرماتے تھے۔ اور اس کا اظہار فرما کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

(۲۶۸) عَنْ الْأَعْرَابِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ فَإِنِّي أَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةً“ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت اعرجی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کرو، میں خود دن میں سو دفعہ اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: پہلی حدیث میں ”اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً“ (سو دفعہ) دراصل صرف کثرت کے بیان کے لئے ہیں اور قدیم عربی زبان کا یہ عام محاورہ ہے، ورنہ حضور ﷺ کے استغفار و توبہ کی تعداد یقیناً اس سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲۶۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنَّا كُنَّا لَنَعُوْءُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَجْلِسِ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةً“ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک نشست میں شمار کر لیتے تھے کہ آپ ﷺ سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ (اے میرے رب مجھے معاف کر دے، بخش دے اور میری توبہ قبول فرما کر مجھ پر عنایت فرما، بے شک تو بہت ہی عنایت فرمانے اور بہت ہی بخشنے والا ہے۔)

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطور

ورد و وظیفہ کے استغفار و توبہ کا یہ کلمہ ایک نشست میں سودفعہ پڑھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہم لوگ بھی حاضر رہتے بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور آپ ﷺ اسی درمیان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ان کلمات کیساتھ استغفار و توبہ بھی کرتے رہتے اور ہم اپنے طور پر اس کو شمار کرتے رہتے تو معلوم ہوتا کہ ایک نشست میں آپ ﷺ نے سودفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ **واللہ اعلم**

۲۷۰ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ إِذَا أَحْسَنُوا اسْتَبْشَرُوا وَإِذَا أَسَاءُوا اسْتَغْفَرُوا". (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ إِذَا أَحْسَنُوا اسْتَبْشَرُوا وَإِذَا أَسَاءُوا اسْتَغْفَرُوا۔" (اے اللہ! مجھے اپنے اُن بندوں میں سے کر دے جو نیکی کریں تو خوش ہوں اور ان سے جب کوئی غلطی اور برائی سرزد ہو جائے تو تیرے حضور میں استغفار کریں)۔ (سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح: کسی بندے کو ان اچھے اعمال کی توفیق ملنا جن کے صلہ میں جنت اور رضائے الہی کا وعدہ ہے اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہے اسلئے اس کا حق ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اعمالِ حسنہ کی اس توفیق پر خوش ہو اور شکر ادا کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

اللہ کے فضل اور اس کی رحمت و عنایت پر اس کے بندوں کو خوش ہونا چاہئے۔

اسی طرح جب کسی بندے سے کوئی چھوٹی بڑی معصیت یا لغزش ہو جائے تو اسے اس کا رنج اور دکھ ہونا چاہئے اور فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہئے۔ جس بندے کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنے لئے دعا فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ دونوں باتیں نصیب فرمائے۔

گناہوں کی سیاہی اور توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ

۲۷۱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةً سَوْدَاءَ فِي قَلْبِهِ فَإِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى تَعْلُوا قَلْبَهُ فَلَكُمْ الرَّأْيُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ". (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ و استغفار کے بجائے مزید گناہ کئے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہی

وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ**

مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ O (مسند احمد جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

تشریح..... قرآن مجید میں ایک موقع پر بد انجام کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ”**كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**“ جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں کی بد کرداریوں کی وجہ سے اُن کے دلوں پر زنگ اور سیاہی آگئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور بد کرداریوں کی وجہ سے صرف کافروں ہی کے دل سیاہ نہیں ہوتے بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر وہ سچے دل سے توبہ و استغفار کر لے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دل حسب سابق صاف اور نورانی ہو جاتا ہے، لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ و استغفار نہ کرے یا کہ معصیت و نافرمانی ہی کے راستہ پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے، اور کسی مسلمان کے لئے بلاشبہ یہ انتہائی بد بختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت اس کے دل پر چھا جائے اور اس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے۔ **اعاذنا اللہ منه**

(۲۷۲) **عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَائِينَ التَّوَّابُونَ.**

(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آدمی خطاکار ہے (کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی خطا اور لغزش نہ ہو) اور خطاکاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو (خطا و قصور کے بعد) مخلصانہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۲۷۳) **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الثَّابِتُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ.**

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہگار بندہ بالکل اُس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد گناہ کا کوئی اثر اور داغ دھبہ باقی نہیں رہتا اور بعض روایات میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا (**كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ**) اور وہ احادیث ان شاء اللہ آگے درج ہوں گی جن سے معلوم ہو گا کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جائیں اور معصیات کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دیئے جائیں بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے اور اس کی توبہ سے اس کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ **اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ التَّوَّابِينَ.**

غفاریت کے ظہور کیلئے گناہوں کی ضرورت

۲۷۴) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّهُ قَالَ حِينَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ كُنْتُ كَتَمْتُ عَنْكُمْ شَيْئًا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَمِعْتُهُ يَقُولُ لَوْلَا أَنْتُمْ تُذْنِبُونَ لَخَلَقَ اللَّهُ خَلْقًا يُذْنِبُونَ يَغْفِرَ لَهُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ: میں نے ایک بات رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: آپ ﷺ فرماتے تھے: اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح اس کی شانِ غفاریت ظاہر ہوگا۔) (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گناہگاروں کو پسند فرماتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گناہوں اور گناہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے، بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے بچایا جائے اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی جائے۔ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کو ظاہر کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کے ظہور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا کی جائے اور صفتِ رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کو رزق کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے۔ علیٰ ہذا جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرے اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ فرمائے۔ اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے ان میں سے جن کو توفیق ملے گی وہ استغفار بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا اور اس طرح اس کی صفتِ مغفرت اور شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا ان کے سپرد کر دی۔

یہی مضمون الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

بار بار گناہ اور بار بار استغفار کر نیوالے

(۲۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ عَبْدًا أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهُ أَعْلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَتَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ أَعْلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَتَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِي فَقَالَ أَعْلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ سے عرض کیا اے میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا، مجھے معاف فرمادے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا اور اس کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکار ہا، اور پھر کسی وقت گناہ کر بیٹھا، اور پھر اللہ سے عرض کیا میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا تو اس کو بخش دے اور معاف فرمادے! تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ و قصور معاف بھی کر سکتا ہے اور پکڑ بھی سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکار ہا، اور کسی وقت پھر کوئی گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے مالک و مولیٰ! مجھ سے گناہ ہو گیا تو مجھے معاف فرمادے اور میرا گناہ بخش دے! تو اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا کہ میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا کوئی مالک و مولیٰ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، اب جو اس کا جی چاہے کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بار بار گناہ اور بار بار استغفار کرنے والے جس بندے کا واقعہ بیان فرمایا ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ ہی کا کوئی اُمتی ہو اور ممکن ہے کہ انبیاء سابقین میں سے کسی کا اُمتی ہو، لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ کسی خاص اور معین واقعہ کا بیان نہیں ہے، بلکہ ایک کردار کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لاکھوں کروڑوں بندے ہوں گے جن کا حال اور کردار یہی ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کے باوجود اُن سے گناہ ہو جاتا ہے، اور پھر وہ نادام و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرتے ہیں، اور اس کے بعد بھی ان سے بار بار گناہ سرزد ہوتے ہیں، اور وہ ہر بار سچے دل سے استغفار کرتے ہیں، ایسے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی کریمانہ معاملہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

آخری دفعہ کے استغفار اور اس پر معافی کے اعلان کے ساتھ فرمایا گیا ہے: ”غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ“

”ہا شَاءَ“ (یعنی میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اب اس کا جو جی چاہے کرے) اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اب اس کو گناہوں کی بھی اجازت دیدی گئی ہے بلکہ ان الفاظ میں بندے کے مالک و مولیٰ کی طرف سے صرف اس لطف و کرم کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ: اے بندے تو جتنی بار بھی گناہ کر کے اس طرح استغفار کرتا رہے گا میں تجھے معافی دیتا رہوں گا اور تو اپنے اس صادق و مؤمنانہ استغفار کی وجہ سے گناہوں کے زہر سے ہلاک نہ ہوگا بلکہ یہ استغفار ہمیشہ تریاق کا کام کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو بندگی کا کچھ ذوق نصیب فرمایا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مؤمن بندے کے ضمیر پر ایسے کریمانہ اعلان کا کیا اثر پڑے گا اور اس کے دل میں مالک کی کامل وفاداری اور فرمانبرداری کا کیسا جذبہ ابھرے گا۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کا یہ پورا مضمون اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے بیان فرمایا۔ اس روایت کی بناء پر یہ ”حدیث قدسی“ ہے۔

(۲۷۶) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَصْرُ مَنْ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو بندہ (گناہ کر کے) استغفار کرے (یعنی سچے دل سے اللہ سے معافی مانگے) وہ اگر دن میں ستر دفعہ بھی پھر وہی گناہ کرے تو (اللہ کے نزدیک) وہ گناہ پر اصرار کر نیوالوں میں نہیں ہے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

تشریح: گناہ پر اصرار، یعنی بے فکری اور بے خوفی کے ساتھ گناہ کرتے رہنا اور اس پر دائم و قائم رہنا بڑی بد بختی اور بہت برے انجام کی نشانی ہے، اور ایسا عادی مجرم گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہیں ہے۔ اس حدیث میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اگر بندہ گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے یعنی معافی مانگے تو پھر بار بار گناہ کرنے کے باوجود وہ ”اصرار کرنے والوں“ میں سے نہیں ہے۔ مگر ملحوظ رہے کہ استغفار صرف زبان سے نکلنے والے الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ دل کی ایک طلب ہے، زبان اس کی صرف ترجمانی کرتی ہے، اگر استغفار اور معافی طلبی دل سے ہو تو بلاشبہ ستر دفعہ بلکہ ستر ہزار دفعہ گناہ کرنے کے بعد بھی آدمی رحمت الہی کا مستحق ہے اور گناہ پر اصرار کرنے والے مجرموں میں سے نہیں ہے۔

کس وقت تک کی توبہ قابل قبول ہے

(۲۷۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغْرَعْ.

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغہ کی کیفیت شروع نہ ہو۔ (جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

تشریح: موت کے وقت جب بندے کی روح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز

پیدا ہو جاتی ہے جسے عربی میں ”غر غره“ اور اردو میں ”خرہ چلنا“ کہتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی کی کوئی آس اور اُمید نہیں رہتی، یہ موت کی قطعی اور آخری علامت ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ غر غره کی اس کیفیت کے شروع ہونے سے پہلے پہلے بندہ اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ غر غره کی کیفیت شروع ہونے کے بعد آدمی کا رابطہ اور تعلق اس دنیا سے کٹ کر دوسرے عالم سے مجھ جاتا ہے اس لئے اس وقت اگر کوئی کافر اور منکر ایمان لائے یا کوئی نافرمان بندہ گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول نہ ہوگا۔ ایمان اور توبہ اُسی وقت تک کی معتبر اور قابل قبول ہے جب تک زندگی کی آس اور اُمید ہو، اور موت آنکھوں کے سامنے نہ آگئی ہو۔ قرآن پاک میں بھی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ

الْآثِ. (النساء: ۱۸)

ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ حدیث کے مضمون کا ماخذ بظاہر یہی آیت ہے اور اس کا پیغام یہی ہے کہ: بندے کو چاہئے کہ توبہ کے معاملہ میں ٹال مٹول نہ کرے، معلوم نہیں کس وقت موت کی گھڑی آجائے اور خدا نخواستہ توبہ کا وقت ہی نہ ملے۔

مرنے والوں کیلئے سب سے بہتر تحفہ استغفار

(۲۷۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْفَرِيقِ الْمُتَعَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةَ تَلْحَقُهُ مِنْ أَبِي أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ امْتِثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر میں مدفون مُردے کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کے لئے چیخ پکار رہا ہو۔ وہ بیچارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں یا باپ یا بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت و مغفرت کا تحفہ پہنچے، جب کسی طرف سے اس کو دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتا ہے۔ اور دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مُردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جاسکتی ہے۔ اور مُردوں کے لئے زندوں کا خاص ہدیہ ان کے لئے دعائے مغفرت ہے۔ (شعب الإيمان للبیہقی)

(۲۷۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي

الْجَنَّةِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ اِنِّى لِيْ هٰذِهِ؟ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارٍ وَلَدِكَ لَكَ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مرد صالح کا درجہ ایک دم بلند کر دیا جاتا ہے تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔ (مسند احمد)

تشریح: اس حدیث میں اولاد کی دعا سے درجہ میں ترقی کا ذکر صرف تمثیلاً کیا گیا ہے، ورنہ دوسرے اہل ایمان کی دعائیں بھی اسی طرح نفع مند ہوتی ہیں۔ زندگی میں جس طرح سب سے بڑا حق اولاد پر والدین کا ہے اور ان کی خدمت و اطاعت فرائض میں سے ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اولاد پر والدین کا خاص حق ہے کہ ان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا یہی خاص راستہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں کا مقصد صرف ایک حقیقت کی اطلاع دینا ہی نہیں ہے بلکہ ایک مبلغ انداز میں اولاد اور دوسرے اقارب و متعلقین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرنے والوں کے لئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ ان کے یہ تحفے قبروں میں اور جنت تک مرحومین کو پہنچتے رہیں گے۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے کہ کسی کی دعاؤں سے کسی بندے کو اس عالم میں کیا ملا، اور اس کے حال اور درجہ میں کیسی ترقی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

عام مومنین کے لئے استغفار

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ: ”آپ اپنے لئے اور عام مؤمنین و مومنات کے لئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں (وَاسْتَغْفِرْ لِنَفْسِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) یہی حکم ہم امتیوں کے لئے بھی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

(۲۸۰) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةٌ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کے لئے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح: کسی صاحب ایمان بندے یا بندی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے اس لئے جب کسی بندے نے عام اہل ایمان

(مؤمنین و مؤمنات) کے لئے استغفار کیا اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کی تو فی الحقیقت اس نے اولین و آخرین زندہ اور مردہ سب ہی اہل ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی اس لئے ہر ایک کے حساب میں اس کی یہ نیکی لکھی جائے گی۔ سبحان اللہ! ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیسا راستہ کھولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ جمیع مؤمنین و مؤمنات کے لئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ○

اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرمادے قیامت کے دن۔

۲۸۱) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعًا

وَعَشْرِينَ مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِينَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ وَيُرْزَقُ بِهِمُ أَهْلُ الْأَرْضِ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بندہ عام مؤمنین و

مؤمنات کے لئے (ہر روز ۷ دفعہ) اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کرے گا وہ اللہ کے اُن مقبول

بندوں میں سے ہو جائے گا جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا

ہے۔ (مجموع کبیر طبرانی)

تشریح: اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے:

الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَاحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ. (کنز العمال)

سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اُس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائیں۔

پھر جس طرح مخلوق کے لئے کھانے، پکڑے کے قسم کی زندگی کی ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اُخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اس وقت معلوم ہوگی جب یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلویا اور کتنا نفع پہنچایا۔ پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور دن رات میں بار بار کرتے ہیں (جس کا کورس اس حدیث میں ۲ بتایا گیا ہے) وہ تمام مؤمنین و مؤمنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے ”**اصحابِ خدمت**“ ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں اور ان کی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں

کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہنچانے کی کوشش نیکی اور کارِ ثواب ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: **”فِي كُلِّ ذَاتٍ كَبِدٌ رَطْبٌ صِدْقَةٌ“** لیکن اللہ سے مغفرت اور جنت کی دعا صرف اہل ایمان ہی کے لئے کی جاسکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور جنت کے قابل نہیں ہیں اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور جنت کی دعا بھی نہیں کی جاسکتی۔ ہاں ان کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے جس کے بعد ان کے لئے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھل سکے۔ ان کے حق میں یہی دعا کرنا ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

توبہ و انابت سے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت بے حد وسیع ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ توبہ کرنے اور معافی مانگنے پر بڑے سے بڑا گناہ معاف فرما دیتا ہے اور بڑے سے بڑے پاپوں اور گناہ گاروں کو بخش دیتا ہے۔ اگرچہ اس میں قہر و جلال کی صفت بھی ہے اور یہ صفت بھی اس کی شانِ عالی کے مطابق بدرجہ کمال ہے، لیکن وہ انہی مجرموں کیلئے ہے جو جرائم اور گناہ کرنے کے بعد بھی توبہ کر کے اسکی طرف رجوع نہ ہوں اور اس سے معافی اور مغفرت نہ مانگیں بلکہ اپنے مجرمانہ رویہ ہی پر قائم رہیں اور اسی حال میں دنیا سے چلے جائیں۔ مندرجہ ذیل حدیثوں کا یہی مدعا اور یہی پیغام ہے۔

سو آدمیوں کا قاتل تپتی توبہ سے بخش دیا گیا

(۲۸۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ قَالَ كَانَ فَيَمَنْ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا فُسِّئَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ قَدْ ذُلَّ عَلَى رَاهِبٍ فَأَتَاهُ وَقَالَ إِنَّهُ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا فَهَلْ لَهُ مِنْ تُوبَةٍ؟ فَقَالَ لَا فَقَتَلَهُ فَكَمَّلَ بِهِ مِائَةً، ثُمَّ سَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ قَدْ ذُلَّ عَلَى رَجُلٍ عَالِمٍ فَقَالَ إِنَّهُ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهُ مِنْ تُوبَةٍ؟ فَقَالَ نَعَمْ وَمَنْ يُحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التُّوبَةِ؟ انْطَلِقْ إِلَى أَرْضٍ كَذَا وَكَذَا فَإِنَّ بِهَا أَنْاسًا يَعْبُدُونَ اللَّهَ تَعَالَى فَأَعْبُدِ اللَّهَ تَعَالَى مَعَهُمْ وَلَا تَرْجِعْ إِلَى أَرْضِكَ فَإِنَّهَا أَرْضُ سُوءٍ فَانْطَلِقْ حَتَّى إِذَا نَصَفَ الطَّرِيقَ أَتَاهُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهِ إِلَى اللَّهِ وَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ إِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَأَتَاهُمْ مَلَكٌ فِي صُورَةِ آدَمِيٍّ فَجَعَلُوهُ بَيْنَهُمْ فَقَالَ قِيْسُوا مَا بَيْنَ الْأَرْضَيْنِ ۖ قَالِي أَيَّتَهُمَا كَانَ أَذْنِي فَهُوَ لَهُ فَقَاسُوا فَوَجَدُوهُ أَذْنِي إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي أَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ. (رواه البخاری و مسلم واللفظ له)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلے کسی امت میں ایک آدمی تھا جس نے اللہ کے نواے بندے قتل کئے تھے (ایک وقت اس کے دل میں

ندامت اور اپنے انجام اور آخرت کی فکر پیدا ہوئی) تو اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس علاقہ میں سب سے بڑا عالم کون ہے (تاکہ اس سے جا کر پوچھے کہ میری بخشش کی کیا صورت ہو سکتی ہے) لوگوں نے اس کو ایک راہب (کسی بزرگ درویش) کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ وہ اُن کے پاس گیا اور اُن سے عرض کیا کہ میں (ایسا بد بخت ہوں) جس نے نناوے خون کئے ہیں، تو کیا ایسے آدمی کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ (اور وہ بخشا جاسکتا ہے؟) اس راہب بزرگ نے کہا: بالکل نہیں، تو ۹۹ آدمیوں کے اس قاتل نے اس بزرگ راہب کو بھی قتل کر ڈالا اور سو کی گنتی پوری کر دی (لیکن پھر اس کے دل میں وہی خلش اور فکر پیدا ہوئی) اور پھر اس نے کچھ لوگوں سے کسی بہت بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے اس کو کسی بزرگ عالم کا پتہ بتا دیا، وہ ان کے پاس بھی پہنچا اور کہا کہ: میں نے سو خون کئے ہیں تو کیا ایسے مجرم کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے (اور وہ بخشا جاسکتا ہے؟) انہوں نے کہا: ہاں ہاں! (ایسے کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے) اور کون ہے جو اس کے اور توبہ کے درمیان حائل ہو سکے۔ (یعنی کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی توبہ کو قبول ہونے سے روک دے۔ پھر انہوں نے کہا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ) تو فلاں بستی میں چلا جا، وہاں اللہ کے عبادت گزار کچھ بندے رہتے ہیں تو بھی (وہیں جا پڑ اور) ان کے ساتھ عبادت میں لگ جا (اس بستی پر خدا کی رحمت برستی ہے) اور پھر وہاں سے کبھی اپنی بستی میں نہ آ، وہ بڑی خراب بستی ہے۔ چنانچہ وہ اس دوسری بستی کی طرف چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب آدھا راستہ اس نے طے کر لیا تو اچانک اس کو موت آگئی۔ اب اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں نزاع ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کر کے آیا ہے اور اس نے صدق دل سے اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے (اس لئے یہ رحمت کا مستحق ہو چکا ہے) اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی بھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہے (اور یہ سو خون کر کے آیا ہے اس لئے یہ سخت عذاب کا مستحق ہے) اس وقت ایک فرشتہ (اللہ کے حکم سے) آدمی کی شکل میں آیا، فرشتوں کے دونوں گروہوں نے اس کو حکم مان لیا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ دونوں بستیوں تک کے فاصلہ کی پیمائش کر لی جائے (یعنی شر و فساد اور خدا کے عذاب والی وہ بستی جس سے وہ چلا تھا اور اللہ کے عبادت گزار بندوں والی وہ قابل رحمت بستی جس کی طرف وہ جا رہا تھا) پھر جس بستی سے وہ نسبتاً قریب ہو اس کو اُسی کا مان لیا جائے، چنانچہ پیمائش کی گئی تو وہ نسبتاً اس بستی سے قریب پایا گیا جس کے ارادہ سے وہ چلا تھا، تو رحمت کے فرشتوں نے اس کو اپنے حساب میں لے لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: یہ حدیث دراصل صرف ایک جزئی واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ اس پیرائے میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی وسعت اور اس کے کمال کو بیان فرمایا ہے، اور اس کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ بڑے سے بڑا گنہگار اور پاپی بھی اگر سچے دل سے اللہ کے حضور میں توبہ اور آئندہ کے لئے فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرنے کا ارادہ کر لے تو وہ بھی بخش دیا جائے گا اور ارحم الراحمین کی رحمت بڑھ کر اس کو اپنے آغوش میں لے لے گی، اگرچہ اس توبہ و انابت کے بعد وہ فوراً ہی اس دنیا سے اُٹھ لیا جائے اور اسے

اس کو اپنے آغوش میں لے لے گی، اگرچہ اس توبہ و انابت کے بعد وہ فوراً ہی اس دنیا سے اٹھالیا جائے اور اسے کوئی نیک عمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے اور اس کا اعمال نامہ اعمالِ صالحہ سے بالکل خالی ہو۔

اس حدیث کے مضمون پر ایک علمی اور اصولی اشکال بھی کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ”ناحق قتل“ ان گناہوں میں سے ہے جن کا تعلق صرف اللہ ہی سے نہیں بلکہ حقوق العباد سے بھی ہے جس مجرم اور قاتل نے کسی بندے کو ناحق قتل کیا، اس نے اللہ کی نافرمانی کے علاوہ اس مقتول بندے پر اور اس کے بیوی بچوں پر بھی ظلم کیا اور مسلمہ اصول یہ ہے کہ اس طرح کے مظالم صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ ان کے لئے مظلوم بندوں سے معاملہ صاف کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے اور صحیح جواب دیا ہے کہ بے شک اصول اور قانون یہی ہے، لیکن مظلوموں کے حق کی ادائیگی اور ان سے معاملہ صاف کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان پر ظلم کرنے والے اور پھر اس ظلم سے کچی اور گہری توبہ کرنے والے بندوں کی طرف سے ان کے مظلوموں کو اپنے خزانہ رحمت سے دے کر راضی کر دے۔ اس حدیث میں سوخون کرنے والے جس تائب بندے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ یہی کرے گا، اور اس کی طرف سے اس کے مقتولوں اور سب مظلوموں کو اپنے خزانہ رحمت سے اتنا دے دے گا کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔ اور یہ سوخون کرنے والا تائب بندہ اللہ کی رحمت سے سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔

مشرکوں اور کافروں کیلئے بھی منشور رحمت

(۲۸۳) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا أَحَبُّ أَنْ لِيَ الدُّنْيَا بِهَذِهِ الْآيَةِ ”يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ ○ فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ أَشْرَكَ؟ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ أَلَا وَمَنْ أَشْرَكَ فَلَا بَ مَرَّاتٍ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مجھے اس آیت کے مقابلہ میں ساری دنیا (اور اس کی نعمتوں) کا لینا بھی پسند نہیں: ”يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ ○ (اے میرے بندو! جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے) (اور اپنے کو تباہ کر لیا ہے) تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے) ایک شخص نے عرض کیا: حضرت! جن لوگوں نے شرک کیا ہے، کیا ان کے لئے بھی یہی ارشاد ہے؟ آپ نے پہلے تو کچھ سکوت کیا، پھر تین دفعہ فرمایا: ”أَلَا وَمَنْ أَشْرَكَ“ سن لو! مشرکوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے، سن لو مشرکوں کے لئے بھی یہی ارشاد ہے، ہاں! مشرکوں کے لئے بھی میرے مالک کا یہی ارشاد ہے۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ ہے، یہ سورہ زمر کی آیت ہے۔ بلاشبہ اس میں ہر قسم کے گنہگاروں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ خود ان کا مالک و پروردگار اُن ہی کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ تم بھی میری رحمت سے ناامید نہ ہو۔ آگے اس کا تکرار یہ ہے:

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ○
أَحْسَنَ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○

اور رخ کر لو اپنے پروردگار کی طرف قبل اس کے کہ تم عذاب میں گرفتار ہو جاؤ اور پھر کوئی تمہاری مدد اور حمایت نہ کر سکے، اور جو بہترین ہدایت تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس کی پیروی اختیار کر لو اس وقت کے آنے سے پہلے جب اچانک خدا کا عذاب نازل ہو کر تم کو اپنی گرفت میں لے لے اور تمہیں پہلے سے پتہ بھی نہ ہوگا۔

اس تکرار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر قسم اور ہر درجہ کے مجرموں اور گنہگاروں کے لئے اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، کسی کے لئے بھی دروازہ بند نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ عذاب یا موت کے آنے سے پہلے توبہ کر لیں، اور نافرمانی کی راہ چھوڑ کر ہدایت ربانی کی فرمانبرداری اختیار کر لیں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ”رحمت خداوندی“ کا جو ”منشور عام“ سب کے لئے ہے کافر اور مشرک بھی اس کے مخاطب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ چونکہ خود رحمۃ للعالمین تھے اس لئے آپ ﷺ کو اس ”منشور رحمت“ سے بے حد خوشی تھی، اور فرماتے تھے کہ مجھے اس آیت کے نزول کی اتنی خوشی ہے کہ اگر ساری دنیا مجھے دیدی جائے تو اتنی خوشی مجھے نہ ہوگی۔

توبہ واستغفار کے خاص کلمات

توبہ اور استغفار کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس میں اصل اہمیت اور بنیادی حیثیت معنی اور مقصد اور دل کی کیفیت کی ہے۔ بندہ جس زبان میں اور جن مناسب الفاظ میں توبہ و استغفار کرے، وہ اگر سچے دل سے ہے تو اللہ کے نزدیک حقیقی توبہ و استغفار ہے اور قابل قبول ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے توبہ و استغفار کے بعض کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں اور ان کی خاص فضیلت اور برکت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

(۲۸۴) عَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارٍ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَاتَّوْبُ إِلَيْهِ غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ

قَدْ قَرَّمِنَ الزُّحْفِ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

① یہ زید آنحضرت ﷺ کے مشہور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے صحابی ہیں، ان کا نام بھی زید ہے اور ان کے والد کا نام بولی بتایا گیا ہے، یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، آپ ﷺ نے ان کو بھی آزاد فرمادیا تھا۔ ۱۲

اور وجود بخشا۔ میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے۔ اے میرے مالک و مولا! تو مجھے معاف فرما دے اور میرے گناہ بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ: جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کیساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آگئی تو وہ بلاشبہ جنت میں جائے گا اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کیا اور صبح ہونے سے پہلے اس رات میں وہ چل بسا تو بلاشبہ وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے۔ سب سے پہلے عرض کیا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ

اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے وجود بخشا ہے اور میں بس تیرا بندہ ہوں۔

اس کے بعد عرض کیا گیا ہے کہ:

وَاَنَا عَهْدُكَ وَوَعْدُكَ مَا اسْتَطَعْتُ

یعنی میں نے ایمان لا کے تیری عبادت و اطاعت کا جو عہد و میثاق اور وعدہ کیا ہے جہاں تک مجھ سے بُن پڑے گا اس پر قائم رہنے کی کوشش کروں گا۔ یہ بندے کی طرف سے اپنی کمزوری کے اعتراف کے ساتھ ایمانی عہد و میثاق کی تجدید ہے۔ اس کے آگے عرض کیا گیا ہے:

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ

مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں اور آئندہ ہوں، انکے بُرے نتیجے سے اے میرے مالک و رب میں تیری پناہ کا طالب ہوں۔

اس میں اعترافِ قصور کے ساتھ اللہ کی پناہ بھی چاہی گئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے:

اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیْ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ

میں تیرے انعامات و احسانات کا اور اپنی گناہ گاریوں اور خطا کاریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔

آخر میں عرض کیا گیا ہے:

فَاغْفِرْ لِّیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

میرے مالک و مولا! تو اپنے رحم و کرم سے میرے جرائم، میرے گناہ بخش دے، جرموں اور گناہوں کو بخشے والا بس تو ہی ہے۔

حق یہ ہے کہ جس صاحب ایمان بندے کو وہ معرفت و بصیرت نصیب ہو جس کے ذریعے وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ خود کو صرف قصور وار اور گناہگار اور خیر اور بھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی مایہ محسوس کرے گا اور پھر اس کے دل کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی التجاہی ہوگی جو رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے اس استغفار میں محسوس ہوتی ہے۔ اس کو ”سید الاستغفار“ اسی خصوصیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پہنچ جانے کے بعد آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہر امتی کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ استغفار کر لیا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ہمارے استاذ حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ پر اب سے ۴۵ سال پہلے دارالعلوم دیوبند میں ان ہی سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی۔ جب سبق میں یہ حدیث آئی تو حضرت مولاناؒ نے پوری جماعت کو حکم دیا کہ یہ ”سید الاستغفار“ سب یاد کر لیں کل میں سب سے سنوں گا۔ چنانچہ اگلے دن قریب قریب سب طلباء سے سنا اور وصیت فرمائی کہ دن رات میں کم از کم ایک دفعہ اس کو ضرور پڑھ لیا کرو۔

(۲۸۶) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو بِهَذِهِ الدُّعَاءِ ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَأَسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطَايَايَ وَعَمْدِي وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي.“ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارگاہ خداوندی میں اس طرح عرض کیا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي تَا وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي“ (اے اللہ! میری خطا، میرے قصور معاف کر دے اور (علم و معرفت کے تقاضے کیخلاف) جو نادانی کا کام میں نے کیا ہو اس کو معاف فرما دے اور اپنے جس معاملہ میں بھی میں نے تیرے حکم اور تیری رضا کی حد سے تجاوز کیا ہو اس کو بخش دے۔ اے میرے اللہ! میرے وہ گناہ بھی معاف فرما دے جو ہنسی مذاق میں مجھ سے سرزد ہو گئے ہوں اور وہ بھی معاف کر دے جو میں نے سوچ سمجھ کے اور سنجیدگی سے کئے ہوں۔ میرے مالک! میری وہ خطائیں بھی معاف کر دے جو بلا ارادہ مجھ سے سرزد ہو گئی ہوں اور وہ بھی معاف فرما دے جو میں نے جان بوجھ کے ارادہ سے کی ہوں۔ اور (اے میرے مالک! تو جانتا ہے کہ) یہ سب طرح کی خطائیں میں نے کی ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اللہ اکبر! سید المرسلین محبوب رب العالمین ﷺ جو یقیناً معصوم تھے، اُن کے احساسات اپنے بارے میں یہ تھے اور وہ اپنے کو سر تا سر خطا کار اور قصور وار سمجھتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں اس طرح استغفار کرتے

تھے۔ حق یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ اپنے کو ادائے حق عبدیت کے بارے میں قصور وار سمجھے گا۔ ”قرباں را پیش بود حیرانی۔“
رسول اللہ ﷺ کے اس استغفار کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے اور ہم امتیوں کے لئے اس میں بڑا سبق ہے۔

حضرت خضر کا استغفار

(۲۸۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَثِيرًا مَا يَقُولُ لَنَا مَعْشَرَ أَصْحَابِي مَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تُكْفِرُوا ذُنُوبَكُمْ بِكَلِمَاتٍ يَسِيرَةٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هِيَ؟ قَالَ تَقُولُونَ مَقَالَةً أَخَى الْخَضِرِ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا كَانَ يَقُولُ؟ قَالَ كَانَ يَقُولُ؟ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ اِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُ فِيْهِ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا اَعْطَيْتَكَ مِنْ نَفْسِیْ ثُمَّ لَمْ اُوْفِ لَكَ بِهِ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَیَّ فَتَقَوَّيْتُ بِهَا عَلَیْ مَعَاصِيْكَ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِکُلِّ خَيْرٍ اَرَدْتُ بِهِ وَجْهَكَ فَخَالَطَنِیْ فِيْهِ مَا لَیْسَ لَكَ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِنِیْ عَالِمٍ وَلَا تُعَذِّبَنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ.

(رواہ الدیلمی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے: اے میرے ساتھیو! تمہارے لئے کیا چیز اس سے مانع ہو سکتی ہے کہ چند آسان کلموں کے ذریعے اپنے گناہوں کی صفائی کر لیا کرو! عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون سے کلمے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہا کرو جو میرے بھائی خضر کہا کرتے تھے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کیا کہا کرتے تھے؟ فرمایا: وہ کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ اِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُ فِيْهِ تَا اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِنِیْ عَالِمٍ وَلَا تُعَذِّبَنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اُن گناہوں کی جن سے میں نے تیرے حضور میں توبہ کی ہو {اور شامتِ نفس سے} پھر پلٹ کر وہی گناہ دوبارہ کئے ہوں اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اس عہد کے بارے میں جو میں نے اپنی ذات کی طرف سے تجھ سے کیا ہو اور پھر میں نے اس کو وفانہ کیا ہو {بلکہ عہد شکنی کی ہو} اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اُن نعمتوں کے بارے میں جن سے طاقت و قوت حاصل کر کے میں نے تیری نافرمانیاں کی ہوں اور تجھ سے معافی اور بخشش کا سوال کرتا ہوں ہر اس نیکی کے بارے میں جو میں نے تیری رضا جوئی کی نیت سے کرنی چاہی ہو پھر اس میں تیرے ماسوا دوسرے اغراض کی آمیزش ہو گئی ہو۔ اے میرے اللہ! مجھے {دوسروں کے سامنے} ہر سوانہ کرنا۔ بیشک تو مجھے خوب جانتا ہے، تجھ سے میرا کوئی راز ڈھکا چھپا نہیں ہے اور {میرے گناہوں پر} مجھے عذاب نہ دینا، تجھے مجھ پر ہر طرح قدرت حاصل ہے {اور میں بالکل عاجز اور تیرے قبضہ و اختیار میں ہوں}۔)

(مسند فردوس دیلمی)

تشریح: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ پورے صدق و خلوص کے ساتھ کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے

لیکن پھر اس سے وہی گناہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد و میثاق کرتا ہے اور پھر کسی وقت اس کے خلاف کر بیٹھتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق اور راحت و آرام وغیرہ کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان کے استعمال سے وہ جو قوت و طاقت یا دولت حاصل کرتا ہے اس کو وہ بجائے طاعت کے معصیت کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نیک عمل خالص اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے جذبہ کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے لیکن بعد میں دوسرے غلط جذبات اور ناپسندیدہ اغراض کی اس میں آمیزش ہو جاتی ہے۔ یہ سب روزمرہ کے تجربے اور روزمرہ کی واردات ہیں اور اچھے اچھوں کو پیش آتی ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کے دل و زبان کی استدعا کیا ہونی چاہئے؟ مندرجہ بالا استغفار کے کلمات میں اسی کی پوری رہنمائی اور تلقین فرمائی گئی ہے اور یہ کلمات اپنے مضمون کی گہرائی اور جامعیت کے لحاظ سے یقیناً معجزانہ ہیں اسی لئے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اگرچہ ”کنز العمال“ میں اس کی تخریج صرف دلیلی سے کی گئی ہے جو محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ ”کلمات استغفار“ کے زیر عنوان یہاں صرف ان چار ہی حدیثوں پر اکتفا کیا گیا ہے نماز سے متعلق دُعاؤں میں اور اسی طرح مخصوص حالات و اوقات کی دعاؤں میں اور **علیٰ ہذا** جامع اور ہمہ گیر دعاؤں میں ان کے علاوہ استغفار کے بیسیوں بلکہ پچاسوں کلمات گزر چکے ہیں۔ اس طرح استغفار کے ان کلمات کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے کتب حدیث میں ماثور و منقول ہیں اور بلاشبہ وہ سب ہی بڑے بابرکت ہیں۔

استغفار کی برکات

استغفار کی اصل غرض و غایت اور اس کا موضوع تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو معاف کرانا ہے تاکہ بندہ اُن کے عذاب و وبال سے بچ جائے، لیکن قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ استغفار بہت سی دینی برکات کا بھی باعث بنتا ہے اور بندے کو اس دنیا میں بھی اس کے طفیل بہت کچھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین و عمل نصیب فرمائے۔

۲۸۸ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ رَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضَيِّقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ استغفار کو لازم پکڑ لے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا۔ اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان عطا فرمائے گا اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا اس کو خیال و گمان بھی نہ

ہوگا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ملحوظ رہے کہ یہ وعدہ صرف زبان سے کلمات استغفار پڑھنے پر نہیں ہے، بلکہ استغفار کی حقیقت پر ہے جس کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نصیب فرمائے۔

۲۸۹ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا.

(رواہ ابن ماجہ والنسائی)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے (یعنی آخرت میں وہ دیکھے کہ اس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت درج ہے۔) (سنن ابن ماجہ، سنن نسائی)

تشریح واضح رہے کہ اعمال نامہ میں حقیقی استغفار کے طور پر وہی استغفار درج ہوگا جو حقیقت کے لحاظ سے عند اللہ بھی استغفار ہوگا۔ اور جو صرف زبان سے استغفار ہوگا وہ اگر درج ہوگا تو صرف زبانی اور لفظی استغفار کے طور پر درج ہوگا اور اگر اندراج پانے کے قابل نہ ہوگا تو درج ہی نہ ہوگا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ: ”طُوبَى لِمَنْ اسْتَغْفَرَ كَثِيرًا“ (خوشی اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے۔) بلکہ یہ فرمایا کہ: طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا (خوشی اور مبارک ہو اُس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے) امت کی مشہور عارفہ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا سے منقول ہے، وہ فرماتی تھیں کہ: ہمارا استغفار خود اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کی حضور میں اس سے بہت زیادہ استغفار کیا جائے۔

اس حدیث میں ”طُوبَى“ کا لفظ بہت ہی جامع ہے، دنیا اور آخرت اور جنت کی ساری ہی مسرتیں اور نعمتیں اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ جس بندے کو حقیقی استغفار نصیب ہو اور خوب کثرت سے نصیب ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے اور اس کو سب ہی کچھ نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

استغفار پوری اُمت کیلئے امان

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں استغفار کی جن برکات کا ذکر کیا گیا وہ انفرادی تھیں۔ یعنی وہ استغفار کرنے والے افراد ہی کو حاصل ہوں گی۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ ان انفرادی برکات کے علاوہ استغفار کرنے والوں کے استغفار کی ایک بہت بڑی اور عمومی برکت یہ ہے کہ وہ پوری اُمت کے لئے عذاب عام سے امان ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے قیامت تک اُمت گویا اسی کے سایہ میں ہے۔

۲۹۰ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى أَمَانَيْنِ لِأُمَّتِي ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ فَإِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيهِمْ الْإِسْتِغْفَارَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں (سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا) ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ الْآيَةُ“ (یعنی

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ تم ان کے درمیان موجود ہو اور ان پر عذاب نازل کر دے، اور اللہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں گے اور معافی و مغفرت مانگتے ہوں گے) آپ ﷺ نے فرمایا: پھر جب میں گزر جاؤں گا تو قیامت تک کے لئے تمہارے درمیان استغفار کو (بطور امان) چھوڑ جاؤں گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... سورۃ انفال کی آیت ۳۳ ”مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ جس کا اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حوالہ دیا ہے اس کا مدعا اور مقتضایہ ہے کہ ایک-تو خود آپ ﷺ کے ذات اور آپ ﷺ کا وجود امت کے لئے عذاب سے امان ہے، جب تک آپ ﷺ ان میں موجود ہیں ان پر عذاب عام نازل نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسری-چیز جو ان کے لئے وسیلہ امان ہے وہ خود ان کا استغفار ہے۔ جب تک یہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت مانگتے رہیں گے اور استغفار کرتے رہیں گے عذاب عام سے ہلاک نہیں کئے جائیں گے۔ گویا ایک امان خود آپ ﷺ کا وجود تھا جس سے امت آپ ﷺ کی وفات کے بعد محروم ہو گئی۔ دوسری امان خود امت کو آپ ﷺ ہی کے ذریعہ ملا ہے اور وہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور امت انتہائی بد اعمالیوں کے باوجود عذاب عام سے آج تک محفوظ ہے، یہ استغفار کرنے والے بندوں کے استغفار ہی کی برکت ہے۔

توبہ واستغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

توبہ واستغفار سے متعلق احادیث و روایات کے سلسلہ کو مندرجہ ذیل حدیث پر ختم کیا جاتا ہے جو صحیحین میں بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے توبہ کرنے والے گناہگاروں کو وہ بشارت سنائی ہے جو کسی دوسرے بڑے سے بڑے عمل پر بھی نہیں سنائی گئی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کو سمجھنے کے لئے صرف یہی ایک حدیث ہوتی تو کافی تھی۔ حق یہ ہے کہ اس چند سطری حدیث میں معرفت کا ایک دفتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

(۲۹۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اللَّهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِي أَرْضٍ دَوِيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فطَلَبَهَا حَتَّى إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْجَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ قَالَ أَرْجِعْ إِلَى مَكَانِي الَّذِي كُنْتُ فِيهِ فَأَنَامَ حَتَّى أَمُوتَ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَشَرَابُهُ فَاللَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هَذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (اشائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا ہو جو سامان

حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو اسی پر اُس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ (آرام لینے کے لئے) سر رکھ کے لیٹ جائے پھر اسے نیند آجائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ (میرے لئے اب یہی بہتر ہے) کہ میں اُسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آجائے، پھر وہ (اسی ارادہ سے وہاں آکر) اپنے بازو پر سر رکھ کے مرنے کے لئے لیٹ جائے، پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں محفوظ) ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہو گا خدا کی قسم مؤمن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... ذرا تصور کیجئے اس بدو مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اُسی پر لاد کر دور دراز کے سفر پر کسی ایسے راستہ سے چلا جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہیں، پھر اثنائے سفر میں وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اُتر اور آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گیا، اس تھکے ماندے مسافر کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ غائب ہے، وہ بے چارہ حیران و سر اسیمہ ہو کر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کو لب دم کر دیا، اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل بیابان میں لکھی تھی، اور اب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے، اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کے لئے آگے پڑ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گرم شدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کے اس بدو کو جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا تھا کس قدر خوشی ہوگی۔ صادق مصدوق ؑ نے اس حدیث پاک میں قسم کھا کے فرمایا کہ: خدا کی قسم! بندہ جب جرم و گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف آتا ہے تو اس رحیم و کریم رب کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس بدو کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوگی۔

قریب قریب یہی مضمون صحیحین میں حضرت ابن مسعود ؓ کے علاوہ حضرت انس ؓ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ ؓ حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مضمون مروی ہے، بلکہ حضرت انس ؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بدو مسافر کی فرط مسرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے انتہا عنایت اور بندہ نوازی کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا کہ **”اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ“** (خداوند! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا

بندہ) لیکن خوشی کی سر مستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اس نے کہا: ”اللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِي وَاَنَا رَبُّكَ“ (میرے اللہ! بس تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا) آنحضرت ﷺ نے اس کی اس غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ”اَخْطَا مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ“ (فرط مسرت اور بے حد خوشی کی وجہ سے اس بے چارے بدو کی زبان بہک گئی)۔

بلاشبہ اس حدیث میں توبہ کرنے والے گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بھی فائق ہے۔

شیخ ابن القیمؒ نے ”مدارج السالکین“ میں توبہ واستغفار ہی کے بیان میں اسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس خوشنودی کی وضاحت میں ایک عجیب و غریب مضمون لکھا ہے جس کو پڑھ کر ایمانی روح وجد میں آجاتی ہے۔ ذیل میں اس کا صرف حاصل و خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی ساری کائنات میں انسان کو خاص شرف بخشا ہے، دنیا کی ساری چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اس کو اپنی معرفت اور اطاعت و عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، ساری مخلوقات کو اس کے لئے مسخر کیا، اور اپنے فرشتوں تک کو اس کا خادم اور محافظ بنایا، پھر اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں نازل فرمائیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، پھر ان ہی میں سے کسی کو اپنا خلیل بنایا اور کسی کو شرف ہم کلامی بخشا اور بہت بڑی تعداد کو اپنی ولایت اور قرب خصوصی کی دولت سے نوازا۔ اور انسانوں ہی کے لئے دراصل جنت و دوزخ کو بنایا۔ الغرض دنیا و آخرت میں عالم خلق و امر میں جو کچھ ہے اور ہو گا اس سب کا اصل مرکز و محور بنی نوع انسان ہی ہے، اس نے امانت کا بوجھ اٹھایا، اسی کے لئے شریعت کا نزول ہوا، اور ثواب و عذاب دراصل اسی کے لئے ہے۔ پس اس پورے کارخانہ عالم میں انسان ہی اصل مقصود ہے، اللہ نے اس کو اپنے خاص دست قدرت سے بنایا، اس میں اپنی روح ڈالی، اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا، اور ابلیس اس کو سجدہ ہی نہ کرنے کے جرم میں مردود بارگاہ ہوا اور اللہ نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا۔ یہ سب اس لئے کہ اس خالق نے انسان ہی میں اس کی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک زمینی اور بادی مخلوق ہونے کے باوجود اپنے خالق پروردگار کی (جو وراء الوراء اور غیب الغیب ہے) اعلیٰ درجہ کی معرفت حاصل کرے، ممکن حد تک اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں سے آشنا ہو، اس سے محبت اور اس کی اطاعت کرے، اس کے لئے اپنے نفسانی مرغوبات اور اپنی ہر چیز کو قربان کرے، اور اس دنیا میں اس کی خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرے، اور پھر اس کی خاص الخاص عنایتوں اور بے حساب بخششوں کا مستحق ہو کر اس کی رحمت و رافت اس کے پیار و محبت اور اس کے بے انتہا لطف و کرم کا مورد بنے۔ اور چونکہ وہ رب کریم اپنی ذات سے رحیم ہے اور لطف و کرم اس کی ذاتی صفت ہے (جس طرح بلا تشبیہ مامتاں کی ذاتی صفت ہے) اس لئے اپنے وفادار اور نیک کردار بندوں کو انعامات و

۱ علماء و فقہاء نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے سمجھ کر کہ اگر اس طرح کسی کی زبان بہک جائے اور اس سے کفر کا کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہوگا، فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲

احسانات سے نوازا اور اپنے عطیات سے ان کی جھولیوں کو بھر دینا اس کے لئے بلا تشبیہ اسی طرح ہے انتہا خوشی کا باعث ہوتا ہے جس طرح اپنے بچے کو دودھ پلانا اور نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنانا ممتا والی ماں کے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اب اگر بندے نے بد بختی سے اپنے اس خالق و پروردگار کی وفاداری اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کے بغاوت و نافرمانی کا طریقہ اختیار کر لیا اور اس کے دشمن اور باغی شیطان کے لشکر اور اس کے متبعین میں شامل ہو گیا اور رب کریم کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور لطف و کرم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے بجائے وہ اس کے قہر و غضب کو بھڑکانے لگا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں (بلا تشبیہ) اس غصہ اور ناراضی کی سی کیفیت پیدا ہوگی جو نالائق اور ناخلف بیٹے کی نافرمانی اور بدکرداری دیکھ کر ممتا والی ماں کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر اس بندے کو کبھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ محسوس کرے کہ میں نے اپنے مالک و پروردگار کو ناراض کر کے خود کو اور اپنے مستقبل کو برباد کر لیا اور اس کے دامنِ رحم و کرم کے سوا میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر وہ اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہو اور مغفرت و رحمت کا سائل بن کر اس کی بارگاہِ کرم کی طرف رجوع کرے، سچے دل سے توبہ کرے، روئے اور گڑگڑائے اور معافی مانگے اور آئندہ کے لئے وفاداری اور فرمانبرداری کا عہد و رادہ کر لے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کے اس کریم رب کو جس کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور جس کا پیار ماں کے پیار سے بھی ہزاروں گنا زیادہ ہے، اور جو بندوں پر نعمتوں کی بارش برسا کے اتنا خوش ہوتا ہے جتنا نعمتوں کو پا کر محتاج بندے خوش نہیں ہوتے، تو سمجھا جاسکتا ہے کہ ایسے کریم پروردگار کو اپنے اس بندے کی اس توبہ و انابت سے کتنی خوشی ہوگی۔“

شیخ ابن القیمؒ نے اس سے بہت زیادہ وضاحت اور بسط کے ساتھ یہ مضمون لکھنے کے بعد آخر میں کسی عارف کا ایک واقعہ لکھا ہے جو شیطان یا نفسِ امارہ کے اغواء سے غلط راستے پر پڑ گئے تھے اور سرکشی و نافرمانی کے جراثیم ان کی روح میں پیدا ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”وہ عارف ایک گلی سے گزر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ روتا چلاتا ہوا اس میں سے نکلا، اس کی ماں اس کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی تھی، جب وہ دروازے سے باہر ہو گیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، بچہ اسی طرح روتا چلاتا بکتا بڑا تپا کچھ دور تک گیا، پھر ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جاسکتا ہوں اور کون مجھے اپنے پاس رکھ سکتا ہے، یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑا۔ دروازہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے تو وہ بے چارہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑ گیا اور اسی حالت میں سو گیا۔ ماں آئی، اس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچے کو اس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑا دیکھ کے اس کا دل بھر آیا اور ممتا کا جذبہ ابھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی، اور کہہ رہی تھی: بیٹے! تو نے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے، تو نے نالا لگتی، نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے اور میرا دل دکھا کے مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں ہے، میری فطرت اور ممتا کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ پر پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہنچانے کی

کوشش کروں، تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے۔
ان عارف نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور اس میں اُن کے لئے جو سبق تھا وہ لیا۔“

اس قصہ پر غور کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سامنے رکھیے: ”اللَّهُ أَرْحَمُ لِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بَوْلِدَهَا“^۱
(خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ پیارا اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے۔)

کیسے بد بخت اور محروم ہیں وہ بندے جنہوں نے نافرمانی کی راہ اپنا کے ایسے رحیم و کریم پروردگار کی رحمت سے اپنے کو محروم کر لیا ہے اور اس کے قہر و غضب کو بھڑکار ہے ہیں، حالانکہ توبہ کا دروازہ اُن کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ اس کی طرف قدم بڑھا کے اللہ تعالیٰ کا وہ پیارا حاصل کر سکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیارا کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

يَا غَفَّارُ اغْفِرْ لِي يَا تَوَّابُ تَبَّ عَلَيَّ يَا رَحْمَنُ ارْحَمْنِي يَا رَوْفُ ارْوُفْ بِي يَا عَفُوًّا عَفُ عَنِّي يَا
رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَطَوِّقْنِي حُسْنَ عِبَادَتِكَ.

۱ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ایک عورت تھی جو بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچے کو بار بار اٹھا کے سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی، دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ مامتا کے جذبہ سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا: ”خدا کی قسم! اللہ کی ذات میں اپنے بندوں کیلئے اُس سے زیادہ پیارا اور ترحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے۔“ ۱۲

صلوٰۃ وسلام

”صلوٰۃ وسلام“ در اصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ اور اشرف درجہ کی ایک دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفا کیشی کے اظہار کے لئے آپ ﷺ کے حق میں کی جاتی ہے اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں دیا گیا ہے اور بڑے پیارے اور مؤثر انداز میں دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے: **”اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَاٰیہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا“** (الاحزاب: ۵۶)

اس آیت میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں (اور یہی آیت کا اصل موضوع اور مدعا ہے) لیکن اس خطاب اور حکم میں خاص اہمیت اور وزن پیدا کرنے کے لئے پہلے بطور تمہید فرمایا گیا ہے کہ: **”اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ“** یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ (جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے) خداوند قدوس اور اس کے پاک فرشتوں کا معمول و دستور ہے، تم بھی اس کو اپنا معمول بنا کے اس محبوب و مبارک عمل میں شریک ہو جاؤ۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ وسلام کے اس حکم ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کے لئے بھی نہیں کہا گیا کہ خدا اور اس کے فرشتے یہ کام کرتے ہیں تم بھی کرو۔ بلاشبہ صلوٰۃ وسلام کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مقام محبوبیت کے خصائص میں سے ہے۔

صلوٰۃ علی النبی کا مطلب اور ایک اشکال کا حل

سورۃ احزاب کی اس آیت میں بہت سے لوگوں کو یہ اشکال محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اللہ اور فرشتوں کی نسبت سے بھی ”صلوٰۃ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور مؤمن بندوں کی نسبت سے بھی وہی لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کا عمل دوسرے سے یقیناً مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ کا جو عمل ہوتا ہے (جس کو اس آیت میں فرشتوں کے عمل کے ساتھ جوڑ کر ”یُصَلُّوْنَ“ کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے) وہ ہرگز فرشتوں اور مؤمنین کا عمل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح ایمان والے بندوں سے جس عمل صلوٰۃ کا مطالبہ ”صلوا“ کے لفظ سے کیا گیا ہے وہ ہرگز خدا کا فعل نہیں ہو سکتا۔

اس کو حل کرنے کے لئے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نسبت بدلنے سے صلوٰۃ کے معنی بدل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے رحمت نازل کرنا اور جب ملائکہ یا مؤمنین کی طرف نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ کے معنی میں بہت وسعت ہے۔ تکریم و تشریف، مدح و ثناء، رفع مراتب، محبت و عطف و برکت و رحمت، پیار

دُلا رادۃ خیر ودعائے خیر، ان سب کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اس لئے اس کی نسبت اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف ایمان والے بندوں کی طرف یکساں طور پر کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی شانِ عالی کے مطابق ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے ان کے مرتبہ کے مطابق اور مؤمنین کی طرف سے اُن کی حیثیت کے مطابق۔

اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر خاص الخاص عنایت و نوازش اور بڑا پیار دُلا رہے، اور وہ ان کی مدح و ستائش کرتا اور عظمت و شرف کے بلند ترین مقام تک ان کو پہنچانا چاہتا ہے، اور فرشتے بھی ان کی تکریم و تعظیم اور مدح و ثناء کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بیش از بیش الطاف و عنایات اور رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ایسا ہی کرو، اور آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے خاص الخاص لطف و عنایت، محبت و عطوفت، مراتب اور درجات کی رفعت، پورے عالم کی سیادت و امامت اور مقام محمود و قبولیت شفاعت کی دعا کیا کرو اور آپ ﷺ پر سلام بھیجا کرو۔

صلوٰۃ و سلام کی عظمت و اہمیت

اس آیت میں جیسی شاندار تمہید اور جس اہتمام کے ساتھ اہل ایمان کو صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت و عظمت ہے اور وہ کیسا محبوبِ عمل ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اس میں اہل ایمان کے لئے کس قدر خیر، کتنی رحمت اور کیسی برکات ہیں۔

صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک

اُمت کے فقہاء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورۃ احزاب کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ہر فرد اُمت پر فرض ہے، پھر ائمہ اُمت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر ہر نماز کے قعدۃ اخیرہ میں تشہید کے بعد درود شریف پڑھنا واجب نماز میں سے ہے، اگر نہ پڑھی تو ان ائمہ کے نزدیک نماز ہی نہ ہوگی۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بے شک واجب ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ پر سلام بھی آجاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہر مسلمان پر اُسی طرح فرض عین ہے جس طرح مثلاً آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دینا، جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر اس پر قائم رہے۔

آگے بعض وہ حدیثیں آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جب جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آئے آپ ﷺ پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئیں گی۔ ان احادیث

کی بناء پر بہت سے فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا کسی دوسرے سے سنے تو اس وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلہ کلام میں بار بار آپ ﷺ کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود پڑھنا واجب ہوگا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود پڑھنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کی امتیازی خاصیت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور ان میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے رارنگ و بوئے دیگرست) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت اللہ تعالیٰ کی خاص نظر رحمت رسول اللہ ﷺ کے روحانی قرب اور آپ ﷺ کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر اُمتی کا درود و سلام اس کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے لئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔

ذرا غور کریں! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فلاں بندہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں اور سب متعلقین کے لئے اچھی سے اچھی دعائیں برابر کرتا رہتا ہے اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ کے لئے مانگتا ہے اور یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے تو آپ کے دل میں اس کی کیسی قدر و محبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا۔ پھر جب کبھی اللہ کا وہ بندہ آپ سے ملے گا اور آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح اس سے ملیں گے۔ اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھے اس پر آپ کی کیسی نظر عنایت ہوگی اور قیامت و آخرت میں اس کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس بندے سے اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوگا اور اس پر اس کا کیسا کرم ہوگا۔

درود و سلام کا مقصد

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ درود و سلام اگرچہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصل مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا مقصد آپ ﷺ کی ذات پاک کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا، ہماری دعاؤں کی آپ ﷺ کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔ بادشاہوں کو فقیروں، مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کے ذریعہ اپنی عبادیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری

ضرورت ہے، اور اس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے محاسن و کمالات، آپ ﷺ کی پیغمبرانہ خدمات اور اُمت پر آپ ﷺ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ ﷺ کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں، اسی کے لئے درود و سلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ ﷺ کو کوئی نفع پہنچانا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ہی نفع کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و ثواب آخرت اور اس کے رسول پاک کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے درود و سلام پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارا درود و سلام کا یہ ہدیہ اپنے رسول پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچواتا ہے اور بہت سوں کا آپ ﷺ کو قبر مبارک میں براہ راست بھی سنوا دیتا ہے (جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا) نیز ہمارے اس درود و سلام کے حساب میں بھی رسول اللہ ﷺ پر اپنے الطاف و عنایات اور تکریم و تشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

درود و سلام کی خاص حکمت

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کی خدمت میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے درود و سلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور اُن میں سب سے اکرم و افضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جب اُن کے بارے میں بھی یہ حکم دیدیا گیا کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت و رحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں، اور اُن کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کتنا بڑا کرم ہے رب کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور اُمتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کا دعا گو بنادیا۔ جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

احادیث میں درود و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات

اس تمہید کے بعد وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت اور برکات کا بیان فرمایا گیا ہے۔

۲۹۲ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى عَلَىٰ مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ

صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ صلوٰۃ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی جو تکریم و تشریف اور آپ ﷺ پر جو خاص الخاص عنایت و نوازش ہوتی ہے اس کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عام ایمان والے بندوں کے ساتھ رحمت و کرم کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کے لئے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس حدیث میں اس رحمت و عنایت کے لئے بھی جو رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے: ”صلی اللہ علیہ عشاء“ (یعنی حضور ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتا ہے) مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں اور دوسرے کسی ایمان والے بندے پر اس کی صلوٰۃ میں وہی فرق ہو گا جو رسول اللہ ﷺ کے مقام عالی اور اس بندے کے درجہ میں ہو گا۔

آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ پر ہم بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کی استدعا کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ اس مبارک عمل (الصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ) کی ترغیب دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ یعنی خصوصی رحمتوں اور عنایتوں کے حاصل کرنے اور خود رسول اللہ ﷺ کے قربِ روحانی کی برکات سے بہرہ ور ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے۔

(۲۹۳) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ. (رواہ النسائی)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلواتیں بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔ (مسند نسائی)

(۲۹۴) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى عَلَى أُمْتِي صَلَاةً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرُفِعَتْ بِهَا عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكُتِبَ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمُحِي عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ. (مسند نسائی)

ترجمہ..... ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو امتی خلوص دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلواتیں بھیجتا ہے اور اس کے صلہ میں اس کے دس درجے بلند کرتا ہے اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھاتا ہے اور اس کے دس گناہ محو فرما دیتا ہے۔ (مسند نسائی)

تشریح..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے

کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف دس صلوٰتوں کے بھیجے جانے کا ذکر تھا۔ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ والی دوسری حدیث میں دس صلوٰتوں کے علاوہ دس درجوں کی بلندی اور دس گناہوں کی معافی کا بھی ذکر فرمایا گیا۔ اور ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ والی اس تیسری حدیث میں ان سب کے علاوہ اس بندے کے نامہ اعمال میں مزید دس نیکیوں کے لکھے جانے کی بشارت بھی سنائی گئی۔ اس عاجز کے نزدیک یہ صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، یعنی دوسری اور تیسری حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ پہلی حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے۔ واللہ اعلم۔ تیسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صلہ پانے کے لئے شرط ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ "اخلاص قلب" سے بھیجی جائے۔

(۲۹۵) عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ إِنَّهُ جَاءَ نَبِيَّ جِبْرِئِيلَ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ أَمَّا يُرْضِيكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا. (رواه النسائي والدارمي)

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی اور بشارت کے آثار نمایاں تھے (اس کا سبب بیان کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آج جبرائیل امین آئے اور انہوں نے بتایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! کیا یہ بات تمہیں راضی اور خوش نہیں کر دے گی کہ تمہارا جو امتی تم پر صلوٰۃ بھیجے، میں اس پر دس صلوٰتیں بھیجوں، اور جو تم پر سلام بھیجے، میں اس پر دس سلام بھیجوں۔ (سنن نسائی، مسند دارمی)

تشریح: قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے "وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ" (اے نبی ﷺ! تمہارا رب تم کو اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔) اس وعدہ کا پورا ظہور تو آخرت میں ہو گا، لیکن یہ بھی اس کی ایک قسط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اتنا اکرام فرمایا اور محبوبیت کبریٰ کا وہ مقام عالی آپ ﷺ کو عطا فرمایا کہ جو بندہ آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے احترام میں خالص اللہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے، اللہ تعالیٰ نے اس پر دس صلوٰتیں اور دس سلام بھیجنے کا دستور اپنے لئے مقرر فرمایا اور جبرائیل امین کے ذریعہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی اور اس پیارے انداز میں دی: "إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ أَمَّا يُرْضِيكَ يَا مُحَمَّدُ (ﷺ)" (تمہارا رب فرماتا ہے اے محمد ﷺ! کیا تمہیں ہمارا یہ فیصلہ راضی اور خوش نہیں کر دے گا۔)

اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے تو ان احادیث سے رسول اللہ ﷺ کے مقام محبوبیت کو کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔

(۲۹۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ يُكُونَ اللَّهُ قَدْ تَوَقَّاهُ قَالَ فَبُجْتُ أَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ مَا لَكَ؟ فذَكَرْتُ لَهُ ذَلِكَ قَالَ فَقَالَ إِنَّ جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِي أَلَا أُبَشِّرُكَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ لَكَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ آبادی سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں پہنچے اور سجدے میں گر گئے اور بہت دیر تک اسی طرح سجدے میں پڑے رہے یہاں تک کہ مجھے خطرہ ہوا کہ آپ ﷺ وفات تو نہیں پا گئے۔ میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ نے سر مبارک سجدے سے اٹھایا اور مجھ سے فرمایا کیا بات ہے اور تمہیں کیا فکر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (آپ کے دیر تک سجدے سے سر نہ اٹھانے کی وجہ سے) مجھے ایسا شبہ ہوا تھا اس لئے میں آپ کو دیکھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جبریلؑ نے آکر مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو بندہ تم پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (مسند احمد)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے والے کے لئے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام بھیجے جانے کا ذکر ہے، لیکن دس کا عدد اس روایت میں مذکور نہیں ہے، مگر اس سے پہلی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت جبریلؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس دفعہ صلوٰۃ و سلام بھیجے جانے کی بشارت دی تھی۔ پھر یا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بتاتے وقت دس کے عدد کا ذکر ضروری نہیں سمجھا یا بعد کے کسی راوی کے بیان کرنے سے رہ گیا۔

اسی حدیث کی مسند احمد کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ: **”فَسَجَدْتُ لِلَّهِ شُكْرًا“** (یعنی میں نے اس بشارت کے شکر میں یہ سجدہ کیا تھا) امام بیہقی نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سجدہ شکر کے ثبوت میں میری نظر میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ **واللہ اعلم۔**

(۲۹۷) قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ایک غیر معمولی قسم کے سجدے کا ذکر ہے، اس کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ نے سجدے سے اٹھ کر مجھے بتایا کہ:

إِنَّ جِبْرِيلَ آتَانِي فَقَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَرَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ. (معجم اوسط للطبرانی و سنن سعید بن منصور)

جبریلؑ میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ پیغام پہنچایا کہ تمہارا جو امتی تم پر ایک صلوٰۃ بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰتیں بھیجے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔

ان سب حدیثوں کا مقصد و مدعا ہم امتیوں کو یہی بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام کا تمغہ اور اس کی بے انتہا عنایتیں اور رحمتیں حاصل کرنے کا ایک کامیاب اور بہترین ذریعہ خلوص قلب سے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ کے صلوٰۃ و سلام کے صلہ میں دس دفعہ صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، نامہ اعمال میں سے دس گناہ محو کر دیتے اور مٹا دیتے جاتے ہیں اور دس نیکیاں لکھا دی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی بندہ رسول اللہ ﷺ پر روزانہ صرف سو دفعہ درود پاک پڑھتا ہے تو ان احادیث کی

بشارت کے مطابق (جو ایک دو نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرامؓ^۱ سے صحاح اور سنن و مسانید کی قریباً سب ہی کتابوں میں قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ ایک ہزار صلوٰتیں بھیجتا ہے، یعنی رخصتیں اور نوازشیں فرماتا ہے، اس کے مرتبہ میں ایک ہزار درجے ترقی دی جاتی ہے، اس کے اعمال نامہ سے ایک ہزار گناہ محو کئے جاتے ہیں اور ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اللہ اکبر۔ کتنا رزاں اور نفع بخش سودا ہے۔ اور کتنے خاسر اور بے نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس سعادت اور کمائی سے خود کو محروم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

آپ ﷺ کے ذکر کے وقت بھی درود سے غفلت کرنیوالوں کی محرومی اور ہلاکت

(۲۹۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عَنْدهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَذْرَكَ عَنْدهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے، اور اسی طرح ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت و مغفرت والا) مہینہ آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے (یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت و خدافرا موشی میں گزار دے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرالے) اور ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یادوں میں سے کوئی ایک اس کے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت کا استحقاق حاصل نہ کر لے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت و خواری کی بددعا ہے ان کا مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت و مغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے، لیکن انہوں نے خدا کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا، بے شک وہ بد بخت ایسی ہی بددعا کے مستحق ہیں۔ اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ ایسے محروموں کے لئے اللہ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرائیل امینؑ نے بھی بڑی سخت بددعا کی ہے اللہ کی پناہ!

(۲۹۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحْضَرُوا فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ قَالَ

۱ حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت ابو بردہ بن نیار، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت ابو طلحہ انصاری اور حضرت عمرؓ کی احادیث تو یہاں درج کی جا چکی ہیں، ان کے علاوہ حضرت براء بن عازب، سعید بن عمر انصاری اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت سے بھی مضمون مختلف کتب حدیث میں مروی ہے، گویا یہ مضمون ”قدر مشترک“ کے لحاظ سے متواتر ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ثبوت اس لحاظ سے یقینی اور قطعی ہے۔ ۱۲

اٰمِيْنَ ثُمَّ اَرْتَقٰى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اٰمِيْنَ ثُمَّ اَرْتَقٰى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اٰمِيْنَ فَلَمَّا فَرَغَ
نَزَلَ عَنِ الْمُنْبَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ
عَرَضَ لِيْ فَقَالَ بَعْدَ مَنْ اَذْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِیْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ بَعْدَ
مَنْ ذُكِرْتَ عَنْدهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِیْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بَعْدَ مَنْ اَذْرَكَ اَبُوْیْهِ
الْكَبِرُ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ. (رواه الحاكم في المستدرک وقال صحيح الاسناد)

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو
فرمایا: میرے پاس آ جاؤ؟ ہم لوگ حاضر ہو گئے (آپ ﷺ کو جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ ﷺ
منبر پر جانے لگے) جب منبر کے پہلے درجے پر آپ ﷺ نے قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ پھر جب دوسرے
درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ اسی طرح جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ پھر جو
کچھ آپ ﷺ کو فرمانا تھا جب اُس سے فارغ ہو کر آپ ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض
کیا: یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے
پر قدم رکھتے وقت آج آپ آمین۔ کہتے تھے یہ نئی بات تھی) آپ نے بتایا کہ: ”جب میں منبر پر چڑھنے
لگا تو جبریل امین آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ: ”بَعْدَ مَنْ اَذْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ۔“ (تباہ و برباد ہو وہ
محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو) تو میں نے کہا آمین۔ پھر
جب میں نے منبر کے دوسرے درجے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ”بَعْدَ مَنْ ذُكِرْتَ عَنْدهُ فَلَمْ يُصَلِّ
عَلَيْكَ۔“ (تباہ و برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جس کے سامنے تمہارا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی
تم پر درود نہ بھیجے) تو میں نے اس پر بھی کہا آمین۔ پھر جب میں نے منبر کے تیسرے درجے پر قدم رکھا تو
انہوں نے کہا: ”بَعْدَ مَنْ اَذْرَكَ اَبُوْیْهِ الْكَبِرُ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔“ (تباہ و برباد ہو وہ بد بخت
آدمی جس کے ماں باپ یا اُن دو میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور وہ اُن کی خدمت
کر کے اور ان کو راضی خوش کر کے) جنت کا مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی میں نے کہا آمین۔

(مستدرک حاکم)

تشریح:..... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے جو اس سے پہلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی
حدیث کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بددعا کرنے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور رسول اللہ
ﷺ نے ان کی ہر بددعا پر آمین کہا ہے۔

حضرت جبریلؑ کی بددعا اور رسول اللہ ﷺ کے آمین کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے
ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاری کے علاوہ حضرت ابن عباس، حضرت ان، حضرت جابر بن سمرہ، مالک
بن الحویرث اور عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔
ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبریلؑ بددعا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ
کرتے تھے کہ آپ آمین کہئے تو آپ آمین کہتے تھے۔ ان سب حدیثوں میں مذکورہ بالا تین قسم کے

محروموں کے لئے رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل کی طرف سے سخت ترین بددعا کے انداز میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دراصل ان تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاءِ اعلیٰ میں عظمت و محبوبیت کا وہ بلند ترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق کی ادائیگی کے معاملہ میں صرف اتنی کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت آپ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لئے سارے ملاءِ اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرئیل کے دل سے اتنی سخت بددعا نکلتی ہے اور وہ اس پر رسول اللہ ﷺ سے بھی آئین کہلواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے اور آنحضرت ﷺ کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

ان ہی احادیث کی بناء پر فقہانے یہ رائے قائم کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آئے تو آپ ﷺ پر درود بھیجنا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی واجب ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

۳۰۰ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرَتْ عَنْدهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصل بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ (ذرا سی زبان ہلا کے) مجھ پر درود بھیجے نہ بھیجے۔

(جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عام طور سے بخیل ایسے آدمی کو سمجھا جاتا ہے جو دولت کے خرچ کرنے میں بخل کرے، لیکن اس سے بھی بڑا بخیل اور بہت بڑا بخیل وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ زبان سے درود کے دو کلمے کہنے میں بھی بخل کرے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے امت کے لئے وہ کیا ہے اور امت کو آپ کے ہاتھوں سے وہ دولت عظمیٰ ملی ہے کہ اگر ہر امتی اپنی جان بھی آپ ﷺ کے لئے قربان کر دے تو حق ادا نہ ہو سکے گا۔

مرحبا اے پیک مشتاقاں بدہ پیغام دوست
تاکنم جاں از سر رغبت فدائے نام دوست

مسلمانوں کی کوئی نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے خالی نہ ہونی چاہئے

۳۰۱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ بَرَةٌ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ کہیں بیٹھے اور انہوں نے اس نشست میں نہ اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجا (یعنی ان کی وہ مجلس اور نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے بالکل خالی رہی) تو قیامت میں یہ ان کے لئے حسرت و خسران کا باعث ہوگی۔

پھر چاہے اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمادے اور بخش دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... معلوم ہوا کہ مسلمان کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہ ہونی چاہئے جو اللہ کے ذکر سے اور رسول پاک ﷺ پر درود و سلام سے خالی رہے۔ اگر زندگی میں ایک نشست بھی ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہوگی۔ اور اس وقت سخت حسرت اور پشیمانی ہوگی پھر چاہے اللہ کی طرف سے معافی مل جائے یا سزا دی جائے۔

یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابولمامہ باہلی اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے۔

درود شریف کی کثرت قیامت میں حضور ﷺ کے خصوصی قرب کا وسیلہ

۳۰۲ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَوةٍ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین اور مجھ پر زیادہ حق رکھنے والا میرا وہ امتی ہوگا جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ بھیجے والا ہوگا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور ایمان والی زندگی کی بنیادی شرط کے ساتھ میرا جو امتی مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام بھیجے گا، اُس کو قیامت میں میرا خصوصی قرب اور خاص تعلق حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت و سعادت حاصل کرنے کی توفیق دے۔

۳۰۳ عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي.

(رواہ احمد)

ترجمہ..... حضرت روفیع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو امتی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اور ساتھ ہی یہ دعا کرے کہ: "اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔" (اے اللہ! ان کو یعنی اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو قیامت کے دن اپنے قریب کی نشست گاہ (کرسی) عطا فرما) اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث کو طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں: "مَنْ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي۔" اس میں صلوٰۃ اور دعا کے پورے الفاظ آگئے ہیں اور بہت مختصر ہیں۔ یوں تو رسول اللہ ﷺ اپنے سب ہی امتیوں کی ان شاء اللہ شفاعت فرمائیں گے، لیکن جو اہل ایمان آپ ﷺ پر ان الفاظ میں درود بھیجیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے یہ دعا کریں۔ ان کی شفاعت کا آپ ﷺ اپنے پر خصوصی حق سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی

سفارش اُمید ہے کہ اہتمام سے فرمائیں گے۔ **اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الْمُقْعَدِ الْمُقَرَّبِ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ.**

اگر کوئی اپنے مقصد کیلئے دعاؤں کی جگہ بھی درود ہی پڑھے
تو اُسکے سارے مسائل غیب سے حل ہوں گے

۳۰۴ عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَمَا أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبْعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ النِّصْفَ فَقَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ ثُلَاثًا فَقَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ أَجْعَلْ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تُكْفِي هَمَّكَ وَيُكَفِّرُ لَكَ ذَنْبَكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ پر درود زیادہ بھیجا کروں (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ کی استدعا زیادہ کیا کروں) آپ ﷺ مجھے بتادیں کہ اپنی دعائیں سے کتنا حصہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کر دوں؟ (یعنی میں اپنے لئے دعا کرنے میں جو وقت صرف کیا کرتا ہوں اس میں سے کتنا آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کر دوں) آپ نے فرمایا: جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ: میں اس وقت کا چوتھائی حصہ آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو اور اگر زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا تو پھر میں آدھا وقت اس کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو کر دو اور اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو پھر میں اس میں سے دو تہائی وقت آپ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو کر دو اور اگر زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے خیر ہی کا باعث ہوگا۔ میں نے عرض کیا: پھر تو میں اپنی دعا کا سارا ہی وقت آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی جائے گی (یعنی تمہارے سارے دینی و دنیاوی مہمات غیب سے انجام پائیں گے) اور تمہارے گناہ و قصور معاف کر دیئے جائیں گے۔

(جامع ترمذی)

تشریح: حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ میں کر دی گئی ہے۔ عام طور سے شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں ”صلوٰۃ“ دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اس کے اصل معنی ہیں۔

حضرت ابی بن کعب کثیر الدعوات تھے اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان کے دل میں آیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں مانگتا ہوں اور جتنا وقت اس میں صرف کرتا ہوں اس میں سے کچھ وقت رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ کے واسطے مانگنے کے لئے) مخصوص کر دوں۔ اس بارے

میں انہوں نے خود حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کتنا وقت اس کے لئے مخصوص کر دوں۔ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے وقت کی کوئی تحدید و تعین مناسب نہیں سمجھی بلکہ ان ہی کی رائے پر چھوڑ دیا اور یہ اشارہ فرما دیا کہ اس کے لئے جتنا بھی زیادہ وقت دو گے تمہارے لئے بہتر ہی ہو گا۔ آخر میں انہوں نے طے کیا کہ میں سارا وقت جس میں اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے ہی میں یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لئے مانگنے میں صرف کروں گا۔ اُن کے اس فیصلہ پر رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے وہ سارے مسائل و مہمات جن کے لئے تم دعائیں کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ سے آپ حل ہوں گے اور تم سے جو گناہ و قصور ہوئے ہوں گے وہ بھی ختم کر دیئے جائیں گے اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔

”معارف الحدیث“ کی اسی جلد میں تلاوت قرآن مجید کے فضائل کے بیان میں وہ حدیث قدسی گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے: ”مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلِيْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اَعْطَى السَّائِلِينَ۔“ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ تلاوت قرآن میں اتنا مشغول رہے کہ اس کے علاوہ اللہ کے ذکر کے لئے اور اپنے مقاصد کے واسطے دعا کرنے کے لئے اسے وقت ہی نہ ملے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے اس سے بھی زیادہ اور بہتر دے گا جتنا دعا کرنے والوں اور مانگنے والوں کو دیتا ہے۔

جس طرح اس حدیث میں اُن بندوں کے لئے جو تلاوت قرآن میں اپنا سارا وقت صرف کر دیں اور بس اسی کو اپنا وظیفہ بنالیں اللہ تعالیٰ کی اس خاص عنایت و نوازش کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ ان کو دعائیں کرنے والوں اور مانگنے والوں سے بھی زیادہ اور بہتر عطا فرمائے گا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب والی اس زیر تشریح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لئے وقف کر دیں اور اپنے ذاتی مسائل و مقاصد کے لئے دعاؤں کی جگہ بھی بس آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجیں بتایا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص کرم ہو گا کہ اُن کے مسائل و مہمات غیب سے حل کئے جائیں گے اور اُن کے گناہ دُھو ڈالے جائیں گے۔

اس کا راز یہ ہے کہ جس قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف اور بس اسی کو اپنا وظیفہ بنالینا اللہ کی مقدس کتاب پر ایمان اور اس سے محبت و تعلق کی خاص نشانی ہے اور اس لئے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص فضل کے مستحق ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام سے ایسا شغف کہ اپنے ذاتی مقاصد و مسائل کے لئے دعا کی جگہ بھی بس آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے اور اپنے لئے کچھ مانگنے کی جگہ بس آپ ﷺ ہی کے لئے خدا سے مانگا جائے۔ اللہ کے محبوب رسول ﷺ پر صادق ایمان اور سچے ایمانی تعلق اور قلبی محبت کی علامت ہے اور ایسے مخلص بندے بھی اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سارے مسائل اپنی رحمت سے بلا اُن کے مانگنے حل فرمائے۔

علاوہ ازیں وہ احادیث ابھی گزر چکی ہیں جن میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ رسول اللہ ﷺ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دس صلوٰتیں بھیجی جاتی ہیں۔ اس کے اعمال نامے میں دس نیکیاں

درج کی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔ ذرا غور کیا جائے، جس بندے کا حال یہ ہو کہ وہ اپنی ذاتی دعاؤں کی جگہ بھی بس رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ سے اپنے لئے کچھ بھی نہ مانگے، صرف حضور ﷺ کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و برکات اور رحمتوں عنایتوں کی کیسی موسلا دھار بارش ہوگی، جس کا لازمی اثر اور انجام یہی ہوگا کہ اللہ کی رحمت بلا مانگے اس کی چاہتیں اور ضرورتیں پوری کر لگیں اور گناہوں کے اثرات سے وہ بالکل پاک صاف کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین اور عمل نصیب فرمائے۔

دروود شریف دعا کی قبولیت کا وسیلہ

۳۰۵ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے اوپر نہیں جاسکتی جب تک کہ نبی پاک ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: وہ حدیث ”آداب دعا“ کے ذیل میں (صفحہ ۹۹ پر) گزر چکی ہے۔ جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دعا کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت عرض کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دعا کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنی چاہئے، وہ دعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے۔ ”حسن حسین“ میں شیخ ابو سلیمان دارانی سے نقل کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ درود شریف (جو رسول اللہ ﷺ کے حق میں ایک اعلیٰ و اشرف دعا ہے) وہ تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے، پھر جب بندہ اپنی دعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کے حق میں دعا کرے اور اس کے بعد بھی دعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اول و آخر کی دعائیں تو قبول کر لے اور درمیان کی اس بے چارے کی دعا رد کر دے، اس لئے پوری امید رکھنی چاہئے کہ جس دعا کے اول و آخر رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے گی وہ ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

مندرجہ بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات (جو انہوں نے دعا کی قبولیت کے بارے میں فرمائی) رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، لیکن چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور فہم سے ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ کے پیغمبر ﷺ سے سن کے ہی ایسی بات کہی جاسکتی ہے اس لئے محدثین کے مسلمہ اصول کے مطابق یہ روایت حدیث مرفوعہ ہی کے حکم میں ہے۔

دنیا میں کہیں بھی درود بھیجا جائے، رسول اللہ ﷺ کو پہنچتا ہے

۳۰۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قُبُورِي عِيْدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ. (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو اور میری قبر کو میلہ نہ بنالینا ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔ (سنن نسائی)

تشریح: اس حدیث میں تین ہدایتیں فرمائی گئی ہیں: پہلی یہ کہ: ”اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو۔“ اس کا مطلب عام طور سے شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح قبروں میں مُردے ذکر و عبادت نہیں کرتے اور قبریں ذکر و عبادت سے خالی رہتی ہیں، تم اپنے گھروں کو ایسا نہ بنالو کہ وہ ذکر و عبادت سے خالی رہیں بلکہ ان کو ذکر و عبادت سے معمور رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر اور اسکی عبادت نہ ہو وہ زندوں کے گھر نہیں بلکہ مُردوں کے قبرستان ہیں۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ ”میری قبر کو میلہ نہ بنالینا“ یعنی جس طرح سال کے کسی معین دن میں میلوں میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر کوئی میلہ نہ لگایا جائے۔

بزرگانِ دین کی قبروں پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں اُن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر خدا نخواستہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر کوئی میلہ اس طرح کا ہوتا تو اس سے روح پاک کو کتنی شدید اذیت پہنچتی۔

تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ تم مشرق یا مغرب میں خشکی یا تری میں جہاں بھی ہو مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، وہ مجھے پہنچے گی۔ یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں طبرانی نے اپنی سند سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: ”حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي“ اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قلبی تعلق کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے اُن کے لئے یہ کتنی بڑی بشارت اور تسلی کی بات ہے کہ خواہ وہ ہزاروں میل دور ہوں اُن کا صلوٰۃ و سلام آپ کو پہنچتا ہے۔

قرب جانی چو بود بُعد مکانی سهل است

۳۰۷ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ. (رواه النسائي والدارمي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو دنیا میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرے اُمتیوں کا سلام و صلوٰۃ مجھے پہنچاتے ہیں۔

(سنن نسائی، مسند دارمی)

تشریح: ایک دوسری حدیث میں جس کو طبرانی وغیرہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، یہ بھی تفصیل ہے کہ صلوٰۃ و سلام پہنچانے والا فرشتہ بھیجنے والے اُمتی کے نام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پہنچاتا ہے، کہتا ہے: ”يَا مُحَمَّدُ صَلِّ عَلَيْكَ فَلَانٌ كَذَا وَكَذَا“ (اے محمد ﷺ! تمہارے فلاں اُمتی نے تم پر

اس طرح صلوٰۃ و سلام بھیجا ہے) اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ فرشتہ صلوٰۃ و سلام بھیجنے والے اُمّتی کا نام اس کی ولدیت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، یعنی حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا ہے: ”یا محمد صلی علیک فلاں بن فلاں“۔ کتنی خوش قسمتی ہے اور کتنا ارزاں سودا ہے کہ جو اُمّتی اخلاص کے ساتھ صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ فرشتے کے ذریعہ پہنچتا ہے اور اس طرح آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی میں اُس بے چارے مسکین اُمّتی اور اس کے باپ کا ذکر بھی آجاتا ہے۔

جاں میدہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آل نازنین حرفے کہ از ما مے رود

۳۰۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (رواہ ابو داؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دیدوں۔ (سنن ابی داؤد دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح: حدیث کے ظاہری الفاظ ”الارڈ اللہ علی روحی“ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک جسد اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے جسد اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ ﷺ کی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے، کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں اُمّتی آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیجتے ہوں۔ روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے اور عام دنوں میں بھی ان کا شمار ہزاروں سے کم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔ اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے ”روح“ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ ﷺ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی و جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی اُمّتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہِ راست آپ ﷺ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ ﷺ

کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، بس اس روحانی توجہ والتفات کو ”روح“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

عاجز اقام السطور عرض کرتا ہے کہ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عالم برزخ کے معاملات و احوال سے کچھ مناسبت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کی معرفت نصیب فرمائے۔

اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاص قلب سے آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے، آپ ﷺ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہو کر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر عمر بھر کے صلوٰۃ و سلام کا کچھ بھی اجر و ثواب نہ ملے صرف آپ ﷺ کا جواب مل جائے تو سب کچھ مل گیا۔ **السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ**

۳۰۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبَلِّغْتُهُ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا (یا سلام عرض کرے گا) وہ میں خود سنوں گا اور جو کہیں دور سے بھیجے گا تو وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔ (شعب الإيمان، للبیہقی)

تشریح: اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو روزانہ سینکڑوں یا ہزاروں بار صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا جواب پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوٰۃ و سلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جن کو محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے اُن کے لئے وہی دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے۔ کسی محبت نے کہا ہے۔

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَالْهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ
كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى

دُرود شریف کے خاص کلمات

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا ہم بندوں کو حکم دیا اور بڑے مؤثر اور پیارے انداز میں حکم دیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کے وہ برکات اور فضائل بیان فرمائے جو ناظرین کو مندرجہ سابق احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں۔ پھر صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے درود و سلام کے خاص کلمات بھی تعلیم فرمائے۔ اپنے امکان کی حد تک کتب حدیث کی پوری چھان بین کے بعد اس سلسلہ کی مستند روایات جمع کر کے ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔ **وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِیْقِ**

۳۱۰ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ لَقِیْنِیْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ اَلَا اُهْدِیْ لَكَ هَدِیَّةٌ سَمِعْتَهَا مِنْ النَّبِیِّ ﷺ كَقُلْتُ بَلٰی فَاَهْدِهَا لِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ الصَّلٰوةِ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ فَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهَیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهَیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهَیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهَیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: مشہور جلیل القدر تابعی عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) انہوں نے مجھ سے فرمایا میں تمہیں ایک خاص تحفہ پیش کروں (یعنی ایک بیش بہا حدیث سناؤں) جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، میں نے عرض کیا مجھے وہ تحفہ ضرور دیجئے! انہوں نے بتایا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ ہم آپ ﷺ پر سلام کس طرح بھیجا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ ہم تشہد میں "السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ" کہہ کر آپ ﷺ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهَیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهَیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهَیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهَیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اے اللہ! اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کے گھروالوں پر جیسے کہ تو نے نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھروالوں پر، بیشک تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت

محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کے گھروالوں پر، جیسے تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھرانے والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت کعب بن عجرہ نے عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کو یہ حدیث جس طرح اور جس تمہید کے ساتھ سنائی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو اور اس درود شریف کو کتنا عظیم اور کیسا بیش بہا تحفہ سمجھتے تھے۔ اور طبری کی اسی حدیث کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کعب بن عجرہ نے یہ حدیث عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سنائی تھی۔^① اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اس کی کتنی عظمت تھی۔

اسی حدیث کی بیہتی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ صلوٰۃ یعنی درود کے طریقہ کے بارے میں یہ سوال رسول اللہ ﷺ سے اس وقت کیا گیا جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی ^② اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا

اس آیت میں صلوٰۃ و سلام کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں تفصیل سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا ہم کو جو حکم دیا ہے اس کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح ہم آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ صلوٰۃ کے جو کلمات اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی دوسری حدیثوں میں تلقین فرمائے یعنی **اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ..... الخ** ان سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ہمارے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے التجا اور استدعا کریں کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے اور برکتیں نازل فرمائے۔ یہ اس لئے کہ ہم خود چونکہ محتاج و مفلس اور تہی مایہ ہیں، ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ اپنے محسن اعظم اور اللہ کے نبی محترم ﷺ کی بارگاہ میں کچھ پیش کر سکیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں استدعا اور التجا کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ اور برکت بھیجے یعنی آپ ﷺ کی تشریف و تکریم، آپ پر نوازش و عنایت، رحمت و رؤف، پیار و لار میں اور مقبولیت کے درجات و مراتب میں اضافہ فرمائے اور آپ ﷺ کو اپنی خاص برکتوں سے نوازے، نیز آپ ﷺ کے گھروالوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے۔

استدعاء ”صلوٰۃ“ کے بعد ”برکت“ مانگنے کی حکمت

صلوٰۃ کے بارے میں پہلے بقدر ضرورت کلام کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تشریف و تکریم، مدح و ثناء، رحمت و رؤف، محبت و عطف، رفع مراتب، ارادۃ خیر، اعطاء خیر، اور دعائے خیر سب ہی کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندہ پر ”برکت“ ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے بھرپور نوازش و عنایت اور خیر و نعمت کا اور اس کے دوام اور اس میں برابر

اضافہ و ترقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ بہر حال برکت کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جس کو ”صلوٰۃ“ کا وسیع مفہوم حاوی نہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرنے کے بعد آپ ﷺ کے واسطے برکت یا رحمت کی دعا اور التجا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا اور سوال کے موقع پر یہی مستحسن ہے کہ مختلف الفاظ و عبارات میں بار بار عرض و معروض کی جائے اس سے بندہ کی شدید محتاجی اور صدق طلب کا اظہار ہوتا ہے اور سائل اور منگتا کے لئے یہی مناسب ہے۔ اس لئے اس درود شریف میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی استدعا کے بعد برکت کی التجا بھی کی گئی ہے اور بعض دوسری روایات میں (جو عنقریب درج ہوں گی) صلوٰۃ اور برکت کے بعد ترجم کا بھی سوال کیا گیا ہے۔

درود شریف میں لفظ ”آل“ کا مطلب

اس درود شریف میں ”آل“ کا لفظ چار دفعہ آیا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ ”گھرانے والوں کا کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو، جیسے اس کے بیوی بچے، یارِ فاقہ اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین^① اس لئے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگلے ہی نمبر پر اسی مضمون کی حضرت ابو حمید ساعدی کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس میں درود شریف کے جو الفاظ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ”آل“ سے ”گھرانے والے“ ہی مراد ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور آپ ﷺ کی نسل و اولاد اور جس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قرابت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف حاصل ہے (جو دوسرے حضرات کو حاصل نہیں ہے اگرچہ وہ درجہ میں ان سے افضل ہوں) اسی طرح یہ بھی ان کا ایک مخصوص شرف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان پر بھی درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ اور اس سے ہر گز یہ لازم نہیں آتا کہ ازواجِ مطہرات وغیرہ جو لفظ ”آل“ کے مصداق ہیں امت میں سب سے افضل ہوں، عند اللہ فضیلت کا مدار ایمان اور ایمان والے اعمال اور ایمانی کیفیات پر ہے جس کا جامع عنوان تقویٰ ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ ہماری اس دنیا میں بھی جب کوئی مخلص محبت اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص مرغوب تحفہ اور سوغات پیش کرتا ہے تو اس کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے ذاتی تعلق کی بناء پر ان کے گھر والے ہوتے ہیں اور اس مخلص کی یہ خوشی ہوتی ہے کہ یہ تحفہ ان بزرگ کے ساتھ ان کے گھر والے یعنی اہل و عیال بھی استعمال کریں، کسی کے ساتھ تعلق و محبت کا دراصل یہ فطری

① امام راغب اصفہانی نے ”مفردات القرآن“ میں ”آل“ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ”و یستعمل فیمن

یختص بالانسان اختصاصا ذاتیا اما بقرابة قریبة او بموا لاة قال عز وجل (وآل ابراهیم و آل عمران) وقال

(ادخلو آل فرعون اشد العذاب) ص ۳۰

تقاضا ہے۔ درود شریف بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک تحفہ اور سوغات ہے، اس میں آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کے خاص متعلقین یعنی اہل و عیال کو بھی شریک کرنا بلاشبہ آپ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے، اور اس سے آپ ﷺ کے قلب مبارک کا بہت زیادہ خوش ہونا بھی ایک فطری بات ہے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی کلامی بحث کرنا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔ بہر حال اس عاجز کے نزدیک رائج یہی ہے کہ درود شریف میں آل محمد ﷺ سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے، اور اسی طرح سے آل ابراہیم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم کے گھر والے! قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے **رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ** بلاشبہ آل ابراہیم وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔

درود شریف میں تشبیہ کی حقیقت اور نوعیت

رسول اللہ ﷺ کے تلقین فرمائے ہوئے اس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر صلوٰۃ اور برکت نازل کرنے کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا گیا ہے کہ ایسی صلوٰۃ اور برکت نازل فرما جیسی کہ تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر نازل فرمائی۔ اس تشبیہ کے بارے میں ایک مشہور علمی اشکال ہے کہ تشبیہ میں **مُشَبَّہ**، **مُشَبَّہ بِهِ** کے مقابلہ میں کمتر ہوتا ہے اور **مُشَبَّہ بِهِ** اعلیٰ اور برتر ہوتا ہے۔ مثلاً ٹھنڈے پانی کو برف سے تشبیہ دی جاتی ہے تو پانی خواہ کتنا ہی ٹھنڈا ہو، ٹھنڈک میں بہر حال برف سے کمتر ہوتا ہے اور برف میں اس سے زیادہ ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اس اصول پر درود شریف کی مذکورہ بالا تشبیہ سے اہلزم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل ہونے والی صلوٰۃ و برکات ان صلوٰۃ و برکات سے اعلیٰ اور افضل ہوں جن کی اس درود پاک میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے لئے استدعا اور التجا کی گئی ہے۔

شراحین حدیث نے اس اشکال کے بہت سے جوابات دیئے ہیں جو فتح الباری وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے زیادہ تسلی بخش جواب یہ ہے کہ تشبیہ کبھی صرف نوعیت کی تعیین کے لئے بھی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کسی خاص قسم کے کپڑے کا ایک پرانا ٹکڑا لے کر کپڑے کی بڑی دکان پر جاتا ہے کہ مجھے ایسا کپڑا چاہیئے، حالانکہ جس ٹکڑے کو وہ نمونے کے طور پر دکھا رہا ہے اور جو مشبہ بہ ہے وہ ایک پرانا اور بے قیمت ٹکڑا ہے اور اسی قسم کا جو کپڑا وہ دکاندار سے چاہتا ہے وہ ظاہر ہے کہ نیا اور قیمتی ہوگا اور اس لحاظ سے نمونہ والے ٹکڑے سے بہتر ہوگا۔ پس درود شریف میں تشبیہ اسی قسم کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس خاص نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سے سیدنا ابراہیم و آل ابراہیم کو نوازا گیا، اسی نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سیدنا محمد ﷺ و آل محمد ﷺ پر نازل فرمائی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام نبیوں بلکہ ساری مخلوق میں یہ امتیازات حاصل ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا خلیل بنایا (**وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا**) ان کو امامت کبریٰ کے عظیم شرف سے مشرف اور سرفراز فرمایا (**إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا**) ان کو بیت اللہ کا بانی بنایا۔ ان کے بعد سے قیامت تک کے لئے

نبوت و رسالت کا سلسلہ اُن ہی کی نسل اور ان ہی کے اخلاف میں منحصر کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازشیں اور عنایتیں نہیں ہوئیں اور کسی کو بھی محبوبیت و مقبولیت کا یہ مقام عالی عطا نہیں ہوا۔ پس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا اور التجا کی جاتی ہے کہ اسی قسم کی اور اسی نوع کی عنایتیں اور نوازشیں اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر بھی فرما اور محبوبیت و مقبولیت کا ویسا ہی مقام ان کو بھی عطا فرما۔ الغرض یہ تشبیہ صرف نوعیت کی تعین اور وضاحت کے لئے جس میں بسا اوقات **مُشَبَّہ** کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر ہوتا ہے اور اس کی مثال وہی ہے جو اوپر پکڑے کی دی گئی ہے۔

درود شریف کا اول و آخر **اللَّهُمَّ** — **إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ**

درود شریف کو **اللَّهُمَّ** سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں حمید و مجید پر ختم کیا گیا ہے۔ بعض جلیل القدر آئمہ سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ **اللَّهُمَّ** اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنی کے قائم مقام ہے۔ اور اس کے ذریعہ دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ تمام اسماء حسنی کے ذریعہ دعا کی جائے۔ شیخ ابن القیم نے ”**جلاء الافہام**“ میں اس پر بڑی نفیس فاضلانہ بحث کی ہے جو اہل علم کے لئے قابل دید ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ یہ معنی **اللَّهُمَّ** کی میم مشدد سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کو فلسفہ لغت سے ثابت کیا ہے۔ پھر اس دعوے کی تائید میں چند آئمہ سلف کے اقوال بھی نقل کئے ہیں ^① اور حمید و مجید اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفات جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں حمید وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن و کمالات ہوں جن کی بناء پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق و سزاوار ہو۔ اور مجید وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت کبریائی بدرجہ کمال حاصل ہو۔ اس بناء پر **إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ** کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ تو تمام صفات جلال و جمال اور شان جلال کا جامع ہے اس لئے سیدنا محمد ﷺ اور آل محمد پر صلوٰۃ اور برکت بھیجنے کی تجھ ہی سے استدعا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذکر کیا گیا ہو وہاں بھی اللہ کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے انہی کو بالکل اسی طرح خاتمہ کلام بنایا گیا ہے۔ سورہ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہے **رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ** ②

الغرض **اللَّهُمَّ** سے درود شریف کا آغاز اور **إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ** پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بے حد بڑھ جاتا ہے۔

① قریباً دس صفحے پر یہ بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”وہذا القول الذی اخترناہ قد جاء عن غیر واحد من السلف قال الحسن البصری اللہم مجمع الدعاء وقال ابو رجاء العطاردی أن المیم فی قوله اللہم فیہا تسعة وتسعون اسماء اللہ تعالیٰ وقال النظربن شمیل من قال اللہم فقد دعا اللہ لجميع اسماء ہ -- **جلاء الافہام ص ۹۴**

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ ۝

اس درود شریف کے الفاظ کی روایتی حیثیت

حضرت کعب بن عجرہ کی روایت سے درود شریف کے جو الفاظ اوپر نقل کئے گئے ہیں وہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء میں روایت کئے ہیں (جلد اول ص ۴۴۷) اس کے علاوہ کم سے کم دو جگہ اور یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے۔ ایک سورہ احزاب کی تفسیر میں (ص ۷۰۸ ج ۲) اور دوسرے کتاب الدعوات میں (ص ۹۴۱ ج ۲) ان دونوں جگہوں پر درود شریف میں ”کَمَا صَلَّيْتَ“ اور ”کَمَا بَارَكْتَ“ کے بعد ”عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ“ کی جگہ صرف ”عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ“ روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں بھی اسی طرح ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی صحیحین اور غیر صحیحین کی تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے فتح الباری میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ کعب بن عجرہ کی روایت میں درود شریف کے پورے الفاظ یہی ہیں جو یہاں نقل کئے گئے ہیں اور جن روایات میں صرف ”عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ“ یا ”عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ“ وارد ہوا ہے وہاں بعض راویوں کے حافظہ کے فرق سے ایسا ہو گیا ہے۔^۱

(فتح الباری جزو ۲۶ ص ۵۱)

حضرت کعب بن عجرہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے قریب قریب یہی مضمون اور درود شریف کے قریباً یہی الفاظ کتب حدیث میں روایت کئے گئے ہیں۔ وہ تمام روایات آگے پیش کی جا رہی ہیں۔

۳۱۱ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی

مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضرت! ہم

۱ شیخ ابن القیمؒ کی کتاب ”جلاء الافہام“ کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ یہ درود و سلام کے موضوع پر انکی بہترین تالیف ہے جو ان کے کمال علمی کی آئینہ دار ہے۔ لیکن درود شریف کے الفاظ کے بارے میں اس میں ان سے یہ بھول ہو گئی ہے کہ ”کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ“ کے بارے میں انہوں نے لکھ دیا ہے کہ یہ الفاظ کسی صحیح روایت میں وارد نہیں ہوئے۔ صحیح روایت میں یا صرف ”عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ“ روایت کیا گیا ہے یا صرف ”عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ“ (جللاء الافہام ص ۲۰) حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ الفاظ صحیح بخاری میں کعب بن عجرہؓ کی اس روایت میں موجود ہیں جس کو امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں روایت کیا ہے (ص ۷۰۸ ج ۱) اور اسی طرح صحیح بخاری ہی کی ابو سعید خدریؓ کی روایت میں بھی موجود ہیں (ص ۹۴۰ ج ۲) درود شریف کے ان الفاظ کے بارے میں قریب قریب یہی سہو شیخ ابن القیمؒ کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو بھی ہوا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ”کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ“ کی کوئی سند میرے علم میں نہیں (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱ ج ۱) اس طرح کے سہو بڑے بڑے اکابر سے ہو جاتے ہیں اور اس سے اُن کی جلالت شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سہو و نسیان سے پاک صرف ایک ہی ذات ”لَا يَضِلُّ رِبِّيْ وَلَا يَنسِي“ ۱۲

آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو **”اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ..... الخ“** اے اللہ! اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ ﷺ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی آل ابراہیم پر اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور آپ ﷺ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آل ابراہیم پر اے اللہ تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور تیرے ہی لئے ساری عظمت و بڑائی ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ کعب بن عجرہؓ والی پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں۔ پہلی حدیث میں **”اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ“** اور **”اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ“** فرمایا گیا تھا اور اس حدیث میں دونوں جگہ **”وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ“** کے بجائے **”وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ“** فرمایا گیا ہے اسی بناء پر اس عاجز نے پہلی حدیث کی تشریح میں ان حضرات کے قول کو راجح قرار دیا تھا جنہوں نے کہا ہے کہ درود شریف میں آل محمد سے مراد ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی ذریت طیبہ ہے۔ ایک دوسرا خفیف لفظی فرق یہ بھی ہے کہ پہلی حدیث میں **”كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيمَ“** اور **”كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيمَ“** فرمایا گیا تھا اور اس حدیث میں دونوں جگہ صرف **”عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيمَ“** ہے۔ اور حضرت ابو حمید ساعدی کی اس روایت کے علاوہ دوسرے اکثر صحابہ کی حدیثوں میں بھی جو آگے درج ہوں گی اسی طرح صرف **”عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيمَ“** وارد ہوا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا یہ صرف لفظی فرق ہے۔ اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ عربی محاورات میں جب کسی کا نام لے کر اس کی آل کا ذکر کیا جائے اور خود اس کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے **”اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ اِبْرَاهِيمَ عَلٰی الْعَالَمِيْنَ“** (اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری قوموں میں برگزیدہ کیا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم) کو ظاہر ہے کہ یہاں آل ابراہیم میں خود حضرت ابراہیم بھی شامل ہیں۔ اسی طرح **”وَاعْرِفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ“** اور **”وَادْخُلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ“** میں خود فرعون بھی شامل ہے۔

بہر حال ان دونوں حدیثوں میں درود شریف کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں ان میں خفیف سا فرق صرف الفاظ میں ہے۔ اسی لئے علماء و فقہانے تصریح کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرام کی روایتوں سے آئندہ درج ہونے والی حدیثوں میں درود شریف کے جو کلمات آرہے ہیں جن میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے وہ سب بھی نماز میں پڑھے جاسکتے ہیں۔

۳۱۲ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ أَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ فِي مَجْلِسٍ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ أَمَرَنَا اللَّهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَكَيْفَ نُصَلِّيُ عَلَيْكَ؟ قَالَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى تَمَنَّيْنَا أَنَّهُ لَمْ يَسْأَلْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی

مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارَكْتَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ. "وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کچھ لوگ سعد بن عبادہ کی نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے، وہیں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو (حاضرین مجلس میں سے) بشیر بن سعد نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے (ہمیں بتائیے کہ) ہم کس طرح آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ دیر تک خاموش رہے اور آپ ﷺ نے بشیر بن سعد کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا (جس سے ہمیں یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ سوال آپ کو اچھا نہیں لگا) یہاں تک کہ ہمارے دل میں آیا کہ کاش یہ سوال نہ کیا گیا ہوتا، پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد (اس سوال کا جواب دیتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ بَارَكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ. "وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ.

اے اللہ! اپنی خاص نوازش و عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد پر اور انکے گھرانے والوں پر جس طرح تو نے نوازش و عنایت اور رحمت فرمائی حضرت ابراہیم کے گھرانے پر اور اپنی خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد اور ان کے گھرانے پر، جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم کے گھرانے پر، ساری دنیا میں، تو حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور تیرے ہی لئے ساری عظمت و بزرگی ہے اور سلام اس طرح جس طرح کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت ابو مسعود انصاری کی اس حدیث کی طبری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب بشیر بن سعد نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم آپ ﷺ پر کس طرح درود بھیجا کریں؟ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ پر وحی آئی (فَسَكَتَ حَتَّى جَاءَهُ الْوَحْيُ) اس کے بعد آپ ﷺ نے مندرجہ بالا درود تلقین فرمایا۔ اس اضافہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ کی خاموشی وحی کے انتظار میں تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ درود شریف کے کلمات آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے تھے۔ اور مزید یہ بھی معلوم ہو گیا کہ درود کے بارے میں یہ سوال آپ ﷺ سے پہلی دفعہ سعد بن عبادہ کی مجلس ہی میں کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ کو وحی کا انتظار کرنا پڑا۔ دوسرے بعض صحابہ (کعب بن عجرہ اور ابو حمید ساعدی وغیرہ) کی روایات میں جو اسی طرح کے سوال کا ذکر ہے وہ یا تو اسی مجلس کے واقعہ کا بیان ہے یا مختلف حضرات نے مختلف موقعوں پر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے جواب میں ان کو درود شریف کے وہ کلمات تلقین فرمائے جو ان کی روایات میں وارد ہیں۔ اکثر احادیث کے سیاق اور الفاظ و کلمات کے فرق سے اسی دوسرے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو سعید انصاری کی اس حدیث کی امام احمد اور ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ کی روایات میں ایک اضافہ یہ بھی ہے کہ بشیر بن سعد نے درود بھیجنے کے بارے میں سوال کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا:

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَوَاتِنَا

جب ہم نماز میں آپ ﷺ پر درود بھیجیں تو کس طرح بھیجا کریں؟

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سوال خاص طور سے نماز میں درود پڑھنے کے بارے میں کیا گیا تھا اور یہ درود ابراہیمی رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت سے نماز میں پڑھنے کے لئے تلقین فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاری کی اس روایت میں بھی ابو حمید ساعدی کی حدیث کی طرح ”کَمَا صَلَّيْتَ“ اور ”کَمَا بَارَكْتَ“ کے بعد صرف ”عَلَى آلِ اِبْرَاهِيمَ“ روایت کیا گیا ہے اور آخر میں ”اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ“ سے پہلے ”فِي الْعَالَمِيْنَ“ کا اضافہ بھی ہے۔

(۳۱۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَلِمْنَا فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہم نے عرض کیا حضرت! آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو گیا (یعنی تشہد کے ضمن میں بتا دیا گیا) ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ اب ہمیں یہ بھی بتا دیا جائے کہ ہم آپ پر ”صلوٰۃ“ کس طرح بھیجا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ. (رواه البخاری)

اے اللہ! اپنی خاص عنایت و نوازش اور محبت و رحمت فرما اپنے خاص بندے اور رسول (حضرت) محمد پر جیسی تو نے نوازش و عنایت اور محبت و رحمت فرمائی (اپنے خلیل حضرت) ابراہیم پر اور خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد و آل محمد پر جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر۔

(صحیح بخاری)

(۳۱۴) عَنْ طَلْحَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ؟ قَالَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه السنائی)

ترجمہ: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے پیغمبر خدا ہم آپ ﷺ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہا کرو اے اللہ! نوازش و عنایت اور محبت و رحمت فرما محمد ﷺ پر جیسی نوازش و عنایت اور محبت و رحمت فرمائی تو نے ابراہیم پر، تو حمد

وستائش کا سزاوار ہے اور ہر طرح کی عظمت و بزرگی تیرے لئے ہے۔ (سنن نسائی)

۳۱۵ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ عَلِمْنَا أَسْلَامَ عَلَيْكَ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ قُولُوا
اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى إِبْرَاهِيمَ
إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہم لوگوں نے عرض کیا کہ
حضرت آپ (ﷺ) پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ اب بتادیتے کہ آپ (ﷺ) پر صلوٰۃ
کس طرح بھیجی جائے؟ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا اللہ کے حضور میں یوں عرض کیا کرو:

اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى إِبْرَاهِيمَ
إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ O

اے اللہ! اپنی خاص نوازشیں، عنایتیں اور اپنی مخصوص رحمت نازل فرما حضرت محمد اور ان کے گھروالوں
پر، جیسے تو نے نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر، تو ہر حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ذاتی
صفت ہے۔ (مسند احمد)

۳۱۶ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى فَقُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ
النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَى
مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ
حَمِيدٌ مُجِيدٌ O (رواه احمد وابن حبان والدارقطني والبيهقي في السنن)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر صلوٰۃ
بھیجو تو اس طرح کہا کرو ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ O“ (مسند احمد، صحیح ابن حبان، سنن دارقطنی، سنن بیہقی)
(چونکہ درود پاک کے ان کلمات کا ترجمہ بار بار کیا جا چکا ہے اسلئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی)۔

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ اس درود میں رسول اللہ ﷺ کا نام پاک آپ کی
امتیازی صفت اور خاص لقب ”النبي الامي“ کے اصابہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں آپ ﷺ کی یہ
صفت ایک خاص نشانی اور پہچان کے طور پر ذکر کی گئی ہے (الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي
يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ..... الاعراف) اس آیت میں اشارہ ہے کہ تورات و انجیل
میں آپ ﷺ کا ذکر اس صفت کے ساتھ کیا گیا تھا ”امی“ کے معنی ہیں ”بے لکھے پڑھے“ مطلب یہ ہے کہ جو
علم و ہدایت آپ ﷺ لے کر آئے وہ آپ ﷺ نے کسی استاد یا کتاب سے حاصل نہیں کیا ہے، بلکہ براہ راست

اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوا ہے۔ لکھنے پڑھنے کے لحاظ سے آپ ﷺ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کی اس صفت اور اس لقب میں ایک خاص محبوبیت ہے اور اس چھوٹے سے لفظ میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک بڑی روشن دلیل پیش کر دی گئی ہے۔

نگارِ من کہ بملکت نہ رفت و خط نہ نوشت

بغزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

۳۱۷ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ صَلُّوا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ وَقُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ

(رواہ احمد والنسائی)

ترجمہ: حضرت زید بن خارجه انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجی جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود بھیجا کرو اور خوب اہتمام اور دل لگا کے دعا کیا کرو اور یوں عرض کیا کرو: ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ“ (اے اللہ حضرت محمد اور آل محمد پر اپنی خاص عنایت و رحمت اور برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں، تو ہر حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور عظمت و بزرگی تیری صفت ہے) (مسند احمد، سنن نسائی)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن خارجه کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجی جائے؟ درود کے کلمات بھی تلقین فرمائے اور اس سے پہلے ارشاد فرمایا ”صَلُّوا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ“ اس عاجز نے ”وَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ“ کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ درود شریف جو دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک دعا ہے، صرف زبان سے سرسری طور پر نہیں، بلکہ اہتمام اور دل کی پوری توجہ سے مانگی جائے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، شَهِدْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَشَفَعْتُ لَهُ.

(رواہ الطبری فی تہذیب الآثار فتح الباری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر اس طرح درود بھیجا ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ“

ابراہیم و بَارکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ و عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیمَ و عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیمَ و تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ و عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیمَ و عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیمَ۔“ تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ (تہذیب الآثار العظمیٰ)

تشریح..... حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی ہوئی اس درود میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کے لئے صلوٰۃ اور برکت کے علاوہ ترحم کی بھی دعا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے علما اور فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کے لئے رحمت کی دعا سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ دعا تو عام مؤمنین کے لئے کی جاتی ہے لیکن اگر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رحمت و ترحم کی استدعا آپ ﷺ کے لئے کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ تشہد میں ”السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ“ ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس میں آپ ﷺ کے لئے سلام کے ساتھ رحمت کی دعا بھی ہے اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کے روایت کئے ہوئے اس درود میں صلوٰۃ اور برکت کی استدعا کے بعد ترحم کی استدعا بھی کی گئی ہے۔ اس طرح ترحم کی استدعا صلوٰۃ و سلام کا تکرار بن جاتی ہے۔

۳۱۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَكْتَالَ بِالْمِكَئَالِ الْأَوْفَى إِذَا صَلَّى عَلَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ وَأَزْوَاجِہٖ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَأَهْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اس سے خوشی ہو اور وہ چاہے کہ مجھ پر اور میرے گھروالوں پر درود بھیج کر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں زیادہ سے زیادہ اور بھرپور حاصل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے۔

”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ وَأَزْوَاجِہٖ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَأَهْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ۔“ (سنن ابی داؤد)

اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرمانبی امی حضرت محمد ﷺ پر اور انکی ازواج مطہرات امہات المؤمنین اور ان کی نسل پر اور ان کے سب گھروالوں پر تو ہر حمد و ستائش کا مستحق و سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ہی صفت ہے۔

تشریح..... اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات کا خیال ہے کہ درودوں میں یہ درود سب سے افضل ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ جو زیادہ سے زیادہ اور بھرپور رحمت و برکت اور اجر و ثواب حاصل کرنا چاہے وہ یہ درود پڑھے۔ اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ نماز میں تو وہ درود پڑھنا افضل ہے جو ابتدائی حدیثوں میں گزر چکا اور نماز سے باہر یہ درود افضل ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں روایت کیا ہے۔

ہے واللہ اعلم۔

۳۲ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَدُّہُنَّ فِیْ یَدِیْ جِبْرِیْلُ وَقَالَ جِبْرِیْلُ

هَكَذَا اُنْزِلَتْ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعِزَّةِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَّ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. (رواه البيهقي في شعب الایمان والديلمی)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل امین نے میرے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر درود شریف کے یہ کلمات تعلیم فرمائے اور بتایا کہ رب العزت جل جلالہ کی طرف سے یہ اسی طرح اترے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ..... الخ (مسند فردوس ذیلی شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: اس درود میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلوة اور برکت اور ترحم کی استدعا کے علاوہ سلام اور تحسن کی استدعا کی گئی ہے۔ تحسن کے مفہوم کو اردو زبان میں شفقت اور پیار دلار سے ادا کیا جاسکتا ہے اور سلام کے معنی ہیں ہر برائی اور ناپسندیدہ چیز سے سلامتی اور حفاظت۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کنز العمال جلد اول میں جہاں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے وہیں سند کے لحاظ سے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ پھر اسی کی دوسری جلد میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث اور درود شریف کے یہی کلمات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی صاحب مستدرک ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی ”معرفۃ علم الحدیث“ کے حوالے سے ان کی مسلسل سند کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں اور اس سند کے بھی بعض راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے، ساتھ ہی سیوطی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہیں اس حدیث کے بعض اور ”طریقے“ بھی ملے، نیز حضرت انس سے بھی قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو ابن عساکر کے حوالے سے کنز العمال میں بھی درج ہے اور اصحاب فن کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے قابل قبول ہو جاتی ہے۔ خاص کر فضائل اعمال میں ایسی حدیث سب کے نزدیک قابل عمل ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں حاکم کی روایت کردہ حضرت علیؓ والی حدیث کے راویوں پر سخت جرح کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ”غایۃ الامر یہ ہے کہ یہ حدیث

ضعیف ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو بھی قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔“
(شرح شفاء ص ۷۳ ج ۳) انہی سب باتوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ حدیث ضعیف ہونے کے باوجود یہاں درج کر دی گئی ہے۔

یہاں تک جو احادیث درج ہوئیں جن میں درود و سلام کے کلمات تلقین فرمائے گئے ہیں، یہ سب مرفوع حدیثیں تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات تھے۔ اور ان میں درود و سلام کے جو کلمات تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کی بنیاد وحی ربانی پر ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے بشیر بن سعد نے دریافت کیا کہ ہم آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں؟ تو آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے، یہاں تک کہ وحی آئی اس کے بعد آپ ﷺ نے درود ابراہیمی تلقین فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے بارے میں آپ ﷺ کو بنیادی رہنمائی وحی سے ملی تھی، اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ درود و سلام کے جو کلمات بھی کسی وقت آپ ﷺ نے تلقین فرمائے ان کی بنیاد وحی پر ہے اور یہ فضیلت درود و سلام کے انہیں کلمات کو حاصل ہے جو کسی وقت آپ نے تعلیم فرمائے۔ ان کے علاوہ بعض صحابہ کرام اور دوسرے سلف صالحین سے درود و سلام کے جو کلمات منقول ہیں ان کو یہ خصوصیت اور فضیلت حاصل نہیں ہے، اگرچہ ان میں سے بعض لفظی اور معنوی لحاظ سے بہت ہی بلند ہیں اور ان کی مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ان میں سے ایک جو کتب حدیث میں فقیہ الامۃ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا گیا ہے، اور دوسرا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہاں درج کئے جا رہے ہیں اور انہی پر روایات کا یہ سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے۔

(۳۲۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ لَعَلَّ ذَلِكَ يُعَرِّضُ عَلَيْهِ فَقَالُوا لَهُ فَعَلِمْنَا فَقَالَ قُولُوا.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَامَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا يَغْبِطُ بِهِ الْاَوَّلُونَ وَالْاٰخِرُونَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ... حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو تو بہتر سے بہتر طریقہ پر درود بھیجنے کی کوشش کرو، تم جانتے نہیں ہو ان شاء اللہ تمہارا وہ درود آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا تو آپ ﷺ ہمیں بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ ہم کس طرح درود بھیجا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یوں عرض کیا کرو:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَواتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَبَرَکاتِكَ اِلٰی قَوْلِهِ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ

(رواہ ابن ماجہ)

(اے اللہ! اپنی خاص عنایات اور رحمتیں اور برکتیں نازل فرما سید المرسلین، امام المقتدین، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر جو تیرے خاص بندے اور رسول ہیں، نیکی اور بھلائی کے راستہ کے امام اور راہنما ہیں، رحمت والے پیغمبر ہیں) (یعنی جن کا وجود ساری دنیا کے لئے باعث رحمت ہے) اے اللہ! ان کو اس "مقام محمود" پر فائز فرما جو اولین و آخرین کے لئے قابل رشک ہو۔ اے اللہ! حضرت محمد اور آل محمد پر اپنی خاص نوازشیں اور عنایتیں فرما جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم و آل ابراہیم! پر نوازشیں اور عنایتیں فرمائیں اور حضرت محمد و آل محمد ﷺ پر اپنی خاص برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں، تیری ذات ہر حمد و ستائش کی سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ذاتی صفت ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

ترشح درود شریف کے یہ کلمات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو تعلیم فرمائے تھے۔ بلاشبہ بڑے مبارک اور مقبول کلمات ہیں اور اس میں وہ درود ابراہیمی بھی لفظ بہ لفظ شامل ہے جو کعب بن عجرہ کی اس روایت میں گزر چکا ہے جو صحیحین کے حوالہ سے سب سے پہلے درج کی جا چکی ہے۔

(۳۲۲) عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَسَعْدِيْكَ صَلَواتُ اللهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ عَلَى مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِاللهِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَامَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِي اِلَيْكَ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَام

(اوردہ القاضی عیاض فی کتاب الشفا)

ترجمہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر اس طرح درود بھیجتے تھے۔ (پہلے سورۃ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرماتے جس میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلٰی النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اس کے بعد کہتے "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَسَعْدِيْكَ" اے میرے اللہ میں تیرے اس فرمان کی بسر و چشم تعمیل کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں۔

"صَلَّواتُ اللهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ الخ"

اس خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بڑا احسان فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔ خاص نوازشیں اور عنایتیں ہوں، اور اس کے ملائکہ مقربین اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی اور اس ساری

مخلوقات کی جو اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے۔ بہترین دعائیں اور نیک تمنائیں ہوں۔ حضرت محمد بن عبد اللہ کے لئے جو خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں، جو اللہ کی طرف سے شہادت ادا کرنے والے ہیں، اللہ کے فرمانبردار بندوں کو رحمت و جنت کی بشارت سنانے والے اور مجرموں، نافرمانوں کو بُرے انجام سے اور اللہ کے عذاب سے آگاہی دینے والے ہیں، جو تیرے بندوں کو تیرے حکم سے تیری طرف دعوت دیتے ہیں اور تیرے ہی روشن کئے ہوئے چراغ ہیں، اور ان پر سلام ہو۔ (شفاء قاضی عیاض)

تشریح..... یہ درود پاک جیسا کہ ظاہر ہے الفاظ و مطالب کے لحاظ سے نہایت بلند اور ایمان افروز ہے۔ لیکن حدیث کی کسی کتاب میں اس کی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم اور محدث قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب ”الشفاء بحق المصطفى“ میں اس کو حضرت علی مرتضیٰ سے نقل کیا ہے^۱ اور علامہ قسطلانی نے ”مواہب لدنیہ“ میں شیخ زین الدین بن الحسین مراغی کی کتاب ”تحقیق النصرة فی دار الهجرة“ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ میں حضرت علی مرتضیٰ نے آپ ﷺ پر یہی درود پاک پڑھا تھا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر ان کو بھی تعلیم فرمایا تھا^۲..... بہر حال الفاظ و مطالب کے لحاظ سے بڑا پیارا اور روح پرور یہ درود ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے درود و سلام کے جو کلمات یہاں نقل کئے گئے ان سے معلوم ہو گیا کہ اُمت کے لئے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر صرف آپ ﷺ کے تلقین فرمائے کلمات ہی کے ذریعہ درود و سلام بھیجے، بلکہ ارباب ذوق و محبت کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ حدود شریعت کے پابند رہتے ہوئے اپنے ذوق و شوق کے تقاضے کے مطابق دوسرے کلمات کے ذریعہ بھی آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیج سکتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے اکابر اُمت، تابعین اور بعد کے علماء عارفین سے اور بھی کلمات منقول ہیں لیکن وہ سلسلہ معارف الحدیث کے دائرہ سے باہر ہیں اس لئے ان کو یہاں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا، اگر اللہ نے توفیق دی تو ان میں سے بھی چند منتخب کلمات کو ایک مستقل مضمون میں جمع کرنے اور ان پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے معارف الحدیث کی پانچویں جلد یہاں ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے مؤلف اور ناظرین کے لئے وسیلہ رحمت و مغفرت بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جلد اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ششم

کُنَا الْمَغَاشَةِ وَالْمَغَامِلَاتِ

حصہ اول

تألیف

مولانا محمد منظور نعمانی

اردو بازار ایسے جنت روڈ
محرمی پاکستان 021-2213768

دارالاشاعت

جملہ حقوق ملکیت برائے پاکستان بحق ”خلیل اشرف عثمانی“ دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مصنف سے جو دواوی حقوق اشاعت پہلے حاصل تھے اب انکے ورثاء سے پاکستان کے لئے ”جملہ حقوق ملکیت مع اپنے تمام حقوق سے خلیل اشرف عثمانی کے حق میں دستبرداری کا معاہدہ عمل میں آ گیا ہے“ اس کی اطلاع ور جسٹریشن کاپی رائٹ رجسٹرار کے ہاں عمل میں آ چکی ہے۔ لہذا کوئی شخص یا ادارہ اس کی غیر قانونی اشاعت و فروخت میں ملوث پایا گیا تو بغیر پیشگی اطلاع کے قانونی کارروائی عمل میں لا کی جائے گی۔ ناشر

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

منے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت العلوم 20 نا بھ روڈ لاہور	بیت القرآن اردو بازار کراچی
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
یونیورسٹی بک انجینسی خیبر بازار پشاور	بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
کتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد	مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی	مکتبہ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں منے کے پتے

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLIWELL ROAD
BOLTON BL3NE, U.K.

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

امریکہ میں منے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIEFF, HOUSTON,
TX 77074, U.S.A

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں — جو ”نبی اُمی“ سیدنا حضرت محمد
عربی (فداۃ اُمی و ابی و روحی و قلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں
اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم
علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں
اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آئیے

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر
آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمہٴ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی رضوان اللہ علیہ

دیباچہ

از مؤلف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ”ہدایت“ اور ”دین“ حق لے کر آئے اس میں سب سے پہلی چیز ایمان اور توحید کی دعوت تھی۔ پھر جو لوگ آپ ﷺ کی اس دعوت کو قبول کر لیتے ان کو آپ ﷺ عملی زندگی کے بارے میں ہدایات دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی اس ہدایت اور تعلیم کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے جس میں آپ ﷺ نے بتلایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے اور اس باب میں ان کے فرائض کیا ہیں اور اس حق اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے۔

دوسرا حصہ آپ ﷺ کی تعلیم کا وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ بندوں پر دوسرے بندوں کے اور عام مخلوقات کے کیا حقوق ہیں اور اس دنیا میں جب ایک انسان کا دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق سے واسطہ اور معاملہ پڑتا ہے تو اسکے ساتھ اس کا رویہ کیا ہونا چاہئے اور اس باب میں اللہ کے احکام کیا ہیں۔

حقوق العباد کا مسئلہ اس لحاظ سے زیادہ اہم اور قابلِ فکر ہے کہ اس میں اگر تقصیر اور کوتاہی ہو جائے یعنی کسی بندہ کی ہم سے حق تلفی ہو جائے تو اس کی معافی اور اس سے نجات و سبکدوشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے (جو رحیم و کریم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ یا تو اس دنیا میں اس بندہ کا حق ادا کر دیا جائے یا اس سے معافی حاصل کر لی جائے اگر ان دونوں میں سے کوئی بات بھی یہاں نہ ہو سکی تو آخرت میں لازماً اس کا معاوضہ ادا کرنا ہو گا اور وہ بے حد مہنگا پڑے گا یا اس کے حساب میں آخرت کا سخت عذاب بھگتنا ہو گا جیسا کہ حدیثوں میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عَرْضِهِ أَوْ سِنِيهِ فَلْيَتَحَلَّلْ لَهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ أَنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أَخَذَ مِنْهُ بِقَدَرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أَخَذَ مِنْ سَيِّئَاتٍ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ.

(صحیح بخاری، ابواب المظالم و انقصاص)

جس کسی نے اپنے کسی بھائی کے ساتھ ظلم زیادتی کی ہو، اس کی آبروریزی کی ہو یا کسی اور معاملہ میں

حق تلفی کی ہو تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اور اسی زندگی میں اس سے معاملہ صاف کرا لے، آخرت کے اس دن کے آنے سے پہلے جب اس کے پاس ادا کرنے کے لئے دینا درہم کچھ بھی نہ ہوگا اگر اس کے پاس اعمال صالحہ ہوں گے تو اس کے ظلم کے بقدر مظلوم کو دلا دیئے جائیں گے اور اگر وہ نیکوں سے بھی خالی ہاتھ ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لا دیئے جائیں گے (اور اس طرح انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے گا۔)

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

الدواوین ثلاثة دیوان لا یغفر الله الاشرار بالله بقول الله عزوجل ”ان الله لا یغفر ان یشرک به“ و دیوان لا یترک الله ظلم العباد فیما بینهم حتی یقص بعضهم من بعض و دیوان لا یعاب الله به ظلم العباد فیما بینهم و بین الله فذلک الی الله ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۵)

اعمال نامے (جن میں بندوں کے گناہ لکھے گئے ہیں) تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کی ہر گز معافی اور بخشش نہ ہوگی، وہ ”شرک“ ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ ہر گز نہیں بخشتے گا۔ اور گناہوں کی ایک وہ فہرست ہے جس کو اللہ تعالیٰ انصاف کے بغیر نہ چھوڑے گا وہ بندوں کے باہمی مظالم و زیادتیاں اور حق تلفیاں ہیں ان کا بدلہ ضرور دلا یا جائیگا اور ایک فہرست گناہوں کی وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اہمیت اور پرواہ نہیں یہ بندوں کے وہ مظالم اور تقصیرات ہیں جن کا تعلق بس ان سے ہے اور ان کے اللہ سے ہے، ان کے بارے میں فیصلہ بس اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو بالکل معاف کر دے۔

بہر حال حقوق العباد کا معاملہ اس لحاظ سے بہت زیادہ سنگین اور قابل فکر ہے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے (جو کریم و رحیم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا بلکہ وہ بندوں سے ہی متعلق ہے اور ان کا حال معلوم ہے۔ پھر حقوق العباد سے متعلق آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے بھی دو حصے ہیں ایک وہ جس کا تعلق معاشرتی آداب و احکام سے ہے، مثلاً یہ کہ ماں باپ کا اولاد کے ساتھ، اولاد کا ماں باپ کے ساتھ، بیوی کا شوہر اور شوہر کا بیوی کے ساتھ، قریب و بعید کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ، نوکروں، ماتحتوں کے ساتھ، خاص کر کمزور اور ضرورت مند طبقوں کے ساتھ، اسی طرح اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ کیا رویہ اور کیسا برتاؤ ہونا چاہئے۔ علیٰ ہذا آپس میں ملنے جلنے، ہنسنے، بولنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، شادی بیاہ اور خوشی و غم کے موقعوں پر کن احکام اور آداب کی پابندی کرنی چاہئے۔ دین کے اس حصہ کا جامع عنوان معاشرت ہے۔

دوسرا حصہ حقوق العباد سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا وہ ہے جس میں معاشی و مالی معاملات مثلاً خرید و فروخت، تجارت و زراعت، قرض و امانت، ہبہ و وصیت، محنت و مزدوری یا باہمی نزاعات میں عدل و انصاف، محکمہ قضا اور شہادت و وکالت وغیرہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں، اس کا جامع عنوان معاملات ہے۔

معارف الحدیث کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں ایمان اور ایمان کے لوازم و متعلقات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ایک خاص سبج اور ترتیب سے مرتب کر کے ان کی تشریح کی گئی تھی جن کو حضرات محدثین نے اپنی مؤلفات کے ابواب ایمان میں درج کیا ہے اور قیامت و آخرت، جنت، دوزخ وغیرہ سے متعلق احادیث کو بھی اس جلد میں شامل کر دیا گیا تھا، کیونکہ ان کا تعلق بھی ایمان اور عقیدہ ہی سے ہے۔ پھر دوسری جلد (کتاب الرقاق والاخلاق) میں ان حدیثوں کی تشریح کی گئی جن کا تعلق ابواب زہد و رقاق اور اخلاق سے ہے کیونکہ ایمان اور احسان سے ان کا بہت قریبی رابطہ ہے اور ان کا تعلق بھی عملی زندگی سے نہیں بلکہ قلب و باطن سے ہے۔

پھر تیسری جلد میں طہارت و نماز، اور چوتھی جلد میں زکوٰۃ، روزہ اور حج اور پانچویں جلد میں تلاوت قرآن، اذکار و دعوات، توبہ و استغفار وغیرہ سے متعلق احادیث جمع کر کے ان کی تشریح کی گئی۔ اس طرح ان تینوں جلدوں میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا وہ حصہ ضروری تشریح اور وضاحت کے ساتھ کم از کم اصولی طور پر پورا آ گیا جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور خاص کر عبادات سے ہے۔

اب یہ چھٹی جلد جس کو ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا پڑا۔ اس میں کتب حدیث سے وہ حدیثیں منتخب کر کے ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئی ہیں جن کا تعلق حقوق العباد یعنی معاشرت اور معاملات کے ابواب سے ہے۔

جلد ششم حصہ اول (جو آپ کے ہاتھ میں ہے) اس میں صرف ابواب معاشرت سے متعلق سواتین سو حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے اس کی جامعیت کا کچھ اندازہ آپ اس فہرست عنوانات سے بھی کر سکتے ہیں جو کتاب کے شروع میں شامل ہے۔ اس کے حصہ دوم میں معاشرت و معاملات کے بقیہ ابواب، مثلاً نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات اور تجارت و زراعت، وصیت و امانت، قرض و ہبہ اور اجارہ داری وغیرہ معاشی و مالی معاملات اور قضا و عدالت وغیرہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و معمولات کی تشریح انشاء اللہ اسی انداز میں آپ کے سامنے آئے گی۔ واللہ الموفق۔

اس جلد کی بھی زیادہ تر بلکہ قریباً تمام تر حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح، جمع الفوائد اور کنز العمال سے منتخب کی گئی ہیں اور سابقہ جلدوں کی طرح اس کی احادیث کی تخریج میں بھی انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں گی لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف انہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا جمہور محدثین کے نزدیک اس کی صحت کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔

حدیثوں کی ترتیب و تشریح اور عنوانات وغیرہ میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر سابقہ جلدوں کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے اس لئے اب یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس سلسلہ معارف الحدیث کی تالیف سے مقصود چونکہ عام تفہیم ہے اس لئے اس جلد کی حدیثوں کے

ترجمہ میں بھی لفظی ترجمہ اور نحوی ترکیب کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے۔ لیکن اگر مصنف سے کسی حدیث کا مفہوم سمجھنے اور ادا کرنے میں غلطی ہو گئی ہو (جو بلاشبہ ممکن ہے) تو جو صاحب علم اس پر مطلع ہوں وہ ازراہ کرم اس عاجز کو اطلاع دے کر ممنون فرمائیں تاکہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔ راجعہم علی اللہ۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص ”علمی سیر“ کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں۔ اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا۔۔۔ تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عبد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ازراہ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ راقم السطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ ادب نصیب فرمائے۔

آخری بات اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے اور اس کے اتمام کے لئے اس سے حسن توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

اپریل ۱۹۰۵ء

معارفُ الحديث

حصه ششم

کتابُ المعاملات والمعاشرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ اس سلسلہ معارف الحدیث کی اس سے پہلی پانچ جلدوں میں رسول اللہ کی جو احادیث اور آپ ﷺ کے جوار شادات مرتب کر کے پیش کئے جا چکے ہیں ان کا تعلق یا عقائد و ایمانیات سے تھا یا اخلاق و جذبات اور قلب و روح کی کیفیات سے یا طہارت اور نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ و عبادات اور اذکار و دعوات سے۔ اب ان احادیث کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جن کا تعلق معاشرتی حقوق اور آداب اور معاشی معاملات سے ہے اور جن سے معلوم ہوگا کہ ہم اپنے ابناء، جنس اور عزیزوں، قریبوں، چھوٹوں اور بڑوں، اپنوں اور پرانیوں کے ساتھ، جن سے زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے کس طرح پیش آئیں، کیسا برتاؤ کریں اور کس کے کس پر کیا حقوق ہیں اور لین دین، خرید و فروخت، قرض و امانت، تجارت و زراعت، مزدوری و دستکاری، کارخانہ داری و کرایہ داری اور اسی طرح دوسرے معاشی مشاغل کے بارے میں اللہ و رسول ﷺ کے کیا احکام ہیں اور ان کی کون سی شکلیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں۔

معاشرت و معاملات کی خصوصی اہمیت

یہ دونوں باب (معاشرت و معاملات) اس لحاظ سے شریعت کے نہایت اہم ابواب ہیں کہ ان میں ہدایت ربانی اور خواہشات نفسانی اور احکام شریعت اور دنیوی مصلحت و منفعت کی کشمکش، عبادات وغیرہ دوسرے تمام ابواب سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے اللہ کی بندگی و فرمانبرداری اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی شریعت کی تابعداری کا جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے بنی آدم کو فرشتوں پر نوعی فضیلت حاصل ہوئی، ورنہ ظاہر ہے کہ ایمان و یقین اور ہمہ وقتی ذکر و عبادت اور روح کی لطافت و طہارت میں انسان فرشتوں کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔

معاشرت سے متعلق احکام و ہدایات

اس تمہید کے بعد ہم پہلے معاشرت کے سلسلہ کی حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ نکاح و طلاق اور عدت و نفقہ وغیرہ سے متعلق احادیث بھی اس ضمن میں درج ہوں گی۔ معاشرتی احکام و ہدایات کا سلسلہ بچے کی پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم انہی حدیثوں سے اس سلسلہ کا آغاز کر رہے ہیں جن میں پیدائش ہی کے سلسلہ میں ہدایات دی گئی ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں ماں باپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

مال باپ کی ابتدائی ذمہ داریاں

نو مولود بچہ کے کان میں اذان

(۱) عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَذَّنَ فِي أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِينَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ
بِالصَّلَاةِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اپنے نواسے حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا) جب آپ کی صاحبزادی (فاطمہ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ (جامع ترمذی مسند ابن ابی شیبہ)

تشریح حضرت ابورافع کی اس حدیث میں حضرت حسن کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے جو "کنز العمال" میں مسند ابویعلیٰ موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نو مولود بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم و ترغیب دی اور اس برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ ام الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نو مولود بچہ کا پہلا حق گھر والوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل و دماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید اور ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کریں۔ اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے کانوں میں اذان و اقامت پڑھی جائے۔ اذان و اقامت میں دین حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقے سے دی گئی ہے نیز ان دونوں کی یہ تاثیر اور خاصیت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطان بھگتا ہے اس لئے بچہ کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پیدائش کے وقت نو مولود مسلمان بچے کے کان میں اذان و اقامت پڑھنے کی تعلیم دی اور جب عمر پوری کرنے کے بعد اس کو موت آجائے تو غسل دے کر اور کفنا کر اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح یہ بتلادیا اور جتلا دیا کہ مؤمن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور بس اس طرح گزرنی چاہئے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اس کی تیاری میں گزرتی ہے۔ نیز یہ کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اسکے کان میں اذان دی جائے اور آخری حق یہ ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

تحنیک اور دعائے برکت

رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور صحبت کے نتیجے میں صحابہ کرام کو آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق

تھا اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نو مولود بچے آپ ﷺ کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپ ﷺ ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائیں اور کھجور یا ایسی ہی کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو پر مل دیں اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُؤْتِي الصَّبْيَانَ فَيَبْرِكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ ﷺ ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے اور تحنیک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۳) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُ بِقُبَاءٍ ثُمَّ آتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَوَضَعْتُهُ فِي حَجْرِهِ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِيهِ ثُمَّ حَنَّكَهُ ثُمَّ دَعَا لَهُ وَبَرَكَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وَلِدَ فِي الْإِسْلَامِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حمل سے تھیں جب ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو قباء میں ان کی ولادت ہوئی اور عبد اللہ بن زبیر پیدا ہوئے کہتی ہیں کہ میں بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس کو آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے چھو بار منگوایا اور اس کو چبایا پھر اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور پھر اس کے تالو پر ملا، پھر اس کے لئے دعا کی اور برکت سے نوازا اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا (جو ہجرت کے بعد ایک مہاجر کے گھر پیدا ہوا)۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح: صحیح بخاری کی اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر کے پیدا ہونے سے مسلمانوں کو خاص کر اس لئے بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی کہ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان کے بچے پیدا ہی نہ ہوں گے۔ عبد اللہ بن زبیر کی پیدائش نے اس کو غلط ثابت کر دیا اور مسلمانوں کے جو دشمن یہ جادو والی بات مشہور کر رہے تھے وہ ذلیل ہوئے۔

کتب حدیث میں ”تحنیک“ کے بہت سے واقعات مروی ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہو تو چاہئے کہ اللہ کے کسی مقبول اور صالح بندے کے پاس اس کو لے جائیں اس کے لئے خیر و برکت کی دعائیں بھی کرائیں اور ”تحنیک“ بھی کرائیں۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے جن کا رواج بہت ہی کم رہ گیا ہے۔

عقیدۂ

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے اور اس مارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ

نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لئے جاہلیت میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نو مولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہماں کے پیٹ سے لے کے پیدا ہوا ہے صاف کر دیئے جاتے اور اُس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملتِ ابراہیمی کی نشانیوں میں سے ہے) رسول اللہ ﷺ نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقہ کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

(۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وَلَدَ لِأَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً يَوْمَ السَّابِعِ وَنُحَلِّقُ رَأْسَهُ وَنُلَطِّخُهُ بِزَعْفَرَانٍ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو (رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق) ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے اور بچے کا سر صاف کر کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

اور اسی حدیث کی رزین کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ ہم بچے کا نام بھی رکھتے ہیں۔

(۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا عَقُّوا عَنِ الصَّبِيِّ خَصَبُوا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيقَةِ فَإِذَا حَلَقُوا رَأْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوا عَلَى رَأْسِهِ لَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خَلْقًا. (رواه ابن حبان فی صحیحہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچے کا عقیقہ کرتے تو روئی کے ایک پھوئے میں عقیقہ کے جانور کا خون بھر لیتے، پھر جب بچے کا سر منڈوا دیتے تو وہ خون بھر اچھویا اس کے سر پر رکھ دیتے (اور اس کے سر کو عقیقہ کے خون سے رنگین کر دیتے) یہ ایک جاہلانہ رسم تھی (تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو۔“ (صحیح ابن حبان)

تشریح: خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ حضرت بریدہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھا چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے اور یہ بنیادی طور پر شریعت اسلامی کے مزاج کے مطابق تھا اور غالباً مناسک حج کی طرح ملتِ ابراہیمی کے بقایا میں سے تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

اسی طرح بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرتے تھے لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے غالباً

لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔^(۱) البتہ دونوں صنفوں میں قدرتی اور فطری فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانون شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا ہے) اس کی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں (اگر استطاعت اور وسعت ہو) تو دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔

(۶) عَنْ أُمِّ كُرَيْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانَا كُنَّ أَوْ أُنثَى. (رواه الترمذی والنسائی)

ترجمہ: ام کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ (عقیقہ کے بارے میں) فرما رہے تھے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری اور اسمیں کوئی حرج نہیں کہ عقیقہ کے جانور نہ ہوں یا مادہ۔ (جامع الترمذی سنن نسائی)

(۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ وَلَدَ لَهُ وَلَدًا فَاحَبَّ أَنْ يَنْسِكَ عَنْهُ فَلْيَنْسِكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً. (رواه ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے۔ (سنن ابی داؤد سنن نسائی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ فرائض و واجبات کی طرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے جیسا کہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں کرنا بھی کچھ ضروری نہیں ہے ہاں اگر وسعت ہو تو دو کی قربانی بہتر ہے ورنہ ایک بھی کافی ہے۔

آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہو گا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں ایک ایک بکری کی قربانی کی تھی۔

(۸) عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كُلُّ غُلَامٍ رَهْنَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُحْلَقُ وَيُسَمَّى. (رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کیا جائے اور اس کا سر منڈوا دیا جائے اور نام رکھا جائے۔ (سنن ابی داؤد جامع ترمذی سنن نسائی)

تشریح: عقیقہ کے جانور کے عوض نہ پ کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ اس

(۱) ان اليهود تعق عن الغلام ولا تعق عن الجارية فعنوا عن الغلام شاتين و عن الجارية شاة رواه البيهقي في شعب الایمان عن ابی هريرة مرفوعاً (کنز العمال ص ۲۰۲ ج ۱۸)

عاجز کے نزدیک دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لئے عقیقہ کی قربانی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ ہے۔ جب تک یہ شکر یہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باقی رہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے علاوہ ازیں اسی دن بچے کا سر صاف کر دینے میں طبی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کر دینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ساتویں دن بچے کا نام بھی رکھا جائے۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بچوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا اس لئے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ بھی نام رکھ دیا جائے۔ جن حدیثوں میں ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی سمجھنا چاہئے۔

(۹) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةً فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَامِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى. (رواہ البخاری)

حضرت سلمان بن عامر الضبئی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بچے کے ساتھ عقیقہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بچہ عطا فرمائے وہ عقیقہ کرے) لہذا بچے کی طرف سے قربانی کرو اور اس کا سر صاف کرادو۔ (صحیح بخاری)

عقیقہ میں جیسا کہ ان حدیثوں سے ظاہر ہے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ ایک بچے کا سر منڈوا دینا اور دوسرا اس کی طرف سے شکرانہ اور فدیہ کے طور پر جانور قربان کر دینا۔ ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے اور یہ ملت ابراہیمی کے شعائر میں سے ہیں۔ حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سر صاف کراتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے اور یہ بچہ بھی ملت ابراہیمی کا ایک فرد ہے۔

(۱۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے نواسوں) حسن اور حسین کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت حسن اور حضرت حسین کے عقیقہ میں رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لئے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح ان لوگوں کے لئے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہو گئی۔ اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ایک ایک مینڈھے

کے دودو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابل ترجیح ہے جس میں ایک ایک مینڈھے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ عَقَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِخْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِزَنَةِ شَعْرِهِ فَضَّةً فَوَزَنَاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضُ دِرْهَمٍ. (رواه الترمذی)

ترجمہ... حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ ﷺ نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کر دو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دو ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کچھ برابریا اس سے بھی کچھ کم تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح... اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلے میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے یہ بھی مستحب ہے۔

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صاحبزادہ حسنؑ کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؑ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کر دی، لیکن حضرت فاطمہ سے فرمادیا کہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کر دیں تاکہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

تسمیہ (نام رکھنا)

بچے کا اچھا نام رکھنا بھی ایک حق ہے۔ احادیث نبوی ﷺ میں اس بارے میں بھی واضح ہدایات وارد ہوئی ہیں۔

(۱۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ أَنْ يُحْسِنَ اسْمَهُ وَيُحْسِنَ أَذْبَهُ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوَّلُ مَا يَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهُ اسْمُهُ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهُ. (رواه ابو الشيخ)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے اس لئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔ (ابو الشیخ)

(۱۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَدْعُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَاءِكُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ. (رواه احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے نام کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائے گا فلاں بن فلاں) لہذا تم اچھے نام رکھا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ أَحَبَّ أَسْمَاءُكُمْ إِلَى اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ وَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ (رواه مسلم)

تشریح: عبد اللہ اور عبد الرحمن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے اس میں بندے کی عبدیت کا اعلان ہے اور وہ چیز اللہ کو پسند ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: "سَمُّوا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ۔" (یعنی پیغمبروں کے نام یہ نام رکھو) اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں اگرچہ وہ پیغمبروں کے معروف ناموں میں سے نہیں ہیں مثلاً اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا اور ایک انصاری صحابی کے بچے کا نام منذر رکھا۔ الغرض اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل اور آپ ﷺ کے ارشادات سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

حسن ادب اور دینی تربیت

اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں ان کے خاتم سیدنا حضرت محمد ﷺ نے اس چند روزہ دنیوی زندگی کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ یہ دراصل آنے والی اس اخروی زندگی کی تمہید اور اس کی تیاری کے لئے بجواصل اور حقیقی زندگی ہے اور جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس نقطہ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز و فلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہر صاحب اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصور وار ہوگا۔

اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

(۱۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ افْتَحُوا عَلَى صِبْيَانِكُمْ أَوَّلَ كَلِمَةٍ بَلََا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَقِّنُوهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہلو اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گویا تسلیم کر لی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے بچے کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اس سے اثر لے اور وہ اثر لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پیدا ہونے کے بعد ہی بچے کے کان میں (خاص کان میں) اذان و اقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے (جیسا کہ حضرت ابو رافع اور حضرت حسین بن علی کی متذکرہ بالا روایات سے معلوم ہو چکا ہے) اس سے بھی یہ صاف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچے کی زبان جب بولنے کے لئے کھلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو ”کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کی جائے اور اسی سے زبانی تعلیم و تلقین کا افتتاح ہو۔ آگے بھی یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقت آخر آئے تو اس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے۔ بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

(۱۷) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا نَحَلَّ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلِ أَفْضَلِ مِنْ آدَبٍ حَسَنٍ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے اعلیٰ اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ ان کی ایسی تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق و سیرت کے حامل ہوں۔

(۱۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْرَمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا آدَابَهُمْ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام کرو اور (اچھی تربیت کے ذریعہ) ان کو حسن ادب سے آراستہ کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اولاد کا اکرام یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کی امانت سمجھ کر ان کی قدر اور ان کا لحاظ کیا جائے۔ حسب استطاعت ان کی ضروریات حیات کا بندوبست کیا جائے۔ انکو بوجھ اور مصیبت نہ سمجھا جائے۔

(۱۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ.

(رواہ ابوداؤد و رواہ فی شرح السنہ عن ابن مہدی)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے

بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ کر دو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھدار اور باشعور ہو جاتے ہیں اس وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئے اور اس کے لئے ان سے نماز کی پابندی کرائی جائے۔ دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آ جاتا ہے اس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہئے اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سزا دینا بھی کرنی چاہئے۔ نیز اس عمر کو پہنچ جانے پر ان کو الگ الگ سلانا چاہئے۔ ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سلانا چاہئے (دس سال سے پہلے اس کی گنجائش ہے)۔ حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی اور قیامت کے دن ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

خاص کر لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت

آج تک بھی بہت سے علاقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے اور اس کے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضاء ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بے چاری لڑکی کو باعث ننگ و عار تصور کیا جاتا تھا اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے شقی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیتے تھے یا اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ۖ أَظْلَمَ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا ۖ وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۖ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ ۖ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۚ (النحل، ۵۹: ۶۶)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو وہ دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے ان کو منہ نہیں دکھانا چاہتا اس برائی کی وجہ سے جس کی اسے خبر ملی ہے۔ سوچتا ہے کیا اس نو مولود بیٹی کو ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارے میں ان عربوں کا ظالمانہ رویہ جن میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ اس فضا اور اس پس منظر کو پیش نظر رکھ کے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھیں:

(۲۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ وَلَدَتْ لَهُ ابْنَةً فَلَمْ يُؤْذِهَا وَلَمْ يُهْنَهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا..... يَعْنِي الدُّكُورَ..... أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهَا الْجَنَّةَ. (رواه احمد والحاكم في المستدرک)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذا پہنچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کے ساتھ کرتا

ہے) تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائے گا۔
(مسند احمد، مستدرک حاکم)

(۲۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے یا بندہ کی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حضرت صدیقہ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لئے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے ان کے پاس اس وقت صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اس بچاری کو دیدی۔ اس نے اسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے، اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جس بندے یا بندہ کی ذمہ داری پڑے، اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا سامان بنیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہو گا تو لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی اور وہ دوزخ سے بچا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بچاری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لئے ان کے پاس آئی اور سوال کیا، تو حضرت عائشہ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دیدی اور ایک خود کھانے کے لئے اپنے منہ میں رکھنے لگی، بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا تو اس نے خود نہیں کھائی، بلکہ وہ بھی آدھی آدھی کر کے دونوں بچیوں کو دیدی۔ حضرت عائشہ اس کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرمادیا۔“

ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور راویوں کے بیان میں اختلاف ہو گیا ہو۔

(۲۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ عَالَ جَارَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَنَا وَهُوَ هَكَذَا وَضَمَّ أَصَابِعَهُ. (رواه مسلم)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے۔ راوی حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔ (یعنی یہ کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے)۔ (صحیح مسلم)

(۲۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ أَوْ اخْتَيْنٍ أَوْ بَنَتَيْنِ فَأَدَّبَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ وَزَوَّجَهُنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بی بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کیلئے جنت کا فیصلہ ہے۔ (مسند ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح... ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے حسن سلوک کو لڑکیوں کا صرف حق ہی نہیں بتلایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر داخلہ جنت اور عذاب دوزخ سے نجات کا آپ نے اعلان فرمایا اور یہ انتہائی خوش خبری سنائی کہ لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اہل ایمان قیامت میں اس طرح میرے قریب اور بالکل میرے ساتھ ہوں گے جس طرح ایک ہاتھ کی باہم ملی ہوئی انگلیاں ساتھ ہوتی ہیں۔

داد و دہش میں مساوات و برابری بھی اولاد کا حق ہے

رسول اللہ ﷺ نے اولاد کے بارے میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ داد و دہش میں سب کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کیا جائے یہ نہ ہو کہ کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو محروم رکھا جائے یا کم دیا جائے۔ یہ چیز بذات خود بھی مطلوب ہے اور اس عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس کے علاوہ اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو کم تو ان میں باہم بغض و حسد پیدا ہوگا جو دین اور تقویٰ کے لئے تباہ کن اور ہزار فتنوں کی جڑ ہے۔ نیز اولاد میں جس کے ساتھ نا انصافی ہوگی اس کے دل میں باپ کی طرف سے میل آئے گا اور شکایت کدورت پیدا ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام کتنا خراب ہوگا۔ ان سب وجوہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں سخت تاکید فرمائی ہیں اور اس رویہ کو ایک طرح کا ظلم قرار دیا ہے۔ اس باب میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

(۲۴) عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غُلَامًا فَقَالَ أَكُلْ وَلَدِكَ مِثْلَهُ؟ قَالَ لَا قَالَ فَأَرْجِعْهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَيْسُرُكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلَى قَالَ فَلَا إِذَا وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرُوَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهَدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي

أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةٍ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرْتَنِي أَنْ أَشْهَدَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَعْطَيْتُ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هَذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدُوا لِبَيْنِ أَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّهُ قَالَ لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لے کر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام بہہ کر دیا ہے۔ بعض روایات میں بجائے غلام کے باغ بہہ کرنے کا ذکر ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی اتنا دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا، صرف اسی لڑکے نعمان کو دیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: پھر یہ تو ٹھیک نہیں۔ اور فرمایا کہ: اس کو واپس لے لو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد یکساں طور پر تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار بنے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ہاں! حضرت ﷺ یہ تو ضرور چاہتا ہوں! تو آپ نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو) اور نعمان بن بشیرؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (یہی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لئے کچھ بہہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ ﷺ کو اس بہہ کا گواہ بنا دو گے۔ چنانچہ میرے والد نعمان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہؓ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کے لئے کچھ بہہ کیا ہے، تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ حضور ﷺ کو اس کا گواہ بنا دوں اور اس طرح حضور ﷺ کی منظوری بھی حاصل کر کے بہہ کو پکا کر دوں) آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: کیا تم اپنے اور سب بچوں کے لئے بھی اتنا ہی بہہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کے لئے تو نہیں کیا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدُوا لِبَيْنِ أَوْلَادِكُمْ** (یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو) حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس فرمانے پر والد صاحب نے رجوع کر لیا اور بہہ واپس لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے: حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کو جوہر یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ داد و دہش میں ترجیحی سلوک کیا جائے۔ بعض فقہاء نے اس کو حرام تک کہا ہے لیکن اکثر فقہاء نے اور آئمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے (بعض دوسرے دلائل اور قرائن کی بناء پر) اس کو حرام تو نہیں، لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک بلا کسی ایسی وجہ کے جو شرعاً معتبر ہو، لیکن اگر کوئی ایسی وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جدوجہد نہیں کر سکتا تو اس کے

ساتھ خصوصی سلوک عدل و انصاف کے خلاف نہ ہو گا بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور باعث اجر ہو گا۔ اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین و ملت کی خدمت میں اس طرح لگا دیا ہے کہ معاشی جدوجہد میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب حد تک خصوصی سلوک جائز ہے بلکہ باعث اجر ہو گا۔ علیٰ ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضامند ہوں تب بھی یہ جائز ہو گا۔

(۲۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ ﷺ سَوُّوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا أَحَدًا فَضَّلْتُ النِّسَاءَ. (رواہ سعید بن منصور فی سننہ والطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: داؤد ہش میں اپنی سب اولاد کیساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ کرو۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے۔) (سنن سعید بن منصور، مجمع بہر العظمیٰ)

تشریح: اس حدیث سے فقہاء کی ایک جماعت نے یہ بھی سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا کچھ لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

نکاح اور شادی کی ذمہ داری

رسول اللہ ﷺ نے باپ کی یہ بھی ذمہ داری بتلائی ہے کہ جب بچہ یا بچی نکاح کے قابل ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کیا جائے اور تاکید فرمائی ہے کہ اس میں غفلت نہ برتی جائے۔

(۲۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ وَدَّ لَهُ وَلَدًا فَلْيُحْسِنْ إِسْمَهُ وَأَذْبَهُ فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِنْمَاءً فَإِنَّمَا ائِمُّهُ عَلَى أَبِيهِ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے، پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے، اگر (اس نے اس میں کوتاہی کی اور) شادی کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی (اپنی غفلت اور بے پروائی سے) اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہو گا۔

(شعب الایمان المصنوع)

تشریح: اس حدیث میں اولاد کے قابل شادی ہو جانے پر ان کے نکاح اور شادی کے بندوبست کو بھی باپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دوسروں کی تقلید میں نکاح شادی کو بے حد بھاری اور بوجھل بنا لیا

ہے اور ان کے رسم و رواج کی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں۔ اگر ہم اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں اور نکاح شادی اس طرح کرنے لگیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کئے تھے تو یہ کام اتنا ہلکا پھلکا ہو جائے جتنا ایک مسلمان کے لئے جمعہ کی نماز ادا کرنا اور پھر اس نکاح اور شادی میں وہ برکتیں ہوں جن سے ہم بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

مال باپ کے حقوق اولاد پر

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور اس سلسلہ کی ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اسی طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق اور اس سلسلہ کے ان کے فرائض بھی بتلائے بلکہ اس کو آپ ﷺ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں جزو ایمان کا درجہ دیا۔ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر نازل کیا ہوا صحیفہ ہدایت ہے اس میں ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال میں بندگی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴿١٧﴾ (بنی اسرائیل، ۱۷-۲۳)

اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو اور ماں باپ کیساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ اور ان کی خدمت کرو۔

اور دوسری جگہ سورہ لقمان میں ماں باپ کا حق بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کے کہنے سے کفر و شرک تو نہ کرے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی خدمت پھر بھی کرتی رہے۔

وَأِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا

مَعْرُوفًا ﴿٣١﴾ (سورہ لقمان، ۳۱-۳۵)

آگے درج ہونے والی حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ماں باپ کے حقوق اور ان سے متعلق اولاد کے فرائض کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی ان آیات ہی کی تشریح و تفسیر ہے۔

مال باپ اولاد کی جنت اور دوزخ میں

﴿٢٧﴾ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلَيَّ وَلَدٍ هُمَا قَالَا هُمَا جَنَّتُكَ

وَنَارُكَ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ... حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: حضرت (ﷺ)!

اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح... مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت کرو گے اور ان کو راضی رکھو گے تو جنت

پالو گے اور اس کے برعکس اگر ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کر کے انہیں ناراض کرو گے اور ان کا دل دکھاؤ گے تو پھر تمہارا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔

اللہ کی رضا والدین کی رضامندی سے وابستہ ہے

(۲۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَضِيَ الرَّبُّ فِي رَضَى الْوَالِدِ وَسَخَطَ الرَّبُّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک و مولا کو راضی رکھنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے۔ اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضا جوئی شرط ہے اور والد کی ناراضی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے لہذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (ماں کے لئے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے) اس بناء پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحتہ نہیں آیا ہے۔ لیکن چونکہ دوسری احادیث میں جو عنقریب درج ہوں گی اس بارے میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالا ترتباً گیا ہے اس لئے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہوگی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی رضامندی اور ناراضی کا بتایا گیا ہے۔

ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ

(۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَا أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تمہاری ماں، پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں، پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ ”من احرص؟“ (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے؟) یعنی اس بارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”أُمُّكَ“ (تمہاری ماں کا) انہوں نے پوچھا ”ثم من؟“ (پھر کس کا حق ہے۔) آپ ﷺ

نے پھر فرمایا ”اُمِّک“ (تمہاری ماں کا۔) انہوں نے پھر پوچھا۔ ”ثُمَّ مَنْ“ (اس کے بعد کس کا حق ہے) آپ ﷺ نے پھر فرمایا اُمِّک انہوں نے اس کے بعد پھر پوچھا ”ثُمَّ مَنْ“ (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے؟) تو چوتھی دفعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اَبَاکَ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَلَا قَرَبَ“ یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لئے اس کا بہت امکان ہے کہ صحیحین کی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم نے امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسن سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنے والے بد بخت اور محروم

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَغِمَ أَنْفُهُ رَغِمَ أَنْفُهُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَوْ أَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ذلیل ہو، وہ خوار ہو، وہ رسوا ہو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون؟ (یعنی کس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بد نصیب جو ماں باپ کو یاد و نونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کر کے) جنت حاصل نہ کر لے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث اوپر درج ہو چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ تمہاری جنت اور تمہاری دوزخ ہیں (یعنی ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی جنت حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اور اس کے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی آدمی کو دوزخی بنادیتی ہے) پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کے اذکار رفتہ ہو جائیں تو اس وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں اور اس حالت میں ان کی خدمت اللہ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہنچنے کا سیدھا زینہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جس بندے کو اس کا موقع میسر فرمائے اور وہ ماں باپ کا یاد و نونوں میں سے کسی ایک ہی کا بڑھاپا پائے اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت تک نہ پہنچ سکے بلاشبہ وہ بڑا بد نصیب اور محروم ہے اور ایسوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فرمانا ہے کہ وہ نامراد ہوں، ذلیل و خوار ہوں، رسوا ہوں۔

ماں باپ کی خدمت بعض حالات میں ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم

(۳۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَجَاهِدُ قَالَ أَلَيْكَ أَبُوَانٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا۔ ہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسائی میں جدوجہد کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: غالباً رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں اور یہ ان کو چھوڑ کے ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آگیا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جا کر ماں باپ کی خدمت کرے کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہو گا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لئے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کرتے تھے اور ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

(۳۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ هَلْ لَكَ أَحَدٌ بِالْيَمَنِ؟ قَالَ أَبَوَايَ فَقَالَ أَذِنَا لَكَ؟ قَالَ لَا، قَالَ إِرْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاسْتَأْذِنْهُمَا فَإِنْ أَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا. (رواه ابو داؤد و احمد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں میرے والدین ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ (اور تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟) اس نے عرض کیا: ایسا تو نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ اور یہاں آنے کی (اور جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی) ان سے اجازت مانگو پھر وہ اگر تمہیں اجازت دے دیں تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ (سنن ابی داؤد و احمد)

تشریح: ہجرت کر کے آنے والوں اور جہاد میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا جو عام مستقل رویہ اور اسوۂ حسنہ تھا اس کی روشنی میں اس قسم کی تمام احادیث کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا تعلق اس صورت سے ہے جب ماں باپ خدمت کے سخت محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خبر گیری

کرنے والا نہ ہو اور اس وجہ سے وہ اجازت بھی نہ دیں تو پھر بلاشبہ ان کی خدمت اور خبر گیری ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم ہوگی۔

جنت ماں کے قدموں میں ہے

(۳۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ وَقَدْ جُنْتُ أَسْتَشِيرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزُمِهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا.

(رواہ احمد والنسائی)

ترجمہ: معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ”میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ ﷺ سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔“ آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ”ہاں! ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو! ان کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

(۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نِمْتُ قَرَأْتَنِي فِي الْجَنَّةِ فَسَمِعْتُ فِيهَا قِرَاءَةَ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا؟ قَالُوا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ كَذَّابٌ لَكُمْ الْبِرُّ كَذَّابٌ لَكُمْ الْبِرُّ وَكَانَ أَبَرَّ النَّاسِ بِأُمِّهِ.

(رواہ البغوی فی شرح السنہ والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، وہیں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی، تو میں نے دریافت کیا کہ: ”اللہ کا یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے؟“ تو مجھے بتایا گیا کہ ”یہ حارثہ بن النعمان ہیں“ ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے، ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے۔ (رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ خواب بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ) حارثہ بن النعمان اپنی ماں کے بہت ہی خدمت گزار اور اطاعت شعار تھے (یعنی اس عمل نے ان کو اس مقام تک پہنچایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت میں ان کی قرأت سنی۔) (شرح السنہ، شعب الایمان)

ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ

(۳۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرِّهَا.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: حضرت! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ (اور مجھے معافی مل سکتی ہے) آپ ﷺ نے پوچھا: تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں تو نہیں ہے

آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں خالہ موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں معاف فرمادے گا۔) (جامع ترمذی)

تشریح... توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا تاکہ اللہ کے غضب اور اس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرمادے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے ہیں اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں (ان الحسنات یدھبن السیئات) لیکن بعض اعمال صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

خدمت اور حسن سلوک کا فرو مشرک ماں کا بھی حق ہے

(۳۶) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمْتُ عَلَى أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي قَدِمْتُ عَلَى وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا؟ قَالَ نَعَمْ صِلِيهَا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدے کے زمانہ میں میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (سفر کر کے مدینے میں) میرے پاس آئی، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ کچھ خواہش مند ہے، تو کیا میں اس کی خدمت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس کی خدمت کرو (اور اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہئے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح... حضرت اسماء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور دوسری ماں سے حضرت عائشہ کی بڑی بہن تھیں، ان کی ماں کا نام روایات میں قلیلہ بنت عبد العزی ذکر کیا گیا ہے (جن کو حضرت ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں طلاق دے کر الگ کر دیا تھا، بہر حال اسلام کے دور میں یہ "ن کی بیوی نہیں رہیں اور اپنے مشرکانہ طریقے ہی پر قائم رہیں۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب مشرکین مکہ کو مدینہ آنے کی اور مدینہ کے مسلمانوں کو مکہ جانے کی آزادی حاصل ہو گئی تو حضرت اسماء کی یہ ماں اپنی بیٹی کے پاس مدینے آئیں۔ حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: "مجھے ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے، کیا ان کے کافرو مشرک ہونے کی وجہ سے میں ان سے "ترک موالات" کروں، یا ماں کے رشتے کا لحاظ کر کے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟" آپ ﷺ نے حکم دیا کہ: ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔

حدیث میں "رَاغِبَةٌ" کا لفظ ہے جس کا ترجمہ اس عاجز نے خواہش مند کیا ہے، اس بناء پر مطلب یہ ہوگا کہ حضرت اسماء نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں جو مشرک ہیں کچھ خواہش مند ہو کر یہاں آئی

ہیں یعنی وہ اس کی طالب و متوقع ہیں کہ میں ان کی مالی خدمت کروں۔ بعض شارحین نے اس کا ترجمہ منحرف اور بیزار بھی کیا ہے اور لغت کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس بناء پر مطلب یہ ہو گا کہ میری ماں ملنے تو آئی ہیں لیکن ہمارے دین سے منحرف اور بے زار ہیں ایسی صورت میں ان کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ کیا ماں ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کروں یا بے تعلقی اور بے رخی کا رویہ اختیار کروں۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔ (نعم صلیہا)

اوپر قرآن مجید کی وہ آیت ذکر کی جا چکی ہے جس میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور وہ اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں اور دباؤ ڈالیں تو اولاد انکی یہ بات تو نہ مانے لیکن انکی خدمت اور انکے ساتھ حسن سلوک برابر کرتی رہے۔

ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے خاص حقوق

اولاد پر ماں باپ کے حقوق کا سلسلہ ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے کچھ اور حقوق عائد ہو جاتے ہیں جن کا ادا کرتے رہنا سعادت مند اولاد کی ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور رحمت کا وسیلہ ہے۔

(۳۷) عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ بَقِيَ مِنْ بَرِّ أَبِي شَيْئٍ أَبْرُهُمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ الصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَإِنْفَادُ عَهْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوصَلُ إِلَّا بِهِمَا وَاتِّكْرَامُ صَدِيقِهِمَا. (رواه ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے بنی سلمہ میں سے ایک شخص آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ نیا رسول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر کچھ ایسے بھی حق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنے چاہئیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! ان کے لئے خیر و رحمت کی دعا کرتے رہنا ان کے واسطے اللہ سے مغفرت اور بخشش مانگنا، ان کا اگر کوئی عہد معاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا، ان کے تعلق سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا۔“ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُصِلَ أَبَاهُ فِي قَبْرِهِ فَلْيُصِلْ إِخْوَانَ أَبِيهِ بَعْدَهُ. (رواه ابن حبان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہنچائے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے جو رکھنا چاہئے۔ (صحیح ابن حبان)

(۳۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْأَبْرِ صَلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وَدَّيْنِهِ بَعْدَ أَنْ يُؤَلَّى. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ کی خدمت اور حسن سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ انکے انتقال کے بعد انکے دوستوں کے ساتھ (اکرام و احترام کا) تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے بھائیوں اور اہل محبت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اس باب میں ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ابھی اوپر حضرت ابواسید ساعدی کی روایت سے جو حدیث ذکر کی جا چکی ہے اس میں ماں باپ دونوں کے اہل قربت کے ساتھ حسن سلوک اور اہل محبت کے اکرام و احترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کا حق بتایا گیا ہے۔

(۴۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوتُ وَالِدَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا وَإِنَّ لَهُمَا لِعَاقُ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتَّى يَكْتُبَهُ اللَّهُ بَارًا. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں ان کی نافرمان اور ان کی رضامندی سے محروم ہوتی ہے، لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچ دل) سے ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے (اور اس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے) (شعب الإيمان للبیہقی)

تشریح: جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اعلیٰ درجے کا عمل صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے اخلاص اور الحاج سے رحمت و مغفرت کی دعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لئے قبر میں راحت و سکون کا وسیلہ بنتا ہے اور دوسری طرف اس سے اولاد کے ان قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں ان سے ہوئی ہو اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے رحمت و مغفرت مانگا کرے۔

وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا. (بنی اسرائیل: ۲۴)

اور اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ: اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت کے ساتھ) پالا تھا۔

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی دنیوی برکات

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی اصل جزاء تو جنت اور رضائے الہی ہے جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہو چکا ہے جو ”ماں باپ کے حقوق“ کے زیر عنوان پہلے درج ہو چکی ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرنے والی اولاد کو اللہ تعالیٰ کچھ خاص برکتوں سے اس دنیا میں بھی نوازتا ہے۔

(۴۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يَزِيدُ فِي عُمْرِ الرَّجُلِ بِبِرِّهِ وَالِدَيْهِ.

(رواہ ابن مسیح و ابن عدی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ (مسند ابن مسیح مکمل ابن عدی)

تشریح: اس طرح کی احادیث کا تقدیر کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا اور معلوم ہے کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا اسی لحاظ سے اس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی۔ اسی طرح ان سب حدیثوں کو سمجھنا چاہیے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

(۴۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَرُّوا آبَاءَكُمْ يَبْرُأَنَّكُمْ وَعَقُّوا نِسَاءَكُمْ كُمْ.

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت و فرمانبرداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری فرمانبرداری اور خدمت گزار ہوگی اور تم پاک دامنی کے ساتھ رہو تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی۔ (معجم اوسط الطبرانی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرے گی اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو اس کا فرمانبردار اور خدمت گزار بنادے گا، اسی طرح جو لوگ پاک دامنی کی زندگی گزاریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی بیویوں کو پاک دامنی کی توفیق دے گا۔

والدین کی نافرمانی و ایذاء رسانی عظیم ترین گناہ

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ماں باپ کی فرمانبرداری اور راحت رسانی کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے (جو جنت اور رضائے الہی کا خاص وسیلہ ہے) اسی طرح ان کی نافرمانی اور ایذاء رسانی کو ”اکبر الکبائر“ یعنی بدترین اور خبیث ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے۔

(۴۳) عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ الْإِشْرَافُ بِاللَّهِ وَعَقُّوْا الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ

وَشَهَادَةُ الزُّورِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کبیرہ (یعنی بڑے بڑے) گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: خدا کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی و ایذاء رسانی، کسی بندے کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ (صحیح بخاری)

تشریح: صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ان گناہوں کو "اکبر الکبائر" (یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ) بتایا گیا ہے اور جس ترتیب سے آپ ﷺ نے ان کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے بعد والدین کے حقوق (یعنی انکی نافرمانی اور ایذاء رسانی) کا درجہ ہے، حتیٰ کہ قتل نفس کا درجہ بھی اس کے بعد ہے۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتَمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتُمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أُمَّهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ اللَّهَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے، پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجے میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے اتنی ہی بری بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا اور یہ گناہ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے اور اس بارے میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہیئے۔

دوسرے اہل قرابت کے حقوق اور صلہ رحمی کی اہمیت

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور "صلہ رحمی" اس کا خاص عنوان ہے۔ قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں "وَدَى الْقُرْبَى" فرما کر دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے۔ ابھی چند صفحے پہلے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک سائل کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ: خدمت اور حسن سلوک کا سب سے پہلا حق تم پر تمہاری ماں کا ہے اسکے بعد باپ کا اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہل قرابت کا۔ اب یہاں چند حدیثیں اور پڑھ لیجئے جن میں صلہ رحمی کی اہمیت اور

اسکے فضائل و برکات بیان فرمائے گئے ہیں یا اسکے برعکس قطع رحمی کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

(۴۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے رحمٰن سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی باہم قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے اسم پاک رحمٰن سے اور اس کی صفت رحمت سے خاص نسبت ہے اور وہی اس کا سرچشمہ ہے اور اسی لئے اس کا عنوان رحمٰن مقرر کیا گیا ہے۔ اس خصوصی نسبت ہی کی وجہ سے عند اللہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو صلہ رحمی کرے گا (یعنی قرابت اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرے گا) اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا) اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے وابستہ کر لے گا اور اپنا بنالے گا اور جو کوئی اس کے برعکس قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سے کاٹ دے گا اور دور اور بے تعلق کر دے گا۔ اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں صلہ رحمی کی (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کی) کتنی اہمیت ہے اور اس میں کوتاہی کتنا سنگین جرم اور کتنی بڑی محرومی ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مضمون بھی اس کے قریب ہی قریب ہے۔

(۴۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى اَنَا اللَّهُ وَاَنَا الرَّحْمَنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِي فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهَا.

(رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”میں اللہ ہوں“ میں الرحمن ہوں میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے پیدائش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا رشتوں کے بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے پھر ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہیں جن کا عنوان اللہ تعالیٰ نے رحم مقرر کیا ہے جو اس کے نام پاک رحمٰن سے گویا مشتق ہے (یعنی دونوں کا مادہ ایک ہی ہے) پس جو بندہ انسان کی فطرت میں رکھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ وہ اس کو جوڑے گا (یعنی اس کو اپنا بنالے گا اور فضل و کرم سے نوازے گا) اور اس کے برعکس جو قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اور قرابت کے

ان حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دے گا، یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت و کرم سے محروم کر دے گا۔

آج کی دنیا میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محرومی کا منظر جو ہر جگہ نظر آ رہا ہے، بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے، لیکن ان احادیث کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جرم کو بھی ہے کہ صلہ رحمی کی تعلیم و ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بالکل ہی بھلا دیا ہے اور اس باب میں ہمارا طرز عمل غیر مسلموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

صلہ رحمی کے بعض دنیوی برکات

(۴۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسَيِّطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي إِثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ حقیقت جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطہ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز متاثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح و طمانیت اور خوش دلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی ان کے شامل حال رہتا ہے۔

قطع رحمی جنت کے راستے میں رکاوٹ

(۴۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (رواہ البخاری و مسلم)
ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جاسکے گا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: اس ایک حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں اور اللہ کے نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطعی رحمی کس درجہ کا گناہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جاسکے گا! جب اس کو سزا دے کے پاک کر دیا جائے گا کسی وجہ سے اس کو معاف کر دیا جائیگا تو جاسکے گا! جب تک ان دونوں میں سے ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لئے بند رہے گا۔

قطع رحمی کر نیوالوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی

خاندانی زندگی میں بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

(۴۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ الْوَصْلُ بِالْمُكَافِي وَلَكِنَّ الْوَاَصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحْمَتُهُ وَصَلَهَا. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلہ رحمی کرنے والے اپنے اقرباء کے ساتھ) بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں صلہ رحمی کرے (اور قرابت داروں کا حق ادا کرے) جب وہ اس کے ساتھ قطع رحم (اور حق تلفی) کا معاملہ کریں۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس کے برعکس جب ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے امید ہے کہ دیر سویر ان کی اصلاح ہوگی اور معاشرے میں صلہ رحمی کو فروغ ہوگا۔

میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں، نیز زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد

تک اسی کی خوشگواہی اور باہمی الفت و اعتماد پر موقوف ہے۔ پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ سرستیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض و وظائف ادا کر سکے اور نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کی مشیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت و یگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوش گوار اور مسرت و راحت کا باعث ہو، دل جڑے رہیں اور وہ مقاصد جن کے لئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقے سے پورے ہوں۔

اس باب میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے، اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے، اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے، اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔ اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس کی قدر اور اس سے محبت کرے، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے، صبر و تحمل و دانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے، اس کی راحت و سہولت اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

ان تعلیمات کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے کے لئے اب سے قریباً ۱۴۰۰ سال پہلے پوری انسانی دنیا اور خاص کر عربوں کے اس ماحول کو سامنے رکھنا چاہئے جس میں بے چاری بیوی کی حیثیت ایک خرید کردہ جانور سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی اور اس غریب کا کوئی حق نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھئے:

بیوی پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے

(۵۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ زَوْجُهَا وَأَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ أُمُّهُ. (رواه الحاكم في المستدرک)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت پر سب سے بڑا حق اسکے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے۔ (مستدرک حاکم)

اگر غیر اللہ کیلئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کیلئے سجدے کا حکم ہوتا

(۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كُنْتُ أَمْرُ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی مخلوق کیلئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: کسی مخلوق پر کسی دوسری مخلوق کا زیادہ سے زیادہ حق بیان کرنے کے لئے اس سے زیادہ بلیغ اور مؤثر کوئی دوسرا عنوان نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیوی پر شوہر کا حق بیان کے لئے اختیار فرمایا۔ حدیث کا مطلب اور مدعا یہی ہے کہ کسی کے نکاح میں آجانے اور اس کی بیوی بن جانے کے بعد عورت پر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اسکے شوہر کا ہو جاتا ہے۔ اسے چاہئے کہ اس کی فرمانبرداری اور رضا جوئی میں کوئی کمی نہ کرے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہی الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔

(۵۲) اور امام احمد نے مسند میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے

لَا يَصْلَحُ لِبَشَرٍ أَنْ يُسْجَدَ لِبَشَرٍ وَلَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ أَنْ يُسْجَدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِرِزْوَجِهَا مِنْ عَظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا. (الحديث)

کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو سجدہ کرے اور اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے کیونکہ اس پر اس کے شوہر کا بہت بڑا حق ہے۔

(۵۳) اور سنن ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت سے حضرت معاذ بن جبل کے

ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت میں واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

”مشہور انصاری صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام گئے ہوئے تھے جب وہاں سے واپس آئے تو

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے تعجب سے پوچھا:

”مَا هَذَا يَا مُعَاذٌ؟“

انہوں نے عرض کیا کہ: میں شام گیا تھا وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے دینی پیشواؤں

پادریوں کو اور قومی سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرے دل میں آیا کہ ایسے ہی ہم بھی آپ کو سجدہ کیا

کریں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایسا نہ کرو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ امْرَأًا أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِغَيْرِ اللَّهِ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِرِزْوَجِهَا. (الحديث)

اگر میں کسی کو اللہ کے سوا اور کے لئے سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ

کرے۔

(۵۴) اور سنن ابی داؤد میں اس سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی قیس بن سعد سے روایت

کیا گیا ہے۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

”میں حیرہ گیا تھا (یہ کوفہ کے پاس ایک قدیمی شہر تھا) وہاں کے لوگوں نے دیکھا کہ وہ ادب و تعظیم کے

طور پر اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے اپنی جی میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں

کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں پھر جب میں (سفر سے لوٹ کے) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے یہی بات عرض کی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا:

أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِى أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ؟ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا، لَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِأَحَدٍ لَا مَرَّتِ النِّسَاءُ أَنْ يُسْجَدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللَّهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ.

بتاؤ اگر (میرے مرنے کے بعد) تم میری قبر کے پاس سے گزر دو گے تو کیا میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے؟ (قیس کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ نہیں (میں آپ کی قبر کو تو سجدہ نہیں کروں گا) تو آپ ﷺ نے فرمایا) ایسے ہی اب بھی نہ کرو۔ (اس کے بعد آپ نے

فرمایا) اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کے لئے سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں اس عظیم حق کی بناء پر جو اللہ نے ان کے شوہروں کا ان پر مقرر کیا ہے۔“

(۵۵) اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدہ کیا (یعنی وہ اس طرح آپ ﷺ کے حضور میں جھک گیا جس کو دیکھنے والوں نے سجدہ سے تعبیر کیا) اس اونٹ کا یہ طرز عمل دیکھ کر بعض صحابہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اونٹ جیسے چوپائے اور درخت آپ کے لئے سجدہ کرتے ہیں (یعنی جھک جاتے ہیں) تو ان کی بہ نسبت ہمارے لئے زیادہ سزاوار ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

أَعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَأَكْرِمُوا أَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (الحديث)

عبادت اور پرستش بس اپنے رب کی کرو اور اپنے بھائی کا (یعنی میرا) بس اکرام و احترام کرو اور اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کے لئے سجدہ کرنے کو کہتا تو عورت کو کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ الخ
ان مختلف احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیوی پر شوہر کے حق کے بارے میں یہ سجدے والی بات مختلف موقعوں پر اور بار بار فرمائی۔

ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ کیلئے

ان سب حدیثوں سے یہ بات بھی پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ شریعت محمدی ﷺ میں سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے حتیٰ کہ افضل مخلوق سید الانبیاء، حضرت محمد ﷺ کے لئے بھی کسی طرح کے سجدہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت معاذیا قیس بن سعدؓ یا جن دوسرے صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدے کے بارے میں عرض کیا تھا وہ سجدہ

۱ اس سوال سے آپ کا مقصد قیس بن سعد کو یہی بتانا اور سمجھانا تھا کہ میں تو ایک فانی ہستی ہوں ایک دن وفات پا کر قبر میں دفن ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تم بھی مجھے سجدے کے لائق نہ سمجھو گے پھر مجھے سجدہ کیونکر روا ہو سکتا ہے سجدہ تو اس ذات کے لئے روا ہے جو ”حی لایموت“ ہے اور جس کیلئے کبھی فنا نہیں۔

تجیہ ہی کے بارے میں عرض کیا تھا (جس کو لوگ سجدہ تعظیمی بھی کہہ دیتے ہیں) اس کا تو شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان صحابہؓ نے معاذ اللہ سجدہ عبادت و عبودیت کے بارے میں عرض کیا ہو۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا چکا اور آپ ﷺ کی دعوت توحید کو قبول کر چکا اس کو تو اس کا وسوسہ بھی نہیں آسکتا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ عبادت کرے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان حدیثوں کا تعلق خاص کر سجدہ تجیہ ہی سے ہے۔ اسی لئے فقہانے تصریح کی ہے کہ کسی مخلوق کے لئے سجدہ تجیہ بھی حرام ہے۔ پس جو لوگ اپنے بزرگوں، مرشدوں کو یا مرنے کے بعد ان کے مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ بہر حال شریعت محمدی ﷺ کے مجرم اور باغی ہیں اور ان کا یہ عمل صورتِ بلاشبہ شرک ہے۔

{غیر اللہ کے لئے سجدے کے بارے میں یہاں جو چند سطریں لکھی گئیں یہ مندرجہ بالا احادیث کی تصریح کا ضروری حق اور تقاضا تھا اب اصل موضوع (یعنی بیوی پر شوہر کے حقوق) سے متعلق اہل حدیث پڑھیے}

شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں اور ظاہر ہے کہ فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شریعت محمدی ﷺ میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے: **”الرَّجُلُ قَوَّامٌ عَلَى النِّسَاءِ“** (مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں) اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر کے سربراہ و ذمہ دار اور اپنے سر تاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے: **”فَالصُّلْحُ خَيْرٌ حِفْظٌ لِلْغَيْبِ“** (امہ: ۳۴) (نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبرداری ہوتی ہیں اور شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور ہر امانت کی حفاظت کرتی ہیں)

اگر عورت شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی و سرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہوگی جو دونوں کی دینی و دنیوی بربادی کا باعث ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے اور اس کا عظیم اجر و ثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

(۵۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَأَخَصَّنَتْ

فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ. (رواہ ابو نعیم فی الحیلة)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔ (علیہ ابو نعیم)

تشریح اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان و فرائض کی۔

(۵۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتْ الْجَنَّةَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو عورت اس حالت میں دنیا سے جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔ (جامع ترمذی)

تشریح اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار واضح کی جا چکی ہے کہ جن احادیث میں کسی خاص عمل پر جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کا صلہ جنت ہے اور اس کا کرنے والا جنتی ہے لیکن اگر بالفرض وہ عقیدہ یا عمل کی کسی ایسی گندگی میں ملوث ہو جس کی لازمی سزا دوزخ کا عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس کا اثر بھی ظاہر ہو کے رہے گا۔ اسی روشنی میں ام سلمہ کی اس حدیث کا مطلب سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اگر کوئی شوہر نا واجب طور پر اپنی بیوی سے ناراض ہو تو اللہ کے نزدیک بیوی بے قصور ہوگی اور ناراضی کی ذمہ داری خود شوہر پر ہوگی۔

(یہاں تک وہ حدیثیں مذکور ہوئیں جن میں بیویوں پر شوہروں کا حق بیان کیا گیا ہے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید فرمائی گئی ہے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب وہ حدیثیں پڑھیے جن میں شوہروں کو بیویوں کی رعایت اور دلجوئی و ولداری اور بہتر رویہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔)

بیویوں کے حقوق اور ان کی رعایت و مدارات کی تاکید

(۵۸) عَنْ جَابِرٍ (فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ فِي قِصَّةِ حِجَةِ الْوَدَاعِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ عَرَفَةَ) اتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ وَأَنْتُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانٍ اللَّهُ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ إِلَّا يُؤْطَيْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبْرِحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت بھی دی) لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے۔ اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا اور) تمہارے بستر پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو آکر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی غلطی کرے تو ان کو (تنبیہ و تادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو۔

اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے پر انکے کھانے کپڑے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔
(صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے باختیار اور صاحب امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پروا ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں، وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان خدا ہے اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیوی بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیر دست بنائی گئی ہیں، یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی امان اور پناہ حاصل ہے۔ اگر شوہر ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی امان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں گے۔ ”اَحَدُكُمْ هُنَّ بِاَمَانِ اللَّهِ“ کا یہی مطلب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اسکی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص امان حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عورتوں کے لئے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی امان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا انہیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ ”وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَا يُؤْطَيْنَ فَرَشَكُمْ“ کا یہی مطلب ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو ان کے سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ ان کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے مناسب سمجھیں تو ان کو سزا دیں، لیکن صراحت کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو ”غیر مبرح“ کا یہی مطلب ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہر پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کو کھانے کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے کے دستور کے مطابق پوری کریں، اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں۔ ”بِالسَّعْرِ“ کا یہی مطلب ہے۔

① اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں گھروں کے اندر دور قریب کے رشتہ داروں اور دوسرے تعلق رکھنے والوں کے آنے جانے اور عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہو سکتا تھا۔ اسی کے بارے میں اس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی کی پابندی کریں اور ایسے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے اور پاس بیٹھ کر بات چیت کرنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا جانا شوہروں کو ناپسند ہو۔ الغرض ”لَا يُؤْطَيْنَ فَرَشَكُمْ“ کا یہی مطلب ہے۔ اور آگے اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے سزا دینے کا حق ہے، لیکن یہ سزا سخت نہ ہو [ضرراً غیر مبرح] جو لوگ اس کا مطلب بدکاری اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگساری ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت

(۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: **اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خَيْرٌ فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْئٍ فِي الضِّلَعِ أَغْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبَتْ تَقِيمُهُ كَسَرَتْهُ وَإِنْ تَرَكَتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ.** (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارت کا برتاؤ رکھو، ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر میڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کچی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس میڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کرو گے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی میڑھی رہے گی اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: **"اِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ"** (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور اس کو محاوراتی تمثیل بھی کہا جاسکتا ہے۔ بہر صورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کچی ہوتی ہے^۱ جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کچی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کچی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کچی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصے میں ہوتا ہے جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم میڑھی پسلی کو زور و قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ میڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی مزاجی کچی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آجائے اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کرے گا تو وہ بھی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی خوشگوارمی کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتہ ازدواج کا خاص مقصد ہے۔ اس لئے مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں۔ اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے۔ اس پر کاربند رہو۔ **"اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا"** سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور خاتمہ کلام پر پھر فرمایا: **"فاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ"** اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو عورتوں

۱ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے: معناد اقبلوا وصیتی واعملوا بها فی النساء وان فی خلقھن عوجا وسوءا وهو کا لازم بمنزلۃ ما يتوارثه الشئ من مادته وان الانسان اذا اراد استيفاء مقاصد المنزل منها لا بد ان يجاوز عن محقرات الامور ويكظم الغيظ فيما يجده خلاف هواہ۔ الخ حجة اللہ البالغہ ص ۱۳۵ ج ۲

کے ساتھ حسن سلوک اور دلدادگی کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

(۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ایمان والا شوہر اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہئے) اگر اس کو کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات و اطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور لا تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت کو سمجھے یہ مؤمن شوہر کی صفت ایمان کا تقاضا اور مؤمنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ اسی صورت حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ لَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيجعلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا. (النساء: ۱۹)

اور بیویوں کے ساتھ مناسب و معقول طریقہ سے گزران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت خیر و خوبی رکھی ہو۔

بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط

(۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَالْطَفُّهُمْ بِأَهْلِهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاق برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو (اور خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف و محبت کا ہو۔ (جامع ترمذی)

(۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور (واقعہ میں اللہ کی نگاہ میں) تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (جامع ترمذی)

بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معیاری اور مثالی برتاؤ

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي.

(رواہ الترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عباس)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ (اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں۔ (جامع ترمذی)

(نیز مسند دارمی اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے) مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اچھائی اور بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ آگے مسلمانوں کے واسطے اپنی اس ہدایت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی مثال بھی پیش فرمائی کہ خدا کے فضل سے میں اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا برتاؤ انتہائی دلجوئی اور دلداری کا تھا جس کی ایک دو مثالیں آگے درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گی۔

(۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ الْعَبُّ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ لِي صَوَاحِبٌ يَلْعَبْنَ مَعِيَ فَكَانَ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ يَنْقِمُ مِنْهُ فَيُسْرِبُهُنَّ إِلَى فِيلْعَبْنَ مَعِيَ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس (یعنی نکاح و رخصتی کے بعد آپ ﷺ کے ہاں آجانے کے بعد بھی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں (جو ساتھ کھیلنے کے لئے میرے پاس بھی آیا جایا کرتی تھیں) تو جب آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ کے اس احترام میں کھیل چھوڑ کے) گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے (یعنی خود فرمادیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں) چنانچہ وہ آ کے پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحیح روایات کے مطابق نو سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے گھر آ گئیں تھیں^۱ اور اس وقت وہ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور انہیں اس سے دلچسپی تھی۔ صحیح مسلم کی

۱ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور ان کے بعد بھی جن ازواج مطہرات سے نکاح کیا وہ عموماً سن رسیدہ بیوائیں یا پہلے شوہروں کی مطلقہ تھیں، تنہا حضرت صدیقہؓ وہ ہیں جن کی عمر کم تھی۔ اس کم عمری میں یہ نکاح جن عظیم مقاصد اور مصالح کیلئے کیا گیا تھا ان کی وضاحت کے لئے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔ اثناء اشارہ یہاں بھی مناسب ہوگا کہ امت کو ایک ایسی معلّمہ کی ضرورت تھی جس کی مکمل تربیت خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اعلیٰ صلاحیتیں بخشی ہوں اور وہ رسول اللہ ﷺ کی پوری محرم راز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے وحی کے اشارہ سے اس مقصد کیلئے حضرت عائشہ کا انتخاب فرمایا تھا اور اسی لئے گویا بچپن ہی سے انکو اپنی رفاقت اور تربیت میں لے لیا تھا۔ ۱۲

ایک دوسری حدیث میں خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنے متعلق یہ بیان ہے: **”وَرَفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِلَبْسٍ تَسْعُ وَلَعْبًا مَعْنًا“** (یعنی جب ان کی رخصتی ہوئی تو وہ نو سال کی تھیں اور ان کے کھیلنے کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں) صحیحین کی زیر تشریح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں اس کھیل اور تفریحی مشغلہ سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس بارے میں ان کی اس حد تک دلداری فرماتے تھے کہ جب آپ کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی دوسری بچیاں کھیل چھوڑ کے بھائیتیں تو آپ ﷺ خود ان کو کھیل جاری رکھنے کے لئے فرمادیتے۔ ظاہر ہے کہ بیوی کی دلداری کی یہ انتہائی مثال ہے۔

حضرت عائشہؓ کی گڑیاں اور تصویر کا مسئلہ

یہاں بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ذی روح کی تصویر بنانا اور اس کا گھر میں رکھنا جائز نہیں اور اس پر صحیح حدیثوں میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیقہؓ کو گڑیوں سے کھیلنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت کیوں دی؟ بعض شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے گڑیوں سے کھیلنے کا یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ تصویروں کی حرمت کا حکم انہیں آیا تھا بعد میں جب تصویروں کے بنانے اور رکھنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تو گڑیوں کے بنانے اور کھیلنے کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ گڑیاں تصویر کے حکم میں داخل ہی نہیں تھیں۔ وہ تو چودہ سو برس پہلے کی بات ہے، خود ہمارے اس زمانے میں جبکہ سینے پر ونے کے فن نے وہ ترقی کر لی ہے جو معلوم ہے، گھر وں کی چھوٹی بچیاں اپنے کھیلنے کے لئے جو گڑیاں بناتی ہیں ہم نے دیکھا کہ تصویریت کے لحاظ سے وہ اتنی ناقص ہوتی ہیں کہ ان پر کسی طرح بھی تصویر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں کے بارے میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضور ﷺ کا حضرت عائشہؓ سے دوڑ میں مقابلہ

(۶۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رَجُلٍ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي قَالَ هَذِهِ بَيْتُكَ السَّبَقَةُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی اس کے بعد جب (فریبی سے) میرا جسم بھاری ہو گیا تو (اس زمانہ میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے اور آگے نکل گئے، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہو گیا۔“ (مشن ص ۱۰۱)

تشریح: بلاشبہ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ بھی نہایت اعلیٰ مثال ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کے لئے خاص سبق ہے جن کے نزدیک دین میں اس طرح کی تفریحات کی

کوئی جگہ نہیں۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو خود کھیل دکھایا

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَاللَّهِ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُومُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ إِلَى لَعِبِهِمْ بَيْنَ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفَ فَأَقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السَّنِّ الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهِو. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں: خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں نیزہ ماری کا کھیل کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مجھے ان کا کھیل دکھانے کے لئے میرے لئے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ کے کاندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی، آپ میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا اور) میں خود ہی لوٹ آئی۔ (حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ سے) اندازہ کرو کہ ایک نو عمر اور کھیل تماشا سے دلچسپی رکھنے والی لڑکی کا کیا مقام تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یہ واقعہ بھی بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی حسن معاشرت اور ان کی دل جوئی اور دل داری کی انتہائی مثال ہے اور اس میں امت کے لئے بڑا سبق ہے۔

عید میں لہو و لعب کی بھی گنجائش

البتہ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ یہ عید کا دن تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے^(۱) اور عید میں لہو و لعب کی بھی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے، کیونکہ عوامی جشن و نشاط کا یہ بھی ایک فطری تقاضا ہے۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ مروی ہے کہ: ایک دفعہ عید کے دن رسول اللہ ﷺ کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے، دو بچیاں آئیں اور دف بجابجا کر جنگ بعاث سے متعلق کچھ اشعار گانے لگیں، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آگئے۔ انہوں نے ان بچیوں کو ڈانٹ کر بھگا دینا چاہا، آنحضرت ﷺ نے منہ کھول کر فرمایا: ”دَعْنِمَا يَا اَبَا بَكْرٍ“ (ابو بکر! ان بچیوں کو چھوڑ دو، یعنی جو کر رہی ہیں کرنے دو، یہ عید کا دن ہے) مطلب یہی تھا کہ عید میں اس طرح کے لہو و لعب کی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے۔

الغرض زیر تشریح حدیث میں حبشیوں کے جس کھیل کا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس کھیل کو دیکھنے کا جو ذکر ہے اس کے بارے میں ایک بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ عید کا دن تھا اور عید میں اس طرح کی تفریحات کی ایک حد تک گنجائش ہے۔

یہ ایک بامقصد اور تربیتی کھیل تھا، اسی لئے خود حضور ﷺ نے آمیں دلچسپی لی

علاوہ ازیں نیزہ ماری کا یہ کھیل ایک بامقصد کھیل تھا جو فن جنگ کی تعلیم و تربیت کا بھی ایک ذریعہ تھا غالباً اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس سے دلچسپی لی۔ صحیحین کی اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کھلاڑیوں کو ”ذُونُكُمْ یَابْنِیْ اَرْفَدَه“ کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔^①

اور اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھلاڑیوں حبشیوں کو (جو مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے) مسجد سے بھکادینا چاہا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: ”دَعْنِہُمْ“ (یعنی انہیں کیسے دو) اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا: ”اَمَّا بَنِیْ اَرْفَدَه“^② (یعنی تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو!)

پردہ کا سوال

اس حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ یہ حبشی لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے یقیناً غیر محرم اور اجنبی تھے پھر انہوں نے ان کا کھیل کیوں دیکھا اور رسول اللہ ﷺ نے کیوں دیکھا؟

بعض شارحین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ واقعہ اس ابتدائی زمانہ کا ہے جب پردہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن روایات کی روشنی میں یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے جبکہ حبشہ کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور حجاب کا حکم یقیناً اس سے پہلے آچکا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ کی زیر تشریح حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ جس وقت وہ یہ کھیل دیکھ رہی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک کا پردہ کر دیا تھا اگر یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ ہوتی۔

دوسری بات اس سوال کے جواب میں یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ اس کا قطعاً کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ان حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی وجہ سے حضرت صدیقہ کے دل میں کوئی برا خیال اور وسوسہ پیدا ہو اس لئے ان کے لئے یہ دیکھنا جائز تھا۔ اور جب بھی کسی عورت کے لئے ایسی صورت ہو کہ وہ فتنہ اور مفسدہ سے مامون و محفوظ ہو تو اس کے لئے اجنبی کو دیکھنا ناجائز نہیں ہوگا۔ امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الزکاح میں اسی حدیث پر ”باب النظر الی الحبش و نحوہم من غیر ریبہ“ کا ترجمہ الباب قائم کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور بلاشبہ یہی جواب زیادہ تشفی بخش ہے واللہ اعلم

ہمسایوں کے حقوق

انسان کا اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خوشگواہی اور ناخوشگواہی کا زندگی کے چین و سکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں ہمسائیگی اور پڑوسی کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام و رعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا جزو ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ و رسول ﷺ کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھئے!

پڑوسی کے بارے میں حضرت جبرائیل کی مسلسل وصیت اور تاکید

(۶۷) عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورَثُهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ کے خاص قاصد جبرائیل کے پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیدیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام و رعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل مسلسل ایسے تاکید و احکام لاتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کو وارث بھی بنادیا جائے گا، یعنی حکم آجائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد صرف یہ واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کیلئے یہ ایک نہایت مؤثر اور بلغ ترین عنوان ہے۔

پڑوسیوں کیساتھ اچھا رویہ اللہ و رسول ﷺ کی محبت کی شرط اور اس کا معیار

(۶۸) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي قُرَادٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَذَا؟ قَالُوا حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يُحِبَّهُ اللَّهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا نُسِمَ وَلْيُحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ. (رواہ البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا تو صحابہ

آپ ﷺ کے وضو کا استعمال شدہ پانی لے لیکر اپنے پر ملنے لگے۔ حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ: تمہارے لئے اس کا کیا باعث اور محرک ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: بس اللہ و رسول ﷺ کی محبت! آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اس کو اللہ اور رسول کی محبت نصیب ہو یا یہ کہ اس سے اللہ اور رسول کو محبت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے: بات ۱۔ کرے تو سچ بولے، جب ۲۔ کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو امانتداری کے ساتھ اس کو ادا کرے اور ۳۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ لازمہ ایمان

(۶۹) عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أُذُنَايَ وَأَبْصَرْتُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ صَيفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُقِلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصُمْتُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا اور جس وقت آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے اس وقت میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے اور جو اللہ پر یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اچھی بات بولے یا پھر چپ رہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔)

وہ آدمی مؤمن اور جنتی نہیں جسکے پڑوسی اس سے مامون اور بے خوف نہ ہوں

(۷۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ مَنْ يَارَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَاقِهِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ: خدا کی قسم! وہ شخص مؤمن نہیں، خدا کی قسم! اسمیں ایمان نہیں، خدا کی قسم! وہ صاحب ایمان نہیں۔ ”عرض کیا گیا: ”یا رسول اللہ! کون شخص؟“ (یعنی حضور ﷺ کس بد نصیب شخص کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں اور اس میں ایمان نہیں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔“ (یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت طلق بن علیؓ سے طبرانی نے معجم کبیر میں اور حضرت انسؓ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔)

تشریح... حدیث کے الفاظ میں غور کر کے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کیسے جلال

سے معمور ہے اور جس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہو گا اُس وقت آپ ﷺ کا حال اور آپ ﷺ کے خطاب کا انداز کیا رہا ہو گا۔ بہر حال اس پر جلال ارشاد کا مدعا اور پیغام یہی ہے کہ ایمان والوں کے لئے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں ان کے دلوں و غموں میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ اور خطر نہ ہو۔ اگر کسی مسلمان کا یہ حال نہیں ہے اور اس کے پڑوسی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے۔

(۷۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارَهُ بَوَاقِهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔“ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا کردار اور رویہ ایسا ہو کہ اس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور بد اطواریوں سے خائف رہتے ہوں وہ اپنی اس بد کرداری کی وجہ سے اور اس کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔

تشریح: ان دو حدیثوں سے سمجھ جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت میں ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکید اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لئے آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مؤمن نہیں پایا کہ وہ جنت میں نہ جاسکے گا۔ افسوس یہ کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں میں اب کلامی بحثوں اور علمی موضوعات کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں ارشاد و ہدایتی اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں حالانکہ حضور ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہی ہے۔ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی شقاوت اور بد بختی کی نشانی ہے۔

اسی سلسلہ ”معارف الحدیث“ کی پہلی جلد ”کتاب الایمان“ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس طرح کی حدیثیں جن میں کسی عملی یا اخلاقی تفسیر اور کوتاہی کی بنا پر ایمان کی نفی کی گئی ہے یا جنت میں نہ جاسکنے کی وعید سنائی گئی ہے ان کا مدعا اور مطلب یہاں ہے اور شریعت میں ایسے لوگوں کا حکم کیا ہے۔

وہ شخص مؤمن نہیں جو پیٹ بھر کے سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو

(۷۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبَعًا وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَلْعَلُ بِهِ. (رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو (بے فکری سے) سو

جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔
(مسند بزار، معجم کبیر للطبرانی)

(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں امام بخاری نے ”الادب المفرد“ میں اور بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور حاکم نے ”مستدرک“ میں ان کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی روایت کیا ہے)

ف افسوس! ہم مسلمانوں کے طرز عمل اور رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات میں اتنا بعد اور فاصلہ ہو گیا ہے کہ کسی ناواقف کو اس بات کا یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ تعلیم اور ہدایت مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان ارشادات میں اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں سے جو کچھ پیاس کے مسئلوں اور اسی طرح کی دوسری ضرورتوں سے بے فکر اور بے نیاز ہو کر زندگی گزارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا اور اس نے میری بات بالکل نہیں مانی اور وہ میرا نہیں ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان تمام حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم پڑوسیوں کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے بلکہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ یہ سارے حقوق غیر مسلم پڑوسیوں کے بھی ہیں۔

ہم سائیگی کے بعض متعین حقوق

رسول اللہ ﷺ نے پڑوسیوں کے بعض متعین حقوق کی نشان دہی بھی فرمائی ہے ان سے اس باب میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

(۷۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: حَقُّ الْجَارِ أَنْ مَرَضَ عُدَّتُهُ وَإِنْ مَاتَ شَيْعَتُهُ وَإِنْ اسْتَقْرَضَكَ أَقْرَضْتَهُ وَإِنْ أَعْوَرَ سَتَرْتَهُ وَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَأْتَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ عَزَّيْتَهُ وَلَا تَرْفَعُ بَنَانَكَ فَوْقَ بَنَانِهِ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيحَ وَلَا تُؤْذِيهِ بِرِيحٍ قَدْرِكَ إِلَّا أَنْ تَعْرِفَ لَهُ مِنْهَا.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: معاویہ بن حیدر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت سے لئے) قرض مانگے تو بشرط استطاعت اس کو قرض دو اور اگر وہ کوئی بر کام کر بیٹھے تو پڑوسی کو پڑوسی کی پوری اور اس سے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر لی ہو ابند ہو جائے اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ تمہاری باندی کی مہک اس کے لئے) اور اس کے بچوں کے لئے) باعث ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ باندی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں

کوئی مضائقہ نہیں) (معجم کبیر طبرانی)

تشریح..... اس حدیث میں ہمسایوں کے جو متعین حقوق بیان کئے گئے ہیں ان میں سے آخری دو خاص طور سے قابل غور ہیں: ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو اور اس کی دیواریں اس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوابند ہو جائے اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اور دوسرے یہ کہ گھر میں جب کوئی اچھی مرغوب چیز پکے تو اس کو نہ بھولو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک جائے گی، اور اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور طمع پیدا ہوگی جو ان کے لئے باعث ایذاء ہوگی۔ اس لئے یا تو اپنے پر لازم کر لو کہ اس کھانے میں سے کچھ تم پڑوسی کے گھر بھیجو گے یا پھر اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ جائے جو ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ان دو ہدایتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ ﷺ نے ضروری قرار دیا ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابن عدی نے ”کامل“ میں اور خرائطی نے ”مکارم الاخلاق“ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی روایت کی ہے۔ اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے:

وَأِنْ اشْتَرَيْتَ فَاِكْهَةً فَاَهْدِ لَهَا فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَاَدْخِلْهَا سِرًّا وَلَا يَخْرُجْ بِهَا وَلَذَلِكَ لِيَغِيْظَ بِهَا وَلَذَلِكَ.

(کنز العمال)

اور اگر تم کوئی پھل پھلار خرید کر لاؤ، تو اس میں سے پڑوسی کے ہاتھ بھی بدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کے لاؤ (کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو، اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ) تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لیکر گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اسے دیکھ کر جلن پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ اُمت کو توفیق دے کہ وہ اپنے رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایتوں کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور اپنی زندگی کا معمول بنا کر ان کی بیش بہا برکات کا دنیا ہی میں تجربہ کریں۔

(۷۴) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا طَبَخَ أَحَدُكُمْ قِدْرًا فَلْيُكْثِرْ مِرْقَهَا ثُمَّ لِيْنَا وَلِ جَارَةٍ مِنْهَا. (رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اسے چاہئے کہ شور بہ زیادہ کر لے، پھر اس میں سے کچھ پڑوسیوں کو بھی بھیج دے۔ (معجم اوسط للطبرانی)

(رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت قریب قریب انہی الفاظ میں جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔)

پڑوسی کی تین قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے

(۷۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْجِيرَانُ ثَلَاثَةٌ فَجَارٌ لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ وَهُوَ أَذْنَى الْجِيرَانِ حَقًّا

وَجَارٌ لَهُ حَقٌّ وَجَارٌ لَهُ ثَلَاثَةُ حُقُوقٍ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ فَجَارٌ مُشْرِكٌ لَا رَحِمَ لَهُ، لَهُ حَقُّ الْجَوَارِ، وَأَمَّا الَّذِي لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ فَجَارٌ مُسْلِمٌ لَهُ حَقُّ الْإِسْلَامِ وَحَقُّ الْجَوَارِ، وَأَمَّا الَّذِي لَهُ ثَلَاثَةُ حُقُوقٍ فَجَارٌ مُسْلِمٌ ذُو رَحِمٍ لَهُ حَقُّ الْإِسْلَامِ وَحَقُّ الْجَوَارِ وَحَقُّ الرَّحِمِ.

(رواہ البزار فی المسند و ابو نعیم فی الحلیہ)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پڑوسی تین قسم کے اور تین درجے کے ہوتے ہیں ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہوں۔ تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) اور دو حق والا وہ پڑوسی ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم (یعنی دینی بھائی) بھی ہو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہو گا اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہو، مسلم بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہو گا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہو گا۔ (مسند بزار، حلیہ ابی نعیم)

تشریح: اس حدیث میں صراحت اور وضاحت فرمادی گئی ہے کہ پڑوسیوں کے جو حقوق قرآن و حدیث میں بیان فرمائے گئے اور ان کے اکرام اور رعایت و حسن سلوک کی جو تاکید فرمائی گئی ہے ان میں غیر مسلم پڑوسی بھی شامل ہیں اور ان کے بھی وہ سب حقوق ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے یہی سمجھا۔ جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن ان کے گھر بکری ذبح ہوئی وہ تشریف لائے تو انہوں نے گھر والوں سے کہا:

أَهْدَيْتُمْ لِمَجَارِنَا الْيَهُودِيَّ أَهْدَيْتُمْ لِمَجَارِنَا الْيَهُودِيَّ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا زَالَ جِبْرِئِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورِثُهُ.

تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لئے بھی گوشت کا ہدیہ بھیجا؟ تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لئے بھی بھیجا؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں مجھے جبرئیل (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث بنا کر دے دیں گے۔

افسوس کہ عہد نبوی ﷺ سے جتنا بعد ہوتا گیا امتِ آپ ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات سے اسی قدر دور ہوتی چلی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسیوں کے بارے میں جو وصیت اور تاکید امت کو فرمائی تھی اگر صحابہ کرامؓ کے بعد بھی اس پر امت کا عمل رہا ہوتا تو یقیناً آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم و ہدایت کی قدر و قیمت سمجھیں اور اس کو اپنا دستور العمل بنائیں۔

تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پرہیزی کا حق ہے

پرہیزیوں کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے جوار شادات یہاں تک درج ہوئے ان کا زیادہ تر تعلق زندگی کے معاملات میں ان کے ساتھ اکرام و رعایت کے برتاؤ اور حسن سلوک سے تھا۔ آخر میں آپ ﷺ کا ایک وہ ارشاد بھی پڑھئے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر کسی کے پرہوس میں بے چارے ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے سدھار و اصلاح کی فکر و کوشش کریں اور اگر وہ اس میں کوتاہی کریں تو مجرم و مفسد کے مستحق ہوں گے۔

(۷۶) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ابْنِ أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَفْقَهُونَ جِيرَانَهُمْ وَلَا يَعْلَمُونَهُمْ وَلَا يَعْظُونَهُمْ وَلَا يَأْمُرُونَهُمْ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَتَعَلَّمُونَ مِنْ جِيرَانِهِمْ وَلَا يَتَفَقَّهُونَ وَلَا يَتَعْظُونَ وَاللَّهِ لَيَعْلَمَنَّ قَوْمٌ جِيرَانَهُمْ وَيَفْقَهُونَهُمْ وَيَعْظُونَهُمْ وَيَأْمُرُونَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُونَ وَيَتَعْظُونَ أَوْ لَا عَاجِلَ لَهُمْ بِالْعُقُوبَةِ فِي الدُّنْيَا. (رواه ابن راهويه والبيهقي في الوحدان وابن السكن وابن مندة)

ترجمہ: علقمہ بن عبد الرحمن بن ابی نے اپنے والد عبد الرحمن کے واسطے سے اپنے دادا ابی خرقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن (اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا: کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو اور کیا حال ہے ان کا (جنہیں اللہ نے سم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے اور ان کے پرہوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے ان پرہیزیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں نہ ان کو غلط و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ اور کیا ہو گیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پرہیزیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں۔ خدا کی قسم! (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پرہیزیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور غلط و نصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں اور انہیں نیک کاموں کی تاکید اور برے کاموں سے منع کریں اور اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پرہیزیوں کو چاہئے کہ وہ خود آپ بن کر اپنے پرہیزیوں سے دین کا علم و فہم حاصل کریں۔ دین سے نصیحت لیں۔ یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض نہیں کریں گے) تو میں ان کو دنیا ہی میں سخت سزا دوں گا۔ (مسند امام ربیع، ج ۱، ص ۱۰۷)

تشریح: یہ حدیث کنز العمال جلد پنجم میں ”حق الجار“ کے زیر عنوان اسی طرح مرکوز ہے۔ جس طرح یہاں درج کی گئی ہے لیکن دوسری جلد اسی کنز العمال میں حضور ﷺ کا یہی خطب قریب قریب انہی الفاظ میں

اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن اس خطاب میں ابو موسیٰ اشعری اور ابومالک اشعری کی قوم اشعریین کی طرف تھا۔ اس قوم کے افراد عام طور سے دین کے علم اور تفقہ سے بہرہ مند تھے لیکن ان ہی کے علاقہ میں اور ان کے پڑوس میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جو اس لحاظ سے بہت پسماندہ تھے نہ ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور نہ خود ان میں اس کی طلب اور فکر تھی۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طبقے قصور وار تھے اس بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق ان کو نامزد کئے بغیر اپنے اس خطاب میں ان دونوں پر عتاب فرمایا تھا۔ اس روایت میں آگے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب اشعریین کو یہ معلوم ہوا کہ اس خطاب میں حضور ﷺ کے عتاب کا روئے سخن ہماری طرف تھا تو ان کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے حضور ﷺ سے یہ وعدہ کیا کہ ہم انشاء اللہ ایک سال کے اندر اندر ان آبادیوں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر علاقہ کے لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہوں اس کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ، رہنمائی، نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہل علم اور اہل دین سے تعلیم اور تربیت و اصلاح کا رابطہ رکھیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو امت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور رسول اللہ ﷺ سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں امت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے۔ بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ امت میں تعلیم اور تعلم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو پھر سے جاری اور قائم کیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے گی۔

کمزور اور حاجت مند طبقوں کے حقوق

یہاں تک جن طبقوں کے حقوق کا بیان کیا گیا یہ سب وہ تھے جن سے آدمی کا کوئی خاص تعلق اور رابطہ ہوتا ہے خواہ نسلی اور خونی رشتہ ہو یا زراعتی رابطہ یا ہمسائیگی اور پڑوس کا تعلق یا عارضی اور وقتی گنگھنا۔ عین رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں ان کے علاوہ تمام طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت رسیدوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مندرجہ کیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے اپنے پیروؤں کو ان کی خدمت و خبر گیری اور ہمدردی و معاونت کی تلقین و تائید فرمائی ہے اور اس کو امتی و واجب کی سی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے۔ ان سب طبقوں سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پرچھے۔

مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت و سرپرستی

(۷۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ وَأَخْسِبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتَرُو كَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بے چاری بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجت مند کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اور اجر و ثواب میں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کے مثل ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائمِ اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شبِ خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس صائمِ الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد و جانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں گزرتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابلِ رشک حال ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام ان لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت و اعانت کے لئے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کریں۔ بلاشبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

(۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْلَغِيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى وَفَرَجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور اپنے یتیم کے لئے اور اپنے یتیم کے لئے کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ نے اپنی انگشتِ شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اس مردِ مؤمن کے مقام میں ہو گا جو اللہ کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو (جیسے پوتا یا بھتیجہ وغیرہ) یا پرایا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں پر یقین نصیب فرمائے اور وہ سعادت میسر فرمائے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ان ارشادات میں ترغیب دی ہے۔

(۷۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَهَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ أَلْبَتَّه إِلَّا أَنْ يَكُونَ قَدْ عَمِلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے لیا اور اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور جنت میں داخل کر دے گا۔ الا یہ کہ اس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جو ناقابل معافی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ یتیم کی کفالت و پرورش پر داخلہ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کسی ایسے سخت گناہ کا مرتکب نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناقابل معافی ہو (جیسے شرک و کفر اور خون ناحق وغیرہ) دراصل یہ شرط اس طرح کی تمام تبشیری حدیثوں میں ملحوظ ہوتی ہے اگرچہ الفاظ میں مذکور نہ ہو۔ بہر حال اس طرح کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں بطور قاعدہ کلیہ کے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۸۰) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ مَسَحَ رَأْسَ يَتِيمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ إِلَّا لِلَّهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ يَمُرُّ عَلَيْهَا يَدُهُ حَسَنَاتٌ وَمَنْ أَحْسَنَ إِلَى يَتِيمَةٍ أَوْ يَتِيمٍ عِنْدَهُ كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَ قَرْنِ بَيْنِ أَصْبَعَيْهِ. (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا تو ہر بال کے حساب سے اسکی نیکیاں ثابت ہوں گی اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا (کہ ان دو انگلیوں کی طرح بالکل پاس پاس ہوں گے)۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک پر جو روح پرور بشارت اس حدیث میں سنائی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ حسن سلوک خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس کو بھی قاعدہ کلیہ کی طرح اس کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۸۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحَسِّنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھرانہ وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ)

(۸۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَنُصُوهُ قَلْبُهُ قَالَ امْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَأَطْعِمِ الْمُسْكِينَ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قساوت قلبی اور

سخت دلی کی شکایت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر (پیار کا) ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں حاجت مندوں کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح: یتیموں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا اور مسکینوں حاجت مندوں کو کھانا کھلانا دراصل وہ اعمال ہیں جو انسان کی دردمندی اور ترحم کے جذبہ سے صادر ہوتے ہیں لیکن اگر کسی کا دل دردمندی اور جذبہ ترحم سے خالی نہ ہو اس کے بجائے اس میں قسوت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ وہ عزت اور قوت ارادی سے کام لے کر یہ اعمال کرے انشاء اللہ اس کے دل کی قسوت دردمندی سے بدل جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی طریق علاج کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

محتاجوں، بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت

(۸۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لئے) نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے پروا نہ کرے۔ اور جو ولی اپنے بھائی کی حاجت پر لڑے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں میں سے اس کی مصیبت کو دور کرے گا اور جو ولی کسی مسلمان کی پرہیزگاری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پرہیزگاری سے پھرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ نَفَسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنَ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنَ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَمَنْ يَسَّرْ عَلَى مَعْسِرٍ يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَحَدٍ. (رواه ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ (اس کے عوض) قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا اور (جو قرض دے دے) کسی تنگ دست مقررہ مال کو (اپنے قرضے کی وصولی کے سلسلے میں) وصول کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں سبب نجات دے گا اور جو کسی مسلمان کی پرہیزگاری کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پرہیزگاری کرے گا اور جو ولی بند و جب تک اپنے کسی بھائی کی مدد و اعانت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد و اعانت کرتا رہے گا۔ (مشن ابی داؤد جامع ترمذی)

(۸۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرَى كَسَاهُ اللَّهُ

مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَآيَمًا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جَوْعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ ثَمَارِ الْجَنَّةِ وَآيَمًا مُسْلِمٍ سَقَاهُ اللَّهُ مِنْ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے بہار جوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی (یا کوئی مشروب) پلائے اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نیکس (جنت کی) شراب حضور پلائے گا جس پر جہنمی مہر ہی ہوں۔ (مسلم فی اللہ جامع ترمذی)

(۸۶) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَطْعَمُوا الْجَائِعَ وَعَوَّدُوا الْمَرِيضَ وَلَفَّكُوا الْعَالِيَّ۔

(رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں قیدیوں کو رہائی دلاؤ کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح اس حدیث میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ مریضوں کی عیادت اور قیدیوں کو رہا کرانے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ”عیادت“ کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورہ میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پر سی (یعنی مریض کا حال دریافت کرنا) سمجھا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اور بیمار پر سی اور خبر گیری کے علاوہ بیمار داری بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ اس لئے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف بیمار پر سی ہی نہیں بلکہ بیمار داری اور حسب استطاعت و اعلاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح قیدیوں کو رہا کرانے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس سے وہی اسیرانہ بلا مراد ہیں جو ناحق قید میں رکھے گئے ہوں یا کم از کم انکے رہا ہو جانے سے خیر کی امید ہو بلاشبہ ایسے گرفتارانہ بلا کا رہا کرنا اور ان کو آزادی دلانا بڑا کار ثواب ہے۔

(۸۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرَضْتُ

فَلَمْ تُعِدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوذُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فَلَانًا مَرَضَ فَلَمْ تُعِدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدَّتَهُ لَوْ جَدْتَنِي عَنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطَعْمَكَ فَلَمْ تُطْعَمْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَطْعَمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطَعَمَكَ عَبْدِي فَلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوْ جَدْتُ ذَلِكَ عِنْدِي يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتَكَ فَلَمْ تَسْقِنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فَلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتُ ذَلِكَ عِنْدِي۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

فرزند آدم سے فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں بیمار پڑا تھا تو نے میری خبر نہیں لی؟ بندہ عرض کرے گا: اے میرے مالک اور پروردگار! میں کیسے تیری تیمارداری یا بیمار پر سی کر سکتا تھا تو رب العالمین ہے (بیماری کا تجھ سے کیا واسطہ اور تیری بارگاہ میں اس کا کہاں گزر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اور خبر نہیں لی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی خبر لیتا اور تیمارداری کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا؟ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا: (خداوند!) میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا تو رب العالمین ہے (تجھے کھانے سے کیا واسطہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا؟ کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ اے ابن آدم! میں نے پینے کے لئے تجھ سے (پانی) مانگا تھا تو نے مجھے نہیں پلایا؟ بندہ عرض کرے گا: میں تجھے پانی کیسے پلاتا تو رب العالمین ہے۔ تجھے پینے سے کیا واسطہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کے لئے پانی مانگا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔ اس حدیث میں مؤثر اور غیر معمولی انداز میں کسمپرس بیماروں کی عیادت و تیمارداری اور بھوکوں، پیاسوں کو کھلانے پلانے کی ترغیب دی گئی ہے اس میں غور کرنے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت میں ان معاشرتی اعمال اور حاجت مندوں کی خدمت و اعانت کی کس قدر اہمیت ہے اور ان کا درجہ کتنا بلند ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ جو کسی حاجت مند اور بیمار کی عیادت کرے گا وہ خدا کو اس کے پاس پائے گا اور اسے خدا مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں ہدایت

رسول اللہ ﷺ جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو عرب میں بلکہ قریب قریب اس پوری دنیا میں جس کی تاریخ معلوم ہے غلاموں کا طبقہ موجود تھا۔ فاتح قویم مفتوح قوموں کے افراد کو غلام بنالیتی تھیں، پھر وہ ان کی ملکیت ہو جاتے تھے، ان سے جانوروں کی طرح محنت و مشقت کے کام لئے جاتے تھے، اور ان کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو غلاموں کو آزاد کرنے کو بہت سے گناہوں کا کفارہ اور بہت بڑا کارِ ثواب قرار دیا اور طرح طرح سے اس کی ترغیب دی، دوسری طرف ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے، ان پر محنت و مشقت کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، ان کے طعام لباس جیسی بنیادی ضرورتوں کا مناسب انتظام کیا جائے، بلکہ حکم دیا کہ جو گھر میں کھلایا جائے وہی ان کو کھلایا جائے، جیسا کپڑا خود پہنا جائے ویسا ہی ان کو پہنایا جائے، ان کے معاملے میں خدا کے محاسبہ اور مواخذہ سے ڈرا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان ہدایات اور تعلیمات نے غلاموں کی دنیا ہی بدل دی، پھر تو ان میں سے ہزاروں امت کے آئمہ اور پیشوا تک ہوئے، ہزاروں حکومت کے بڑے سے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، ان کی

حکومتیں تک قائم ہوئیں۔ یہ سب اس ہدایت و تعلیم ہی کے نتائج تھے جو انسانیت کے اس مظلوم و ناتواں طبقہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو دی تھی اور پھر ساری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

غلاموں کے بنیادی حقوق

(۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يُكَلِّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: طعام اور لباس غلام کا حق ہے اور یہ بھی اس کا حق ہے کہ اسے ایسے سخت کام کی تکلیف نہ دی جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ طعام و لباس غلام کا حق ہے۔ آقا کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا یہ حق ادا ہو اسے ضرورت بھر کھانا اور کپڑا دیا جائے۔ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہو گا کہ اسے وہی کھانا کھلایا جائے جو گھر میں کھایا جائے وہی لباس پہنایا جائے جو خود پہنا جائے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ اس پر کام کا بے جا بوجھ نہ ڈالا جائے اتنا ہی کام لیا جائے جتنا وہ کر سکے۔ یہ گویا غلاموں کے بنیادی حقوق ہیں۔

یہ غلام تمہارے بھائی ہیں ان سے برادرانہ سلوک کیا جائے

(۸۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ إِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنِّهِ عَلَيْهِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (یہ بیچارے غلام) تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارا زیر دست (محکوم) بنادیا ہے تو اللہ جس کے زیر دست (اور تحت حکم) اس کے کسی بھائی کو کر دے تو اس کو چاہئے کہ اس کو وہ کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے اور اس کو ایسے کام کا مکلف نہ کرے جو اس کے لئے بہت بھاری ہو اور اگر ایسے کام کا مکلف کرے تو پھر اس کام میں خود اس کی مدد کرے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ہر غلام کو اس کے آقا کا بھائی بتلایا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے تحت میں کر دیا ہے۔ اس تعبیر میں اس مظلوم طبقہ کے ساتھ حسن سلوک کی جتنی مؤثر اپیل ہے وہ ظاہر ہے۔ غلام اور آقا کو بھائی غالباً اسی بناء پر قرار دیا گیا ہے کہ دونوں بہر حال آدم و حوا کی اولاد ہیں۔

بنی آدم اعضاء یکد گیرند
کہ در آفرینش ز یک جوهر اند

پھر اسی تعلق اور رشتہ کی بنیاد پر فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارا غلام اور خادم تمہارا بھائی ہے تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہونا چاہئے جو بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے اسے وہی کھلایا اور پہنایا جائے جو خود کھلایا اور پہنایا جائے۔

غلام یا نوکر جو کھانا بنائے اس میں سے اس کو ضرور کھلایا جائے

(۹۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَنَعَ لَاحِدُكُمْ خَادِمَهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهِ وَقَدْ وَلَّى حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَأْكُلْ فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوعًا قَلِيلًا فَلْيَضَعْ فِي يَدِهِ مِنْهُ أَكْلَةً أَوْ اُكْلَتَيْنِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم اس سے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لے کر آئے اور اس نے اس کے پکانے اور بنانے میں گرمی اور دھواں میں نہ تکلیف اٹھائی ہے۔ تو آقا کو چاہئے کہ کھانا تیار کرنے والے اس خادم کو بھی کھانے میں سے کچھ حصہ لے کر وہ بھی کھائے۔ پس اگر (بھی) وہ کھانا تھوڑا ہو (جو دونوں کے لئے کافی نہ ہوئے) تو آقا کو چاہئے کہ اس کھانے میں سے دو ایک تھوڑے جی اس خادم کو دے دے۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن کدوؤں میں غلام یا باندیاں ہوتی تھیں کھانے پکانے جیسے خدمت کے کام انہی سے لئے جاتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب وہ کھانا پکا لائیں تو ان کو اپنے کھانے میں شریک کر لو اور ساتھ ساتھ کھلاؤ اور جب کھانا کم ہو اس کی گنجائش نہ ہو تب بھی ان کو اس میں سے کچھ حصہ ضرور دو کیونکہ انہوں نے اس کے پکانے میں گرمی اور دھواں کی تکلیف برداشت کی ہے۔ اس زمانہ میں اسی بنیاد پر بھی حکم کھانا پکانے والے نوکروں اور نوکرانیوں کے لئے ہو کر۔

غلاموں کی غلطیوں اور قصوروں کو معاف کیا جائے

(۹۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمْ نَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَّتْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةَ قَالَ اَعْفُوا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اپنے خادم اور غلام کی غلطیاں کس حد تک ہمیں معاف کر دینا چاہئیں؟ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا (اور کوئی جواب نہیں دیا) اس شخص نے دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا۔ آپ ﷺ پھر خاموش رہے اور جواب میں کچھ نہیں فرمایا۔ پھر جب تیسری دفعہ اس نے عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر دفعہ۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح پہلی اور دوسری دفعہ جو آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار فرمائی اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ ﷺ نے سوال کرنے والے صاحب کو اپنی خاموشی سے یہ تاثر دینا چاہا کہ یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں ہے، اپنے زیر دست خادم اور غلام کا قصور معاف کر دینا تو ایک نیکی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے معاف ہی کیا جائے لیکن جب دو دفعہ کے بعد تیسری دفعہ بھی ان صاحب نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: **كُلُّ يَوْمٍ سَعْيٌ مَرَّةً** یعنی اگر بالفرض ہر روز صبح سے شام تک ستر قصور کرے تب بھی اسے معاف ہی کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہاں **سعی** سے ستر کا خاص عدد مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا زیر دست غلام یا نوکر بار بار غلطی اور قصور کرے تو انتقام نہ لو، معاف ہی کر دو۔

اس عاجز کے نزدیک معافی کے اس حکم کا مطلب یہی ہے کہ اس کو انتقام سزا نہ دی جائے، لیکن اگر اصلاح و تادیب کے لئے کچھ سرزنش مناسب سمجھی جائے تو اس کا پورا حق ہے، اور اس حق کا استعمال کرنا اس ہدایت کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ بعض اوقات اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔

(۹۲) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَكُمْ عَلَى كَسْرِ إِنْاءٍ كُمْ فَإِنَّ لَهَا أَجَالًا كَأَجَالِكُمْ. (رواہ الدیلمی)

ترجمہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: اپنی باندیوں کو برتن توڑ دینے پر سزا نہ دیا کرو، اسلئے کہ برتنوں کی بھی عمریں مقرر ہیں تمہاری عمروں کی طرح۔ (مسند احمد، سنن الدیلمی)

تشریح گھروں میں کام کرنے والی باندیوں اور نوکرانیوں سے اور اسی طرح غلاموں اور نوکروں سے برتن ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے اور ان بے چاروں کی پٹائی ہوتی تھی۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس طرح وقت پورا ہونے پر آدمی مر جاتا ہے اسی طرح وقت پورا ہونے پر برتن بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان بے چاروں سے انتقام لینا اور مارنا پیٹنا بہت ہی غلط بات ہے۔ (ہاں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اصلاح و تادیب کی نیت سے مناسب تنبیہ اور سرزنش کی جاسکتی ہے۔)

غلام پر ظلم کرنا والے سے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا

(۹۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوكَةً ظَالِمًا أُقِيدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی اپنے غلام کو ناحق مارے گا قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ (شعب الایمان، مسند احمد)

غلام پر ظلم کا کفارہ

(۹۴) عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ أَوْلَاطُهُ فَإِنَّ كُفَّارَتَهُ أَنْ يُعْتِقَهُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: جس کسی نے اپنے غلام کو کسی ایسے جرم پر سزا دی جو اس نے نہیں کیا تھا یا اس کو طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔ (یعنی اگر ایسا نہیں کرے گا تو خدا کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا۔) (صحیح مسلم)

(۹۵) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا إِعْلَمَ أَبَا مَسْعُودٍ لِلَّهِ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتْتُ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ حُرٌّ لَوْجِهَ اللَّهِ فَقَالَ أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلْفَحْتِكَ النَّارُ أَوْ لَمَسْتِكَ النَّارُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا میں نے پیچھے سے آواز سنی (کوئی کہہ رہا تھا) کہ اے ابو مسعود! تجھے معلوم رہنا چاہیے (اور اس بات سے غافل نہ ہونا چاہیے) کہ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور قابو حاصل ہے جتنا تجھے اس بے چارے غلام پر ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ فرمانے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (میں نے اس کو آزاد کر دیا) اب یہ (میری طرف سے) اللہ کے لئے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم یہ نہ کرتے (یعنی اس غلام کو اللہ کے لئے آزاد نہ کر دیتے) تو ”لَلْفَحْتِكَ النَّارُ“ (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں جلاؤالقی) یا فرمایا: ”لَمَسْتِكَ النَّارُ“ (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی۔) (صحیح مسلم)

تشریح: اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو ظلم و زیادتی اور ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کے لئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ اللہ کی پکڑ اور آخرت کے مواخذہ و محاسبہ کو یاد دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان نصیب فرمائے۔

غلاموں کے بارے میں حضور ﷺ کی آخری وصیت

(۹۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (وفات سے پہلے) جو آخری کلام فرمایا وہ یہ تھا: ”الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ“ (یعنی نماز کی پابندی کرو و نماز کا پورا اہتمام کرو اور اپنے غلاموں میں زبردستوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔) (صحیح ابوداؤد)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے اور امت سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو خاص طور سے دو باتوں کی تاکید اور وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ نماز کا پورا اہتمام کیا جائے اس سے غفلت اور کوتاہی نہ ہو یہ سب سے اہم فریضہ اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے۔ دوسری یہ کہ غلاموں، باندیوں کے ساتھ برتاؤ میں اس خداوند ذوالجلال سے ڈرا جائے جس کی عدالت میں ہر ایک کی پیشی ہوگی اور ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلویا جائے گا۔ غلاموں زیر دستوں کے لئے یہ بات کتنے شرف کی ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری وصیت اللہ کے حق کے ساتھ ان کے حق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی فرمائی اور اس حدیث کے مطابق سب سے آخری لفظ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جواد ہوا وہ یہ تھا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَ اسَانُكُمْ**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری کلمہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ ادا ہوا تھا: **اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى** (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف اٹھالے) شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ امت سے مخاطب ہو کر آپ ﷺ نے وصیت کے طور پر آخری بات تو وہ فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہوئی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف مخاطب ہو کر آخری کلمہ وہ فرمایا تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہے۔ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ**

آقاؤں کی خیر خواہی اور وفاداری کے بارے میں غلاموں کو ہدایت

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح غلاموں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں آقاؤں کو ہدایت دیں اسی طرح غلاموں کو بھی آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ جس کے زیر دست ہیں اس کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کا رویہ رکھیں۔ آپ ﷺ نے کسی غلام کی بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ بتائی کہ وہ اپنے خالق پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا وفادار و فرمانبردار ہو۔

(۹۷) **عَنْ بَنِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نِعْمًا لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَتَوَقَّاهُ اللَّهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهِ وَطَاعَةِ سَيِّدِهِ نِعْمًا.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی غلام اور مملوک کے لئے بڑی اچھی اور کامیابی کی بات ہے کہ اللہ اس کو ایسی حالت میں اٹھائے کہ وہ اپنے پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا فرمانبردار ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۸) **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی غلام جب اپنے سید و آقا کی خیر خواہی اور وفاداری کرے اور خدا کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو وہ دہرے ثواب کا مستحق

ہوگا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ ہر فرد اور ہر طبقہ کو آپ ﷺ ترغیب دیتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے کا حق ادا کرے اور حقوق کے ادا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھے۔ سیدوں اور آقاؤں کو آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ وہ غلاموں زیر دستوں کے بارے میں خدا سے ڈریں ان کے حقوق ادا کریں ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں ان کو اپنا بھائی سمجھیں اور ایک فرد خاندان کی طرح رکھیں۔

اور غلاموں اور مملکوں کو ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ سیدوں اور آقاؤں کے خیر خواہ اور وفادار ہو کر رہیں۔

ہماری اس دنیا کے سارے شر و فساد کی جڑ بنیادیہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے منکر یا کم از کم بے پروا ہے اور اپنا حق دوسرے سے وصول کرنے بلکہ چھیننے کے لئے ہر کشمکش اور جبر و زور کو صحیح سمجھتا ہے اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے اور اس وقت تک یہ دنیا امن سکون سے محروم رہے گی جب تک کہ حق لینے اور چھیننے کے بجائے حق ادا کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔ اگر عقل و بصیرت سے محرومی نہ ہو تو مسئلہ بالکل بدیہی ہے۔

بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی برتاؤ کے بارے میں ہدایات

ہر معاشرہ اور سماج میں کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ ان کے چھوٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ اور چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی ہدایات فرمائی ہیں۔ اگر ان کا اتباع کیا جائے تو معاشرہ میں وہ خوشگواہی اور روحانی سرور و سکون رہے جو انسانیت کے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہاں بھی پڑھ لی جائیں:

(۹۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

عمر بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی عزت کا خیال نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع الترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۰۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيدُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ أَنْ يُوسِعُوا لَهُ فَقَالَ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِّرْ كَبِيرَنَا. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ آئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتے تھے لوگوں نے (جو اس وقت حاضر تھے) ان کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں دیر کی (یعنی ایسا نہیں کیا کہ ان کے بڑھاپے کے احترام میں جلدی سے ان کو راستہ دے دیتے اور جگہ خالی کر دیتے) تو

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دین سے وابستگی چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا برتاؤ رکھے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور جو ایسا نہ کرے اس کو حق نہیں ہے کہ وہ حضور ﷺ کی طرف اور آپ کی خاص جماعت کی طرف اپنی نسبت کرے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جامع ترمذی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

(۱۰۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَكْرَمَ شَابٌ شَيْخًا مِنْ أَجْلِ سِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ سِنِّهِ مَنْ يُكْرِمُهُ. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب و احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کر دے گا جو اس وقت اس کا ادب و احترام کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح اوپر جو دو حدیثیں درج ہوئی ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بڑوں کے ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم میں کیا درجہ ہے اور اس میں غفلت اور کوتاہی کتنا سنگین جرم ہے۔ **اللہم استغفر** اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب و احترام اور ان کی خدمت وہ نیکی ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور اسل جزا و ثواب کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

اسلامی برادری کے باہمی تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایا

رسول اللہ ﷺ (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی دعوت اور ہدایت لے کر آئے تھے جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کا دین اور ان کا راستہ اختیار کر لیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور امت بنتے جاتے تھے۔ یہی دراصل ”اسلامی برادری“ اور ”امت مسلمہ“ تھی۔

جب تک رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز رہے یہی برادری اور یہی امت آپ کا دست و بازو اور دعوت و ہدایت کی مہم میں آپ کی رفیق و مددگار تھی اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تک اسی کو آپ کی نیابت میں اس مقدس مشن کی ذمہ داری سنبھالنی تھی۔ اس کے لئے جس طرح ایمان و یقین، تعلق باللہ اور اعمال و اخلاق کی پاکیزگی اور جذبہ دعوت کی ضرورت تھی اسی طرح دلوں کے جوڑ اور شیرازہ بندی کی بھی

ضرورت تھی اگر دل پھٹے ہوئے ہوں اتحاد و اتفاق کے بجائے اختلاف و انتشار اور خود آپس میں جنگ و پیکار ہو تو ظاہر ہے کہ نیابت نبوت کی یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ادا نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا۔ اور امت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور سے ہدایت و تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور باہم خیر خواہ و خیر اندیش اور معاون و مددگار بن کے رہیں۔ ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے اور اس دینی ناطہ سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اس تعلیم و ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اس لئے بھی تھی کہ امت میں مختلف ملکوں، نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے۔ جن کے رنگ و مزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں اور یہ رنگارنگی آگے کو اور زیادہ بڑھنے والی تھی۔ اس سلسلہ کی رسول اللہ ﷺ کی اہم ہدایات مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھیں:

(۱۰۲) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا لَّمْ شَبَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوستہ ہونا چاہئے) (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم مل کر مضبوط قلعہ بن جاتی ہیں اسی طرح امت مسلمہ ایک قلعہ ہے اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے ان میں باہم وہی تعلق اور ارتباط ہونا چاہئے جو قلعہ کی ایک اینٹ کا دوسری اینٹ سے ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقوں کو باہم پیوستہ ہو کر اس طرح امت واحدہ بن جانا چاہئے جس طرح الگ الگ دو ہاتھوں کی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک حلقہ اور گویا ایک وجود بن گئیں۔

(۱۰۳) عَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنْ اشْتَكَى عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ وَإِنْ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ. (رواہ مسلم)

حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب مسلمان ایک شخص واحد (کے مختلف اعضاء) کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دکھے تو اس کا سارا جسم درد محسوس کرتا ہے اور اسی طرح اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ گویا ایک جسم و جان والا وجود ہے اور اس کے افراد اس کے اعضاء ہیں۔ کسی کے ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو اس کے سارے اعضاء تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اسی

طرح پوری ملت اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہئے۔ اور ایک کے دکھ درد میں سب کو شریک ہونا چاہئے۔

(۱۰۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لئے) نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے (یعنی دوسروں کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی مدد کرے) اور جو کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کسی مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۰۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يُحْقِرُهُ التَّقْوَى هُنَا (وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ تِلْكَ مِرَارًا) بِحَسَبِ أَمْرٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعَرْضُهُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہذا) نہ خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے نہ اس کی تحقیر کرے (حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ فرمایا) ”تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔“ کسی آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمانے کے ساتھ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے اور اس کی تحقیر نہ کرے (لا تحقرہ) اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے جو یہ فرمایا کہ ”التَّقْوَى هُنَا“ (تقویٰ یہاں سینہ کے اندر اور باطن میں ہوتا ہے) اس کا مقصد اور مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی، چھوٹائی، عظمت و حقارت اور عزت و ذلت کا دار و مدار ”تقویٰ“ پر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز اور قابلِ اکرام وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے۔

اور تقویٰ در حقیقت خدا کے خوف اور محاسبہ آخرت کی فکر کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ وہ دل کے اندر کی اور باطن کی ایک کیفیت ہے اور ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی دوسرا آدمی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کر سکے کہ اس آدمی میں تقویٰ ہے یا نہیں ہے اس لئے کسی بھی صاحب ایمان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے ایمان والے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ کیا خبر جس کو تم اپنی ظاہری معلومات یا قرائن سے قابل تحقیر سمجھتے ہو اس کے باطن میں تقویٰ ہو اور وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو۔ اس لئے کسی مسلم کے لئے روا نہیں کہ وہ دوسرے مسلم کی تحقیر کرے۔ آگے آپ نے فرمایا کہ کسی آدمی کے برے ہونے کے لئے تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کے کسی مسلم بندے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔

(۱۰۶) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِتْيَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کے ساتھ مخلصانہ خیر خواہی پر۔ (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب میں نے بیعت کی تھی تو آپ نے خصوصیت کے ساتھ تین باتوں کا مجھ سے عہد لیا تھا۔ ایک اہتمام سے نماز پڑھنے کا دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا تیسرے ہر مسلمان کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کے لئے خیر خواہی اور خیر اندیشی کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے باہمی تعلق کا اتنا اہتمام تھا کہ آپ نماز اور زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کے ساتھ اس کی بھی بیعت لیتے تھے۔

(۱۰۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَا يَهْتُمُّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُصْبِحْ وَيُمْسِ نَاصِحًا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِإِمَامِهِ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ. (رواه الطبرانی فی الاوسط)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس کا یہ حال ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح و شام اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید کا اور اس کے امام (یعنی خلیفہ وقت) کا اور عام مسلمانوں کا مخلص و خیر خواہ اور وفادار ہو (یعنی جو کسی وقت بھی اس اخلاص اور وفاداری سے خالی ہو) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بندے کے اللہ کے نزدیک مسلمان اور مقبول اسلام ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مصائب و مشکلات سے بے پروا نہ ہو بلکہ ان کی فکر رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اللہ و رسول اور کتاب اللہ اور حکومت اسلام اور عوام مسلمین کا ایسا مخلص اور وفادار و خیر خواہ ہو کہ یہ خلوص اور وفاداری اس کی زندگی کا جزو بن گئی ہو اور اس کی

رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گئی ہو کہ وہ کسی وقت بھی اس سے خالی نہ ہو سکے۔ خدا کے لئے ہم غور کریں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس قدر اہم ہدایات کو کیسا پس پشت ڈال دیا ہے۔

(۱۰۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواد البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ سچا مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ترشح: مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کیلئے دوسرے مسلمان کی اس درجہ خیر خواہی کہ جو خیر اور بھلائی اپنے لئے چاہے وہی اس کیلئے بھی چاہے ایمان کے شرائط اور لوازم میں سے ہے۔ اگر ایمان و اسلام کا جو مدعی اس سے خالی ہے وہ ایمان کی روح و حقیقت اور اس کے برکات سے محروم ہے۔

اسلامی رشتے کے چند خاص حقوق

(۱۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ. (رواد البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک آنے پر ”یرحمکم اللہ“ کہہ کے اس کے لئے دعا کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ترشح: مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے اور نشوونما بھی پاتا ہے اس لئے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے ورنہ اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اسی فہرست میں شامل ہیں۔

مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت و حمایت

(۱۱۰) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ أَمْرٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ أَمْرًا مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَيُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عَرَضِهِ إِلَّا خَذَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي مَوْضِعٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ وَمَا مِنْ أَمْرٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ مِنْ عَرَضِهِ وَيُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللَّهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ. (رواد ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو (بے توفیق) مسلمان

کسی دوسرے مسلمان بندے کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو اور اس کی آبرو اتاری جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم رکھے گا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہش مند (اور طلبگار) ہو گا۔ اور جو (باتوفیق مسلمان) کسی مسلمان بندے کی ایسے موقع پر مدد اور حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ اس کی نصرت کا خواہشمند (اور طلبگار) ہو گا۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰)

(۱۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللَّهُ مَلَكَ يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمَى مُسْلِمًا بِشَيْئٍ يُرِيدُ بِهِ شَيْنَهُ حَبَسَهُ اللَّهُ عَلَى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتَّى يُخْرَجَ مِمَّا قَالَ. (رواه أبو داود)

ترجمہ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بد دین منافق کے شر سے بندہ مؤمن کی حمایت کی (مثلاً کسی شریر بد دین نے کسی مؤمن بندے پر کوئی الزام لگایا اور کسی باتوفیق مسلمان نے اس کی مدافعت کی) تو اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اس کے گوشت (یعنی جسم) کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان بندے کو بدنام کرنے اور گرانے کے لئے اس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر قید کر دے گا اس وقت تک کے لئے کہ وہ اپنے الزام کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۰۰)

تشریح مطلب یہ ہے کہ کسی بندہ مؤمن کو بدنام رسوا کرنے کے لئے اس پر الزام لگانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ایسا سنگین اور اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ مسلمانوں میں سے ہو جہنم کے ایک حصہ پر (جس کو حدیث میں جسر جہنم کہا گیا ہے) اس وقت تک ضرور قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ جل بھن کر اپنے اس گناہ کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے جس طرح کہ سونا اس وقت تک آگ پر رکھا جاتا ہے جب تک کہ اس کا میل کچیل ختم نہ ہو جائے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ کے ہاں ناقابل معافی ہے، لیکن آج ہم مسلمانوں کا ہمارے خواص تک کا یہ لذیذ ترین مشغلہ ہے۔ اللہ! احفظنا وبعوذناک من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

(۱۱۲) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عَرَضٍ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ تَكْلَاهُ الْآيَةُ "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ" (رواه البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلم بھائی کی آبرو پر ہونے والے حملہ کا جواب دے (اور اس کی طرف سے مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ کا یہ ذمہ ہو گا کہ وہ قیامت کے دن آتش جہنم کو اس سے دفع کرے۔ پھر (بطور سند کے) آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ" (اور ہمارے

ذمہ ہے ایمان والوں کی مدد کرنا۔ (شرح السنہ للإمام محمد بن النعمانی)

(۱۱۳) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ أَخِيهِ بِالْمَغِيبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے اپنے کسی مسلم بھائی کے خلاف کی جانے والی غیبت اور بدگوئی کی اسکی عدم موجودگی میں مدافعت اور جواب دہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ آتش دوزخ سے اس کو آزادی بخش دے۔ (شعب الإيمان للبیہقی)

(۱۱۴) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرِهِ فَنَصَرَهُ نَصَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَإِنْ لَمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرِهِ أَدْرَكَهُ اللَّهُ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (رواه البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت و حمایت کر سکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مداخلت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت و حمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے نہ جواب دہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کوتاہی پر پکڑے گا (اور اس کی سزا دے گا)۔ (شرح السنہ للبغوی)

تشریح: حضرت جابر، حضرت معاذ بن انس، حضرت ابوالدرداء، حضرت اسماء بنت یزید اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی ان پانچوں حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک بندہ مسلم کی عزت و آبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس کی حفاظت و حمایت کس درجہ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔ افسوس ہے کہ ہدایت محمدی ﷺ کے اس اہم باب کو امت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ ہمارے اُن اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے آئینہ ہے

(۱۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُؤْمِنُ مِرَاةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكْفُ عَنْهُ ضَيْعَتُهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے اور ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے اس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی و نگرانی کرتا ہے۔ (معجم ابی داؤد والترمذی)

تشریح آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اس کے چہرے کا ہر داغ دھبہ اور ہر بدنما نشان دکھا دیتا ہے اور صرف اسی کو دکھاتا ہے دوسروں کو نہیں دکھاتا۔ ایک مؤمن کے دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کو چاہئے کہ دوسرے بھائی میں جو نامناسب اور قابل اصلاح بات دیکھے وہ پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ اس کو اس پر مطلع کر دے دوسروں میں اس کی تشبیہ نہ کرے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس دینی اخوت کے ناطے سے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر اس پر کوئی آفت اور تباہی آنے والی ہو تو وہ اپنے مقدور بھر اس کو روکنے اور اس کی زد سے اس کو بچانے کی کوشش کرے اور جس طرح اپنی کسی عزیز ترین چیز کی ہر طرف سے پاسبانی اور نگرانی کی جاتی ہے اسی طرح اپنے دینی و ایمانی بھائی کی نگرانی اور پاسبانی کرے۔

عام انسانوں اور مخلوقات کیساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات

مندرجہ بالا حدیثوں میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے عام انسانوں اور دوسری مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔

(۱۱۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتُعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ؛ قَالَ وَمَاذَا يَأْرُسُوكَ اللَّهُ؟ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تُكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟ (یعنی ایمان والے اعمال و اخلاق میں وہ کون سے ہیں جن کو فضیلت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تمہاری محبت و مودت اور تمہاری نفرت و عداوت بس اللہ کے واسطے ہو اور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو۔ معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ اور کیا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اور یہ کہ تم سب لوگوں کے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو اور اس چیز اور اس حالت کو سب لوگوں کے لئے ناپسند کرو جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم میں عام انسانوں کی اس حد تک خیر خواہی و خیر اندیشی اور ان کے ساتھ اتنا خلوص کہ جو اپنے لئے چاہے وہ سب کے لئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے بھی نہ چاہے اعلیٰ درجہ کے ایمانی اعمال و اخلاق میں سے ہے۔

(۱۱۷) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی جو (اس کے پیدا کئے ہوئے) انسانوں پر رحم نہ کھائے گا اور ان کے ساتھ رحم کا معاملہ نہ کریگا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے جو دوسرے قابل رحم انسانوں کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہ کریں، یعنی ان کی تکلیف اور ضرورت کو محسوس کر کے اپنے مقدور کے مطابق ان کی مدد اور خدمت نہ کریں، بڑی سخت وعید ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ: ایسے لوگ خداوند رحمن کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ الفاظ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس کو بددعا سمجھا جائے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایسے لوگ خدا کی رحمت سے محروم رہیں۔ واضح رہے کہ چوروں، ڈاکوؤں اور اس طرح کے دوسرے مجرموں کو سزا دینا اور قاتلوں کو قصاص میں قتل کرنا، رحم کی اس تعلیم و ہدایت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ بھی عوام کے ساتھ رحم ہی کا تقاضا ہے۔ اگر مجرموں کو تعزیری قانون کے مطابق سخت سزائیں نہ دی جائیں تو بے چارے عوام ظالموں کے مظالم اور مجرمین کے جرائم کا اور زیادہ نشانہ بنیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

اے اہل دانش قصاص کے قانون میں تمہارے لئے زندگی کا سامان ہے۔

(۱۱۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ کی مخلوق پر) رحم کھانے والوں اور (ان کے ساتھ) رحم کا معاملہ کرنے والوں پر خداوند رحمن کی خاص رحمت ہوگی۔ تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔

(المعانی و المعانی)

تشریح اس حدیث میں بڑے ہی بلیغ اور مؤثر انداز میں تمام مخلوق کے ساتھ جس سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے، رحم کی ترغیب دی گئی ہے، پہلے فرمایا گیا ہے کہ رحم کرنے والوں پر خدا کی رحمت ہوگی، اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم خدا کی زمینی مخلوق کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو، آسمان والا (رب العرش) تم پر رحمت کرے گا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے **فِي السَّمَاءِ** کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ ”وہ جو آسمان میں ہے“ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے وہ نسبت نہیں ہے جو ایک مکین کو اپنے خاص رہائشی مکان سے ہوتی ہے، آسمان بھی زمین اور دوسری مخلوقات کی طرح اس کی ایک مخلوق ہے، وہ **السَّمَاءِ**

وَالْأَرْضِ ہے اور اس کی خالقیت اور الوہیت و ربوبیت کا دونوں سے یکساں تعلق ہے (وہو الہی فی **السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ**) اس کے باوجود فوقیت اور بالائزگی کے لحاظ سے اس کو آسمان سے ایک خاص

نسبت ہے جو زمین اور اس عالم اسفل کی دوسری مخلوقات سے نہیں ہے، اور وہی اس کی نوعیت اور کیفیت جانتا ہے، اسی نسبت کے اعتبار سے اس حدیث میں **فِي السَّمَاءِ** کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے **فِي السَّمَاءِ**

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۱۹) عَنْ أَنَسٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَاحْبَبِ الْخَلْقَ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساری مخلوق اللہ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔ (شعب الایمان)

تشریح: آدمی کے "عیال" ان کو کہا جاتا ہے جن کی زندگی کی ضروریات کھانے، پکڑے وغیرہ کا وہ کفیل ہو۔ بلاشبہ اس لحاظ سے ساری مخلوق اللہ کی "عیال" ہے، وہی سب کا پروردگار اور روزی رساں ہے۔ اس نسبت سے جو آدمی اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اس کی محبت اور پیار کا مستحق ہوگا۔

جانوروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے (اور آپ ﷺ سے پہلے آنے والے نبیوں، رسولوں نے بھی) اس کی اجازت دی ہے کہ جو جانور سواری یا بار برداری کے لئے یا کسی دوسرے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان سے وہ کام لئے جائیں۔ اسی طرح جن جانوروں کو حلال طیب قرار دیا گیا ہے ان کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق غذا میں استعمال کیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذا، رسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے اور ان کے معاملہ میں بھی خدا سے ڈرا جائے۔

(۱۲۰) عَنْ سُهَيْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِبَعِيرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَإِنْ كَبُّوْهَا صَالِحَةٌ وَإِنْ رُكِّبُوْهَا صَالِحَةٌ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سہیل بن الحنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ (بھوک کی وجہ سے) اس کی کمر سے لگ گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو! (ان کو اس طرح بھوکا نہ مارو) ان پر سوار ہو تو ایسی حالت میں جب یہ ٹھیک ہوں (یعنی ان کا پیٹ بھرا ہو) اور ان کو چھوڑو تو (اسی طرح کھلا پلا کر) اچھی حالت میں۔

(سنن ابی داؤد)

(۱۲۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ ﷺ حِمَارًا قَدْ دُوسِمَ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ فَعَلَ هَذَا. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ دے کر نشان بنایا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص خدا کی رحمت سے دور اور محروم ہے جس نے یہ (بے رحمی کا) کام کیا ہے۔ (مسند احمد)

تشریح: دنیا کے بہت سے حصوں میں گھوڑوں، گدھوں جیسے جانوروں کی پہچان کے لئے ان کے جسم کے

کسی حصہ پر گرم لوہے سے داغ دے کر نشان بنادیا جاتا تھا اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے لیکن اس مقصد کے لئے چہرے کو داغنا (جو جانور کے سارے جسم میں سب سے زیادہ نازک اور حساس عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گنوار پن کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغ لگایا تھا تو آپ ﷺ کو سخت دکھ ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ: **لَعَنَ اللَّهُ مَنِ فَعَلَ هَذَا** (یعنی اس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا ہے) ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور بے زاری کا کلمہ تھا جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کے لئے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا۔

دنیا نے **سدا ب ر م** کو اب اپنی ذمہ داری سمجھا ہے لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے اب سے چودہ سو برس پہلے اس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور اس پر زور دیا تھا۔

(۱۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غُفِرَ لِمَرْأَةٍ مُوسِمَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلَى رَأْسِ رَكْبٍ يَلْهَثُ كَأَن يَفْتُلَهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْتَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فُغْفِرَ لَهَا بِذَلِكَ. قِيلَ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک بد چلن عورت کی اسی عمل پر بخشش ہو گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو ایک کنویں کے پاس اس حالت میں (چکر کاٹ رہا) تھا کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ ہانپ رہا تھا کہ پیاس سے مر جائے۔ اس عورت نے (ڈول رسی نہ ہونے کی وجہ سے) پاؤں سے اپنا چمڑے کا موزہ اتارا پھر اپنی اوڑھنی میں (کسی طرح) اس کو باندھا اور اس پیاسے کتے کے لئے (کنویں سے) پانی نکالا (اور پلایا) تو اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: کیا جانور (کے کھلانے پلانے) میں بھی ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک ہر زندہ جانور کے کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ اس بد چلن عورت کے اس واقعہ کا ذکر کرنے سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف واقعہ سنا دینا نہ تھا بلکہ یہ سبق دینا تھا کہ کتے جیسی مخلوق کے ساتھ بھی اگر رحم کا برتاؤ کیا جائے گا تو وہ خداوند قدوس کی رحمت و مغفرت کا باعث ہو گا اور بندہ اس کا اجر و ثواب پائے گا۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جس میں عورت کے بجائے ایک راستہ چلتے مسافر کا اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کے حوالہ سے اسی سلسلہ معارف الحدیث میں اب سے بہت پہلے (کتاب الاخلاق میں رحم دلی کے زیر عنوان) درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح میں بہت تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے اور اس سوال کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ صرف ایک کتے کو پانی پلا دینا کیونکر ایک گنہگار آدمی کی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے اور اس میں کیا راز^۱ ہے۔ اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ کتے جیسے جانوروں کے ساتھ بھی ہمارا برتاؤ رحم کا ہونا چاہئے۔

^۱ یہ حدیث اور اس سے متعلق تشریح بحث معارف الحدیث (جلد ۲) کتاب الاخلاق میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۱۲۳) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی مسلم بندہ کسی درخت کا پودا لگائے یا کھیتی کرے، پھر کوئی انسان یا کوئی پرند یا چوپایہ اس درخت یا کھیتی میں سے کھائے تو یہ اس بندے کی طرف سے صدقہ اور کارِ ثواب ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ترجمہ: اس حدیث کا بھی پیغام اور سبق یہی ہے کہ انسانوں کے علاوہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے سب جانوروں پرندوں اور چوپایوں کو کھانا پلانا بھی صدقہ اور کارِ ثواب ہے۔ اس کے برعکس مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ کسی جانور کو بلا وجہ ستانا اور اس کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرنا سخت گناہ ہے جو آدمی کو عذاب خداوندی کا مستحق بنا دیتا ہے۔

(۱۲۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَذِبَتْ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ أَمْسَكَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ مِنَ الْجُوعِ فَلَمْ تَكُنْ تَطْعَمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک ظالم عورت کو ایک بلی کو (نہایت ظالمانہ طریقہ سے) مار ڈالنے کے جرم میں عذاب دیا گیا ہے۔ اس نے اس بلی کو بند کر لیا، پھر نہ تو خود اسے کچھ کھانے دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لیتی (اس طرح اسے بھوکا ترپا ترپا کے مار ڈالا۔ اس کی مزار اور پاداش میں وہ عورت عذاب میں ڈالی گئی ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ترجمہ: یہ چند حدیثیں یہ جاننے کے لئے کافی ہیں کہ جانوروں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور تعلیم کیا ہے۔ اور یہ اس کے بالکل منافی نہیں ہے کہ سانپ، بچھو جیسے موذی جانوروں کو مار ڈالنے کا خود آپ ﷺ نے حکم دیا ہے، اور حرم میں بھی ان کے مار دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ بھی دراصل اللہ کی مخلوق اور اس کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا ہے۔

آداب ملاقات

یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے انسانوں کے مختلف طبقات اور اللہ کی عام مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات معلوم ہوئیں، آگے ”آداب ملاقات“ اور اس کے بعد ”آداب مجلس“ کے سلسلہ کی جو احادیث درج کی جا رہی ہیں، وہ بھی دراصل زندگی کے ایک خاص دائرے میں آپس کے برتاؤ ہی سے متعلق ہدایات ہیں۔

تحیۃ اسلام، سلام

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبہ اکرام و خیراندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس و مسرور کرنے کے لئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے برادران وطن ہندو ملاقات کے وقت ”نمستے“ کہتے ہیں، کچھ پرانے قسم کے کم پڑھے لکھوں کو ”رام رام“ کہتے ہوئے بھی سنا ہے۔ یورپ کے لوگوں میں صبح کی ملاقات کے وقت ”گڈ مارننگ“ (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے وقت ”گڈ ایوننگ“ (اچھی شام) اور رات کی ملاقات میں ”گڈ نائٹ“ (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

سنن ابی داؤد میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی عمران بن حصینؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ: ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں ”اِنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا“ (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور ”اِنْعَمَ صَبَاحًا“ (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے۔ جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی، یعنی اس کے بجائے ہمیں ”السَّلَامُ عَلَیْکُمْ“ کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیراندیشی کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جاسکتا۔ ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے، یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کیلئے شفقت اور مرحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے، اور پھر ”السَّلَامُ“ اسماء الہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے، اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رِس بھرا ہوا ہے۔ ارشاد ہوا ہے: **سَلَامٌ عَلٰی نُوحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ** O **سَلَامٌ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ** O **سَلَامٌ عَلٰی مُوسٰی وَهَارُوْنَ** O **سَلَامٌ عَلٰی الْیٰسِیْنَ** O **سَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ** O **سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الذِّیْنَ**

اصطلاحی

اور اہل ایمان کو حکم ہے کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں: **السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ** اور ایک جگہ رسول اللہ کو حکم دیا گیا ہے کہ: جب ہمارے وہ بندے آپ کے پاس آئیں۔ جو ایمان لائے ہیں، تو آپ ان سے کہیں کہ: **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ رَحْمَةً** (السلام علیکم! تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرمادیا ہے) اور آخرت میں داخلہ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان سے فرمایا جائے گا: **ادخلوها سَلَامًا** اور **سَلَامًا عَلَيْكُمْ صَاحِبِ** **سِرِّكُمْ فَفَعَلَ غَنِّي الدَّارِ**

الغرض ملاقات کے وقت کے لئے **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ** سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ملنے والے پہلے سے باہم متعارف اور شناسا ہیں اور ان میں محبت و اخوت یا قرابت کے قسم کا کوئی تعلق ہے تو اس کلمہ میں اس تعلق اور اس کی بناء پر محبت و مسرت اور اکرام و خیر اندیشی کا پورا اظہار ہے اور اگر پہلے سے کوئی تعارف اور تعلق نہیں ہے، تو یہ کلمہ ہی تعلق و اعتماد اور خیر سگالی کا وسیلہ بنتا ہے، اور اس کے ذریعے ہر ایک دوسرے کو گویا اطمینان دلاتا ہے کہ میں تمہارا خیر اندیش اور دعا گو ہوں، اور میرے تمہارے درمیان ایک روحانی رشتہ اور تعلق ہے۔

بہر حال ملاقات کے وقت **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ** اور **وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ** کی تعلیم رسول اللہ کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے، اور یہ اسلام کا شعار ہے، اور اسی لئے آپ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث پڑھیے!

سلام کی فضیلت و اہمیت

(۱۲۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **أَعْبُدُوا الرَّحْمَنَ، وَأَطِعُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ**. (رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: لوگو! خداوندِ رحمن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں پہنچ جاؤ گے، سلامتی کے ساتھ۔ (پانچ تہائی)

اس حدیث میں رسول اللہ نے تین نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے، اور ان کے کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے۔ ایک خداوندِ رحمن کی عبادت (یعنی بندے پر اللہ کا جو خاص حق ہے اور جو دراصل مقصدِ تخلیق ہے کہ اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کو ادا کیا جائے) دوسرے اطعامِ طعام، یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ اخلاص و محبت کے کھانا کھلایا جائے (جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت و الفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، اور بخل جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہے) تیسرے **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ** اور **وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ** کو جو

اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمایا ہوا دعائیہ کلمہ ہے اس کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسی رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی فضاء اس کی لہروں سے معمور رہے۔ ان تین نیک کاموں پر رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی ہے: **”تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ سَلَامًا“** (تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے)

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: ”حضرت اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) وہ کیا چیز (اور کون سا عمل) زیادہ اچھا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھاؤ اور (دوسرے) یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اس کو بھی سلام کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)“

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی اعمال میں اطعام طعام اور سلام کو خیر اور بہتر قرار دیا ہے۔ بعض دوسری حدیثوں میں (جو گزر بھی چکی ہیں) دوسرے بعض اعمالِ صالحہ کو مثلاً ذکر اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کو یا والدین کو خدمت و اطاعت کو ”خیر اعمال“ اور ”افضل اعمال“ قرار دیا گیا ہے لیکن جیسا کہ اسی سلسلہ میں بار بار واضح کیا جا چکا ہے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ آپ کے جوابات کا یہ فرق دراصل پوچھنے والوں کی حالت و ضرورت اور موقع محل کے فرق کے لحاظ سے ہے اور اسلامی نظامِ حیات میں ان سب ہی اعمال کو مختلف جہتوں سے خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔

(۱۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَّلَا أَدْلِكُكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جاسکتے تا وقتیکہ پورے مؤمن نہ ہو جاؤ (اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہو جائے۔ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلہ جنت کی بشارت اور وعدہ ہے، وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ اہل ایمان کی باہمی محبت و مودت بھی اس کی لازمی شرط ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبت و مودت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی ظہور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں روح ہو، نماز، روزہ اور حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ سلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بناء پر صحیح جذبہ سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت نکلنے اور محبت و

مودت کارس پیدا ہو جانے کا یہ بہترین وسیلہ ہیں۔ لیکن آج ہمارا ہر عمل بے روح ہے۔

سلام کا اجر و ثواب

(۱۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَرَدَ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَقَرَدَ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عَشْرُونَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ فَقَرَدَ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُونَ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دس“ (یعنی اس بندے کے لئے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا اس نے کہا: ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ“ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بیس“ (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا آدمی آیا اس نے کہا: ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمیں (یعنی اس کے لئے) تمیں نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

تشریح: اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون ہے کہ اس نے ایک نیکی کا اجر اس آخری امت کے لئے دس نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: ”مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا“ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے حق میں جس نے صرف ایک کلمہ ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ کہا تھا فرمایا کہ اس کے لئے دس نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اور جس شخص نے اس کے ساتھ دوسرے کلمہ ”وَرَحْمَةُ اللَّهِ“ کا بھی اضافہ کیا اس کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیس نیکیاں ثابت ہو گئیں اور تیسرے شخص کے لئے جس نے ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ“ کے ساتھ تیسرے کلمہ ”وَبَرَكَاتُهُ“ کا بھی اضافہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے ۳۰ نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اسی حساب سے سلام کا جواب دینے والا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے جو راستے معلوم ہوئے ہیں ان کی قدر اور استفادے کی توفیق دے۔

امام مالکؒ نے ابی بن کعب کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے اور جس دکاندار اور جس کباڑیے اور جس فقیر و مسکین کے پاس سے گزرتے اس کو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید و فروخت کے بغیر واپس آجاتے) ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جا کے کیا کریں گے؟ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں نہ کسی

چیز کا سودا کرتے ہیں نہ بھلاؤ ہی کی بات کرتے ہیں اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر آپ بازار کس لئے جائیں؟) یہیں بیٹھیں باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں! حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ: ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے پڑے اس کو سلام کریں اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں۔)

(۱۲۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ.

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(۱۳۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْبَادِيُ بِالسَّلَامِ بَرٌّ مِنَ الْكِبَرِ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔ (شعب الایمان للسیبکی)

تشریح: یعنی سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس بندے کے دل میں تکبر نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے جو بدترین رذیلہ ہے جس پر احادیث میں عذاب نار کی وعید ہے۔ اللہم احفظنا!

اس کے بعد چند وہ حدیثیں پڑھیں جن میں خاص خاص موقعوں پر سلام کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

عند الملاقات سلام

(۱۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيلَ مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَاجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرَضَ فَعُدُّهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ (خاص) حق ہیں: اول یہ کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ دوسرے جب وہ مدعو کرے تو اس کی دعوت قبول کرے (بشرطیکہ کوئی شرعی محذور اور مانع نہ ہو) تیسرے جب وہ نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب ہو تو اس سے دریغ نہ کرے چوتھے جب اس کو چھینک آئے اور وہ ”الحمد للہ“ کہے تو یہ ”کہہ کر یرحمک اللہ“ (جو دعائیہ کلمہ ہے) پانچویں جب بیمار ہو تو اس کی یاد کیجئے جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے پہلا حق یہ بتلایا ہے کہ ملاقات ہو تو سلام کرے، یعنی "السلام علیکم" کہے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث "اسلامی رشتہ کے چند حقوق" کے زیر عنوان) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے چند ہی ورق پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں ضروری تشریح بھی کی جا چکی ہے اسلئے یہاں اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (اور تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر سامن ہو تو پھر سلام کرے۔ (مشن فی ۱۱۱)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سیکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اس کا جواب دے۔ اس حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور شریعت اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

اپنے گھر یا کسی مجلس میں آویجا جاؤ تو سلام کرو

(۱۳۳) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ يَابُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُونُ بَرَكَهَةٌ عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹا! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ تمہارے لئے بھی باعث برکت ہوگا اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی۔

(امام بیہقی)

(۱۳۴) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهِ وَإِذَا خَرَجْتُمْ فَأَوْدِعُوا أَهْلَهُ بِسَلَامٍ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت قتادہ (تابعی) سے (مرسل) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو دُعا اِی سلام کر کے نکلو۔ (شعب ایمان ص ۱۱۱)

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا نْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَأَهُ أَنْ يُجْلِسَ فَلْيُجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلْيَسْتَ الْأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم

میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو چاہیے کہ (اولاً اہل مجلس کو سلام کرے) پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے اور پہلا سلام بعد والے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے۔ (یعنی بعد والے رخصتی سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے سلام کا اس سے کچھ کم نہیں۔) (پانچ تہائی)

سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے

رسول اللہ ﷺ نے سلام اور جواب سلام کے کچھ احکام اور ضابطے بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ ان کے لئے ذیل کی چند حدیثیں پڑھیے:

(۱۳۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ: چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں۔ (صحیح بخاری)

(اور حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار آدمی کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب ایک چھوٹے اور بڑے کی ملاقات ہو تو چھوٹے کو چاہئے کہ وہ پیش قدمی کر کے بڑے کو سلام کرے۔ اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہئے کہ وہ سلام میں پیش قدمی کرے اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبتاً آدمی کم ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرے اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیش قدمی کر کے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت کی یہ حکمت عملی ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے اس لئے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خاکساری کا اظہار کرے۔

(۱۳۷) عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مَرْفُوعًا قَالَ يُجْزَى عَنِ الْجَمَاعَةِ إِذَا مَرُّوا أَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ وَيُجْزَى عَنِ الْجُلُوسِ أَنْ يَرُدَّ أَحَدُهُمْ. (رواہ البيهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا کہ گزرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کر لے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دیدے تو سب کی طرف سے کافی ہے۔ (شعب الایمان ص ۱۴۱)

بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے

(۱۳۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَبُولُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ

السَّلام. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ ﷺ پیشاب کے لئے بیٹھے تھے۔ تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی آدمی ناواقفی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہئے۔

(۱۳۹) عَنْ مِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ فِي حَدِيثِ طَوِيلٍ قَالَ فَبَجِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْلِمُ تَسْلِيمًا لَا يُوقِظُ النَّائِمَ وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ ﷺ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کے سلام ہی کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے یا اس طرح کی کوئی دوسری افیت اللہ کے کسی بندے کو نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سیکھنے اور برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مصافحہ

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبہ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صراحت یہی بات فرمائی گئی ہے۔

(۱۴۰) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْأَخْذُ بِالْيَدِ. (رواہ الترمذی، ابو داؤد) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سلام کا مکملہ مصافحہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(قریب قریب یہی مضمون جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں مشہور صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔)

مصافحہ کا اجر و ثواب اور اسکی برکتیں

(۱۴۱) عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا لَقِيَ الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۴۲) عَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُّوا تَحَابُّوا وَتَذْهَبُ الشُّحْنَاءُ. (رواه مالك، مرسلاً)

ترجمہ: عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو بد یہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔ (موطائے مالک)

(یہ روایت امام مالک نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے۔ یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے پہنچی۔ ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے اور اس طریقہ سے روایت کرنے کو ارسال۔)

تشریح: یہاں بھی اس بات کو یاد کر لیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو اور جو دانہ بے جان ہو چکا اس سے پودا نہیں اگتا۔

معانقہ و تقبیل اور قیام

محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور اس سے کسی برائی یا اس کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: جب اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے پت جائیں اسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس کی اجازت ہے۔ اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ ﷺ سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہو گئے۔

(۱۴۳) عَنْ أَيُّوبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَزْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ إِذَا لَقِيتُمُوهُ قَالَ مَا لَقِيتُهُ قَطُّ إِلَّا صَافَحَنِي وَبَعَثَ إِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ

اَكُنْ فِي اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاتَيْتُهُ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرِ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ بِلَكَ اَجْوَدَ وَاَجْوَدَ. (رواہ ابو داؤد)

ایوب بن بشیر قبیلہ بنو عنزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں جب بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے ملا تو آپ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور ایک دفعہ آپ ﷺ نے مجھے گھر سے بلوایا میں اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا جب میں گھر آیا اور مجھے بتایا گیا (کہ حضور ﷺ نے مجھے بلوایا تھا) تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ اپنے سر پر تھے (جو کھجور کی شاخوں سے ایک تخت یا چارپائی کی طرح بنا لیا جاتا تھا) آپ ﷺ (اس سے اٹھ کر) مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگایا اور آپ ﷺ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوبصورت تھا (یعنی بڑا لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا)۔ (مشکوٰۃ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّى جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَالْتَزَمَهُ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ. (رواہ ابو داؤد البیہقی فی شعب الایمان مرسل)

امام شعبی تابعی سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعفر بن ابی طالب کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے۔ تو آپ ﷺ ان کو لپٹ گئے) (یعنی معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا۔ (مشکوٰۃ شعب الایمان مرسل)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَذِيًا وَذَلًا بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَآخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَآخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ وَاجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل و صورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔ صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھیں) جب وہ حضور ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ (جوشِ محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے۔ ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے اور (پیار سے) اس کو چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا) جب آپ ﷺ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ ﷺ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ ﷺ کو بٹھاتیں۔ (مشکوٰۃ)

یہ روایات اس کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز اور خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اس لئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کو جس میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم ان مواقع کے لئے جب سینہ سے

لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حضرت عائشہؓ والی آخری حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور ﷺ کے کھڑے ہو جانے اور حضور ﷺ کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہؓ کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام و احترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز، محبوب یا محترم بزرگ کے لئے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے۔ لیکن بعض احادیث سے (جو آگے درج ہوں گی) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرامؓ کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، غالباً اسکی وجہ آپ ﷺ کی مزاجی خاکساری اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم۔

ملاقات یا گھریا مجلس میں آنے کیلئے اجازت کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لئے یا اس کے گھریا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کہے اور اجازت مانگے، اس کے بغیر ہر گز اچانک داخل نہ ہو، معلوم نہیں وہ اس وقت کس حال اور کس کام میں ہو، ممکن ہے اس وقت اس کے لئے ملنا مناسب نہ ہو۔

(۱۴۶) عَنْ كَلْدَةَ بِنِ حَنْبَلٍ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَهُ بَلْبَنَ وَجِدَايَةَ وَضَعَا بَيْتَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ ﷺ بِأَعْلَى الْوَادِي قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِرْجِعْ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟ (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: کلدہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کے اخیانی بھائی) صفوان بن امیہ نے ان کو دودھ اور ہرنی کا ایک بچہ اور کچھ کھیر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ وادی مکہ کے بالائی حصے میں تھے کلدہ کہتے ہیں کہ میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور نہ میں نے پہلے سلام کیا اور نہ حاضری کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم واپس جاؤ اور (قاعدہ کے مطابق) "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ" اُدخل کہہ کر اجازت مانگو۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: یہ صفوان بن امیہ مشہور دشمن اسلام اور دشمن رسول ﷺ امیہ بن خلف کے لڑکے تھے۔ یہ اللہ کی توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے۔ اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے غالباً فتح مکہ کے سفر ہی کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قیام وادی مکہ کے اس بالائی حصے میں تھا جس کو معلی کہتے ہیں۔ صفوان بن امیہ نے اپنے اخیانی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ دودھ تھا، ایک ہرنی کا بچہ تھا اور کچھ کھیر تھے۔ یہ اس سے واقف نہیں تھے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جانا ہو تو سلام کر کے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہئے، اسی لئے یونہی حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے اس ادب کی تعلیم کے لئے ان سے فرمایا کہ: باہر واپس جاؤ اور کہو: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ" اُدخل (السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتا ہوں) اور جب اجازت ملے تو آؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے

سلام اور استیذان (یعنی اجازت چاہنے) کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے بجائے اس سے عمل بھی کرا دیا۔ ظاہر ہے جو سبق اس طرح دیا جائے اس کو آدمی کبھی نہیں بھول سکتا۔

(۱۴۷) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَسْتَاذُنُ عَلَى أُمِّي؟ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي مَعَهَا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِسْتَاذُنُ عَلَيْهَا، فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْتَاذُنُ عَلَيْهَا، أَتَحِبُّ أَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً؟ قَالَ لَا، قَالَ فَاسْتَاذُنُ عَلَيْهَا. (رواه مالك مرسلاً)

ترجمہ: عطاء بن یسار تابعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اپنی ماں کے پاس جانے کے لئے بھی پہلے اجازت طلب کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! ماں کے پاس جانے کے لئے بھی اجازت لو! اس شخص نے عرض کیا کہ: میں ماں کے ساتھ ہی گھر میں رہتا ہوں (مطلب یہ کہ میرا گھر کہیں الگ نہیں ہے، ہم ماں بیٹے ایک ہی گھر میں ساتھ رہتے ہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں بھی میرے لئے ضروری ہے کہ اجازت لے کر گھر میں جاؤں؟)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! اجازت لے کر ہی جاؤ۔ اس شخص نے عرض کیا کہ: میں ہی اس کا خادم ہوں (اس کے سارے کام کاج میں ہی کرتا ہوں اس لئے بار بار جانا ہوتا ہے ایسی صورت میں تو ہر دفعہ اجازت لینا ضروری نہ ہوگا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں! اجازت لے کر ہی جاؤ! کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اس کو برہنہ دیکھو! اس شخص نے عرض کیا کہ: یہ تو ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تو پھر اجازت لے کر ہی جاؤ۔ (موطأ امام مالک)

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ اجازت اور اچانک اپنی ماں کے گھر میں جانے کی صورت میں اس کا امکان ہے کہ تم ایسی حالت میں گھر میں پہنچو کہ تمہاری ماں کسی ضرورت سے کپڑے اتارے ہوئے ہو اس لئے ماں کے پاس بھی اجازت لے کر ہی جانا چاہئے۔

(۱۴۸) عَنْ جَابِرِ ابْنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَأْذُنُوا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو۔ (شعب الإيمان للبیہقی)

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے السلام علیکم کہے اس کے بعد کہے کیا میں آسکتا ہوں! اگر کوئی آدمی بغیر سلام کے اجازت چاہے تو اس کو اجازت نہ دو۔ بلکہ اس کو بتادو کہ پہلے السلام علیکم کا دعائیہ کلمہ کہہ کے (جو اسلامی شعار بھی ہے) اسلامی اخوت اور لہمی رشتہ کا اظہار کرے اس کے بعد اجازت طلب کرے۔ جب وہ اس طریقہ پر اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دو۔

(۱۴۹) عَنْ رَبِيعِ بْنِ جَرَّاحٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَاذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلِجْ؟

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَادِمِهِ أُخْرِجْ إِلَى هَذَا فَعَلِمَهُ الْإِسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَهُ "قُلِ
السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟ فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: ربیع بن حراش (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے حاضری کی اجازت
چاہی اور عرض کیا: **الح؟** (کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟) رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس
شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتاؤ اس سے کہو کہ وہ یوں کہے: **السَّلَامُ
عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟** اس شخص نے آپ ﷺ کی بات خود سن لی اور عرض کیا: **"السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟"**
تو آپ ﷺ نے آئے کی اجازت دے دی اور وہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۵۰) عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ زَارَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِنَا فَقَالَ السَّلَامُ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، فَرَدَّ أَبِي رَدًّا خَفِيًّا، فَقُلْتُ أَلَا تَأْذُنُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟
فَقَالَ ذَرُهُ حَتَّى يُكْثِرَ عَلَيْنَا السَّلَامَ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ
اللَّهِ" فَرَدَّ سَعْدٌ رَدًّا خَفِيًّا ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ" ثُمَّ
رَجَعَ، فَاتَّبَعَهُ سَعْدٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ تَسْلِيمَكَ وَأَرُدُّ عَلَيْكَ رَدًّا خَفِيًّا
لِتُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السَّلَامِ، فَانْصَرَفَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْرَكَ سَعْدٌ بِغُسْلٍ
فَاغْتَسَلَ ثُمَّ نَاوَلَهُ مِلْحَفَةً مَضْبُوعَةً بِزَعْفَرَانٍ أَوْ رُسٍ فَاشْتَمَلَ بِهَا، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ
"اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلَى آلِ سَعْدٍ، ثُمَّ أَصَابَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ
الطَّعَامِ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَصْرَفَ قَرَّبَ لَهُ سَعْدٌ حِمَارًا قَدْ وَطَأَ عَلَيْهِ بِقَطِيفَةٍ فَقَالَ لِي سَعْدُ
إِصْحَبْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحَبْتُهُ فَقَالَ لِي إِرْكَبْ مَعِيَ فَأَبَيْتُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنْ
تُرْكَبَ وَإِنَّمَا أَنْ تَنْصَرِفَ فَانْصَرَفْتُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ کے فرزند قیس بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک
دن) ہمارے گھر پہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے (قاعدے کے مطابق باہر سے) فرمایا: **"السَّلَامُ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ"** تو میرے والد (سعد بن عبادہ) نے (بجائے اس کے کہ آپ ﷺ کے سلام کا آواز
سے جواب دیتے اور اندر تشریف لے آنے کے لئے عرشِ کُرت بہت خفی آواز سے) (کہ حضور ﷺ نہ
سکیں) صرف سلام کا جواب دیا۔ تو میں نے کہا کہ آپ حضور ﷺ سے اندر تشریف لانے کے لئے کیوں
عرض نہیں کرتے؟ میرے والد نے فرمایا کہ بولو مت ایسے ہی رہنے دو، تاکہ آپ بار بار ہمارے لئے
سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکتیں حاصل ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: **"السَّلَامُ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ"** حضرت سعد نے پھر اسی طرح) چپکے سے سلام کا جواب دیا (جس کو حضور ﷺ
نے نہیں سنا۔ تو پھر (میسری بار) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ"** (اور جب
اس کے بعد بھی حضرت سعدؓ نے اسے کوئی جواب آپ ﷺ نے نہیں سنا) تو آپ واپس لوٹنے لگے۔

تو حضرت سعدؓ آپ کے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ: حضرت! میں آپ کا سلام سنتا تھا اور (دانستہ) چپکے سے جواب دیتا تھا تاکہ آپ () بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکات حاصل ہوں) تو رسول اللہؐ سعدؓ کے ساتھ ان کے گھر لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ حضورؐ کے غسل کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے غسل فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے حضورؐ کو ایک چادر دی (جوز عفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی) جسے آپ نے **اشمال** کے طریقے پر باندھ لیا، پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کے اس طرح دعا فرمائی: **اللہم اجعل صلواتک ورحمتک علی** (اے میرے اللہ! اپنی خاص نوازشیں اور رحمتیں نازل فرما سعدؓ کے گھر والوں پر) اس کے بعد آپ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ پھر جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے اپنا حمار پیش کیا۔ جس کی کمر پر چادر کا گدا بنا کر رکھ دیا گیا تھا اور مجھ سے فرمایا کہ تم حضورؐ کے ساتھ جاؤ، تو میں آپ کے ساتھ ساتھ چلا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے معذرت کر دی اور سوار نہیں ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: نیا تو میرے ساتھ تم بھی سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ (یعنی مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں سوار ہو کر چلوں اور تم ساتھ ساتھ پیدل چلو، واقعہ کے راوی قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضورؐ نے یہ فرمایا تو میں واپس لوٹ آیا۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے ہاں ملاقات کے لئے جائے تو پہلے **السلام علیکم** کہہ کے اندر آنے کی اجازت چاہے۔ اور جب کوئی جواب نہ ملے تو دوسری دفعہ اور پھر جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ **السلام علیکم** کہہ کے اجازت مانگے، اور بالفرض اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملے تو پھر واپس ہو جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے حضورؐ کے بار بار سلام اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لئے جو رویہ اختیار کیا (جس کی وجہ سے حضورؐ کو تین دفعہ سلام کرنا اور اس کے بعد واپسی کا ارادہ کر لینا پڑا) بظاہر ایک نامناسب بات تھی، لیکن ان کی نیت اور جذبہ بہت مبارک تھا، اور حضورؐ کی مزاج شناسی کی بناء پر انہیں یقین تھا کہ آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ جرأت کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور حضورؐ نے کسی گرائی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کے جذبہ اور نیت کی قدر فرمائی، جیسا کہ آپ کی دعا سے ظاہر ہے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے غسل فرمانے کے بعد ایک ایسی چادر لپیٹ لی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی۔ حالانکہ دوسری بعض حدیثوں میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ کوئی مرد زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے (ورس بھی زعفران ہی کی طرح ایک نبات ہے جو رنگ دار بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی) اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ یہ واقعہ جو زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ مردوں کے لئے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کا حکم نہیں آیا

تھا یا یہ کہا جائے کہ جو چادر حضور ﷺ نے استعمال فرمائی وہ کبھی پہلے رنگی گئی تھی لیکن بعد میں اچھی طرح دھو دی گئی تھی اور ایسی صورت میں اس کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

ملاقات کو آنے والے کا حق ہے کہ اس کو پاس بٹھایا جائے

(۱۵۱) عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحَّزَحَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لِحَقًّا إِذَا رَأَاهُ أَخُوهُ أَنْ يَتَزَحَّزَحَ لَهُ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: وائلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص آپ کے پاس آئے تو آپ ان کے لئے اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت (اپنی جگہ تشریف رکھیں) جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کی حضرت زحمت نہ فرمائیں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مسلم کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو (اپنے پاس آتا) دیکھے تو اس کے لئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اور اپنے قریب بٹھائے۔)

(غیبی حوالہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے سے بڑے کے پاس بھی کوئی مسلم آئے تو اس کو بھی اس کے ساتھ اکرام کا یہی برتاؤ کرنا چاہیئے اس میں رسول اللہ ﷺ سے قرب و جان نشینی کی نسبت رکھنے والے بزرگوں کے لئے خاص سبق ہے۔

مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا چاہیئے

(۱۵۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ وَلَكِنْ تَفْسُحُوا وَتَوَسَّعُوا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی ایسا نہ کرے (یعنی کسی کو اس کا حق نہیں ہے) کہ کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے بلکہ لوگوں کو چاہیئے کہ (آنے والوں کے لئے) کشادگی اور گنجائش پیدا کریں (اور ان کو جگہ دے دیں)

(مجلسی حوالہ)

تشریح: اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، لیکن اگر خود بیٹھنے والا ایثار کر کے کسی کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے تو اپنی نیت کے مطابق وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(۱۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ

أَحَقُّ بِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص اپنی جگہ سے (کسی ضرورت سے) اٹھا اور پھر واپس آگیا تو اس جگہ کا وہی شخص زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم)

مجلس میں دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا چاہیے

(۱۵۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسُ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔ (سنن ابی داؤد)

ترجمہ: یہی حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد ہی میں اور اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقے سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے: "لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَفْرُقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا" (اسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ (قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دے) سچان اللہ العظیم! رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات و ہدایات میں لطیف انسانی جذبات اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے۔

اپنی تعظیم کیلئے بندگان خدا کا کھڑا ہونا جسے اچھا لگے وہ جہنمی ہے

(۱۵۵) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

ترجمہ: ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ کوئی آدمی خود یہ چاہے اور اسی سے خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں اور یہ تکبر کی نشانی ہے اور تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے جس کے حق میں فرمایا گیا ہے: "بئس مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ" (وہ دوزخ متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے) لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اکرام اور عقیدت و محبت کے جذبہ میں اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ اپنے لئے اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے لئے تعظیمی قیام کو ناپسند فرماتے تھے

(۱۵۶) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُتَكِنًا عَلَى عَصَا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُومُوا كَمَا يَقُومُ إِلَّا عَاجِمٌ يُعْظَمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ عصا کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس طرح مت کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۵۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهِ لِذَلِكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کے لئے کوئی شخصیت بھی رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب نہیں تھی اس کے باوجود ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ یہ آپ ﷺ کو ناپسند ہے۔ (جامع ترمذی)

صاحب مجلس کے اٹھنے پر اہل مجلس کا کھڑا ہو جانا

(۱۵۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضُ بُيُوتِ أَزْوَاجِهِ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرماتے اور ہم سے باتیں فرماتے تھے پھر جب آپ (گھر تشریف لے جانے کے لئے مجلس سے) اٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جبکہ ہم دیکھ لیتے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں آپ ﷺ داخل ہو گئے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: صحابہ کرام کو اس طریقہ عمل سے رسول اللہ ﷺ کا منع نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس کو آپ ﷺ نے گوارا فرمایا، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے۔ اس عاجز کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہل مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لئے ہوتا تھا جو آپ کے لئے گرانی کا باعث ہوتا تھا اور مجلس سے حضور ﷺ کے اٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس کے درخواست ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا اس کے بعد خود اہل مجلس بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے اس لئے کھڑے ہونے کو حضور ﷺ گوارا فرما لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

لینے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضور ﷺ کی ہدایت اور آپ ﷺ کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے لینے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں بھی امت کو ہدایات دی ہیں اور اپنے طرزِ عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند احادیث پڑھئے اور آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کی جامعیت کا اندازہ کیجئے۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت

(۱۵۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنَامَ الرَّجُلُ عَلَى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُورٍ عَلَيْهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو اس پر سونے سے اس کا اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶۰) عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ (وَفِي رَوَايَةٍ حِجَارٌ) فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیوار نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: یہ بھی دراصل ممانعت کا ایک بلوغِ انداز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں، جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے (قُلْ مَنْ يَكْلَنُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۝ الْآيَةُ) تو اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوتا ہے جس کے گرد رکاوٹ کے لئے کوئی دیوار یا منڈیر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس حفاظتی انتظام کا استحقاق کھودیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔ اور اگر خدا نخواستہ وہ گر کے ہلاک ہو جاتا ہے یا اسکو سخت جسمانی صدمہ پہنچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔

کھڑی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لینے کی ممانعت اور اسکی وجہ

(۱۶۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلَى ظَهْرِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چت لینے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اٹھا کے دوسری ٹانگ پر رکھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضور ﷺ کے زمانہ میں عربوں میں عام طور سے تہبند باندھنے کا رواج تھا اور ظاہر ہے کہ اگر تہبند باندھ کے اس طرح چیت لیٹا جائے کہ اپنا ایک زانو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے تو بسا اوقات ستر کھل جائے گا۔ غالباً اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا۔ لیکن اگر لباس ایسا ہو کہ اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پیٹ کے بل اوندھے لیٹنے کی ممانعت

(۱۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلَى بَطْنِهِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ ضُجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللَّهُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

(جامع ترمذی)

تشریح..... ظاہر ہے کہ یہ لیٹنے کا غیر فطری اور غیر مہذب طریقہ ہے اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو دوزخیوں کا طریقہ بھی فرمایا گیا ہے۔

(۱۶۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا مُضْطَجِعٌ عَلَى بَطْنِي فَرَكَّضَنِي بِرَجْلِهِ وَقَالَ يَا جُنْدُبُ إِنَّمَا هِيَ ضُجْعَةُ أَهْلِ النَّارِ. (رواه ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اپنے قدم مبارک سے مجھے بلایا اور فرمایا: اے جندب! یہ دوزخیوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... کسی عمل یا کسی عادت کی قباحت یا شناخت اہل ایمان کے دلوں پر بٹھانے کے لئے یہ نہایت مؤثر طریقہ ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ یہ دوزخیوں کا طریقہ یا ان کی عادت ہے۔ جندب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ کا اصل نام ہے۔ حضور ﷺ نے اس تعلیم و ہدایت کے وقت ان کو اسی نام سے یاد فرمایا۔

خود آنحضرت ﷺ کس طرح لیٹتے تھے

(۱۶۴) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَإِذَا عَرَّسَ فَبَيْلِ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ. (رواه فی شرح السنہ)

ترجمہ..... حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ ﷺ رات میں پڑاؤ کرتے تو دائیں گروٹ پر آرام فرماتے اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کچھ آرام لے لیتے۔ (شرح ابن المغیری)

تشریح..... اہل عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سفر کرتے تھے پھر اگر سویرے سر شام

شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت آرام کے لئے اتر جاتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر دیر رات سے شروع کرتے تو آرام کے لئے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے۔ حضرت ابو قتادہؓ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ جب ایسے وقت اترتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کافی باقی ہوتی تو آپ ﷺ سونے کے لئے اطمینان سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیسا کہ سونے میں آپ ﷺ کا ہمیشہ معمول تھا۔ اور جب آپ ﷺ رات کے بالکل آخری حصہ میں اترتے کہ فجر کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ اپنی کہنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے اور اس طرح گویا نماز فجر کا انتظار فرماتے تھے۔ اس قسم کی احادیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے لیٹنے اور سونے تک کی ہیٹھوں کو بھی کتنے اہتمام سے محفوظ رکھ کر امت کو پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس فکر و کاوش کا ان کو بہتر سے بہتر صلہ پوری امت کی طرف سے عطا فرمائے اور ہم کو اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔

(۱۶۵) عَنْ حَدِیْقَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّیْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَاَحْيٰی وَاِذَا سَتِیْقَظُ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَاَنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُورُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا جب آپ ﷺ رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَاَحْيٰی۔" (اے اللہ! میں تیرے ہی نام کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ جینا چاہتا ہوں) اور پھر جب آپ ﷺ بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَاَنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُورُ۔" (ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں (ایک طرح کی) موت دینے کے بعد جلا دیا اور مرنے کے بعد اسی کی طرف ہمارا اٹھنا ہو گا۔)

(صحیح بخاری)

تشریح: دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ داہنی کروٹ پر داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں سونے کے لئے لیٹنے کے وقت اور پھر جاگتے وقت کی جس مختصر دعا کا ذکر ہے دوسری حدیثوں میں اس کے علاوہ بھی متعدد دعائیں ان دونوں موقعوں کے لئے روایت کی گئی ہیں۔ یہ سب حدیثیں اس سلسلہ معارف الحدیث کی پانچویں جلد میں "زیر عنوان" سونے کے وقت کی دعائیں درج کی جا چکی ہیں۔

سو کے انھ کر مسواک کا اہتمام

(۱۶۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَنَامُ إِلَّا وَالسِّوَاكُ عِنْدَ رَأْسِهِ فَإِذَا اسْتَيْقَظَ بَدَأَ

بِالسَّوَاكِ. (رواہ احمد والحاکم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ سونے کا ارادہ کرتے تو مسواک اپنے سر ہانے رکھ لیتے، پھر جب بیدار ہوتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے۔ (مسند احمد متدرج حاکم)

(۱۶۷) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَرُقُّدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَقِظُ إِلَّا تَسَوَّكَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں یا دن میں جب بھی سوتے تو اٹھ کر مسواک ضرور کرتے۔ (سنن ابی داؤد)

حضور ﷺ کس طرح بیٹھتے تھے اور کس طرح بیٹھنے کی ہدایت فرماتے تھے

(۱۶۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِفَنَاءِ الْكُعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو بیت اللہ کے صحن میں احتبا کے طور پر (یعنی گوٹ مارے) بیٹھا دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح:..... احتبا بیٹھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرینیں اور دونوں پاؤں کے تلوے زمین پر ہوں اور دونوں زانوں کھڑے ہوں اور ان کو دونوں ہاتھوں کے حلقہ میں لے لیا جائے، یہ اہل تفکر اور اصحاب مسکنت کے بیٹھنے کا طریقہ ہے، اس کو ہندی میں گوٹ مار کے بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر اس طرح بیٹھتے تھے۔

(۱۶۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِي مَجْلِسِهِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ اپنی اسی جگہ میں چہار زانو بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ احتبا کی شکل کے علاوہ چہار زانو بھی بیٹھتے تھے۔ اور حدیث کے راوی جابر بن سمرہ کے بیان کے مطابق فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب کے بعد تک (گویا اشراق تک) حضور ﷺ مسجد شریف میں اپنی جگہ پر چہار زانو ہی بیٹھے رہتے تھے۔

مجلس میں آنے والے کو چاہئے کہ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جائے

(۱۷۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضور ﷺ کی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے گزر کے آگے جانیکی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اصول حدیث میں یہ بات مسلم اور مقرر ہو چکی ہے کہ کسی صحابی کا یہ بیان کرنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں آپ کے صحابہ ایسا کیا کرتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا وہ عمل آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق اور آپ ﷺ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ اس بناء پر اس حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ ادب سکھایا تھا کہ جب مجلس قائم ہو اور کوئی آدمی بعد میں آئے تو وہ مجلس کے کنارے پر جہاں جگہ پائے وہاں بیٹھ جائے۔ ہاں صاحب مجلس کو حق ہے کہ کسی خصوصیت یا کسی مصلحت کے پیش نظر اس کو آگے بلا لے۔

حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جانا سخت ممنوع ہے

(۱۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ مَلْعُونٍ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ قَعَدَ وَسَطَ الْحَلْقَةِ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک نے اس شخص کو قابل لعنت قرار دیا ہے جو بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

تشریح..... شارحین نے اس حدیث کی کئی توجہیں کی ہیں ایک یہ کہ اللہ کے بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں ایک متکبر یا بے تمیز اور ادب سے نا آشنا آدمی لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہے بلاشبہ یہ سخت مجرمانہ حرکت ہے اور ایسا آدمی لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ دوسری توجہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ یعنی آمناسا منا ہے ایک آدمی آکر اس طرح حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے کہ بعض لوگوں کا مواجہہ باقی نہیں رہتا ظاہر ہے کہ یہ بھی بہت بے ہودہ حرکت ہے۔ تیسری توجہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ مسخرے مراد ہیں جو لوگوں کے بیچ میں ان کو ہنسانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

متفرق ہو کر بیٹھنے کی ممانعت

(۱۷۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ جُلُوسٌ فَقَالَ مَالِي أَرَأَيْكُمْ عَزِيزٌ.

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور صحابہ متفرق الگ الگ (مکڑیاں بنائے) بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... کسی چیز پر اظہار ناراضی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے ”میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں“ یعنی جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے اور نظر نہ آنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ الگ الگ مکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ بجائے اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب مل کر قرینے سے بیٹھو۔ بعض دوسری حدیثوں میں اشارہ

فرمایا گیا ہے کہ اس سے ظاہری تفرق اور تشنیت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور مل کر ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑ اور توافق پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نہ بیٹھا جائے کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سائے میں

(۱۷۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الْفَيْئِ فَلْيَلْصَقْ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهُ فِي الشَّمْسِ وَبَعْضُهُ فِي الظِّلِّ فَلْيَقُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سایہ کی جگہ میں بیٹھا ہو پھر اس پر سے سایہ ہٹ جائے اور پھر اسکے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس جگہ سے اٹھ جائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ماہرین نے بتایا ہے کہ اس طرح بیٹھنا یا لیٹنا کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں ہو طبی لحاظ سے مضر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ممانعت غالباً اسی لئے فرمائی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مجلس میں گفتگو، ہنسی و مزاح، چھینک اور جمائی وغیرہ کے بارے میں ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت میں کن باتوں کا لحاظ رکھا جائے اور ظرافت و مزاح اور کسی بات پر ہنسنے یا چھینک اور جمائی آنے کے جیسے موقعوں پر کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ کی آپ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں و وقار اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرے لیکن ہر حال میں اللہ کو اور اس کے ساتھ اپنی بندگی کی نسبت کو اور اس کے احکام اور اپنے عمل اور رویہ کے اخروی انجام کو پیش نظر رکھے۔

زبان کے استعمال اور بات چیت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا کافی حصہ اسی سلسلہ معارف الحدیث کی دوسری جلد (کتاب الاخلاق) میں درج ہو چکا ہے۔ سچ اور جھوٹ، شیریں کلامی اور بدزبانی، چغل خوری و عیب جوئی، یا وہ گوئی، غیبت اور بہتان وغیرہ کے متعلق احادیث وہاں گزر چکی ہیں اس لئے گفتگو اور زبان کے استعمال کے سلسلہ میں چند باقی مضامین کی حدیثیں ہی یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

بے ضرورت بات کو لمبانا نہ کیا جائے

(۱۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَكْرَأَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرُو لَوْ قَصَدَ فِي قَوْلِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَقَدْ رَأَيْتُ أَوْ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَإِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہو کر (وعظ و تقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی، تو آپ نے فرمایا کہ: اگر یہ

شخص مختصر بات کرتا تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں یہ مناسب سمجھتا ہوں۔ یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے ”بات کرنے میں اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔“ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے سننے والے اکتا جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر یا وعظ سے سامعین شروع میں بہت اچھا تاثر لیتے ہیں لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

منہ سے نکلنے والی کوئی بات وسیلہ فوز و فلاح بھی ہو سکتی ہے اور موجب ہلاکت بھی

(۱۷۵) عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللَّهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمٍ يَلْقَاهُ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللَّهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهُ إِلَى يَوْمٍ يَلْقَاهُ.

(رواہ فی شرح السنہ و روی مالک و الترمذی و ابن ماجہ نحوہ)

ترجمہ..... بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے حضور میں حاضری تک کے لئے اس بندہ کے واسطے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے۔ اور (اسی طرح) کبھی آدمی کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور خطرناکی کی حد وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس آدمی پر آخرت کی پیشی تک کے لئے اپنی ناراضی اور اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ (شرح السنہ لملیفی)

(اور ایسی ہی حدیث امام مالک نے مؤطا میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔)

تشریح..... حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پروا ہو کر باتیں نہ کرے، منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص رضا و رحمت کا مستحق بنادے اور (خدا پناہ میں رکھے) ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اس کی رضا و رحمت الہی سے محروم کر کے جہنم میں پہنچادے۔

کسی کی تعریف کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا جائے

کسی کی تعریف کرنا دراصل اس کے حق میں ایک شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے کہ اس آدمی میں عجیب نفس اور خود پسندی پیدا ہو جائے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں سخت احتیاط کی تاکید فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ اس تعلیم و ہدایت سے فی زمانہ ہمارے

دینی حلقوں میں بھی بڑی بے پروائی برتی جا رہی ہے۔ **نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ انْفَسَا**

(۱۷۶) عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ أَتْنِي رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَبِكَ لَقِطْتَ عَنْقَ أَخِيكَ ثَلَاثًا..... مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فَلَانَا وَاللَّهُ حَسِيبُهُ إِنْ

كَانَ يَرَى أَنَّهُ كَذَلِكَ وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللَّهِ أَحَدًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کی تعریف کی (اور اس تعریف میں بے احتیاطی کی) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے اس بھائی کی (اس طرح تعریف کر کے) گردن کاٹ دی (یعنی ایسا کام کیا جس سے وہ ہلاک ہو جائے) یہ بات آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (اس کے بعد فرمایا) تم میں سے (کسی بھائی کی) تعریف کرنا ضروری ہی سمجھے اور اس کو اس تعریف و مدح کا مستحق سمجھے تو یوں کہے کہ میں فلاں بھائی کے بارے میں ایسا گمان کرتا ہوں (اور میری اس کے بارے میں یہ رائے ہے) اور اس کا جواب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (جس کو حقیقت کا پورا علم ہے) اور ایسا نہ کرے کہ خدا پر کسی کی پاکیزگی کا حکم لگائے (یعنی کسی کے حق میں ایسی بات نہ کہے کہ وہ بلاشبہ اور یقیناً عند اللہ پاک اور مقدس ہے کیونکہ یہ خدا پر حکم لگانا ہے اور کسی بندہ کو اس کا حق نہیں ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷۷) عَنْ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَاحِينَ فَاحْشُوا فِي وُجُوهِهِمُ الثَّرَابَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ”مداحین“ (بہت زیادہ تعریف کرنیوالوں) کو دیکھو تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ”مداحین“ سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے لئے اور پیشہ وارانہ طور پر ان کی مبالغہ آمیز تعریفیں اور ان کی قصیدہ خوانی کیا کرتے ہیں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے اور وہ تمہارے منہ پر تمہاری مبالغہ آمیز تعریفیں کریں تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اظہارِ ناراضگی کے طور پر ان کے منہ پر حقیقتہً خاک ڈال دو۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں کسی قسم کا انعام و اکرام کچھ نہ دو گویا ”منہ پر خاک ڈالنے“ کا مطلب انہیں کچھ نہ دینا اور محروم و نامراد واپس کر دینا ہے اور بلاشبہ یہ بھی ایک محاورہ ہے۔ تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان مداحین سے کہہ دو کہ تمہارے منہ میں خاک! گویا یہ کہنا ہی ان کے منہ میں خاک ڈالنا ہے۔ حدیث کے راوی حضرت مقداد بن الاسود سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اٹھا کے اس شخص کے منہ پر پھینک ماری۔ زمانہ مابعد کے بعض اکابر سے بھی اسی طرح کے واقعات مروی ہیں۔

واضح رہے کہ اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندہ خدا کی سچی تعریف اس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ اعجاب نفس اور اپنے بارے میں کسی غلط قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ انشاء اللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کی اور بعض صحابہ کرام نے بعض دوسرے صحابیوں کی جو روح و تعریف کبھی کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

شعر و سخن

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعر و شاعری عام تھی اور شاذ و نادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں، لیکن خود آنحضرت ﷺ کو اس سے بالکل مناسبت نہ تھی۔ بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الہی نے خاص حکمت کے تحت آپ ﷺ کو اس سے بالکل محفوظ رکھا۔ سورہ یٰسین شریف میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ. (یس: ۳۶، ۳۷)

ہم نے اپنے نبی کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کیلئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔ علاوہ ازیں جس قسم کی شعر و شاعری کا وہاں عام رواج تھا اور یہ شاعر جس سیرت و کردار کے ہوتے تھے قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ، أَلَمْ تَرَأَهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهيمُونَ، وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ.

(الشعراء: ۲۷، ۲۲۴-۲۲۶)

اور ان شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ و بد چلن لوگ ہی ان کی راہ چلتے ہیں، کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

بعض صحابہ نے شعر و شاعری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطلقاً قابلِ مذمت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر برا ہے تو وہ برا ہے۔ اور بعض موقعوں پر آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار تو بڑے حکیمانہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:

(۱۷۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ لِحَسَنَةٍ حَسَنٍ وَفِيهِ حُجَّةٌ بَيِّنَةٌ.

(رواہ الدارقطنی وروی الشافعی عن عودۃ مرسلہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے شعر کے بارے میں ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہے۔ اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔

(سنن دارقطنی)

اور امام شافعی نے اسی حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے حضرت عروہ سے مرسل روایت کیا ہے۔

(۱۷۹) عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةً.

(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(۱۸۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ

كَلِمَةُ لَبِيدٍ "أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ" (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: **أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ** (باطل۔) (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: یہ لبید زمانہ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے مصرعہ **"أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ"** کو شعر کی دنیا کا سب سے سچا کلمہ اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے۔ **"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ"** اس کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے **"وَكُلُّ شَيْءٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ"** (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔)

یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے وہ انہوں نے اپنے دور جاہلیت ہی میں کہا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعر و شاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ **"يَكْفِينِي الْقُرْآنُ"** (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی۔ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی ^۱ **رضی اللہ عنہ وارضاه**۔

(۱۸۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ

مَعَكَ مِنْ شِعْرِ أُمِّيَّةَ بْنِ الصَّلْتِ شَيْءٍ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ هِيَ فَأَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ هِيَ ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ

بَيْتًا فَقَالَ هِيَ ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ مِائَةَ بَيْتٍ. (رواہ مسلم زاد فی روایہ لقد کاد یسلم فی شعرہ)

ترجمہ: عمرو بن شریذ اپنے والد شریذ بن سوید ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ ہی کی سواری پر سوار تھا آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا تمہیں امیہ بن الصلت کے کچھ شعر بھی یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا سنو! تو میں نے ایک بیت آپ ﷺ کو سنایا آپ ﷺ نے فرمایا اور سنو! میں نے ایک اور بیت سنایا آپ ﷺ نے پھر فرمایا اور سنو! تو میں

نے سو بیت سنائے (اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ امیہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) (صحیح مسلم)

تشریح ... امیہ بن الصلت ثقفی بھی جاہلی شاعر تھا لیکن اس کی شاعری خدا پرستانہ تھی اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا اس کے اشعار سے دلچسپی تھی اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: ”لَقَدْ كَادَ يَسْلَمُ فِي شِعْرِهِ“ (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ امیہ بن الصلت کے اشعار سن کر فرمایا: ”أَمِنْ شِعْرِهِ وَكَفَّرَ قَلْبُهُ“ (اس کی شاعری مسلمان ہو گئی اور اس کا قلب کافر رہا) امیہ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا اور دین کی دعوت بھی پہنچی مگر ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

ظرافت و مزاح

ظرافت و مزاح بھی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہونا نازیبا اور مضر ہے اسی طرح آدمی کا اس سے بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف سے چھوٹی اور معمولی حیثیت کے کسی آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت مزاح کا برتاؤ ہو تو وہ اس کے لئے ایسی مسرت اور عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ بھی کبھی کبھی اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی، لیکن آپ ﷺ کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔

(۱۸۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ تُدَا عِبْنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے حضور ﷺ عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں (مزاح میں بھی) حق ہی کہتا ہوں (یعنی اس میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)۔ (جامع ترمذی)

(۱۸۳) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِنَا فَيَقَالَ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِنَا فَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُنَا إِلَّا بَلًا إِلَّا التُّوقُ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں میں تم کو سواری کے لئے ایک اونٹنی کا بچہ دوں گا اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ اونٹنیوں ہی کے تو بچے

ہوتے ہیں۔ (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہے جو اونٹ بھی دیا جائے گا وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا۔

(جامع ترمذی مسند ابی داؤد)

(۱۸۴) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَرْأَةٍ عَجُوزٍ إِنَّهُ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَهُنَّ؟ وَكَانَتْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهَا أَمَا تَقْرَيْنِ الْقُرْآنَ إِنَّا أَنْشَأْنَا هُنَّ أَنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ أَبْكَارًا. (رواه ذریں)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ ”کوئی بوڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ اس (بے چاری) نے عرض کیا کہ ان میں (یعنی بوڑھیوں میں) کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جاسکیں گی؟ وہ بوڑھی قرآن خواں تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھتی ہو ”إِنَّا أَنْشَأْنَا هُنَّ أَنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ أَبْكَارًا۔“ (جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی عورتوں کی ہم نئے سرے سے نشوونما کریں گے اور ان کو نوخیز دوشیزائیں بنا دیں گے۔) (مسند ذریں)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں حدیثیں رسول اللہ ﷺ کے لطیف مزاح کی مثالیں ہیں۔ بعض حدیثوں میں مزاح کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے لیکن ان حدیثوں میں اس کا قرینہ موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کا جو اسوۂ حسنہ اس بارے میں مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہوا ہے وہ بھی اس کا قرینہ بلکہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ممانعت اسی مزاح کی فرمائی گئی ہے جو دوسرے آدمی کیلئے ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

(۱۸۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَارِزْهُ وَلَا تَعْدُهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرنا اور اس سے مزاح (یعنی مذاق) نہ کرو اور اس سے ایسا وعدہ نہ کرو جس کی تم وعدہ خلافی کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اس حدیث میں مزاح کی ممانعت جس سیاق و سباق میں کی گئی ہے اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ اسی مزاح کی ممانعت ہے جو ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

ضحک و تبسم (ہنسنا اور مسکرانا)

ہنسی کے موقع پر ہنسنا یا مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس میں قطعاً کوئی خیر نہیں ہے کہ آدمی کے لبوں پر کبھی مسکراہٹ بھی نہ آئے اور وہ ہمیشہ ”عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا“ ہی بنا رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ اللہ کے بندوں اور اپنے مخلصوں سے ہمیشہ مسکرا کر ملنے کی تھی ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا یہ رویہ اور برتاؤ ان لوگوں کے لئے کیسی قلبی و حافی مسرت کا باعث ہوتا ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کے اخلاص و محبت میں کتنی ترقی ہوتی ہوگی۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے:

(۱۸۶) عَنْ جَرِيرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْذُ اسْلَمْتُ وَلَا رَأَى إِلَّا تَبَسَّمَ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سے مجھے اسلام نصیب ہوا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے (خدمت میں) حاضری سے روکا ہو اور جب بھی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا (یعنی ہمیشہ مسکرا کر ملے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ”ما حجبني النبي صلى الله عليه وسلم“ کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ جب بھی میں نے حاضر خدمت ہونا چاہا تو آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی اور شرف ملاقات بخشا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہو۔

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ (جامع ترمذی)

(۱۸۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی پوری طرح (کھل کھلاتے) نہ دیکھا کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر پڑ جاتا۔ (یعنی آپ اس طرح کھل کھلا کر اور قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آسکتا) بس تبسم فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: بعض روایات میں آنحضرت ﷺ کے ہنسنے کو ”خف“ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس سے مراد وہی ہنسا ہے جو آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی، یعنی مسکرانا البتہ کبھی کبھی جب ہنسی کا غلبہ ہوتا تو آپ ﷺ اس طرح بھی مسکراتے تھے کہ دہن مبارک کسی قدر کھل جاتا تھا چنانچہ بعض روایات میں ہے ”ضحك حتى بدت نواجذه“ (آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ اندر کی ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو گئیں۔)

(۱۸۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُومُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ الصُّبْحُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ نَامَ وَكَانُوا يَتَحَدَّثُونَ فَيَأْخُذُونَ فِي أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيُضْحَكُونَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز جس جگہ پڑھتے تھے آفتاب طلوع ہونے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے پھر جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اور (اس اثنا میں) آپ ﷺ کے صحابہ زمانہ جاہلیت کی باتیں (بھی) کیا کرتے اور اس سلسلے میں

خوب بنتے اور رسول اللہ ﷺ بس مسکراتے رہتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی کبھی مسجد نبوی میں اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک میں بھی زمانہ جاہلیت کی ایسی لغویات و خرافات کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے جن پر خوب ہنسی آتی تھی۔ اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں ”وَيَسْأَلُونَ الشَّعْرَ“ (یعنی اس سلسلہ گفتگو میں اشعار بھی پڑھے اور سنائے جاتے تھے) اور رسول اللہ ﷺ یہ سب کچھ سنتے اور اس پر تبسم فرماتے تھے۔ ناچیز راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کرام کے ساتھ اس طرح کی بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرتے تو ان حضرات پر آپ ﷺ کا ایسا رعب چھایا رہتا جو استفادہ میں رکاوٹ بنتا۔ حضرت مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا نزول تھا اس کے بغیر مقصد رسالت کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔

صحابہ کرام کے باہم ہنسنے ہنسانے کے اس تذکرہ کے ساتھ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر اور ایک بزرگ تابعی بلال بن سعد کے دو بیان پڑھ لینا بھی انشاء اللہ موجب بصیرت ہوگا۔ یہ دونوں بیان مشکوٰۃ المصابیح میں ”شرح السنہ“ کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں۔

قائدہ تابعی نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہنسا بھی کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

نَعَمْ وَالْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ أَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ.

ہاں۔ بے شک! وہ حضرات (ہنسنے کے موقع پر) ہنستے بھی تھے لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر ہوتا تھا۔

(یعنی ان کا ہنسا غافلین کا سا ہنسا نہیں ہوتا تھا جو قلوب کو مردہ کر دیتا ہے)

اور بلال بن سعد کا بیان ہے:

أَذْرَكْتُهُمْ يَسْتَدُونَ بَيْنَ الْأَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوا رَهَبَانًا

میں نے صحابہ کرام کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانیوں کے درمیان دورا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلہ کیا کرتے ہیں) اور باہم ہنستے ہنساتے بھی تھے پھر جب رات ہو جاتی تو بس درویش ہو جاتے۔

چھینکنے اور جمائی لینے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

چھینکنا اور جمائی لینا بھی انسانی فطرت کے لوازم میں سے ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی چند

حدیثیں ذیل میں پڑھیں:

(۱۹۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَلْيَقُلْ أَخُوهُ أَوْ سَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ فَإِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيكُمْ اللَّهُ

وَيُصْلِحْ بِأَلْكُمِ - (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ "الْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے۔ اور اس کا جو بھائی (یا آپ ﷺ) نے فرمایا کہ اس کا جو ساتھی اس کے پاس ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (تم پر اللہ کی رحمت) اور جب یہ بھائی "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کا دعائیہ کلمہ کہے تو چاہئے کہ چھینکنے والا (اس کے جواب میں یہ دعائیہ کلمہ) کہے "يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ وَيُصْلِحْ بِأَلْكُمِ" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرمادے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح: چھینک آنے کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے انجرات دماغ سے نکل جاتے ہیں و اگر نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا باعث بن جائیں اس لئے صحت و اعتدال کی حالت میں چھینک کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ جس کو چھینک آئے وہ "الْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اور جو کوئی اس کے پاس ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (یعنی یہ چھینک تمہارے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنے) اور پھر چھینکنے والا اس دعا دینے والے بھائی کو کہے "يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ وَيُصْلِحْ بِأَلْكُمِ" ذرا غور کیا جائے رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت نے ایک چھینک کو اللہ کی کتنی یاد اور کتنی رحمتوں کا وسیلہ بنا دیا۔

(۱۹۱) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللَّهَ فَشَمِثُوهُ وَإِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللَّهَ فَلَا تُشَمِثُوهُ - (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ "الْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے تو تم کو چاہئے کہ اس کو "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہہ کر دعا دو اور اگر وہ "الْحَمْدُ لِلّٰهِ" نہ کہے (اور خدا کو یاد نہ کرے) تو تم بھی "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" نہ کہو (یعنی الْحَمْدُ لِلّٰهِ نہ کہنے کی وجہ سے وہ تمہاری اس دعا رحمت کا حقدار نہیں رہا)

(۱۹۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ أَحَدُهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَمَّتْ هَذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِي قَالَ إِنَّ هَذَا حَمِدَ اللَّهَ وَلَمْ تَحْمَدِ اللَّهَ - (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ایک کو "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہہ کر دعا دی اور دوسرے کو آپ ﷺ نے "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" نہیں کہا تو اس دوسرے نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان (بھائی) کو "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہہ کر دعا دی اور مجھے یہ دعا نہیں دی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان (بھائی) نے "الْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہا تھا اور تم نے نہیں کہا (اس لئے خود تم نے "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کا حق کھو دیا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹۳) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ

يَرْحَمُكَ اللَّهُ، ثُمَّ عَطَسَ أُخْرَى فَقَالَ الرَّجُلُ مَذْكُومٌ. (رواه مسلم)

وفی روایۃ للترمذی اَنَّهُ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَنَّهُ مَذْكُومٌ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ”یَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہہ کے ان کو دعا دی ان کو دوبارہ چھینک آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ زکام میں مبتلا ہیں۔ (صحیح مسلم)

(اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تیسری دفعہ چھینکنے پر یہ فرمایا تھا کہ ان کو زکام ہے۔)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نزلہ زکام کی وجہ سے کسی کو بار بار چھینک آئے تو اس صورت میں ہر دفعہ ”یَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہنا ضروری نہیں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس بارے میں واضح ہدایت آ رہی ہے۔

(۱۹۴) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِتَ الْعَاطِسُ ثَلَاثًا فَمَا زَادَ فَإِنْ شَمِتَ فَشَمِتَهُ وَإِنْ شَمِتَ فَلَا۔ (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: عبید بن رفاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چھینکنے والے کو تین دفعہ تو ”یَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہو اور اس سے زیادہ چھینکیں آئیں تو اختیار ہے چاہے ”یَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہو، چاہے نہ کہو۔ (مسند ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۱۹۵) عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَلَيْسَ هَكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَقُولَ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جو حضرت عبداللہ بن عمر کے برابر میں بیٹھے تھے چھینک آئی تو انہوں نے کہا ”الحمد لله والسلام على رسول الله“ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں ”الحمد لله والسلام على رسول الله“ (یعنی یہ کلمہ بجائے خود مبارک ہے اور میں بھی کہتا ہوں) لیکن (چھینکنے کے وقت) اس طرح نہیں کہا جاتا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ ”الحمد لله على كل حال“ کہا کریں۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے پر رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ”الحمد لله“ کہنا تعلیم فرمایا ہے اسی طرح ”الحمد لله على كل حال“ کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص موقعوں کے لئے ذکر یادعا کے جو مخصوص کلمے تعلیم فرمائے ہیں اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرنا چاہئے اگرچہ معنوی حیثیت سے وہ اضافہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۹۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَطَسَ غَطَّى وَجْهَهُ بِيَدِهِ أَوْ ثَوْبِهِ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تھی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرہ مبارک کو ڈھک لیتے تھے اور اس کی آواز کو دبالیے تھے۔

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

شرح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے کے وقت کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس وقت منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیا جائے اور چھینک کی آواز کو بھی حتی الوسع دبایا جائے۔

(۱۹۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَفَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فَمِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے منہ بند کر لے کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم)

شرح: واقعہ یہ ہے کہ جمائی لینے میں آدمی کا منہ بہت بد نما انداز میں کھل جاتا ہے اور باہا کی مکروہ آواز منہ سے نکلتی ہے اور چہرہ کی قدرتی شکل بدل کر ایک بد نما بیئت ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے انسداد کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب جمائی آئے تو ہاتھ سے منہ کو بند کر لینا چاہئے۔ اس طرح کرنے سے منہ کھلے گا بھی نہیں اور وہ مکروہ آواز بھی پیدا نہیں ہوگی اور چہرہ کی بیئت بھی زیادہ نہیں بگڑے گی۔ حدیث کے آخر میں شیطان کے داخل ہونے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے اس کا حقیقی داخلہ بھی مراد ہو سکتا ہے (جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی حالت میں شیطان کو وسوسہ اندازی کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ جب جمائی لیتے وقت آدمی کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے تو شیطان کسی مکھی مچھر جیسی چیز کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے^۱ واللہ اعلم۔

کھانے پینے کے احکام و آداب

کھانے پینے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جن میں ماکولات و مشروبات یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت یا حرمت بیان فرمائی گئی ہے۔ دوسرے وہ جن میں خورد و نوش کے وہ آداب سکھائے گئے ہیں جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے، یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنادیا جاتا ہے۔

ماکولات و مشروبات کی حلت و حرمت کے بارے میں بنیادی بات وہ ہے جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے **”يَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتُ“** (یہ نبی امی ﷺ اچھی اور پاکیزہ چیزوں (الطَّيِّبَات) کو اللہ کے بندوں کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور خراب اور گندی چیزوں (الْخَبِيثَات) کو حرام قرار دیتے ہیں۔)

قرآن و حدیث میں کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی آیت کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ جن چیزوں کو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے حرام قرار دیا ہے ان میں فی الحقیقت کسی نہ کسی پہلو سے ظاہری یا باطنی خباثت اور گندگی ضرور ہے اسی طرح جن چیزوں کو آپ ﷺ نے حلال قرار دیا ہے وہ بالعموم انسانی فطرت کے لئے مرغوب اور پاکیزہ ہیں اور غذا کی حیثیت سے نفع بخش ہیں۔

قرآن مجید میں پینے والی چیزوں میں سے صراحت کے ساتھ شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ حدیثوں میں اس کے بارے میں مزید تفصیلی اور تاکیدی احکام ہیں، جیسا کہ اس سلسلہ کی آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا۔ اور غذائی اشیاء میں سے ان چیزوں کی حرمت کا قرآن پاک میں واضح اعلان فرمایا گیا ہے۔

میتہ یعنی وہ جانور جو اپنی موت مرچکا ہو، خون یعنی وہ لہو جو رگوں سے نکلا ہو، خنزیر جو ایک ملعون اور خبیث جانور ہے، اور وہ جانور جو غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو (وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ) یہ سب وہ چیزیں تھیں جن کو عرب کے کچھ طبقات کھاتے تھے حالانکہ پہلی آسمانی شریعتوں میں بھی ان کو حرام قرار دیا گیا تھا، اسی لئے قرآن مجید میں صراحت کیساتھ اور بار بار ان کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

میتہ یعنی مرے ہوئے جانور کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ اس کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتی بلکہ اس سے گھن کرتی ہے۔ اور طبی حیثیت سے بھی وہ مضر ہے کیونکہ جیسا کہ علماء طب نے کہا ہے حرارت غریزیہ کے گھٹ جانے اور خون کے اندر ہی جذب ہو جانے سے اس میں سمیت کا

اثر آجاتا ہے۔

خون یعنی لہو کا بھی یہی حال ہے کہ فطرت سلیمہ اس کو کھانے کی چیز نہیں سمجھتی اور شریعت میں اس کو قطعاً پاک اور نجس العین قرار دیا گیا ہے۔

اور خنزیر وہ ملعون مخلوق ہے کہ جب اللہ کے غضب و جلال نے بعض سخت مجرم اور بدکردار قوموں کو مسخ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ان کو خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کیا گیا (فجعل منهم الخنزیر) اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں جانور انتہائی خبیث و ملعون ہیں اور خدا کی لعنت و غضب کا مظہر ہیں اس لئے ان کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔ البتہ چونکہ بندر کو غالباً دنیا کی کوئی قوم نہیں کھاتی اور اس طرح گویا اس کی حرمت پر انسانوں کے تمام طبقات اور اقوام و ملل کا اتفاق ہے اسلئے قرآن مجید میں اس کی حرمت پر خاص زور نہیں دیا گیا، بخلاف خنزیر کے بہت سی قوموں نے خاص کر حضرت مسیح علیہ السلام کی امت نے اس کو اپنی مرغوب غذا بنا لیا ہے اس لئے قرآن پاک میں اس کی حرمت کا بار بار اور شدت و تاکید سے اعلان فرمایا گیا۔ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ صلیب شکنی کے ساتھ دنیا کو خنزیر کے وجود سے پاک کرنے کا بھی حکم دیں گے (و یقتل الخنزیر) اور اسی وقت اس بات کا پورا ظہور ہوگا کہ ان کے نام لیوا عیسائیوں نے خنزیر کو اپنی مرغوب غذا بنا کر ان کی تعلیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی کیسی مخالفت کی ہے۔

اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو جس کو قرآن مجید میں "فَسَقَا أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ" کے عنوان سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نذر کرنے والے کی مشرکانہ نیت اور اس کے اعتقادی شرک کی نجاست و خباثت سرایت کر جاتی ہے اس لئے وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ چار چیزیں وہ ہیں جن کی حرمت کا اعلان اہتمام اور صراحت کے ساتھ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ انکے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ گویا اسی حکم الہی کا تکملہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب وہ احادیث پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے کھانے پینے کی چیزوں کی علت و حرمت کے بارے میں ہدایات فرمائی ہیں:

(۱۹۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُونَ أَشْيَاءَ وَيَتْرَكُونَ أَشْيَاءَ تَعَدُّرًا فَبَعَثَ اللَّهُ نَبِيَّهُ وَأَنْزَلَ كِتَابَهُ وَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ وَمَا سَكَّتْ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَتَلَا "قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً" الْآيَةَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت (یعنی اسلام سے پہلے عرب) کچھ چیزوں کو (طبعی خواہش اور رغبت کی بناء پر) کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو (طبعی نفرت اور گھسن کی بناء پر) نہیں کھاتے تھے (اسی طرح ان کی زندگی چل رہی تھی) پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی اور جو چیزیں عند اللہ حلال تھیں ان کو حلال ہونا بیان فرمایا

اور جو حرام تھیں ان کو حرام ہونا بیان فرمایا (پس جس چیز کو اللہ و رسول اللہ نے حلال بتلایا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام بتلایا ہے وہ حرام ہے) اور جس کے بارے میں سکوت فرمایا گیا ہے (یعنی اس کا حلال یا حرام ہونا بیان نہیں فرمایا گیا) وہ معاف ہے (یعنی اس کے استعمال پر مواخذہ نہیں) اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس نے بطور سند یہ آیت تلاوت فرمائی **قُلْ لَا أَحَدٌ فُتِنَ رُوحِي إِلَيَّ مَحْرُومًا عَلَيَّ طَاعِمٍ يَطْعُمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِمَّا**

تشریح مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور قرآن پاک کے نزول کے بعد کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا معیار وحی الہی اور خدا اور رسول کا حکم ہے، کسی کی پسند و ناپسند اور رغبت و نفرت کو اسمیں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۱۹۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مَخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہر کچلی والے درندے اور ہر چنگل گیر (یعنی شکاری پنچہ والے پرندے کے کھانے سے) (صحیح مسلم)

تشریح وہ سب درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیریا اسی طرح کتا اور بلی ان سب کے وہ کیلا دانت ہوتا ہے جس کو عربی میں **ناب** اور اردو میں کچلی اور کیلا کہتے ہیں، وہی ان درندوں کا خاص جارحہ اور ہتھیار ہے۔ اسی طرح جو پرندے شکار کرتے ہیں جیسے باز، چیل اور شاہین ان کا جارحہ وہ پنچہ ہوتا ہے جس سے جھپٹا مار کر بے چارے شکار کو یہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ درندوں کی قسم کے سب چوپائے جن کے منہ میں کچلی ہوتی ہے اور جو شکار کرتے ہیں اور اسی طرح شکاری پرندے جو ذی مخلب یعنی پنچہ سے جھپٹا مار کر شکار کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے کھانے سے منع فرمایا، یعنی حکم دیا کہ ان کو نہ کھایا جائے۔ یہ بھی محرمات اور خباثت میں شامل ہیں۔

(۲۰۰) عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کو حرام قرار دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح بعض دوسری حدیثوں میں گدھوں کے ساتھ خچروں کا بھی ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ہی جانوروں کی حرمت کا اعلان فرمایا ہے اور یہ بھی محرمات میں سے ہیں۔

(۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَإِذْنٍ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے دن منع فرمایا تو گدھوں کا گوشت کھانے سے اور اجازت دی گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث کی بناء پر اکثر آئمہ گھوڑے کے گوشت کی حلت کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ سے کراہت کا قول نقل کیا گیا ہے۔ غالباً اس کی بنیاد یہ ہے کہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت خالد بن ولید کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ أَكْلِ لَحْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ.

رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدھے اور خچر کے ساتھ گھوڑے کے گوشت کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے لیکن امام ابو حنیفہ کا عام دستور یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت و حرمت دلائل کی بناء پر مشتبہ ہو جائے تو وہ ازراہ احتیاط ممانعت کو ترجیح دیتے ہیں غالباً اسی لئے انہوں نے گھوڑے کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے کچھ دلائل ہیں۔ لیکن فتنہ حنفی کی بعض کتابوں میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آخر میں امام ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں دوسرے آئمہ کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور جواز کے قائل ہو گئے تھے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو صحیحین کی حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۰۲ عَنْ جَابِرِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ أَكْلِ الْهَرَّةِ وَ أَكْلِ لَمَنِهَا

(رواہ ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلی کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کی قیمت کے کھانے سے بھی ممانعت فرمائی۔ (سنن ابی داؤد، ترمذی)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی بھی محرمات میں سے ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک درندہ ہے۔ نیز اسی حدیث میں بلی کی قیمت کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے علماء اور شارحین کے نزدیک اس کی ممانعت کا مطلب کراہت ہے۔

۲۰۳ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْجَلَالَةِ وَالْبَانِهَا.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ (نجاست خور جانور) کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح کبھی کبھی بعض جانور اونٹ گائے بکری وغیرہ کا مزاج ایسا بگڑ جاتا ہے کہ وہ نجاست اور غلاظت ہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے گوشت اور دودھ میں اس کی بدبو محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی جانور کو جلالہ کہا جاتا ہے اس حدیث میں اس کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی مرغی کا یہ

حال ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ ہاں اگر اس جانور کو اتنی مدت تک باندھ کے اور پابند کر کے نجاست کھانے سے باز رکھا جائے کہ اس کے گوشت اور دودھ میں کوئی اثر باقی نہ رہے تو پھر اس کا گوشت کھانا یا دودھ پینا جائز ہو گا۔ اب وہ گوشت اور دودھ ”جلالہ“ کا نہیں رہا۔

(۲۰۴) عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَجْبُونَ أَسْمِنَةَ الْأَبْلِ وَيَقْطَعُونَ الْيَاقَاتِ الْغَنَمَ فَقَالَ مَا يُقْطَعُ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب (مکہ سے ہجرت فرما کے) مدینہ تشریف لائے تو یہاں (نہایت سنگدلانہ ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ) کچھ لوگ کھانے کے لئے اپنے زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ لیتے (جو بہت مرغوب قسم کا گوشت ہوتا ہے) اور اسی طرح دنبوں کی چکی کاٹ لیتے (اور پھر اس اونٹ اور دنبہ کا علاج کر لیتے) تو رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا کہ کسی زندہ جانور میں سے جو گوشت کاٹا جائے گا وہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

(۲۰۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ شَرِيطَةِ الشَّيْطَانِ زَادَ ابْنُ عِيْسَى وَهِيَ الدَّبِيحَةُ مِنْهُ الْجُلْدُ وَلَا تُفْرَى الْأَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتَّى تَمُوتَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ”شریطہ شیطان“ کے کھانے سے حدیث کے راوی ابن عیسیٰ نے (لفظ ”شریطہ شیطان“ کی تشریح میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کے اوپر سے صرف کھال کاٹ دی جائے اور گلے کی رگیں (جن سے خون جاری ہوتا ہے) نہ کاٹی جائیں اور یوں ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ سنگدلانہ فعل بھی ناجائز و حرام ہے، کیونکہ اس سے جانور کو جو اللہ کی مخلوق ہے، بے ضرورت اور بہت دیر تک سخت تکلیف و اذیت ہوتی ہے اور اس طرح ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اس طرح ذبح کئے ہوئے جانور کو ”شریطہ شیطان“ کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں شیطان کا گھائل کیا ہوا گویا جانور کو ذبح کرنے کا یہ طریقہ شیطان کا سکھایا ہوا ہے۔

(۲۰۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شُبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ أَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: عبد الرحمن بن شبیل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گودہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گودہ حلال جانوروں میں سے نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ آئمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ کا قول یہی ہے، لیکن آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اس بناء پر دوسرے اکثر آئمہ نے

اس کو جائز اور حلال کہا ہے۔

(۲۰۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى مَيْحُوكَةَ وَ هِيَ خَالَتُهُ وَ خَالَتُهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُودًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَهُ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ أَحْرَامُ الضَّبِّ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ لَا، وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ بَارِضٍ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ، قَالَ خَالِدٌ فَأَجْتَرَرْتُهُ فَأَكَلْتُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْظُرُ إِلَيَّ. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خالد بن ولید نے ان سے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا (راوی نے بتایا کہ حضرت میمونہ خالد بن الولید اور عبداللہ بن عباس کی بھی حقیقی خالہ تھیں) آگے حضرت خالد کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ان کے (یعنی ہماری خالہ میمونہ کے) پاس ایک بھنی ہوئی گوہ ہے وہ انہوں نے کھانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھادی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ اس کو کھانا نہیں چاہتے) تو خالد بن الولید نے (جو کھانے میں شریک تھے) پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں (یعنی حرام تو نہیں ہے) لیکن یہ ہمارے علاقہ میں (یعنی مکہ کی سرزمین میں) ہوتی نہیں تھی اس لئے میری طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی خالد نے بیان کیا کہ (رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر) میں نے اس کو اپنی طرف سرکالیا اور کھاتا رہا اور رسول اللہ ﷺ دیکھتے رہے (یعنی آپ ﷺ نے مجھے کھاتا دیکھا اور منع نہیں فرمایا۔) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ جو حضرات آمہ گوہ کی حلت کے قائل ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہی حدیث ہے اس کے علاوہ بھی بعض حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ کا کھانا حلال ہے امام ابو حنیفہ کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیثیں غالباً اس زمانہ کی ہیں جبکہ اس کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا اور جب تک کسی چیز کی حرمت کا حکم نہ آئے وہ مباح ہے، بہر حال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ممانعت کی حدیث کو جو اوپر درج ہو چکی ہے زمانہ کے لحاظ سے مؤخر اور ناسخ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ابھی کچھ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کا عام دستور اور رویہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت اور حرمت کے بارے میں اشتباہ پیدا ہو جائے تو وہ ازراہ احتیاط حرمت کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲۰۸) عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ فَاَرَةَ وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُّوهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گھی میں چوبار گیا اور مر گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مرے ہوئے چوہے کو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور پھر باقی گھی کو کھا لو۔ (صحیح بخاری)

تشریح جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہو گا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ گھی منجمد ہو، یعنی اگر منجمد نہ ہو بلکہ رقیق اور سیال ہو تو پھر وہ سارا گھی کھانے کے لائق نہیں رہے گا۔

(۲۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِي السَّمَنِ فَإِنْ كَانَ جَامِدًا فَالْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرُبُوهُ.

(رواہ احمد و ابو داؤد و رواہ الدارمی عن ابن عباس)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب چوبھاگھی میں گر جائے (اور مر جائے) تو اگر گھی جما ہوا ہو تو اس چوبے کو اور ارد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور اگر گھی پتلا ہو تو پھر اس کے پاس نہ جاؤ (یعنی اس کا کھانا جائز نہیں ہے نہ کھاؤ)۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ، سنن ابی داؤد)

(اور یہی حدیث دارمی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے)

(۲۱۰) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ إِنَّهُ رَأَى حِمَارًا وَحَشِيًّا فَعَقَرُوهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْئٌ؟ قَالَ مَعْنَارُ جُلَّةٌ فَأَخَذَهَا فَأَكَلَهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک سفر میں) ایک گور خران کی نظر پڑا (وہ اچھے ماہر شکاری تھے) انہوں نے اس کو زخمی کر کے شکار کر لیا (پھر جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ حلال ہے یا نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا تمہارے پاس ہے؟ ابو قتادہ نے عرض کیا کہ ہاں اس کا ایک پاؤں ہے (اور وہ پیش کر دیا) آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا اور تناول فرمایا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح اس سے معلوم ہوا کہ گور خر حلال ہے اور شکار کیا ہوا جانور حلال طیب ہے۔

(۲۱۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَنْفَجَنَا أَرْبَنًا بِمَرِّ الظُّهْرَانِ فَأَخَذْتُهَا فَاتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بَوْرِكَهَا وَفَخَذْنَاهَا فَقَبِلَهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے مر الظہر ان کے جنگل میں ایک خرگوش دوڑا کر پکڑ لیا اور اس کی دونوں رانیں اور کولہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (بطور تحفہ کے) بھیجا تو آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح خرگوش جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حلال ہے اور آئمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

(۲۱۲) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْكُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۲۱۳) عَنْ سَفِينَةَ قَالَ أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَحْمَ الْجُبَارَى. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ (رسول اللہ ﷺ کے خادم اور آزاد کردہ غلام) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاری پرند کا گوشت کھایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح لغت کی کتابوں میں ”جہاری“ کے ترجمے مختلف کئے گئے ہیں، بعض نے سرخاب کیا ہے اور بعض نے تغدیری بہر حال ”جہاری“ پرندہ ہے اور معلوم ہے کہ وہ سب پرندے حلال ہیں جو ذی مخلب نہیں ہیں، یعنی جو چھپانمار کر پنچے سے شکار نہیں کرتے اور جو فطرت کے لحاظ سے موذی اور خبیث نہیں ہیں۔

(۲۱۴) عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، أَلْمَيْتَتَانِ الْحَوْثُ وَالْجَرَادُ وَالْذَّمَانِ الْكَبْدُ وَالطَّحَالُ۔ (رواه احمد و ابن ماجه والدارقطني)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال قرار دی گئی ہیں ہمارے لئے دو مردہ چیزیں اور خون کی دو قسمیں۔ دو مردہ چیزیں ہیں مچھلی اور مڈی اور خون کی دو قسمیں ہیں کلیجی اور تلی (کہ یہ دونوں منجمد خون ہیں)۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ سارے حلال جانوروں کے لئے شرعی قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کئے جائیں تو حلال ہیں اور اگر بغیر ذبح کئے مر جائیں تو مردار اور حرام ہیں لیکن دو چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک مچھلی اور دوسرے مڈی۔ یہ دونوں مری ہوئی بھی حلال ہیں۔ اسی طرح کلیجی اور تلی اگرچہ یہ دونوں دراصل منجمد خون ہیں اور خون حرام ہے۔ لیکن جب وہ جم کر کلیجی اور تلی کی شکل اختیار کر لے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔

(۲۱۵) عَنْ ابْنِ أَوْفَى قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ كُنَّا نَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سات غزوے کئے ہیں (یعنی سات غزووں میں ہمیں آپ کی معیت اور رفاقت نصیب ہوئی ہے) ہم ان غزوؤں میں آپ کے ساتھ رہ کر مڈیاں بھی کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح سنن ابی داؤد میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”أَكْثَرُ جُودِ اللَّهِ لَا تَكْلُهُ وَلَا أَحْرَمُهُ“ (اللہ کی بہت سی مخلوق یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں کہ میں ان کو خود تو نہیں کھاتا لیکن ان کو حرام نہیں بتلاتا) مطلب یہ کہ وہ حلال ہیں لوگ ان کو کھا سکتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ خود مڈی نہیں کھاتے تھے۔ اس کی روشنی میں شارحین نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے ساتھ غزوات میں مڈیاں بھی کھاتے تھے اور آپ ﷺ منع نہیں فرماتے تھے۔ اس کا مطلب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی اوفی والی اس حدیث کی صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کی روایات میں ”وَعَدَ“ کا لفظ نہیں ہے، بلکہ آخری الفاظ یہ ہیں ”كُنَّا نَأْكُلُ الْجَرَادَ“ واللہ اعلم۔

(۲۱۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ فُجِعْنَا جُوعًا شَدِيدًا فَالْقَى الْبَحْرُ حُوتًا مَيْتًا لَمْ نَرِ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهَا نِصْفَ شَهْرٍ فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّائِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ كُلُّوْا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللَّهُ إِلَيْكُمْ وَأَطِيعُوا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَأَرْسَلْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْهُ فَأَكَلَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ”جیش الخبط“ کے جہاد میں شریک تھا اور ابو عبیدہ اس لشکر کے امیر بنائے گئے تھے (غذا کا کچھ سامان نہ ہونے کی وجہ سے اس سفر جہاد میں) ہم سخت بھوک میں گرفتار ہو گئے۔ تو سمندر نے ایک مچھلی پھینکی یہ مریچکی تھی ہم نے ایسی (یعنی اتنی بڑی) مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی اس کا نام عنبر بتلایا جاتا تھا ہم سب نے (یعنی پورے لشکر نے) اس کو آدھے مہینہ تک کھایا پھر ابو عبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی (غالبا پسلی) اٹھا کے کھڑی کی تو اونٹ کا سوار اس کے نیچے سے نکل گیا پھر جب ہم سفر سے مدینہ واپس آئے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا (اور پوچھا کہ ہمارا اس کو کھانا درست تھا یا نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا کھاؤ اللہ تعالیٰ کا عطیہ (اور تحفہ) جو اللہ نے تمہارے واسطے نکالا تھا اور اگر اس میں سے کچھ تمہارے ساتھ ہو تو ہمیں بھی حلاو (جابر سے ہیں کہ) ہم نے اس میں سے رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی بھیجا تو آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا۔

(گلدستہ صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح کی ایک جہادی مہم کا واقعہ ہے رسول اللہ ﷺ نے قریبا تین سو مجاہدین کا ایک لشکر روانہ فرمایا تھا اس کا امیر حضرت ابو عبیدہ کو بنایا گیا تھا پورے لشکر کے کھانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بورا کھجوریں حضرت ابو عبیدہ کو دی تھیں اس وقت اتنا ہی بندوبست ہو سکا تھا ابو داؤد وغیرہ کی اس واقعہ کی روایت میں ہے کہ ابو عبیدہ روزانہ ہر لشکری کو اس بورے میں سے صرف ایک کھجور دیتے تھے اور یہ اللہ کے سپاہی اسی پر گزارہ کرتے تھے خود اس لشکر کے بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم اس ایک کھجور کو منہ میں دیر تک رکھ کر اس طرح چوستے تھے جس طرح ننھے بچے چوستے ہیں اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے پس یہی وہ بحر کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ پھر وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو درختوں سے پتے جھارے اور انہیں پانی سے تر کر کے کھانے لگے اس سے ہمارے منہ زخمی ہو گئے اور سوچ گئے اس لشکر کو ”جیش الخبط“ کے نام سے اسی لئے یاد کیا جاتا ہے۔ خبط کے معنی درخت سے پتے جھارنے کے ہیں۔

ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں حضرت جابر ہی کا بیان ہے کہ اسی حال میں ہم سمندر کے کنارے سے قریب چل رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹیلہ یا ایک پہاڑی سی نظر پڑی قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر کا پھینکا ہوا ایک مچھلی نما جانور ہے اور مرا ہوا ہے حضرت ابو عبیدہ کو اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک ہوا بعد میں انہوں نے سوچا کہ ہم اللہ کے کام کے لئے نکلے ہیں اور اس کے رسول کے بھیجے ہوئے ہیں اور کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہماری غذا کا سامان فراہم کیا ہے پھر اس بارے میں

انہیں شرح صدر ہو گیا تو انہوں نے لشکر کو اسکے کھانے کی اجازت دیدی۔ اور صحیحین کی اس روایت کے بیان کے مطابق پورے لشکر نے اس کو آدھے مہینے تک کھایا۔ اور دوسری بعض روایات میں ہے کہ اس کو ایک مہینہ تک کھایا گیا۔

اس عاجز کے نزدیک ان دونوں باتوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ لشکر کا قیام آدھے مہینہ کے قریب اسی علاقہ میں رہا اور ان دنوں میں وہی مچھلی خوب فراوانی سے کھائی جاتی رہی اس کے بعد واپسی ہوئی اور قریب آدھے مہینہ میں مدینہ پہنچے ان دنوں میں بھی اسی سے کچھ کام چلتا رہا تو جن روایات میں آدھے مہینہ تک کھائے جانے کا ذکر ہے ان میں صرف سفر واپسی ہے پہلے دنوں کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ پورا لشکر فراوانی سے اس کو کھاتا رہا اور جن روایات میں ایک مہینہ تک کھانے کا ذکر کیا گیا ان میں واپسی کا زمانہ بھی شامل کر لیا گیا ہے کیونکہ ان دنوں میں بھی اس کو بطور غذا کے کچھ نہ کچھ استعمال کیا جاتا رہا۔ واللہ اعلم۔

حدیث کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ کی واپسی پر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا اور غالباً ابو عبیدہ کے شک و شبہ کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے یہ فرما کر کہ **كُلُوا رَفَا حِرْ حَدَّ اللّٰهِ الْحَكْمُ** "اطمینان دلایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور تحفہ تھا جو اس نے تمہارے ہی واسطے سمندر سے نکلوا یا تھا ایسی چیز کو تو بڑی قدر اور شکر کے ساتھ کھانا چاہئے۔ آخر میں آپ ﷺ نے ان لوگوں کا دل خوش کرنے کیلئے اور اس عطیہ ربانی کی قدر دانی کے اظہار کے لئے یہ بھی فرمایا:

"وَاطْعَمُوا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ" (یعنی اگر اس میں سے کچھ ساتھ لائے ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ) چنانچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سمندر کی اتنی بڑی مچھلی جو ظاہر ہے کہ ایک عجیب و غریب مخلوق معلوم ہوتی ہوگی حلال طیب ہے۔

حدیث میں ہے کہ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ عنبر جو بعض خاص علاقوں میں سمندر کے کنارے ملتا ہے اس مچھلی سے نکلتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۱۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَهُنَا أَقْوَامًا حَدِيثُ عَهْدِهِمْ بِشِرْكٍ يَأْتُونَنَا بِلَحْمَانٍ لَا نَذَرِي أَيْذُكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا؟ قَالَ أَذْكُرُوا أَنْتُمْ اسْمَ اللَّهِ وَكُلُوا. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے وہاں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا شرک کا زمانہ قریب ہی کا ہے (یعنی فریبی زمانہ کے نو مسلم ہیں اور ابھی ان کی اسلامی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکی ہے) وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ذبح کرتے وقت وہ اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں (تو اس صورت میں وہ گوشت کھائیں یا نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔ (صحیح بخاری)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خواجواہ وہم میں نہیں پڑنا چاہئے جب وہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں تو

سمجھنا چاہئے کہ اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کرتے ہوں گے اس لئے تم اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرو، یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کا نام لئے بغیر ہی کا فرانہ طریقہ پر ذبح کر لیا ہے تو تمہارے بسم اللہ پڑھنے سے اب وہ حلال ہو جائے گا، قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ. (الانعام، ۱۲۱)

اور جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو مت کھاؤ، اس کا کھانا سخت گناہ ہے۔

(۲۱۸) عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هَلَبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ طَعَامِ النَّصَارَى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ

فِي صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعَتْ فِيهِ اللَّضْرَانِيَّةُ. (رواہ الترمذی)

قبیصہ بن ہلب اپنے والد ہلب طائی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نصاریٰ کا کھانا کھانے کے بارے میں سوال کیا (کہ جائز ہے یا ناجائز؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے کھانے کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے۔ تم اس (تنگ نظری اور بیجا شدت پسندی میں) طریقہ نصرانیت سے مشابہ ہو گئے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: یہ بلب طائی پہلے خود نصرانی المذہب تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و اسلام نصیب فرمایا تو ان کو نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ہاں کھانے اور ان کا ذبیحہ کھانے کے بارے میں تردد تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں تمہارے دل میں کئی تردد اور خلجان نہیں ہونا چاہئے یعنی ہماری شریعت میں ان کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔ قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ”وَطَعَامُ الدِّسْ اَوْ تَوَالِ الْكِتَابِ حَلَالٌ لَكُمْ“۔ (یعنی اہل کتاب کا کھانا تمہارے واسطے حلال ہے) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کھانے پینے میں یہ تنگ نظری اور شدت پسندی عیسائی راہبوں کا شیوہ ہے۔ اگر تم وہی طریقہ اپناتے ہو تو گویا ان کی ہم رنگی اختیار کرتے ہو۔ ہماری شریعت میں یہ تنگی نہیں بلکہ وسعت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ۔

مشروبات کے احکام

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارے میں شریعت کا بنیادی اصول وہی ہے جسے قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

”حَلَالٌ لَهُمُ الطَّيْبُ وَحَرَامٌ عَلَيْهِمُ الْكُفْرُ“ اس بناء پر مشروبات میں بھی جو طيبات ہیں یعنی

پاکیزہ اور مرغوب و خوشگوار اور نفع بخش چیزیں مثلاً حلال چوپایوں کا دودھ، پھلوں کا رس، اچھے سے اچھے

شربت، نفیس عرقیات وغیرہ یہ سب حلال قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے برعکس جو مشروبات حرام

اور انسانیت کے لئے مضر ہیں وہ حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر جس طرح کھانے کی بعض ان چیزوں کی

حرمت کا اعلان اہتمام اور خصوصیت سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا ہے جو اگلی شریعتوں میں بھی حرام قرار دی گئی تھیں مگر ان کو بعض طبقے کھاتے تھے جیسے کہ مردار جانور اور خنزیر وغیرہ اسی طرح مشروبات میں خمر یعنی شراب کی حرمت کا اعلان بھی خاص اہتمام سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے بارے میں غیر معمولی اہتمام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اس سلسلہ میں نہایت سخت رویہ آپ ﷺ نے اختیار فرمایا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا۔

شراب کی حرمت کا حکم

شراب کے حرام قرار دیئے جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی کم از کم کچھ دیر کے لئے اس جوہر عقل و تفکر سے محروم ہو کر جو اس کے پروردگار کا خاص الخاص عطیہ اور معرفت الہی کا وسیلہ ہے ان حیوانوں کی صف میں آجاتا ہے جن کو ان کے پیدا کرنے والے نے عقل و تمیز کی نعمت اور اپنی خاص معرفت کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی ہے۔ اور یہ انسان کا اپنے اوپر بڑے سے بڑا ظلم اور اپنے پروردگار کی انتہائی ناشکری ہے۔ اس کے علاوہ نشہ کی حالت میں بسا اوقات اس سے انتہائی نامناسب اور شرمناک حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلو بن جاتا ہے، علاوہ ازیں شراب نوشی کے نتیجہ میں بعض اوقات بڑے دور رس اور تباہ کن فسادات برپا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے تمام آسمانی شریعتوں میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر دور کے خدا پرست مصلحوں اور روحانیت پسندوں نے اس سے پرہیز کیا ہے اور اسکے خلاف جدوجہد کی ہے۔

آگے جو احادیث شراب کے بارے میں درج ہوں گی ان کا یہ پس منظر ناظرین کے ذہن میں رہنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت اور غالباً اس کے بہت پہلے سے عربوں میں خاص کر اہل مدینہ میں شراب کا بے حد رواج تھا، گھر گھر شراب بنتی تھی اور پی جاتی تھی اس سے وہ نشاط و سرور بھی حاصل کیا جاتا تھا جس کے لئے عموماً پینے والے اس کو پیتے ہیں اس کے علاوہ اس ماحول میں شراب نوشی کو ایک اخلاقی عظمت و فضیلت کا مقام بھی حاصل تھا وہاں کا عام رواج یہ تھا کہ دولت مند لوگ شراب پی کر نشہ کی حالت میں خوب داد و دہش کرتے اور مال لٹاتے تھے جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا اور اسی وجہ سے شراب نہ پینا یا کم پینا بخل و کنجوسی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہی حال جوئے کا بھی تھا وہاں جوئے کے کچھ خاص طریقے رائج تھے اور حوصلہ مند اور دریا دل لوگ ہی وہ جو اکیلے تھے اور جو کچھ جیتتے تھے وہ غربا اور حاجت مندوں میں لٹا دیتے تھے۔ اس لئے جو ابھی امیروں کا ایک معزز کھیل تھا جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کی روایات اور شاعری میں اس کا پورا سراغ ملتا ہے۔

شراب اور جوئے میں نافعیت کا غالباً یہی وہ خاص پہلو تھا جس کی طرف اشارہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے جو شراب اور جوئے کے بارے میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ بہر حال شراب کا چونکہ

وہاں عام رواج تھا اور گویا وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس کے وہ بری طرح عادی تھے اور ان کی نگاہ میں اس کو ایک عظمت بھی حاصل تھی اس لئے اس کی ممانعت کے بارے میں ابتداء تو نرم تدریجی رویہ اختیار کیا گیا لیکن جب قوم میں اس کی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ قطعی حرمت کا اعلان ہو جانے پر وہ اس کو یکسخت چھوڑ دے تو پھر اتنا سخت رویہ اختیار کیا گیا کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پینے کا رواج تھا سرے سے ان برتنوں ہی کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح کے بعض اور بھی انتہائی سخت احکام جاری کئے گئے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس ام الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے، چنانچہ جب یہ بات پیدا ہو گئی تو وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے۔ اس تمہید کے بعد شراب کی حرمت سے متعلق آگے درج ہونے والی حدیثیں پڑھئے:

(۲۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَشْرَبُونَ نَهًا وَيَأْكُلُونَ الْمَيْسِرَ فَسَأَلُوهُ عَنْهُمَا فَنَزَلَ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الْآيَةُ فَقَالَ النَّاسُ مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا وَكَانُوا يَشْرَبُونَ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمٌ صَلَّى رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ بِأَصْحَابِهِ وَخَلَطَ فِي قِرَائِهِ فَنَزَلَتْ آيَةٌ أَغْلَظَ مِنْهَا "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى. الْآيَةُ" وَكَانُوا يَشْرَبُونَ حَتَّى نَزَلَتْ أَغْلَظَ مِنْهَا. "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ. الْآيَةُ." قَالُوا إِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَاسٌ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَاتُوا عَلَى فُرُشِهِمْ كَانُوا يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ وَيَأْكُلُونَ الْمَيْسِرَ وَقَدْ جَعَلَهُ اللَّهُ رِجْسًا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَنَزَلَ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا. الْآيَةُ." (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی ممانعت (تدریجاً) تین دفعہ میں کی گئی ہے (جس کی تفصیل یہ ہے) کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس زمانہ میں اہل مدینہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے تو ان دونوں چیزوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا (کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ دریافت کرنے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ خود ان میں سے صالح طبیعت رکھنے والوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اسلام کی عام تعلیمات اور اس کے پاکیزہ مزاج سے یہ دونوں چیزیں میل نہیں کھاتیں۔ واللہ اعلم) ان کے اس سوال کے جواب میں (سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ط

اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ انہیں بتاد دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں گناہ ہے بہت اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ (اس آیت میں) شراب اور جوئے کو قطعیت کے ساتھ حرام قرار نہیں دیا گیا ہے، تو وہ لوگ (گنجائش سمجھتے ہوئے) اس کے بعد بھی پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک صاحب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (اور امامت کر رہے تھے اور نشہ میں تھے) انہوں نے قرأت میں کچھ گڑبڑ کر دی (اور کچھ کا کچھ پڑھ گئے) تو شراب کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ.

اے ایمان والو! ایسی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو تا وقتیکہ (تمہیں ایسا ہوش نہ ہو) کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

مگر کچھ لوگ (اس کے بعد بھی گنجائش سمجھتے ہوئے) پیتے رہے (ہاں جیسا کہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے اسکا اہتمام کرنے لگے کہ نماز کے قریب نہیں پیتے تھے) تو سورہ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں جو پہلی دونوں آیتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور صاف صریح تھیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿۹۱﴾

اے ایمان والو! بلاشبہ یہ شراب اور جو، اور بت پانے (جو ایک خاص قسم کے جوئے میں استعمال ہوتے تھے) یہ سب چیزیں (گندی اور ناپاک ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں لہذا ان سے کلی پرہیز کرو) پھر تم امید کر سکتے ہو کہ فلاح یاب ہو جاؤ، شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں پھانس کر تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دے (اور تم کو آپس میں لڑا دے) اور اللہ کی یاد سے اور نماز جیسی نعمت سے (جو بارگاہ خداوندی کی حضوری ہے) تم کو روک دے تو کیا تم (شراب اور جوئے وغیرہ سے) باز آؤ گے؟

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ان لوگوں نے کہا **سُبْحَانَكَ** (اے ہمارے پروردگار! ہم باز آئے اور اب ہم نے اس کو بالکل چھوڑ دیا) پھر ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو راہ خدا میں شہید ہو چکے ہیں یا اپنے بستروں پر (بیمار پڑ کر) انتقال کر چکے ہیں اور وہ شراب پیا کرتے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا ہے (تو ہمارے جو بھائی ان دونوں میں ملوث تھے اور اسی حال میں انتقال کر گئے یا راہ خدا میں شہید ہو گئے) تو آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ تو اس کے جواب میں بعد والی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ.....الایۃ

ان صاحب ایمان اور نیکو کار بندوں پر کوئی گناہ (اور مواخذہ) نہیں ہے ان کے کھانے پینے پر جبکہ ان کا حال یہ ہو کہ وہ خدا سے ڈر کر پرہیز گاری کی زندگی گزارتے ہوں اور دل سے مانتے ہوں اور اعمال صالحہ کرتے ہوں۔ الخ (مسند احمد)

تشریح..... حدیث کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں جا بجا کر دی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ شراب کی حرمت کے بارے میں ابتداء تدریجی رویہ اختیار کیا گیا اور آخر میں سورہ مائدہ کی آیت میں اس کے بارے میں ”رجس من عمل الشیطان“ فرما کر اس کی قطعی حرمت کا اعلان فرما دیا گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ۸ھ میں نازل ہوئی۔

۲۲۰ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِي مَنْزِلِ أَبِي طَلْحَةَ فَنَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَخْرِجْ فَنَظَرْنَا هَذَا الصَّوْتُ؟ قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ هَذَا مُنَادٍ يُنَادِي أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ لِي إِذْهَبْ فَأَهْرِقْهَا قَالَ فَجَرْتُ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ قَالَ وَكَانَتْ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيخُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قِيلَ قَوْمٌ وَهِيَ فِي بَطُونِهِمْ قَالَ فَنَزَلَ اللَّهُ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (میرے مربی اور سرپرست) ابو طلحہ انصاری کے گھر میں مجلس قائم تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا اور میں پلانے والا تھا تو رسول اللہ ﷺ پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا (یعنی سورہ مائدہ کی وہ آیت نازل ہو گئی جس میں شراب کو ”رجس من عمل الشیطان“ بتلا کر اس کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے) تو آپ ﷺ نے اسی وقت ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اس کا اعلان مدینہ میں کر دے چنانچہ اس نے (معمول کے مطابق پکار کے) اعلان کیا تو ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ انس باہر جا کر دیکھو کہ یہ کیسی پکار ہے اور کیا اعلان ہو رہا ہے کہ ”شراب حرام ہو گئی“ تو ابو طلحہ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور ساری شراب کو باہر لے جا کر بہا دو چنانچہ (میں نے ایسا ہی کیا اور دوسرے گھروں سے بھی شراب بہائی گئی جس کی وجہ سے) شراب مدینہ کی گلیوں سے بہنے لگی۔ انس کہتے ہیں کہ اس دن وہ شراب وہ تھی جو ”فضیخ“ بولی جاتی ہے۔ پھر بعض لوگوں کی زبان پر یہ بات آئی کہ بہت سے بندگان خدا ایسی حالت میں شہید ہوئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی (تو ان کا کیا انجام ہوگا؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا“ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب کی قطعی حرمت کے اس حکم کے آنے سے پہلے اس دنیا سے جا چکے اور ان کی زندگی ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ والی تھی تو اس پچھلے دور کے کھانے پینے کے بارے میں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... ”فضیخ“ ایک خاص قسم کی شراب بنائی جاتی تھی۔ کچی پکی کھجوروں کے باریک ٹکڑے کر کے ان کو میں ڈال دیا جاتا تھا ایک مقررہ مدت گزرنے پر اس میں سرور اور نشہ پیدا ہو جاتا تھا اس زمانہ میں یہ اوسط جہ کی ایک شراب تھی جو بہت آسانی سے بن جاتی تھی۔

(۲۲۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْهُ وَقُلْتُ إِنَّهُ لِيَتِيمٍ فَقَالَ أَهْرِيقُوهُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شراب تھی جو ایک یتیم بچہ کی ملکیت تھی تو جب سورہ مائدہ (یعنی اس کی وہ آیت جس میں شراب کی قطعی حرمت کا حکم بیان ہوا ہے) نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس شراب کے بارے میں پوچھا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ اور میں نے یہ عرض کر دیا کہ وہ ایک یتیم بچہ کی ملکیت ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دیا جائے اور بہا دیا جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ اس کو کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ دیا جائے یا کسی طرح بھی اس سے کوئی فائدہ اٹھالیا جائے۔ اور حضرت انسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی قطعی حرمت نازل ہونے سے کچھ ہی پہلے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بعض یتیموں کے لئے جو ان کی سرپرستی میں تھے ان ہی کے حساب میں شراب خریدی تھی، انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”اهرق الحمر واکسر الدباء“ یعنی شراب کو بہا دو، پھینک دو اور جن مکلوں میں وہ ہے ان کو بھی توڑ دو۔

شراب کی حرمت اور شرابی کے بارے میں وعیدیں

(۲۲۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا قَمَاتٌ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز (یعنی ہر وہ مشروب جس کو پی کر نشہ آجائے) خمر (شراب) کا مصداق ہے اور حرام ہے اور جو کوئی دنیا میں شراب پیئے اور اس حال میں مرے کہ برابر شراب پیتا ہو اور اس نے اس سے توبہ نہ کی ہو تو وہ آخرت میں جنت کی شراب طہور سے محروم رہے گا۔ (صحیح مسلم)

(۲۲۳) عَنْ جَابِرِ ابْنِ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ شَرَابٍ يُشْرَبُونَهُ بِأَرْضِهِمْ مِنَ الدُّرَّةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ..... إِنَّ عَلَى اللَّهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عَصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ایک خاص قسم کی شراب کے بارے میں سوال کیا جو اس علاقہ میں پی جاتی تھی جسکو ”مزر“ کہا جاتا تھا اور وہ چینا سے بنتی تھی آپ ﷺ نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا وہ نشہ پیدا کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اس سے نشہ ہوتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اصولی بات یہ ہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مزید آپ ﷺ نے فرمایا کہ

سنو) نشہ پینے والے کے لئے اللہ کا یہ عہد ہے جس کو پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کو "طینۃ الخبال" ضرور پلائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "طینۃ الخبال" کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا پسینہ یا فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا لہو پیپ۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... یعنی راوی کو شک ہے کہ "طینۃ الخبال" کی وضاحت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے "عرفی" اہل النار" فرمایا تھا یا "عصارۃ اہل النار" پہلے کا ترجمہ "دوزخیوں کا پسینہ" اور دوسرے کا ترجمہ "دوزخیوں کے جسم سے بہنے والا لہو اور پیپ" بہر حال شراب کی حرمت کے بعد اس کا پینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمالیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب سے دلچسپی رکھے گا اور بلا توبہ کے اس دنیا سے چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شراب نوشی کی پاداش میں "طینۃ الخبال" ضرور پلائے گا۔ اللہم احفظنا۔

(۲۲۴) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى بَعَثَنِي رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ وَأَمَرَنِي رَبِّي عَزَّوَجَلَّ بِمَحَقِّ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيرِ وَالْأَوْتَانِ وَالصُّلُوبِ وَأَمَرَ الْجَاهِلِيَّةَ وَحَلَفَ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِي لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عِبِيدِي جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنَ الصَّدِيدِ مِثْلَهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حَيَاضِ الْقُدْسِ. (رواہ احمد)

ترجمہ..... حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور سب کے لئے وسیلہ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے معازف و مزامیر (یعنی ہر طرح کے باجوں) کے مٹا دینے کا اور بت پرستی اور صلیب پرستی کو مٹا دینے کا اور تمام رسوم جاہلیت کو ختم کر دینے کا اور میرے رب عزوجل نے یہ قسم کھائی ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیئے گا تو میں آخرت میں اس کو اتنا ہی لہو و پیپ ضرور پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے شراب کو چھوڑ دے گا اور اس سبازر ہے گا تو میں آخرت کے قدسی حوضوں کی شرابِ طہور اپنے اس بندہ کو ضرور نوش کراؤں گا۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ چند اصلاحی کام رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہیں۔ بت پرستی اور صلیب پرستی کا قلع قمع کرنا، زمانہ جاہلیت کی جاہلی رسوم کو ختم کرنا اور معازف و مزامیر یعنی ہر قسم کے باجوں کے رواج کو مٹانا..... معازف ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے ڈھولک، طبلہ، ستار، سارنگی وغیرہ اور مزامیر وہ باجے ہیں جو منہ سے بجائے جاتے ہیں جیسے شہنائی اور بانسری وغیرہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سب باجے دراصل لہو لعب اور فسق و فجور کے آلات ہیں اور دنیا سے ان کے رواج کو مٹانا رسول اللہ ﷺ کے ان خاص کاموں میں سے ہے جن کے لئے آپ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ لیکن کس قدر دکھ کی بات ہے اور شیطان کی کتنی بڑی

کامیابی ہے کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان میں دوسری خرافات کے علاوہ معارف و مزامیر کا بھی وہ زور ہوتا ہے کہ فسق و فجور کے کسی تماشے میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوتا ہوگا۔ کاش یہ لوگ سمجھ سکتے کہ خود ان کے بزرگانِ دین کی روحوں کو ان خرافات اور ان باجوں گانوں سے کتنی تکلیف ہوتی ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں شیطان کے مشن کو کامیاب بنا کر روحِ نبوی ﷺ کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ میں شراب اور ان شراب پینے والوں کے بارے میں اور خدا کے خوف سے شراب سے بچنے والوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جو اس کے حکم سے اور اس کی پکڑ اور عذاب کے خوف سے شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جنت کے قدسی حوضوں کی شرابِ طہور سے ہمیں سیراب فرمائے۔

نشہ آور شراب کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

(۲۲۵) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ لَقَلِيلُهُ حَرَامٌ.

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(سنن ابی داؤد جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

”قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے“

شراب بطور دوا کے بھی استعمال نہ کی جائے

(۲۲۶) عَنْ وَائِلِ الْخَضَرِيِّ أَنَّهُ طَارِقُ بْنُ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاہُ فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سويد رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ان کو شراب پینے سے منع فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اس کو دوا کے لئے استعمال کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ تو بیماری ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بعض قرائن کی بناء پر کچھ آئمہ اور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اس دور کی ہے جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص مصلحت اور مقصد کے لئے (جو آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا) شراب کے بارے میں انتہائی سخت رویہ ہنگامی طور پر اختیار کیا تھا

اور اس سلسلہ میں بعض ان چیزوں کو بھی منع فرمادیا تھا جن کی بعد میں آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس بناء پر ان حضرات نے اس کی گنجائش سمجھی ہے کہ اگر کسی ایسے مریض کے بارے میں جس کی زندگی خطرہ میں ہو، معتمد اور حافظ طبیب کی رائے ہو کہ اس کے علاج میں شراب ناگزیر ہے تو صرف بقدر ضرورت استعمال کی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

شراب نوشی پر اصرار کرنیوالی قوم کخلاف اعلان جنگ

(۲۲۷) عَنْ ذَيْلِمْ الْحَمِيرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بَارِضٌ بَارِدَةٌ وَنُعَالِجُ فِيهَا عَمَلًا شَدِيدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هَذَا الْقَمْحِ نَتَّقُوهُ بِهٖ عَلَى أَعْمَالِنَا وَعَلَى بَرْدِ بِلَادِنَا، قَالَ هَلْ يُسْكِرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيهِ قَالَ إِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ قَاتِلُوهُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ذیلیم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ سرد علاقہ میں رہتے ہیں اور وہاں بڑی سخت محنت کرتے ہیں اور ہم گیہوں سے ایک شراب بنا کر استعمال کرتے ہیں اور اس سے قوت و طاقت حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے سخت محنت طلب کام بھی کر لیتے ہیں اور اپنے ملک کی سردی کا مقابلہ بھی کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ پیدا کرتی ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اس سے بچو، بالکل استعمال نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں کے لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، (یعنی مجھے اس کی امید نہیں ہے کہ وہ کہنے سننے سے اس کا استعمال چھوڑ دیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ کے مسلمان اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے اپنے واسطے شراب کے استعمال کو ناگزیر اور ضروری سمجھیں تب بھی ان کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ یا بستی والے شراب کے استعمال پر اجتماعی طور پر اصرار کریں اور باز نہ آئیں تو اسلامی حکومت ان کے خلاف طاقت استعمال کرے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں شراب نوشی کتنا سنگین جرم ہے۔

شرابیوں کے واسطے سخت ترین وعید

(۲۲۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُذْمِنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى كَعَابِدٍ وَكُنْ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ شراب پینے والا اگر اسی حال میں مرے گا تو خدا کے سامنے اس کی پیشی مشرک اور بت پرست کی طرح

ہوگی۔ (مسند احمد)

۲۲۹ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةَ عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَبَايَعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَوَاهِبَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے سلسلے میں (اس سے تعلق رکھنے والے) دس آدمیوں پر لعنت کی۔ ایک (انگور وغیرہ سے) شراب نچوڑنے والے پر (اگرچہ کسی دوسرے کے لئے نچوڑے) اور خود اپنے واسطے نچوڑنے والے پر اور اس کے پینے والے پر اور ساقی یعنی پلانے والے پر اور اس پر جو شراب کو لے کر جائے اور اس پر جس کے لئے وہ لے جائی جائے اور اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور اس پر جو کسی دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ میں شراب دے اور اس پر جو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: لعنت کا مطلب ہے خدا کی رحمت اور اس کی نگاہ کرم سے محرومی کی بددعا اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص شراب سے کچھ بھی تعلق رکھے خواہ اس کا بنانے والا یا بنوانے والا ہو یا پینے والا یا پلانے والا ہو یا خریدنے والا یا بیچنے والا ہو۔ کسی کو ہبہ کرنے والا یا اس کو کسی کے پاس پہنچانے والا ہو ان سب کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی کہ وہ خدا کی رحمت اور اس کی نگاہ کرم سے محروم رہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات نے صحابہ کرام کو شراب کے بارے میں کتنا شدت پسند بنادیا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انگور کے باغات تھے ایک دفعہ ان میں بہت پھل آیا تو باغوں کے اس محافظ نے جو ان کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے ان کی طرف سے مقرر تھا (اور ان کا معتمد ملازم تھا) ان کو خط لکھا کہ اس فصل میں انگور کی پیداوار بہت ہے اور مجھے ان کے ضائع اور برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو آپ کی رائے ہو تو میں انگوروں سے شیرہ حاصل کر کے محفوظ کر لوں؟ حضرت نے اس کے جواب میں خط لکھا۔

إِذَا جَاءَكَ كِتَابِي فَأَعْتَزِلْ ضَيْعَتِي فَإِنَّ اللَّهَ لَا أَتَمِنُكَ عَلَى شَيْئٍ بَعْدَهُ أَبَدًا^۱

(جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو میری زمین اور باغات سے الگ اور بے تعلق ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! میں اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں بھی تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔)

بہر حال حضرت سعد نے اس محافظ اور باغبان کو صرف اس بناء پر الگ اور ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے انگور سے شیرہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کرنے کے بارے میں سوچا تھا جس سے شراب بنائی جاسکتی ہے۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

(۲۳۰) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ ادْعُوا النَّاسَ وَبَشِّرُوا وَلَا تُنْفَرُوا وَبَشِّرُوا قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفْتِنَا فِي شَرَابَيْنِ كُنَّا نَصْنَعُهُمَا بِالْيَمَنِ الْبَتَعُ وَهُوَ مِنَ الْعَسَلِ يُبْدُ حَتَّى يَشْتَدَ وَالْمِزْرُ وَهُوَ مِنَ الدَّرَّةِ وَالشَّعِيرُ يُبْدُ حَتَّى يَشْتَدَ قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ أُعْطِيَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ بِخَوَاتِمِهِ فَقَالَ أَنْهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ أَسْكَرَ عَنِ الصَّلَاةِ۔ (رواه البخاری و مسلم واللفظ له)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (دعوت و تبلیغ اور دوسرے دینی مقاصد کے لئے) مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا اور ہم لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ لوگوں کو دین حق کی دعوت دینا اور ان کو (خوش انجامی کی) بشارتیں سنانا اور ان سے ایسی باتیں نہ کرنا جن سے وہ دور بھاگیں اور ان کو وحشت ہو، نیز لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ان کو مشکلات میں نہ ڈالنا! ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہمیں دو شرابوں کے بارے میں شریعت کا حکم بتا دیجئے، جو ہم یمن میں بنایا کرتے تھے (یعنی وہاں ان کے پینے کا عام رواج تھا) ایک وہ جسے تیج کہا جاتا ہے وہ شہد سے بنائی جاتی ہے (مقررہ حساب سے) شہد میں پانی ملا کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے اور دوسری وہ شراب جسے مزر کہا جاتا ہے اور وہ چینا اور جو سے بنائی جاتی ہے۔ اسے بھی پانی میں چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے (الغرض ان دو شرابوں کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری نے شرعی حکم دریافت کیا) ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو ”جوامع الکلم اور خواتم الکلم“ کی نعمت عطا فرمائی تھی، یعنی آپ ﷺ کو اس کی خاص صلاحیت بخشی تھی کہ (بہت مختصر الفاظ میں) انتہائی جامع، مانع اور فیصلہ کن بات فرمادیتے تھے (چنانچہ آپ ﷺ نے میرے سوال کے جواب میں) ارشاد فرمایا ”أَنْهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ أَسْكَرَ عَنِ الصَّلَاةِ“ (میں ہر اس چیز کی ممانعت کرتا ہوں جو نشہ آور ہو اور نماز سے آدمی کو غافل کر دے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ترجمہ: اس حدیث سے بطور قاعدہ کلیہ کے معلوم ہو گیا کہ جس چیز کے کھانے پینے سے نشہ پیدا ہو اور نماز جیسی چیز سے غفلت ہو جائے وہ شریعت اسلام میں ممنوع اور ناجائز ہے۔ اس سے بھنگ وغیرہ ان تمام نباتات کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو نشہ پیدا کرتی ہیں اور نشہ ہی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

امت کی شراب نوشی کے بارے میں ایک پیشین گوئی

شراب کی حرمت کے بارے میں شریعت اسلام کا جو بے لاگ فیصلہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے متعلق جو سخت ترین رویہ اختیار فرمایا ہے وہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا ہے، لیکن آپ ﷺ پر یہ منکشف کیا گیا تھا کہ شریعت کے ان واضح احکام اور آپ ﷺ کے اس سخت رویہ کے باوجود آپ ﷺ کی امت کے کچھ غلط کار لوگ شراب پیئیں گے اور اپنے بچاؤ کے لئے بطور حیلہ کے اس شراب کا کوئی اور نام رکھیں

گے اور نام کی تبدیلی سے دوسروں کو یا خود کو فریب دینا چاہیں گے۔ حالانکہ صرف نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور شریعت کا حکم بھی نہیں بدلتا۔ اس لئے خدا کے نزدیک وہ شراب نوشی کے مجرم ہوں گے اور نام بدلنے کا فریب ان کا دوسرا جرم ہوگا۔

(۲۳۱) عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَيْشَرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسْمَوْنَ بِغَيْرِ اسْمِهَا. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور (ازراہ فریب) اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

شراب کے سلسلہ میں کچھ سخت ہنگامی احکام

یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جب سورہ مائدہ کے نزول کے بعد شراب کی قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں بعض ایسے سخت ہنگامی احکام بھی جاری فرمائے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس ام النجاست سے سخت نفرت پیدا ہو جائے اور پرانی عادت کبھی اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا نہ کر سکے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھی جائیں۔

(۲۳۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ الدُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفِّ وَالنَّقِيرِ وَأَمَرَ أَنْ يُنْبَذَ فِي أَسْقِيَةِ الْأَدَمِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ دبا یا حنتم یا مزفت یا نقیر میں نبیذ بنائی جائے اور حکم دیا کہ اب چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: کھجور یا منقہ یا انگور یا اس طرح کی کوئی چیز پانی میں ڈال دی جائے اور اتنی دیر پڑی رہے کہ اس کا ذائقہ اور شیرینی پانی میں آجائے اور نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ عربوں میں اس کا بھی رواج تھا اور جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس کو نوش فرماتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار قسم کے جن برتنوں میں نبیذ بنانے سے رسول اللہ نے ممانعت فرمائی ہے، یہ عام طور سے شراب بنانے میں استعمال ہوتے تھے۔ دبا، کدو کی توہنی ہوتی تھی، حنتم اور مزفت یہ خاص طرح کی ٹھلیاں ہوتی تھیں اور نقیر کھجور کی لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا۔ بہر حال یہ چاروں قسم کے برتن عام طور سے شراب میں استعمال ہوتے تھے، جب شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمادیا۔ غالباً اس ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلانے میں اس کی طلب اور خواہش پیدا نہ کریں۔ پھر جب شراب کی نفرت پوری طرح دلوں میں جاگزیں ہو گئی اور اس کا اندیشہ باقی نہ رہا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلانے کی طلب اور خواہش پیدا کریں تو

رسول اللہ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحت مذکور ہے۔

(۲۳۳) عَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوفِ فَإِنَّ ظُرُفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ. وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَضْرِبَةِ إِلَّا فِي ظُرُوفِ الْأَدَمِ فَأَضْرِبُوا فِي كُلِّ وَعَاءٍ غَيْرِ أَنْ لَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو کچھ برتنوں کے استعمال سے منع کر دیا تھا (اب میں اس کی اجازت دیتا ہوں) کیونکہ صرف برتن کی وجہ سے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ہو جاتی۔۔۔ (ہاں یہ ملحوظ رہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے (لہذا اس سے بچو)۔۔۔ اور یہی حدیث اس طرح بھی روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے تم کو منع کیا تھا کہ چڑے کے برتنوں (مشکیزوں) کے سوا کوئی اور برتن استعمال نہ کرو (اب میں اجازت دیتا ہوں کہ) ہر قسم کے برتن میں پی سکتے ہو، لیکن کوئی نشہ پیدا کرنے والی چیز ہر گز نہ پی جائے۔“ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کی قطعی حرمت نازل ہو جانے کے بعد اس کے بارے میں کچھ زیادہ سخت احکام مذکورہ بالا مصلحت سے وقتی اور عارضی طور پر بھی دیئے تھے جو بعد میں واپس لے لئے گئے۔

(۲۳۴) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ خَلِيطِ الثَّمَرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيطِ الزُّبَيْبِ وَالثَّمَرِ وَعَنْ خَلِيطِ الزُّهْرِ وَالرُّطْبِ وَقَالَ انْتَبِذُوا كُلَّ وَاحِدَةٍ عَلَيْهِمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا (نبیذ بنانے کے لئے) کچی خشک کھجوروں اور ادھ پکی کھجوروں کے ملانے سے، اور اسی طرح خشک انگور اور پکی خشک کھجوروں کے ملانے سے اور کچی کھجوروں اور پکی تازہ کھجوروں کے ملانے سے اور ارشاد فرمایا کہ ان سب چیزوں کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا کر۔۔۔ (صحیح مسلم)

تشریح: شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جن مختلف چیزوں کو باہم ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا گیا ہے ان کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے نشہ کی کیفیت جلدی پیدا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بطور احتیاط کے یہ ممانعت فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ ان چیزوں کی نبیذ علیحدہ علیحدہ ہی بنائی جائے۔ اور غالباً یہ حکم بھی آپ ﷺ نے اسی زمانہ میں دیا تھا جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور آپ ﷺ امت کی تربیت کے لئے اس بارے میں ایسے سخت احکام بھی دے رہے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان شراب اور نشہ کے ادنیٰ شبہ سے بھی نفرت کرنے لگیں۔ لیکن جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو پھر وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے جو اس مقصد کے لئے ہنگامی طور پر دیئے گئے تھے۔ آگے درج ہونے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو گا کہ خود رسول اللہ ﷺ کے لئے خشک انگور اور کھجوریں پانی

میں ساتھ ڈال کر نبیذ تیار کی جاتی تھی اور آپ ﷺ نوش فرماتے تھے۔

نبیذ حلال طیب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے

(۲۳۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُنْبِذُ لَهُ زَبِيبٌ فَيُلْقِي فِيهِ تَمْرٌ أَوْ تَمْرٌ فَيُلْقِي فِيهِ زَبِيبٌ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خشک انگوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں کھجوریں بھی ڈال دی جاتی تھیں یا کھجوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں خشک انگور بھی ڈال دیئے جاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

ترشح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگور اور کھجور وغیرہ مخلوط اجناس کی نبیذ بھی جائز ہے ہاں اس کی شدید احتیاط ضروری ہے کہ اس میں نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے واسطے نبیذ بنانے کے لئے ہم پانی میں کھجوریں وغیرہ شام کو ڈال دیتے تھے جس کو آپ صبح کو نوش فرما لیتے تھے اور پھر ہم شام کے واسطے اسی طرح صبح کو ڈال دیتے تھے اور اس کو آپ شام کے وقت نوش فرما لیتے تھے۔

(۲۳۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِقَدْحِي هَذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلُ وَالنَّبِيذُ وَالْمَاءُ وَاللَّبَنُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے (اپنے ایک پیالہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں نے اپنے اس پیالہ سے رسول اللہ ﷺ کو پینے والی سب چیزیں پلائی ہیں، شہد بھی، نبیذ بھی، پانی بھی اور دودھ بھی۔ (صحیح مسلم)

ترشح: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نبیذ استعمال کرتے تھے اور آپ ﷺ کے واسطے اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

حضور ﷺ کو ٹھنڈا میٹھا مرغوب تھا

(۲۳۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ الْحَلُوهُ الْبَارِدُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو پینے میں ٹھنڈا میٹھا محبوب و مرغوب تھا۔ (جامع ترمذی)

حضور ﷺ کے لئے میٹھے پانی کا اہتمام

(۲۳۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُسْتَعَذَّبُ لَهُ الْمَاءُ مِنْ بُيُوتِ السُّفِيَّاءِ. (قَالَ قُتَيْبَةُ عَيْنٌ بَيْنَهَا

بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمَدِينَةِ يَوْمَانِ)

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے "بیوت سقیا" سے میٹھاپانی لایا جاتا تھا۔ امام ابو داؤد کے استاذ قتیبہ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ یہ مقام (بیوت سقیا) جہاں سے حضور ﷺ کیلئے یہ میٹھاپانی لایا جاتا تھا مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مشروبات میں ٹھنڈے میٹھے کی رغبت یا اسی طرح کھانے پینے کی کسی اچھی چیز کی رغبت جو فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے مقامِ زہد کے منافی نہیں ہے اور للہی تعلق و محبت کی بناء پر اس کا اہتمام کرنا سعادت ہے۔

کھانے پینے کے آداب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے اشیاءِ خور و نوش کے بارے میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان فرمائے اور کھانے پینے کے آداب بھی بتلائے جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے غمل کو جو بظاہر خاصی مادی عمل ہے اور نفس حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے روحانی اور نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنادیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی گزشتہ تین قسطوں میں جو احادیث درج ہوئیں ان کا تعلق اشیاءِ خور و نوش کی حلت و حرمت سے تھا آگے وہ حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے کھانے پینے کے آداب کی تلقین فرمائی ہے۔ ان حدیثوں میں ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں کھانے پینے کے جن آداب کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے ان کا درجہ استحباب اور استحسان کا ہے اسلئے اگر اس پر عمل نہ ہو تو کوئی گناہ کی بات نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا

(۲۳۹) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ أَنَّ بَرَكَهَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ فَلَذَكْرُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ بَرَكَهَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا باعثِ برکت ہے۔ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ اور منہ کا دھونا باعثِ برکت ہے۔ (جامع ترمذی ابو داؤد)

تشریح... قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم و ہدایت اگلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ اس کی تکمیل فرمائی ہے (الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الخ) اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تورات میں آدابِ طعام کے سلسلے میں صرف کھانے

کے بعد ہاتھ دھونے کو باعث برکت بتلایا گیا تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی، رسول اللہ ﷺ کے ذریعے کھانے سے پہلے بھی ہاتھ اور منہ دھو لینے (یعنی کلی کر لینے) کی ترغیب دی گئی، اور آپ ﷺ نے بتلایا کہ یہ بھی باعث برکت ہے۔

برکت بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجتہ البالغہؒ میں اسی حدیث اور کھانے میں برکت کے سلسلہ کی بعض دوسری احادیث کا حوالہ دے کر جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کھانے میں برکت ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح حاصل ہو، کھانا رغبت اور لذت کے ساتھ کھایا جائے، طبیعت کو سیری نصیب ہو، جی خوش ہو اور دلجمعی حاصل ہو اور تھوڑی سی مقدار کافی ہو اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جزو بدن بنے اور اس کا نفع دیرپا ہو، پھر اس سے نفس کی طغیانی اور غفلت نہ پیدا ہو بلکہ شکر اور اطاعت کی توفیق ملے۔ دراصل یہ اس حقیقت کے آثار ہیں جس کو حدیث میں برکت کہا گیا ہے، اور کنز العمال میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے از شاد فرمایا کہ ”کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا دفع فقر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔“ اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ صفائی اور اصول صحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھاتے کے آلے ہیں، کھانے سے پہلے بھی ان کو دھو کر اچھی طرح ان کی صفائی کر لی جائے۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی دھو کر صاف کر لیا جائے۔^①

حضرت سلمان فارسی کی اس حدیث میں بلکہ اس سلسلہ کی اکثر دوسری حدیثوں میں بھی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے ”وضو“ کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس سے وضو مراد نہیں جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ بس ہاتھ منہ دھونا ہی مراد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ نماز کا وضو تو وہ ہے جو معلوم و معروف ہے اور کھانے کا وضو بس یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کو دھو لیا جائے اور ان کی صفائی کر لی جائے، بعض حدیثوں میں اس کی تصریح بھی ہے۔

(۲۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ غِمْرٌ لَمْ يَغْسِلْهُ فَأَصَابَهُ شَيْئٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی رات کو اس حال میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی کا اثر اور اس کی بو ہو اور اس کی وجہ سے اسے کوئی گزند پہنچ جائے (مثلاً کوئی کیڑا کاٹ لے) تو وہ بس اپنے ہی کو ملامت کرے (اور اپنی ہی غلطی اور غفلت کا نتیجہ سمجھے۔) (جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

① ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ کھانے میں ہاتھ استعمال کیا جائے مگر بالفرض ہاتھ نہ لگے مثلاً چمچے ہی سے کھایا جائے تو یہ حکم نہ ہوگا۔

تشریح اس حدیث کا مدعا اور تقاضا یہی ہے کہ کھانے کے بعد خاص کر جب ہاتھ میں چکنائی وغیرہ کا اثر ہو تو ہاتھوں کو اس طرح دھو لیا جائے کہ اس کا اثر باقی نہ رہے۔ اور چونکہ یہ صرف استحبانی حکم ہے اس لئے خود رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی عمل فرمایا جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

کھانے کے بعد صرف ہاتھ پونچھ لینا

(۲۴۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ أَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَلَمْ نَزِدْ عَلَى أَنْ مَسَحْنَا أَيْدِينَا بِالْحَصْبَاءِ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تھے کسی شخص نے آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت لا کر پیش کیا آپ ﷺ نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھایا پھر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور (اس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ بس سنگریزوں سے پونچھ لے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ بن الحارث کا مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے سے بظاہر یہی ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے اصحاب کرام نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ ﷺ نے یہی بات ظاہر کرنے کے لئے (کہ کھانے کے بعد منہ ہاتھ دھونا کوئی فرض و واجب نہیں ہے اور اس کے بغیر نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے) یہ عمل کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ امت کو رخصت اور جواز کے حدود بتلانے کے لئے بسا اوقات اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے اور معلم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ ظاہر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قریب تھا، صحابہ کرام بھی نماز کے لئے مسجد میں آچکے تھے اس وقت کوئی صاحب آپ کی خدمت میں کچھ کھانا روٹی اور گوشت لے آئے ممکن ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ حاضرین مسجد میں کچھ وہ بھی ہوں جو بھوک میں مبتلا ہوں اور ان کو کھانے کی اشتہا ہو ایسی صورت میں آپ ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ کھانا نماز سے پہلے ہی کھالیا جائے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی شریک فرمایا ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب نے پیٹ بھر کر تو کھایا نہ ہو گا تبرک کے طور پر کم و بیش کچھ حصہ لے لیا ہوگا۔ اس لئے ہاتھوں پر کھانے کا کچھ زیادہ اثر بھی نہ آیا ہوگا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد شریف میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا اگر اس وقت ہاتھ دھونا ضروری سمجھا جاتا تو لوگوں کو اپنے گھروں پر جانا پڑتا۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ ہاتھ نہ دھونے میں ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ دخل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں سنگریزوں اور کنکریوں سے ہاتھ صاف کرنے کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا اس سے یہ بھی رہنمائی ملی کہ کھانا کھا کر تولیہ یا کاغذ یا کسی بھی ایسی چیز سے ہاتھ صاف کئے جاسکتے ہیں جس سے ہاتھوں کی صفائی ہو جائے اور ایسا کرنا بھی سنت کے دائرہ ہی میں ہوگا۔

کھانے سے پہلے اللہ کو یاد کیا جائے اور اس کا نام لیا جائے

(۲۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اللَّهَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ اللہ کا نام لے (یعنی پہلے بسم اللہ پڑھے) اور اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کہہ لے ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ (مسند ابی داؤد و جامع ترمذی)

تشریح: ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لینا باعث برکت ہے اور جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحتاً وارد ہوا ہے اس نام پاک کی یہ بھی ایک خاص تاثیر ہے کہ پھر شیاطین پاس نہیں آتے اس لئے وہ کھانا جس پر اللہ کا نام لیا جائے شیاطین کی شرکت اور ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ اس تعلیم و ہدایت کا یہ بھی ایک مقصد ہے کہ بندہ کے سامنے جب کھانا آئے تو اس حقیقت کو یاد کر لے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے اور اسی کے کرم سے میں اس لائق ہوں کہ اس کو کھا سکوں اور اس سے لذت و فائدہ حاصل کر سکوں۔ اس طرح کھانے کا عمل جو بظاہر ایک خالص مادی عمل ہے اور حیوانی تقاضے سے ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتی ہے اور وہ ایک ربانی اور نورانی عمل بن جاتا ہے۔ اور چونکہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بندہ اللہ کا نام لینا اور بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے تو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں جب یاد آجائے اسی وقت بندہ کہہ لے ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ (میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں شروع میں بھی اور آخر میں بھی)

(۲۴۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَا يَذْكُرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان اپنے لئے کھانے کو جائز کر لیتا ہے (یعنی اس کے لئے کھانے میں شرکت اور حصہ داری کا امکان اور جواز پیدا ہو جاتا ہے) جبکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام شیطان کے لئے تازیانہ بلکہ گرز ہے جب کسی کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے گا اور بسم اللہ پڑھ کے کھانا شروع کیا جائے گا تو شیطان اس میں شریک نہ ہو سکے گا لیکن جب کسی کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور کھانا یونہی شروع کر دیا جائے تو پھر شیطان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اگرچہ کھانے والے کی آنکھ نہ دیکھ سکے گی مگر شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں جہاں وہ رات کو رہتا اور سوتا ہے اللہ کا نام لے کر داخل ہوتا ہے اور پھر کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے چل دو یہاں ہمارے تمہارے لئے نہ رہنے کا ٹھکانا ہے نہ کھانے کا سامان ہے۔ اور اس کے برعکس جب کوئی آدمی اپنے گھر میں آکر اللہ کا نام نہیں لیتا اور کھانے کے وقت بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنے رفیقوں سے کہتا ہے کہ آجاؤ یہاں تمہارے لئے آرام سے شب باشی کی جگہ بھی ہے اور راشن کھانا بھی۔

الغرض اللہ کا نام پاک شیطانوں کے لئے ایسی ضرب کاری ہے جس کا وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیرا آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اس ایمانی حقیقت کو ذہن میں تازہ کر لینا چاہئے کہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود اور ان کے افعال و صفات ان امور غیب میں سے ہیں جن کا علم ہم بندے اپنے طور پر اپنے حواس آنکھ کان وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے۔ خود خدا کی ذات و صفات کا حال بھی یہی ہے مؤمن کا مقام یہ ہے کہ ان تمام غیبی حقائق کے بارے میں بس اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ کے بیان پر اعتماد کرے۔

کھانا دہنے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھایا جائے

(۲۴۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِي حِجْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي

الصُّحُفَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَمِ اللَّهَ وَكُلْ بِمِمينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (بچپن میں) رسول اللہ ﷺ کی آغوش شفقت میں پرورش پا رہا تھا تو (کھانے کے وقت) میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ (کھانے سے پہلے) بسم اللہ پڑھا کر اور اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے ہی سے کھایا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ابو سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور سابقین اولین میں سے تھے ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھیں اور بڑی مخلص مؤمنہ تھیں حدیث کے راوی عمر بن ابی سلمہ انہی کے بیٹے تھے ۳۷ یا ۳۸ھ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوہ ام سلمہ سے ان کی دلداری کے لئے نکاح کر لیا ان کے یہ بیٹے عمر بن ابی سلمہ جو اس وقت کم عمر بچے تھے آپ ﷺ کی آغوش تربیت میں آگئے وہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں اس زمانہ میں جب رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھلاتے تو میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا تھا تو حضور ﷺ نے مجھے بتلایا اور سکھایا کہ بسم اللہ پڑھ کے کھانا کھایا کرو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے اور اپنے سامنے سے کھایا کرو۔ (دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامنے مختلف الانواع کھانے یا مختلف قسم کے پھل ہوں تو ہر طرف ہاتھ بڑھانے کی اجازت ہے۔)

(۲۴۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَكَلْتَ أَحَدَكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِمِمينِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِمِمينِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کچھ کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کچھ پیئے تو داہنے ہاتھ سے پیئے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: انسان اپنے ہاتھوں کو پاک و ناپاک ہر قسم کے کاموں اور چیزوں میں استعمال کرتا ہے اس لئے اس کی فطری طہارت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ نجاست و گندگی کی صفائی جیسے کاموں کے لئے ایک ہاتھ کو مخصوص کر دیا جائے اور دوسرے کاموں میں دوسرا ہاتھ استعمال ہو۔ اس فطری تقاضے کے مطابق دفع نجاست وغیرہ کے لئے بائیں ہاتھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور باقی کھانے پینے وغیرہ دوسرے سارے اچھے اور پاکیزہ کاموں کے بارے میں حکم ہے کہ وہ داہنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں۔ اور خلقی اور فطری لحاظ سے بائیں ہاتھ کے مقابلے میں داہنے ہاتھ کی فضیلت اور برتری ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ لہذا یہ حکم اور یہ تقسیم بالکل فطرت کے بھی مطابق ہے۔ اس بناء پر بائیں ہاتھ سے کھانا بالکل ایسی الٹی بات ہے کہ کوئی آدمی بجائے پاؤں کے سر کے بل چلے اسی لئے آگے درج ہونے والی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا طریقہ اور اس کا عمل ہے کیونکہ شیطان کی فطرت یہی ہے کہ ہر کام الٹا کرے۔

(۲۴۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِهَا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ اس سے پیئے۔ کیونکہ (یہ شیطانی طریقہ ہے) وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

جو تاتار کے کھانے میں زیادہ راحت ہے

(۲۴۷) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا وَضَعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوا بَعَالَكُمْ فَإِنَّهُ أَرْوَحُ لَأَقْدَامِكُمْ. (رواه الدارمی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو اپنے جوتے اتار دیا کرو اس سے تمہارے پاؤں کو زیادہ راحت ملے گی۔ (مسند دارمی)

تشریح: اس حدیث میں کھانے کے وقت جوتا اتار دینے کا حکم دیتے ہوئے اس کی جو حکمت اور مصلحت بیان فرمائی گئی ہے (کہ اس سے پاؤں کو زیادہ آرام ملے گا) اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حکم شفقت کی بناء پر دیا گیا ہے ایسا نہیں ہے کہ جوتا پہنے کھانا کوئی گناہ کی بات ہو۔

کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے

(۲۴۸) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا أُتِيَتْ بِشَرِيدٍ أَمَرَتْ بِهِ فَعُطِيَ حَتَّى تَذَهَبَ قُوْرَةُ دُخَانِهِ وَتَقُولَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ هُوَ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ. (رواه الدارمی)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب شریذ پکا کر ان کے پاس لائی جاتی تو وہ ان کے حکم سے اس وقت تک ڈھکی رہتی کہ اس کی گرمی کا جوش اور تیزی ختم ہو جاتی (اس کے بعد وہ کھائی جاتی) اور (اپنے اس طرز عمل کی سند میں) وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس طرح (کچھ ٹھنڈا کر کے) کھانا زیادہ برکت کا باعث ہوتا ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح: شریذ ایک معروف و مرغوب کھانا ہے جس کا عہد نبوی ﷺ میں زیادہ رواج تھا ایک خاص طریقہ سے گوشت کے ساتھ روٹی کے ٹکڑے پکا کر تیار کیا جاتا تھا۔ اس روایت میں اگرچہ خاص شریذ کا ذکر ہے (کیونکہ وہاں وہی زیادہ پکتا تھا) لیکن ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہر پکے ہوئے کھانے سے متعلق ہے کہ زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔ اس کو موجب برکت بتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ برکت کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ غذا کا جو مقصد ہے وہ اس طرح کھانے سے بہتر طریقہ پر حاصل ہوتا ہے۔ اصول طب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔

کنز العمال میں مختلف کتب حدیث کے حوالے سے متعدد صحابہ کرام کی روایت سے مختلف الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت روایت کی گئی ہے کہ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا جائے۔ اس میں برکت ہے۔

(کنز العمال ص ۸۰۳ ج ۸)

ساتھ کھانے میں برکت ہے

(۲۴۹) عَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُلُّ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَفْتَرُونَ؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ يَبَارِكْ لَكُمْ فِيهِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ الگ الگ

۱ یہ وہی وحشی بن حرب ہیں جنہوں نے غزوہ احد میں کفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے محب و محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد یہ ایمان لائے اور برابر اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام لے لے جو کسی درجہ میں قتل سیدنا حمزہ کی تلافی کر دے۔ وفات نبوی کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے داعی نبوت مسلمانہ کذاب کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا تو یہ بھی اس میں گئے اور یہ آرزو لے کر گئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانہ کو انہی کے ہاتھ سے قتل کر دے۔ ان کی یہ آرزو اور مراد پوری ہوئی اور مسلمانہ انہی کے نیزہ کا نشانہ بنا ان کا بیان ہے کہ یہ وہی نیزہ تھا جس سے میں نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔

کھاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں، الگ الگ کھاتے ہیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانے پر ایک ساتھ بیٹھا کرو! اور اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ کر کے (اجتماعی طور پر) کھایا کرو، پھر تمہارے واسطے اس کھانے میں برکت ہوگی (اور طبیعت کو سیری حاصل ہو جایا کرے گی)۔ (مسند ابی داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اور دو کا کھانا چار کے لئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اجتماعی طور پر کھانے کی یہ برکت جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کا ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے بشرطیکہ کھانے والوں میں ایثار کی صفت ہو، جو ہر سچے مسلمان میں ہونی چاہئے، یعنی ہر ایک یہ چاہے کہ میرے دوسرے ساتھی اچھا کھالیں اور اچھی طرح کھالیں، اگر کھانے والوں میں یہ بات نہ ہو تو پھر اس برکت کا کوئی استحقاق نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ اکثر و بیشتر تجربہ اس کے برعکس ہو۔ آگے درج ہونے والی حدیث کو بھی اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۲۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ -- وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْارْبَعَةَ وَطَعَامُ الْارْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے، ایک کا کھانا دو کیلئے کافی ہو جاتا ہے، اور دو کا کھانا چار کیلئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

کتب حدیث میں اس مضمون کی حدیثیں اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

تشریح: کنز العمال میں معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے **فاحتسبوا علیہ ولا تفرقوا** (ابداً تم کو چاہیئے کہ الگ الگ نہ کھایا کرو، بلکہ جڑ کے ساتھ کھایا کرو)۔

اس اضافہ سے معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ”ایک کا کھانا دو کے لئے اور دو کا چار کے لئے اور چار کا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔“ ان کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے کہ لوگ اجتماعی طور پر ایک ساتھ کھایا کریں اور اس کی برکت سے فائدہ اٹھائیں لیکن شرط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

کھانا برتن کے اطراف اور کناروں سے کھایا جائے، بیچ میں ہاتھ نہ ڈالا جائے

(۲۵۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ أَتَى بِقُضْعَةٍ مِنْ ثَرِيدٍ فَقَالَ كُلُّوا مِنْ جَوَابِهَا وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسْطِهَا فَإِنَّ الْبَرَكَهَ تَنْزِلُ فِي وَسْطِهَا. (رواه الترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ثرید سے بھری ہوئی ایک لگن آئی، آپ ﷺ نے (لوگوں کو اس میں شریک فرمایا اور فرمایا کہ اس کے اطراف سے کھاؤ

اور بیچ میں ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں شریذ آنے کا مذکورہ بالا ذکر کئے بغیر رسول اللہ ﷺ کا صرف یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے:

إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَأْكُلُ مِنْ أَعْلَى الصُّحْفَةِ وَلَكِنْ يَأْكُلُ مِنْ أَسْفَلِهَا فَإِنَّ الْبَرَكَهَ تَنْزِلُ مِنْ أَعْلَاهَا.

جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہئے کہ طبق کے بالائی حصہ سے (یعنی بیچ سے) نہ کھائے بلکہ نیچے والے حصہ سے (یعنی کنارہ سے) کھائے کیونکہ برکت بالائی حصہ سے اترتی ہے۔

تشریح ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ برکت دراصل ایک امر الہی ہے رسول اللہ ﷺ کو اس کا ادراک ہوتا تھا اور آپ ﷺ محسوس فرماتے تھے کہ برکت براہ راست کھانے کے وسط میں نازل ہوتی ہے اور پھر اس کے اثرات اطراف و جوانب کی طرف آتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کھانے والے برتن کے کناروں سے کھاتے رہیں بیچ میں ہاتھ نہ ڈالیں۔ کھانے وغیرہ میں برکتیں نازل ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون وہی ہے جو پہلے تھا لیکن یقین اور استحقاق شرط ہے۔

جو کھانا انگلیوں میں یا برتن میں لگا رہ جائے اس کی بھی قدر کی جائے

(۲۵۲) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِلَفْعِ الْأَصَابِعِ وَالصُّحْفَةِ وَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تَذَرُونَ فِي آيَةِ الْبَرَكَهَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ (کھانے کے بعد) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن کو بھی صاف کر لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کس ذرہ اور کس جز میں برکت کا خاص اثر ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کھانا عطیہ خداوندی ہے اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کی جائے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس جز میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت اور خصوصی نافعیت رکھی ہے اس لئے کھانے کے جو اجزاء انگلیوں پر لگے رہ جائیں ان کو چاٹ کر صاف کر لیا جائے۔ اسی طرح جو کچھ برتن میں لگا رہ جائے اس کو بھی اللہ کا رزق سمجھ کر صاف کر لیا جائے۔ اس میں اللہ کے رزق کی قدر دانی بھی ہے اور رب کریم کے سامنے اپنے عمل سے اپنی محتاجی کا اظہار بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرِ فَقِیْرٍ

پروردگار! تو جو کچھ مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔

(۲۵۳) عَنْ نُبَيْشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ أَكَلَ فِي قُضْعَةٍ فَلَحِسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقُضْعَةُ. (رواہ احمد والترمذی والدارمی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت نبیہ ہذلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی قصعہ (طباق یا لگن) میں کھائے اور اس کو بالکل صاف کر دے (کہ اس میں کچھ لگانہ جائے) تو وہ قصعہ اس آدمی کے حق میں مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ (مسند احمد جامع ترمذی سنن ابن ماجہ مسند دارمی)

گرا ہوا لقمہ بھی اٹھا کر کھا لیا جائے

(۲۵۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ أَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهِ حَتَّى يَحْضُرَهُ عِنْدَ طَعَامِهِ فَإِذَا سَقَطَتْ مِنْ أَحَدِكُمُ اللَّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَدَى ثُمَّ لِيَا كُلَّهَا وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ فَإِذَا فَرَعَ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَذَرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ يَكُونُ الْبَرَكَةُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ: ”تمہارے ہر کام کے وقت، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی، شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ رہتا ہے، لہذا جب (کھانا کھاتے وقت) کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اسے چاہئے کہ اس کو صاف کر کے کھالے اور شیطان کے لئے چھوڑ نہ دے۔ پھر جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جز میں خاص برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری حصہ میں تو کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ کر صاف کر لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس کے بارے میں ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ اور ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کھاتے وقت کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو مستغنی اور متکبر لوگوں کی طرح نہ چھوڑ دے بلکہ ضرورت مند اور قدر دان بندہ کی طرح اس کو اٹھالے اور اگر نیچے گر جانے کی وجہ سے اس پر کچھ لگ گیا ہو تو صاف کر کے اس لقمہ کو کھالے۔ اس میں مزید یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بھی شیطان ساتھ ہوتا ہے اگر گرا ہوا لقمہ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ شیطان کے حصہ میں آئے گا۔

کھانے میں شیطانی تصرفات، یہ حقیقت ہے یا مجاز؟

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے فرشتے اور شیاطین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جو یقیناً اکثر اوقات میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم سے بتلایا ہے اور وہ بالکل حق ہے اور آپ ﷺ کو کبھی کبھی ان کا اس طرح مشاہدہ بھی ہوتا تھا جس طرح ہم اس دنیا کی مادی چیزوں کو دیکھتے ہیں (جیسا کہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے) اس لئے ایسی حدیثوں کو جن میں مثلاً کھانے کے وقت شیاطین کے ساتھ ہونے اور کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس میں شیاطین کے شریک ہو جانے یا گرے ہوئے لقمہ کا شیطان کا حصہ ہو جانے کا ذکر ہے تو ان حدیثوں کو مجاز پر محمول کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک دن ہمارے ایک دوست (شاگرد یا مرید) ہمارے ہاں

آئے ان کے لئے کھانا لایا گیا، وہ کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک ٹکڑا گر گیا اور لڑھک کر زمین میں چلا گیا، انہوں نے اس کو اٹھالینے کی کوشش کی اور اس کا پیچھا کیا مگر وہ ان سے اور دور ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ جو لوگ وہاں موجود تھے (اور اس تماشے کو دیکھ رہے تھے) انہیں اس پر تعجب ہوا، اور وہ صاحب جو کھانا کھا رہے تھے انہوں نے جدوجہد کر کے (آخر کار) اس کو پکڑ لیا اور اپنا نوالہ بنالیا۔ چند روز کے بعد کسی آدمی پر ایک جنی شیطان مسلط ہو گیا اور اس آدمی کی زبان سے باتیں کیں اور (ہمارے اس مہمان دوست کا نام لے کر) یہ بھی کہا کہ فلاں آدمی کھانا کھا رہا تھا، میں اس کے پاس پہنچا، مجھے اس کا کھانا بہت اچھا معلوم ہوا مگر اس نے مجھے نہیں کھلایا۔ تو میں نے اُس کے ہاتھ سے اُچک لیا (اور گرا دیا) لیکن اُس نے مجھ سے پھر چھین لیا۔

اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ اپنے گھر ہی کا شاہ صاحب نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دفعہ ہمارے گھر کے کچھ لوگ گاجریں کھا رہے تھے۔ ایک گاجران میں سے گر گئی ایک آدمی اس پر جھپٹا اور اس نے جلدی سے اٹھا کر اس کو کھالیا، تھوڑی ہی دیر بعد اس کے پیٹ اور سینہ میں سخت درد اٹھا، پھر اس پر شیطان یعنی جن کا اثر ہو گیا تو اس نے اس آدمی کی زبان میں بتایا کہ اس آدمی نے میری گاجرا اٹھا کر کھالی تھی۔

یہ واقعات بیان فرمانے کے بعد شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ:

اس طرح کے واقعات ہم نے بکثرت سنے بھی ہیں اور ان سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ احادیث (جن میں کھانے پینے کے سلسلہ میں شیاطین کی شرکت اور ان کے افعال و تصرفات کا ذکر آیا ہے) مجاز کے قبیلہ سے نہیں ہیں بلکہ جو کچھ بتلایا گیا ہے وہی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر کھانے میں مکھی گر جائے

(۲۵۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءٍ أَحَدِكُمْ فَاْمُقْلُوهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءٌ وَفِي الْآخَرِ شِفَاءٌ فَإِنَّهُ يَتَّقِي بِجَنَاحِهِ الذِّئِي فِيهِ الدَّاءُ فَلْيَغْمِسْهُ كُفْلَهُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کے کھانے پینے کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر نکال دو، کیونکہ اس کے دو بازوؤں میں سے ایک میں بیماری (پیدا کرنے والا مادہ) ہوتا ہے اور دوسرے میں (اس بیماری کے اثر کو) دفع کر کے شفا دینے والا مادہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے اس بازو سے جس میں بیماری والا مادہ ہوتا ہے بچاؤ کرتی ہے، (یعنی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اس کے بل گرتی ہے اور دوسرے بازو کو بچانا چاہتی ہے) تو کھانے والے کو چاہئے کہ مکھی کو غوطہ دے کر نکال دے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: یہ ان حدیثوں میں سے ہے جو اس زمانے میں بہت سے لوگوں کے لئے ایمان کی آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں، حالانکہ اگر فطرت کے اسرار و حکمت کے اصولوں اور تجربوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلاف قیاس یا مستبعد ہو، بلکہ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ دراصل حکمت ہی کی

بات ہے۔

یہ ایک معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ بہت سے دوسرے حشرات الارض کی طرح مکھی میں بھی ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کے اندر جو خراب اور زہریلے مادے پیدا ہوتے ہیں طبیعت مدبرہ ان کو خارجی اعضاء کی طرف پھینک دیتی ہے۔ اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اندر کے اس طرح کے فاسد مادہ کو اس کی طبیعت اس کے بازو کی طرف پھینک دیتی ہو، کیونکہ وہی اس کا خارجی عضو ہے اور دونوں بازوؤں میں سے بھی خاص اس بازو کی طرف پھینکتی ہو جو نسبتاً کمزور اور کم کام دینے والا ہو، (جس طرح ہمارے داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں بائیں ہاتھ)۔

اور ہر جانور کی یہ بھی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ زیادہ کام آنے والے اعلیٰ و اشرف عضو کو اس سے بچانے کی کوشش کرے، اس لئے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مکھی جب گرے تو اس بازو کو بچانے کی کوشش کرے جو خراب مادہ سے محفوظ اور نسبتاً اشرف ہو۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی مخلوق کے احوال اور ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عجائبات پر غور کیا ہے۔ انہوں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جہاں بیماری کا سامان ہے وہیں اس کے علاج کا بھی سامان ہے۔ اس لئے یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اگر ایک بازو میں کوئی مضر اور زہریلا مادہ تو دوسرے بازو میں اس کا تریاق اور شفاء کا مادہ ہو۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم بالکل اصول حکمت کے مطابق ہے۔ بلکہ دراصل آپ کی اس ہدایت کا تعلق دوسری بہت سی ہدایات کی طرح تحفظ صحت کے باب سے ہے، اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے وہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنا معصیت کی بات ہو، بلکہ ایک طرح کی طبی رہنمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ان سطور میں حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ بھی بنیادی طور پر ”حجتہ اللہ البالغہ“ ہی سے ماخوذ ہے)۔

کھانے کے معاملہ میں حضور ﷺ کی شان بندگی

(۲۵۶) عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا أَكُلُ مُتَكَبِّرًا. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر یا کسی چیز کے سہارے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ٹیک لگا کر یا بلا ضرورت کسی چیز کا سہارا لے کر کھانے کے لئے بیٹھنا متکبرانہ طریقہ ہے، حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ میں متکبرین کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور اس کو پسند نہیں کرتا، میں اللہ کا بندہ ہوں اور کھانا بھی اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہئے۔

کنز العمال میں مسند ابو یعلیٰ اور ابن سعد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

اَكْلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَاجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ.

میں ایک غلام اور بندہ کی طرح کھاتا ہوں اور غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔

قریب قریب یہی مضمون دیگر صحابہ کرام کی روایات کا بھی ہے۔ ان سب احادیث و روایات کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھانے کے لئے ایک عاجز بندہ کی طرح بیٹھتے تھے، متکبرین کی طرح نہیں بیٹھتے تھے، اور یہی آپ ﷺ کی تعلیم تھی۔ اور جو بندہ کھانے کے وقت اس حقیقت سے غافل نہ ہوگا کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور (اس کا عطیہ ہے اور وہ رب کریم حاضر و ناظر ہے اور میں اس کے سامنے اس کی نگاہ میں ہوں، وہ کبھی متکبروں کی طرح نہیں بیٹھے گا اور متکبروں کی طرح نہیں کھائے گا۔

(۲۵۷) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكْرٍ جَهٍ وَلَا خُبْزَلُهُ مَرْفُوقٌ..... قِيلَ لِقَتَادَةَ عَلَى مَا يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى السُّفْرِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت قتادہ نے رسول اللہ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خِوَان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی طشتری یا پیالی میں کھایا اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ سے پوچھا گیا تو پھر (رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام) کس چیز پر کھانا کھاتے تھے، تو انہوں نے کہا کہ دَستَرِ خِوَان پر۔ (صحیح بخاری)

تشریح: خِوَان (جس کا ترجمہ خِوَان کیا گیا ہے) ایک چوکی یا نیچی قسم کی میز ہوتی تھی جو کھانے ہی میں استعمال ہوتی تھی، بڑے لوگ (متر فین) اسی پر کھانا کھاتے تھے اور نیچے فرش پر دَستَرِ خِوَان بچھا کر کھانے کو بڑائی اور امارت کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح امیر لوگوں کے دَستَرِ خِوَان پر سکر جہ یعنی چھوٹی چھوٹی طشتریاں اور پیالیاں ہوتی تھیں۔ خود صحابہ کرام کے آخری دور میں یہ چیزیں خود مسلمان گھرانوں میں بہت عام ہو گئی تھیں۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب و مدعا بھی بس یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کھانے میں نہایت سادگی اور بندگی کی شان ہوتی تھی نہ آپ ﷺ نے کبھی خِوَان پر کھانا کھایا نہ چھوٹی طشتریوں اور پیالیوں میں کھایا نہ کبھی خاص طور سے آپ ﷺ کے لئے گھر میں چپاتیاں بنائی گئیں۔ اس سلسلہ معارف الحدیث کی دوسری جلد ”کتاب الرقاق“ میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی معیشت کس قدر سادہ اور غریبانہ بلکہ فقیرانہ تھی۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت

(۲۵۸) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ فِي إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح: سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا دراصل اپنی دولت مندی اور سرمایہ داری کی بے جا نمائش اور ایک طرح کا استکبار ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور صحیحین کی ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ جو شخص سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے تو گویا وہ جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں داخل کر رہا ہے۔ اللہم احفظنا۔

آنحضرت ﷺ کسی کھانے کو برا نہیں بتاتے تھے

(۲۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ إِنْ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اس میں یہ خرابی یا یہ عیب اور نقص ہے) اگر مرغوب ہوا تو تناول فرمایا اور نا مرغوب ہوا تو نہ کھایا چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آپ ﷺ کو کھانے میں کیا چیزیں مرغوب تھیں

(۲۶۰) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ خِيَاطًا دَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِيَطْعَامَ صَنَعَهُ فَذَهَبَتْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَاءٌ وَقَدِيدٌ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَبَعُ الدُّبَاءَ مِنْ حَوَالِي الْقَصْعَةِ فَلَمْ أَزَلْ أَحِبُّ الدُّبَاءَ بَعْدَ يَوْمَيْهِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر مدعو کیا جو اس نے تیار کیا تھا تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلا گیا (غالباً خادم کی حیثیت سے ان کو بھی مدعو کیا گیا ہوگا) تو اس نے جو کی روٹی اور شور با حاضر کیا جس میں لوکی کے قتلے تھے اور سکھائے ہوئے گوشت کی بوٹیاں تھیں، میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ لوکی کے قتلے پیالے کی اطراف سے چن چن کر تناول فرماتے ہیں، تو اس دن سے لوکی مجھے بھی مرغوب اور محبوب ہو گئی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۶۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْكُلُ الرُّطْبَ بِالْقَنَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کچی تر کھجوریں کھیرے کے ساتھ تناول فرماتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۶۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْكُلُ الْبَطِيخَ بِالرُّطْبِ وَيَقُولُ يُكْسِرُ حَرُّ هَذَا بَرْدَ هَذَا

وَبَرْدُ هَذَا يَحْرِ هَذَا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خربوزہ اور کچی تر کھجوریں ایک ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کھجوروں کی گرمی کا توڑ اس خربوزہ کی ٹھنڈک سے ہو جاتا ہے اور خربوزہ کی ٹھنڈک کا توڑ کھجوروں کی گرمی سے ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۶۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الثَّرِيدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيدُ مِنَ الْحِجْسِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو روٹی (اور گوشت کے شوربے) سے بنی ہوئی ترید اور میدہ والی ترید (یعنی روٹی، کھجور اور گھی کا میدہ یہ دونوں چیزیں زیادہ مرغوب تھیں۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُحِبُّ الْحُلُوءَ وَالْعَسَلَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ”حلوا“ عربی میں ہر میٹھی چیز اور میٹھے کھانے کو کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول ﷺ کو ہر میٹھی چیز اور خاص کر شہد مرغوب تھا۔

کھانے کے بعد اللہ کی حمد اور اس کا شکر

(۲۶۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيُحْمَدُهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيُحْمَدُهُ عَلَيْهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے اس عمل سے بڑا خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے اور اس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے یا کچھ پیئے اور اس پر اس کی حمد اور شکر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

(۲۶۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا فَرَّغَ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ

ساری حمد و ستائش اس اللہ پاک کیلئے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔ (سنن ابی داؤد جامع ترمذی)

تشریح: جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کھانے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں اللہ کی حمد اور اس کا شکر کھانے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل اور ایک بشری تقاضا ہے، نورانی اور روحانی بنادیتا ہے اور اس پر

خدا پرستی اور عبادت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔

اسی سلسلہ معارف الحدیث کی جلد پنجم میں کھانے سے فراغت کے بعد کی وہ متعدد دعائیں درج کی جا چکی ہیں جو کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ اس لئے یہاں صرف ایک ہی دعا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پینے کے آداب

ایک سانس میں نہ پیا جائے

(۲۶۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشْرَبِ الْبَعِيرِ وَلَكِنْ اشْرَبُوا مِثْنِي وَتِلْكَ وَسَمُّوْا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو بلکہ دو دو یا تین تین سانس میں پیا کرو اور جب تم پینے لگو تو بسم اللہ پڑھ کے پیو اور جب پی چکو اور برتن منہ سے ہٹاؤ تو اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرو۔ (صحیح بخاری)

(۲۶۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلَاثًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پینے میں تین دفعہ سانس لیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اس طرح درمیان میں سانس لے لے کر پینے سے زیادہ سیرابی حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لئے زیادہ خوشگوار ہے۔)

تشریح: اس حدیث میں سانس توڑ توڑ کے پینے کی جو حکمت بیان فرمائی گئی ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حکم طبی مصلحت کی بناء پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک سانس میں پینا کوئی گناہ ہو، ہاں وہ ناپسندیدہ اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم

پینے کے برتن میں نہ سانس لیا جائے نہ پھونکا جائے

(۲۶۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيهِ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پینے کے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد و ابن ماجہ)

تشریح: بعض لوگ برتن سے پانی پیتے پیتے اسی میں سانس لیتے ہیں اس حدیث میں اس سے بھی منع فرمایا گیا ہے، اور اس کی بھی ممانعت کی گئی ہے کہ برتن میں پھونک ماری جائے ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ اور تہذیب و سلیقہ کے خلاف ہیں اور صحت کے لئے بھی مضر ہیں۔

کھڑے کھڑے پینے کی ممانعت

(۲۷۰) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے کھڑے پینے سے منع فرمایا۔

(صحیح بخاری)

تشریح: بعض اور حدیثوں میں بھی کھڑے ہونے کی حالت میں پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کو کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پانی پیتے دیکھا ہے۔ اس سلسلہ کی مختلف احادیث و روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں پینا پسندیدہ نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بیٹھ کر ہی پینے کا تھا، لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پیا ہے تو یا تو اس وقت اس کا کوئی خاص سبب ہو گیا آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے کیا ہو گا۔ کچھ ہی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جائز یہ بھی ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے، افضل و ادنیٰ کے خلاف بھی عمل کر لیتے تھے اور چونکہ تعلیم کی نیت سے کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ کے حق میں اس وقت یہی اولیٰ و افضل ہوتا تھا۔ واللہ اعلم

لباس کے احکام و آداب

اس باب کی تعلیمات کی اساس و بنیاد

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور کھانے پینے وغیرہ زندگی کے سارے معمولات کے بارے میں احکام و آداب کی تعلیم دی اور بتلایا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ صحیح ہے اور یہ غلط، یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے واضح ہدایات دیں۔

اس باب میں آپ کی تعلیمات و ہدایات کی اساس و بنیاد سورہ اعراف کی یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا آدَمُ قُلْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَٰوَاتِكُمْ وَرِيشًا ۚ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۗ

(الاعراف، ع. ۳۰)

اے فرزند آدم ہم نے تم کو پہننے کے کپڑے عطا کئے جن سے تمہاری ستر پوشی ہو اور تجمل و آسائش کا سامان اور تقویٰ والا لباس تو سر اسر خیر اور بھلائی ہے۔

اس آیت میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہئے اور دوسرے زینت و آرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی

بھلا اور آراستہ معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے: ”وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ“ یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو، اس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو بلکہ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔ ایسا ہر لباس بلاشبہ سراسر خیر و نعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قرب الہی کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ کے ارشادات اور ذاتی معمولات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو اور دیکھنے میں آدمی باجمال اور باوقار معلوم ہو۔ نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ہی ایسا گندہ اور بے تکا ہو کہ بجائے زیب و زینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے اور دیکھنے والوں کے دلوں میں تنفر و توحش پیدا ہو۔ اسی طرح یہ کہ آرائش و تخیل کے لئے افراط اور بے جا اسراف بھی نہ ہو۔ علی ہذا شان و شوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار و تفاخر بھی مقصود نہ ہو۔ جو مقام عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم نہ کریں۔

اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جن بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا نہیں چاہئے کہ اس طرح رہیں اور ایسا لباس پہنیں جس سے محسوس ہو کہ ان پر ان کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کا ایک شعبہ ہے لیکن بے جا تکلف و اسراف سے پرہیز کریں، اسی کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ غریب و نادار بندوں کی دل شکنی اور ان کے مقابلہ میں تفوق و بالا تری کی نمائش نہ ہو۔

نیز یہ کہ ہر لباس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھیں اور اس کے شکر کے ساتھ استعمال کریں۔ بلاشبہ ان احکام و ہدایات کی تعمیل کے ساتھ ہر لباس کا استعمال ایک طرح کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہوگا۔
اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:

لباسِ نعمتِ خداوندی اور اس کا مقصد

(۲۷۱) عَنْ أَبِي مَطَرٍ أَنَّ عَلِيًّا اشْتَرَى ثَوْبًا بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبَسَهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَزَقَنِي مِنَ الرِّيَاسِ مَا أَتَجَمَّلُ بِهِ فِي النَّاسِ أَوْ أَرَىٰ بِهِ عَوْرَتِي ثُمَّ قَالَ هَكَذَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ. (رواہ احمد)

ترجمہ: ابو مطر تابعی سے روایت ہے کہ سر۔۔۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا اور جب اسے پہنا تو کہا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَزَقَنِي مِنَ الرِّيشِ مَا اتَّجَمَلُ بِهِ فِي النَّاسِ أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي.

حمد و شکر ہے اس اللہ کے لئے جس نے مجھے یہ لباسِ زینت عطا فرمایا جس سے میں لوگوں میں آرائش حاصل کرتا ہوں اور اپنی ستر پوشی کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ (کیڑا پہن کر) اسی طرح ان ہی الفاظ میں اللہ کی حمد و شکر کرتے تھے۔ (مسند احمد)

تشریح جامع ترمذی میں قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ان دونوں حدیثوں سے اور ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث سے معلوم ہوا کہ لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس کا اصل مقصد ستر پوشی اور تجمل و آرائش ہے۔

بے پردہ اور بے ڈھنگے لباس کی ممانعت

(۲۷۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ أَوْ أَنْ يَمْشِيَ فِي نَحْلٍ وَاحِدَةٍ وَأَنْ يَشْتَمَلَ الصَّمَاءَ أَوْ يَحْتَبِيَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کیڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے اس طرح کہ اس کا ستر کھلا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح عربوں میں کیڑے کے استعمال کے بعض طریقے رائج تھے اور ان کے لئے ان کی زبان میں بعض مخصوص الفاظ تھے مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی کہ ہر طرف سے بند ہو گئے اور اس طرح بندھ گئے کہ ہاتھ بھی باہر نہیں نکل سکتا اس کو "اَشْتَمَلَ صَمَاءً" کہا جاتا تھا اس حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے اور آدمی اس میں ہر طرف سے بندھ جاتا ہے اور مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی سر تینیں زمین پر رکھ کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کیڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا اس میں ستر پوشی بھی نہ ہوتی (کیونکہ اسفل کھلا رہ جاتا) اس کو "اِحْتَسَاءً" کہتے تھے اس سے بھی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو ظاہر ہے وہ معذور ہوگا۔

عورتوں کیلئے زیادہ باریک لباس کی ممانعت

(۲۷۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رَفَاقٌ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَنْ يَصْلَحَ أَنْ يَرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا وَهَذَا وَأَشَارًا إِلَى وَجْهِهِ وَكَفِّهِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ (سنن ابی داؤد)

ترجمہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے۔ ہاں چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے، یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں۔ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لئے ستر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ حجاب (پردہ) کا حکم اس سے الگ ہے اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ گھومیں اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں۔ ستر اور حجاب شریعت کے دو حکم ہیں اور ان کے حدود الگ الگ ہیں، بعض حضرات کو ان میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ کے حضور ﷺ کے سامنے آنے کے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ اس طرح آپ ﷺ کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ نے موطا میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبد الرحمن بن ابی بکر ان کے پاس آئیں اور وہ زیادہ باریک اوڑھنی (خمار) اوڑھے ہوئے تھیں، تو حضرت صدیقہ نے اس کو اتار کے پھاڑ دیا اور موٹے کپڑے کی خمار اوڑھادی۔ ظاہر ہے حضرت صدیقہؓ کا یہ فعل رسول اللہ ﷺ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔

عورتوں کے لئے باریک کپڑا بھی جائز ہے بشرطیکہ

(۲۷۴) عَنْ دَحِيَّةَ بْنِ خَلِيفَةَ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ بِقَبَاطِيٍّ فَأَعْطَانِي مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ إِصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَأَقْطَعْ أَخْذَهُمَا فَمِصًّا وَأَعْطِ الْآخَرَ أَمْرَاتِكَ تُخَمِّرُهُ فَلَمَّا أَذْبَرَ قَالَ وَأَمْرُ أَمْرَاتِكَ أَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهُ ثَوْبًا لَا يَصْفُهَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قبطنی چادریں آئیں تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لینا ایک ٹکڑے کا تو اپنے لئے کرتہ بنالینا اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا وہ اس کو خمار (اوڑھنی) کے طور پر استعمال کر لے گی۔ پھر جب دحیہ اٹھ کر جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ وہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگالے تاکہ دکھائی نہ دیں اس کے بال اور جسم وغیرہ۔ (سنن ابی داؤد)

ترجمہ: قبطنی سفید رنگ کی باریک بڑھیا قسم کی چادریں ہوتی تھیں جو عہد نبوی ﷺ میں مصر سے آتی تھیں، ایک دفعہ کہیں سے وہ چادریں حضور ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک حضرت دحیہ کلبی کو بھی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے تو اپنا پیرا بن (کرتہ) بنالینا اور دوسرا

نکڑا اپنی بیوی کو دے دینا وہ خمار کے طور پر استعمال کر لے گی، اور چونکہ وہ باریک تھا اس لئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ بیوی سے کہہ دینا کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ جسم اور بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو باریک کپڑے پہننے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ اس کے نیچے دوسرا کپڑا ہو جس کے بعد جسم اور سر کے بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔

لباس میں تفاخر اور نمائش کی ممانعت

(۲۷۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: حدیث میں ”ثوب شہرت“ سے مراد وہ لباس ہے جو اپنی شان و شوکت کی نمائش کے لئے اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے پہنا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو لوگوں کی نظروں میں علامہ یا بڑا مقدس بزرگ بننے کے لئے اس طرح کا خاص لباس تقدس پہنیں یا اپنی فقیری و درویشی کی نمائش کے لئے ایسے کپڑے پہنیں جن سے لوگ ان کو پہنچا ہوا فقیر و درویش سمجھیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا تعلق آدمی کے دل اور اس کی نیت سے ہے ایک ہی کپڑا اگر نمود و نمائش کے لئے اور اپنی بڑائی کے مظاہرہ کے لئے پہنا جائے تو گناہ اور اس حدیث کا مصداق ہو گا اور وہی کپڑا اگر اس نیت کے بغیر پہنا جائے تو جائز اور بعض صورتوں میں موجب اجر و ثواب ہو گا۔ اور چونکہ ہم بندوں کو کسی کی نیت اور دل کا حال معلوم نہیں اس لئے ہمارے لئے جائز نہ ہو گا کہ کسی کے لباس کو نمود و نمائش اور ریاکاری کا لباس قرار دے کر اس پر اعتراض کریں ہاں اپنے دل اپنی نیت اور اپنے لباس کا محاسبہ کرتے رہیں۔ یہی اس حدیث کا پیغام ہے۔

متکبرانہ لباس کی ممانعت اور سخت وعید

عہد نبوی ﷺ میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھر اہٹ کی نمائش کرتے، گویا اپنے دل کے استکبار اور احساس بالاتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ اور اس وجہ سے متکبرین کا یہ خاص فیشن بن گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اور نہایت سنگین وعیدیں اسکے بارے میں سنائیں۔

(۲۷۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ

إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر زیادہ نیچا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(۲۷۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكُعْبَيْنِ وَمَا أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ قَالَ ذَلِكَ لَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزْرَةً بَطْرًا۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ مؤمن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولی صورت) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) (راوی کہتے ہیں کہ) یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو ازار اور فخر و تکبر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

تشریح: ان حدیثوں میں فخر و غرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو یہ سخت وعید سنائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے دن اس میں جبکہ ہر بندہ اپنے رب کریم کی نگاہ رحم و کرم کا محتاج اور آرزو مند ہو گا وہ اس کی نگاہ رحمت سے محروم رہیں گے اللہ تعالیٰ اس دن ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دے گا انکی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس محرومی اور بدبختی کا۔ اللہم احفظنا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے اولی اور بہتر یہ ہے کہ تہبند (اور اسی طرح پاجامہ) نصف ساق تک ہو اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے نیچے جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ لیکن یہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا محرک اور باعث استکبار اور فخر و غرور کا جذبہ ہو آگے درج ہونے والی حدیث میں یہ بات بہت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲۷۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا رَأَى يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ اتَّعَاهَدَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ مِّمَّنْ يَفْعَلُهُ خِيَلَاءَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی فخر و تکبر کے طور پر اپنا کپڑا زیادہ نیچا کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہیں کرے گا (حضرت عبد اللہ بن عمر راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) حضرت ابو بکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ

میرا تہبند اگر میں اس کا خیال نہ رکھوں تو نیچے لٹک جاتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو فخر و غرور کے جذبہ سے ایسا کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کا تہبند یا جامہ بے خیالی کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے ہو جائے تو یہ گناہ کی بات نہیں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر ٹخنوں سے نیچا تہبند یا جامہ تقا خرو استکبار کے جذبہ سے ہو تو حرام ہے اور اسی پر جہنم کی وعید ہے اور اگر صرف عادت اور فیشن کی بناء پر ہے تو مکروہ ہے اور اگر نادانستہ بے خیالی اور بے توجہی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ اور عتاب نہیں، معاف ہے۔

مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی ممانعت اور عورتوں کو اجازت

(۲۷۹) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَحَلَّ اللَّهُ الْهَبَّ وَالْحَرِيرَ لِلْإِثْمَانِ مِنْ أُمَّتِي وَحَرَّمَ عَلَى ذُكُورِهِمَا. (رواه الترمذی والنسائی)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونا اور ریشمی کپڑے کا استعمال میری امت کی عورتوں کے لئے حلال اور جائز ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔

(جامع ترمذی)

تشریح دوسری حدیث سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مردوں کے لئے وہ کپڑا حرام و ناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو، اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح ایسا کپڑا بھی مردوں کے لئے جائز ہے جو ریشمی نہ ہو، لیکن اس پر نقش و نگار ریشم سے بنائے گئے ہوں یا دو چار انگل کا ریشمی حاشیہ ہو۔

مردوں کے لئے شوخ سرخ رنگ کی ممانعت

(۲۸۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے ایک آدمی گزرا اور وہ دونوں کپڑے سرخ رنگ کے پہنے ہوئے تھا، اس نے حضور ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح شارحین نے لکھا ہے کہ ان صاحب کے کپڑے شوخ سرخ رنگ کے تھے جو کہ مردوں کے لئے زیبا نہیں اور سلام کا جواب نہ دینا اس پر حضور ﷺ کا عتاب تھا، اسی حدیث کی بناء پر مردوں کے لئے شوخ سرخ رنگ کے لباس کو بعض علماء نے حرام کہا ہے اور بعض نے مکروہ۔ بہر حال حضور ﷺ کی طرف سے سلام کا جواب نہ دیا جانا آپ ﷺ کی سخت ناراضی و ناگواری کی کھلی دلیل ہے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ

و غَضِبَ رَسُولُهُ

مردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس و ہیئت کی ممانعت

(۲۸۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی ان کی ہی شکل و ہیئت ان کا سالباس اور ان کا انداز اپنائیں) اور ان عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔ (یعنی ان کی ہی شکل و ہیئت بنائیں) ان کا سالباس اور طرز و انداز اختیار کریں۔ (صحیح بخاری)

تشریح: اس حدیث میں خصوصیت سے لباس کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق تشبہ پر لعنت فرمائی گئی ہے لیکن تشبہ کی بہت نمایاں صورت یہی ہے کہ مرد زنانہ لباس پہن کر اور عورتیں مردانہ لباس اپنا کر اپنی فطرت کے تقاضوں سے بغاوت کریں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں خصوصیت کے ساتھ لباس کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے:

(۲۸۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس پہنیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنیں۔ (سنن ابی داؤد)

مردوں کے لئے سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسندیدہ

(۲۸۳) عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَلْبَسُوا الْبَيْضَ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ. (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو، وہ زیادہ پاک صاف اور نفیس ہوتے ہیں اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ (مسند احمد جامع ترمذی سنن نسائی سنن ابن ماجہ)

(۲۸۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَحْسَنَ مَا زُرْتُمْ اللَّهَ فِي قُبُورِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمْ الْبَيَاضُ. (رواه ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اچھا رنگ جس میں تم اپنی قبروں اور مسجدوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو خالص سفید رنگ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: یعنی بہتر یہ ہے کہ مرنے کے بعد قبروں میں اللہ کے حضور میں حاضری ہو تو سفید کفن میں ہو،

اور مساجد میں جو اس دنیا میں اللہ کے دربار میں (حاضری ہو تو سفید کپڑوں میں ہو۔ لیکن دوسری بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بسا اوقات مختلف رنگ کے کپڑے بھی پہنتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے سبز یا بلکے نیلے رنگ کے کپڑے پہننا بھی ثابت ہے، اسی طرح زرد رنگ کے بھی، نیز سرخ دھاری دار چادر اوڑھنا اور سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمانا بھی ثابت ہے۔ اس لئے مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں سفید رنگ کے کپڑوں کے استعمال کی جو ترغیب دی گئی ہے اس کا درجہ بس ترغیب ہی کا ہے اور اس کا تعلق صرف مردوں سے ہے، عورتوں کے لئے رنگین لباس ہی زیادہ پسند فرمایا گیا ہے ازواج مطہرات کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اللہ نصیب فرمائے تو پچھتے حال رہنا ٹھیک نہیں

(۲۸۵) عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَلَى ثَوْبٍ ذُوْنُ لَبٍّ لِي أَلَكْ مَالٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللَّهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالنَّعَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا فَلْيُرَى أَثَرُ نِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ. (رواه احمد والنسائي)

ترجمہ: ابوالاخوص تابعی اپنے والد (مالک بن فضالہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں بہت معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں (اللہ کا فضل ہے) آپ ﷺ نے پوچھا کہ کس نوع کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے اونٹ بھی ہیں، گائے بیل بھی ہیں، بھیڑ بکریاں بھی ہیں، گھوڑے بھی ہیں، غلام باندیاں بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ نے تم کو مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کے انعام و احسان اور اس کے فضل و کرم کا اثر تمہارے اوپر نظر آنا چاہئے۔ (مسند احمد، مسند نسائی)

(۲۸۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُرَى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب اور پسند ہے کہ کسی بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو تو اس پر اس کا اثر نظر آئے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: جس طرح بعض لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے یافیشن کے طور پر بہت بڑھیا لباس پہنتے اور اس میں بے جا سراف کرتے ہیں اسی طرح بعض کنجوس کنجوسی کی وجہ سے یا صرف طبیعت کے گنوار پن کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بالکل پھٹے حال رہتے ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں ایسے ہی لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کو اس طرح رہنا چاہئے کہ دیکھنے

والوں کو بھی نظر آئے کہ اس پر اس کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کے تقاضوں میں سے ہے۔

خوب کھاؤ، پہنو، بشرطیکہ استکبار اور اسراف نہ ہو

(۲۸۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَتَصَدَّقُوا

وَالْبُسُوتَا مَا لَكُمْ يُخَالِطُ إِسْرَافًا وَلَا مَخِيلَةً. (رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اجازت ہے خوب کھاؤ پیو، دوسروں پر صدقہ کرو، اور کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو۔

(مسند احمد، مسند نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: کھانے اور لباس وغیرہ کے بارے میں اس حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ایک واضح قانون ہے یعنی یہ کہ آدمی حلال غذاؤں میں سے اپنے حسب مرضی جو کچھ کھائے اور جو پیئے اور جو من بھاتا حلال لباس پہنے جائز ہے، بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے اور دل میں تفاخر اور استکبار نہ ہو۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ:

”كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ الْإِنْتَانِ سَرَفٌ وَمَخِيلَةٌ.

جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنو (جائز ہے) جب تک کہ دو باتیں نہ ہوں ایک اسراف اور دوسرے استکبار و تفاخر۔

اس باب میں یہی بنیادی اصول اور معیار ہے۔

اول جلول پر آگندہ حال اور میلے کپڑے پہنے کی ممانعت

(۲۸۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ زَانِرًا فَرَأَى رَجُلًا شَعْنًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهُ فَقَالَ مَا كَانَ

يَجِدُ هَذَا مَا يُسْكِنُ بِهِ رَأْسَهُ وَرَأَى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسَخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هَذَا مَا يَغْسِلُ

بِهِ ثَوْبَهُ؟ (رواہ احمد والنسائی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ ملاقات کے لئے ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ کی نظر ایک پر آگندہ حال آدمی پر پڑی جس کے سر کے بال بالکل منتشر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا یہ آدمی ایسی کوئی چیز نہیں پاسکتا تھا جس سے اپنے سر کے بال ٹھیک کر لیتا۔ (اور اسی مجلس میں) آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو بہت میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو ارشاد فرمایا: کیا اس کو کوئی چیز نہیں مل سکتی تھی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو کر صاف کر لیتا؟ (مسند احمد، مسند نسائی)

ڈاڑھی اور سر کے بالوں کی خبر گیری اور درستی کی ہدایت

(۲۸۹) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَ الرَّأْسِ وَاللَّحْيَةِ

فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ كَأَنَّهُ يَأْمُرُهُ بِإِصْلَاحِ شَعْرِهِ وَلِحْيَتِهِ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَيْسَ هَذَا خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ لَابِرُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ. (رواه مالك)

ترجمہ عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک آدمی مسجد میں آیا اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل بکھرے ہوئے (اور بے تکی) تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کو اشارہ فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر لوٹ کر آگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ (یعنی تمہارا سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کر کے آنا) اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال بکھیرے ہوئے ایسی (وحشیانہ) صورت میں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے۔ (۶۰۶ ابوماریہ)

ترجمہ ان حدیثوں سے ان اہل تقشف کے خیال کی واضح تغلیط ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدا کے طالبوں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کو اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حسن و قبح سے بے پروا ہو کر میلہ کچیلہ پر اگندہ حال اور پر اگندہ بال رہنا چاہئے اور صفائی، ستھرائی، صورت و لباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی ان کے نزدیک گویا دنیا داری کی بات ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج سے ناواقف ہیں۔ ہاں صورت و لباس وغیرہ کے بناؤ سنوار کا حد سے زیادہ اہتمام اور اس کے لئے فضول و بے جا تکلفات بھی ناپسند اور مزاج شریعت کے خلاف ہیں جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ سے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کا حاصل یہی ہے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔

اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی جن میں اچھا اور صاف ستھرا لباس استعمال کرنے اور شکل و صورت کی اصلاح اور سر اور داڑھی کے بالوں وغیرہ کو درست رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جیسا کہ ان مضامین سے ظاہر ہے، ان سب کے مخاطب وہی لوگ تھے جو اس معاملے میں تفریط میں مبتلا تھے اور جنہوں نے اپنے حلیے بگاڑ رکھے تھے۔ آج بھی جن کا یہ حال ہو ان کو رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے ہدایت حاصل کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس جو لوگ اس بارے میں افراط میں مبتلا ہوں اور لباس اور ظاہری شکل و صورت کے بناؤ سنکار کو حد سے زیادہ اہمیت دیں اور اسی کو برتری اور کمتری کا معیار سمجھنے لگیں ان کو آگے درج ہونے والی احادیث سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ ان حدیثوں کے مخاطب دراصل ایسے ہی لوگ ہیں۔

سادگی اور خستہ حالی بھی ایمانی رنگ ہے

(۲۹۰) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَيَّاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا تَسْمَعُونَ؟ إِنْ الْبَدَاذِةَ مِنَ الْإِيمَانِ إِنْ الْبَدَاذِةَ مِنَ الْإِيمَانِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم سنتے نہیں کیا تم سنتے

نہیں (یعنی سنو اور غور سے سنو اور یاد رکھو) کہ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے، یہ آپ نے مکرر ارشاد فرمایا۔ (شمس الہیہ اور)

تشریح مطلب یہ ہے کہ ظاہری سادگی و خستہ حالی، اور زینت و آرائش کی طرف سے بے فکری یا کم توجہی، اندرونی ایمانی کیفیت سے بھی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ایمان ہی کا ایک شعبہ اور ایک رنگ ہے۔

لباس میں خاکساری اور تواضع پر انعام و اکرام

(۲۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ اللَّبَاسَ تَوَاضَعًا لِلَّهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيَّرَهُ مِنْ أَى حُلٍّ الْإِيمَانُ يَلْبَسُهَا. (رواه الترمذی)

معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہ تواضع و انکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے اس کو زیب تن کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح یہ بشارت ان بندوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مبارک جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر میرا تفوق اور میری بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید کسی غریب و نادار بندے کا دل ٹوٹے۔ بلاشبہ بہت ہی مبارک اور پاکیزہ ہے یہ جذبہ۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے اس جذبے کے تحت ایسا کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل محشر کے سامنے انہیں اس انعام و اکرام سے نوازے گا کہ اہل ایمان جنتیوں کے لئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے وہاں موجود ہونگے فرمایا جائے گا کہ انہیں سے جو جوڑا چاہو لے لو اور استعمال کرو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کسی کے ذہن میں یہ خلجان پیدا ہو کہ ابھی اوپر ابوالاحوص اور عمرو بن شعیب کی دو حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں مال و دولت اور استطاعت کی صورت میں اچھا لباس پہننے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اور یہاں اس حدیث میں قدرت و استطاعت کے باوجود اچھا لباس نہ پہننے پر ایسے عظیم انعام و اکرام کی بشارت سنائی گئی ہے، اور اس سے اوپر والی ابوامامہ کی حدیث میں بہت ہی اہتمام اور زور کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ: **ان البذادة من الایمان ان البذادة من الایمان**۔ جس کا حاصل یہی ہے کہ اچھے لباس کا اہتمام نہ کرنا اور معمولی کپڑوں میں خستہ حالوں کی طرح رہنا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ دراصل ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، ان کا محل الگ الگ ہے۔ ابوالاحوص اور عمرو بن شعیب والی حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مالی وسعت کے باوجود محض کنجوسی سے یا طبیعت کے لاابالی پن کی وجہ سے پھٹے حال رہیں جیسے کہ انہیں کپڑے نصیب ہی نہیں، ایسے لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا

فضل ہو تو اس کے رہن سہن اور اس کے لباس میں اس کا اثر محسوس ہونا چاہئے۔ اور ابو امامہ اور معاذ بن انس کی ان حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کے مخاطب دراصل وہ لوگ ہیں جو لباس کی بہتری کو زیادہ اہمیت دیتے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ اہتمام اور تکلف سے کام لیتے ہیں، گویا آدمی کی قدر و قیمت کا وہی معیار اور پیمانہ ہے۔

اصلاح و تربیت کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ افراط اور غلو کے مریض ہوں ان سے ان کے حال کے مطابق اور جو تفریط کی بیماری میں مبتلا ہوں ان سے ان کے حسب حال اصلاح کی بات کی جائے۔ اگر کوئی آدمی محل اور مخاطبین کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھے گا تو بسا اوقات اس کو مصلحین کی بدایتوں اور نصیحتوں میں اتنا د محسوس ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کا لباس

رسول اللہ ﷺ کے لباس کے بارے میں ان حدود و احکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں آپ ﷺ کے علاقے اور آپ ﷺ کی قوم میں رواج تھا۔ آپ ﷺ تہبند باندھتے تھے چادر اوڑھتے تھے، کمر تا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیب سر فرماتے تھے اور یہ کپڑے اکثر و بیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا کپڑے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی بہت خوش نما یمنی چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا۔ اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ زبانی ارشادات و ہدایات کے علاوہ آپ ﷺ نے امت کو اپنے طرز عمل سے بھی یہی تعلیم دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جاسکتا ہے اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود و احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی و قومی پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے ان اصحاب صلاح و تقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباع سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے۔ دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے۔ اس لئے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے ہاں ایسے اصولی احکام دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ ہر سہولت پابندی کی جاسکتی ہے۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد حضور ﷺ کے لباس سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھیں:

(۲۹۲) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلْبَدًاوُ إِذَا رَأَا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوحُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي هَٰذَيْنِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: ابو بردہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہم کو نکال کے دکھائی ایک دیز دہری چادر اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند اور ہمیں بتایا کہ انہی دونوں کپڑوں میں حضور ﷺ کا وصال ہوا تھا (یعنی آخری وقت میں حضور ﷺ کے جسم اطہر پر یہی دو کپڑے تھے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۹۳) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْقَمِيصُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں میں کمر تازیادہ پسند تھا۔ (جامع ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: کرتے کو حضور ﷺ غالباً اس لئے زیادہ پسند فرماتے تھے کہ وہ جبے اور چادر کی بہ نسبت ہلکا ہوتا ہے اور لباس کا مقصد اس سے اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے کرتے کی آستین ہاتھ کے پہنچوں تک ہوتی تھیں اور نیچے کی جانب ٹخنوں سے اوپر تک ہوتا تھا۔

(۲۹۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَلْبَسَهَا حَبْرَةً. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں میں حبرہ (چادر) کا پہننا بہت پسند تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حبرہ عین کی بنی ہوئی ایک خاص سوتی چادر ہوتی تھی جس میں سرخ یا سبز دھاریاں ہوتی تھیں یہ اوسط درجے کی اچھی چادروں میں سمجھی جاتی تھی۔ حضرت انس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چادروں میں سے حبرہ قسم کی چادر کا استعمال زیادہ پسند فرماتے تھے۔

(۲۹۵) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَبِسَ جُبَّةً رُومِيَّةً صَيِّفَةَ الْكُمَيْنِ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک (دفعہ) رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی اکثر دوسری روایتوں میں اس کو ”شامی جبہ“ کہا گیا ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ شام اس زمانے میں چونکہ رومی حکومت کے زیر اقتدار تھا اس لئے وہاں کی چیزوں کو رومی بھی کہہ دیا جاتا تھا اور شامی بھی! بہر حال اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ دوسری قوموں کے بنائے ہوئے اور دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے کپڑے استعمال کئے جاسکتے ہیں اور خود حضور ﷺ نے استعمال فرمائے ہیں۔

(۲۹۶) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةَ كَسَرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيبَاجٍ وَفَرَجِيهَا مَكْفُوفِينَ بِالْدِّيَبَاجِ وَقَالَتْ هَذَا جُبَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قُبِضَتْهَا وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى نَسْتَشْفِي بِهَا. (رواه مسلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے طیلسان کا بنا ہوا ایک کسروانی جبہ نکال کر دکھایا اس کا گریبان ریشمی دیباج سے بنوایا گیا تھا اور دونوں چاکوں کے کناروں پر بھی دیباج لگا ہوا تھا (یعنی گریبان اور جبہ کے آگے پیچھے چاکوں پر دیباج کا حاشیہ تھا) اور حضرت اسماء نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ مبارک ہے۔ یہ (میری بہن) عائشہ صدیقہ (ام المؤمنین) کے پاس تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے لے لیا (یعنی میراث کے حساب میں مجھے مل گیا) حضور ﷺ اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے اور اب ہم اس کو مریضوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح رومی جبہ استعمال فرمایا (جس کا ذکر اوپر والی حدیث میں گزر چکا ہے) اسی طرح آپ نے کسروانی جبہ بھی استعمال فرمایا (جس کی نسبت کسی وجہ سے شاہ فارس کسری کی طرف کی جاتی تھی) اور یہ کہ اس کے گریبان اور چاکوں پر دیباج کا حاشیہ بھی تھا جس کا اس زمانہ میں رواج تھا۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ دوسری بعض احادیث میں تشریح ہے کہ ریشم کا حاشیہ دو چار انگل کا تو مردوں کے لئے جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ اس کسروانی جبہ کا حاشیہ اس حد کے اندر ہی ہو گا۔ دوسری خاص بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام ہی کے دور میں رسول اللہ ﷺ کے استعمالی کپڑوں سے یہ برکت بھی حاصل کی جاتی تھی کہ انکا غسالہ (دھون کا پانی) شفا یابی کی امید پر مریضوں کو پلایا جاتا یا ان پر چھڑکا جاتا تھا۔

(۲۹۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْمَنْبَرِ وَ عَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ وَقَدْ أَرَخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر (خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا اس وقت آپ ﷺ سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمائے ہوئے تھے اور اس کا کنارہ (شملہ) آپ ﷺ نے پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔ (صحیح مسلم)

(۲۹۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُ قَلَنْسُوَةً بَيْضَاءَ (رواه الطبرانی في الكبير)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفید ٹوپی (بھی) زیب سر فرماتے تھے۔ (صحیح طبرانی)

(۲۹۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا خَرَجَتِ الْحَرُورِيَّةُ آتِيَتْ عَلِيًّا فَقَالَ إِنَّتِ هَوْلَاءِ الْقَوْمِ فَلَبِستُ أَحْسَنَ مَا يَكُونُ مِنْ حُلِيِّ الْيَمَنِ..... قَالَ أَبُو زُمَيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَجُلًا جَمِيلًا جَهِيرًا..... قَالَ فَاتَيْتُهُمْ قَالُوا مَرَحَبًا بِكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! مَا هَذِهِ الْحُلَّةُ؟ قُلْتُ مَا تَعْبُونَ عَلَى لَقْدَرَأَيْتُ

عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَحْسَنَ مَا يَكُونُ مِنَ الْحُلْلِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خوارج کا ظہور ہوا تو میں حضرت علی کے پاس آیا، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ: تم ان لوگوں کے (یعنی گروہ خوارج کے) پاس جاؤ (اور ان کو سمجھانے اور ان پر حجت قائم کرنے کی کوشش کرو) ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے حسین و نفیس قسم کا ایک یمنی جوڑا پہنا۔ واقعہ کے راوی ابو زمیل کہتے ہیں کہ ابن عباس خود بہت حسین و جمیل تھے اور آواز بھی زوردار تھی۔ آگے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں خوارج کی جماعت کے پاس پہنچا تو انہوں نے مرہبا کہہ کے میرا استقبال کیا اور ساتھ ہی (طنز و اعتراض کے طور پر) کہا کہ یہ بڑھیا جوڑا (جو آپ پہنے ہوئے ہیں) کیا ہے؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ بڑھیا قسم کا حسین جمیل لباس اسوۂ نبوی ﷺ اور مقام تقویٰ کے خلاف ہے) (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں) میں نے کہا کہ تم میرے اس اچھے لباس پر کیا اعتراض کرتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو حسین سے حسین جوڑا پہنے دیکھا ہے۔ (مسند ابی داؤد)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اچھا نفیس لباس بھی استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے ان خوارج کا یہ سمجھنا کہ اچھا اور عمدہ لباس پہننا طریقہ نبوی ﷺ یا مقام تقویٰ کے خلاف ہے ان کی جہالت تھی۔ ہاں اگر پہننے والے کا مقصد تفاخر و استکبار اور اپنی بڑائی کی نمائش ہو تو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہو چکا ہے سخت درجے کی معصیت اور موجب غضب خداوندی ہے۔ لیکن اگر اظہارِ نعمت کی نیت سے یا کسی دوسری دینی مصلحت سے پہنا جائے تو نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا پہننا اظہارِ نعمت کیلئے بھی تھا اور لانے والوں کی تطیب خاطر کے لئے بھی، اور بیانِ جواز کے لئے بھی۔

لباس میں داہنی طرف سے ابتداء حضور ﷺ کا معمول تھا

بائیں اعضاء کے مقابلے میں داہنے اعضاء کو جو فضیلت حاصل ہے اور اس کی جو اہمیت ہے اس کا ذکر ”آداب طعام“ کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔ اسی فضیلت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ لباس میں داہنی طرف سے ابتداء فرماتے تھے، یعنی جو کپڑا پہنتے، داہنی جانب سے پہننا شروع فرماتے۔

۳۰۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا لَبَسَ فَمِنْصًا بَدَأَ بِمِمَّا مِنْهُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کرتا پہنتے تو داہنی جانب سے شروع فرماتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں کرتے کا ذکر بطور مثال سمجھنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: ”جب کپڑا پہنا جائے یا وضو کیا جائے تو داہنے اعضاء سے شروع کیا جائے۔“

کپڑا پہننے کے وقت کی مشورہ

(۳۰۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً أَوْ قَمِيصًا أَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُولُ االلَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نیا کپڑا پہنتے عمامہ یا کرتا یا چادر تو اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کہتے کہ: اے اللہ! تیرا شکر اور تیری حمد جیسا کہ تو نے مجھے پہننے کو دیا یہ (عمامہ یا کرتا یا چادر) خداوند! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس کا خیر اور جو اس کا وجود ہے اس کا خیر (یعنی یہ کپڑا میرے لئے باعث خیر ہو اور اس کا جو اچھا مقصد ہے وہ مجھے نصیب ہو مثلاً اس کو پہن کر تیری عبادت کروں اور تیرا شکر ادا کروں) اور میں مانگتا ہوں اسکے شر سے اور اس کے مقصد یعنی استعمال کے شر سے تیری پناہ (یعنی اس کپڑے میں اور اس کے استعمال میں جو شر ہو سکتا ہے اس سے میری حفاظت فرما۔) (ابن ترمذی)

تشریح: کپڑا پہننے کے وقت کی رسول اللہ ﷺ کی ایک اور مختصر دعا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے "آداب لباس" کے بالکل شروع میں بھی درج کی جا چکی ہے۔ اور اسی سلسلہ معارف الحدیث (جلد پنجم) میں سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ جو شخص کپڑا پہنتے وقت اللہ تعالیٰ کے شکر و حمد کا یہ کلمہ دل و زبان سے کہے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي هَذَا وَرَقِيئَهُ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةَ" تو اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی اور ہر نعمت پر شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

جو تا پہننے کے بارے میں ہدایات

(۳۰۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي غَزْوَةِ غَدَاةَا يَقُولُ اسْتَكَثِرُوا مِنَ النِّعَالِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ جہاد کے ایک سفر پر روانہ ہو رہے تھے میں نے آپ ﷺ کو سنا آپ ﷺ ہدایت دے رہے تھے کہ: لوگو! جوتیاں زیادہ لے لو! کیونکہ آدمی جب تک پاؤں میں جو تا پہنے رہتا ہے تو وہ سوار کی طرح رہتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ جو آدمی جو تا پہن کے چلتا ہے وہ بہ نسبت اس شخص کے جو بغیر جو تا پہنے چلے تیز بھی چلتا ہے اور کم تھکتا ہے۔ اس کا پاؤں محفوظ بھی رہتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ "وہ سوار کی طرح رہتا ہے" اور ہمارے اس زمانہ میں تو فوجیوں کے لئے ان کا خاص جو تا ان کی وردی کا جز ہے۔

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے: "اے اللہ! کیلئے حمد و شکر جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و محنت کے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا۔"

(۳۰۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمْنَى وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيَمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرُهُمَا تُنْزَعُ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور جب نکالنے لگے تو پہلے بائیں پاؤں سے نکالے (الغرض) داہنے پاؤں جوتا پہننے میں مقدم اور نکالنے میں مؤخر ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ جوتا پہننے میں پاؤں کا اکرام و اعزاز ہے اور دائیں اعضاء کو بائیں اعضاء کے مقابلہ میں جو فضیلت اور ترجیح حاصل ہے (جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) اس کا حق اور تقاضا ہے کہ جوتا دائیں پاؤں میں پہنا پہلے جائے اور نکالا بعد میں جائے۔

انگشتری اور مہر کے بارے میں حضور ﷺ کا طرز عمل

(۳۰۴) عَنْ أَنَسِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى كِسْرَى وَفَيْصَرَو النَّجَاشِي فَقِيلَ إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَاتَمًا حَلَقَةً فِضَّةً نُقِشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ.

(رواه مسلم)

(وفی روایۃ للبخاری کان نقش الخاتم لثلاثة أسطر مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولُ سَطْرٌ وَاللَّهُ سَطْرٌ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ شاہ فارس کسری اور شاہ روم قیصر اور شاہ حبشہ نجاشی کو خطوط لکھا میں (اور ان کو اسلام کی دعوت دیں) تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یہ حکمران لوگ مہر کے بغیر خطوط کو تسلیم نہیں کرتے، تو حضور ﷺ نے مہر بنوائی جو چاندی کی انگوٹھی تھی اس میں نقش تھا:

”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ..... (صحیح مسلم)

(اور اسی حدیث کی صحیح بخاری کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ مہر میں تین سطریں تھیں ایک سطر

میں ”محمد“ دوسری سطر میں ”رسول“ اور تیسری سطر میں ”اللہ“)

تشریح: صحیح روایات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ کے آخر میں سفر حدیبیہ سے واپسی کے بعد اس وقت کی دنیا کے بہت سے مشہور بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھائے تھے۔ اسی وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ ﷺ نے ان خطوط کے لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام نے جو ان حکومتوں کے طور طریقوں سے کچھ باخبر تھے عرض کیا کہ ان خطوط پر حضور ﷺ کی مہر ہونا ضروری ہے یہ حکمران لوگ مہر کے بغیر کسی خط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے (گویا ایسے خطوط ان کے پاس ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں) حضور ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمایا اور چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس کے ٹکینہ میں ”محمد رسول اللہ“ کندہ تھا۔ صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تینوں لفظ تین سطروں میں نیچے اوپر لکھے گئے تھے۔ اس طرح اس طرح کی مہر اور یہی آپ ﷺ کی انگوٹھی تھی۔

روایات میں بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہننے کا بھی ذکر آتا ہے اور داہنے ہاتھ میں بھی گویا کبھی آپ داہنے ہاتھ میں پہن لیتے تھے اور کبھی بائیں ہاتھ میں۔

۳۰۵ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِي يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ فَقَالَ يَعْزِمُ أَحَدُكُمْ إِلَى جُمُرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ فَقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهِ قَالَ لَا وَاللَّهِ لَا أَخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ (رواه مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ سے نکال کر پھینک دی۔ اور ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کسی کسی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی خواہش سے دوزخ کا انگارہ لے کر اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے (یعنی مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی گویا دوزخ کی آگ ہے جو اس نے شوق سے ہاتھ میں لے رکھی ہے۔) پھر جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو کسی نے ان صاحب سے کہا (جن کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی نکال کر حضور ﷺ نے پھینک دی تھی) کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور (کسی طرح) اپنے کام میں لے آؤ (مثلاً فروخت کر دو یا گھر کی خواتین میں سے کسی کو دے دو) ان صاحب نے کہا خدا کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو پھینک دیا تو اب کبھی میں اس کو نہیں اٹھاؤں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے دوسرے زیورات کی طرح اس کی انگوٹھی کا استعمال بھی مردوں کے لئے حرام و ناجائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مناسب اور مفید سمجھا جائے تو اپنے خاص لوگوں کے ساتھ اصلاح کا یہ طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ ان کے پاس جو چیز شریعت کے خلاف ہو اس کو چھین کر پھینک دیا جائے یا توڑ پھوڑ دیا جائے۔

ان صحابی نے لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنی سونے کی انگوٹھی نہیں اٹھائی اور وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کا ایمانی مقام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دارہمی مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیئت سے متعلق ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور طرزِ عمل سے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ظاہری ہیئت اور شکل و صورت کے بارے میں بھی امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

۳۰۶ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْفِطْرَةُ خَمْسُ الْخِتَانِ وَالْإِسْتِحْدَادُ وَقَلْصُ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَتَنْفُ الْإِبْطِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پہنچانچ چیزیں انسان کی فطرتِ سلیمہ کے تقاضے اور دینِ فطرت کے خاص احکام ہیں۔ ختنہ، زیناف بالوں کی صفائی، مونچھیں تراشنا، ناخن لینا اور بغل کے بال لینا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بعض دوسری حدیثوں میں ان چیزوں کو انبیاء و مرسلین کی سنت اور ان کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ انسانی فطرت کے تقاضے ہیں اس لئے ہونا بھی یہی چاہئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی طریقہ اور یہی ان کی تعلیم ہو۔ ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ طہارت و صفائی اور پاکیزگی ہے جو بلاشبہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

۳۰۷ عَنْ أَنَسٍ قَالَ وَقَّتْ لَنَا فِي قِصْرِ الشَّوَارِبِ وَ تَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَ تَنْفِ الْإِبِطِ وَ حَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مونچھیں ترشوانے اور ناخن لینے اور بغل اور زیر ناف کی صفائی کے سلسلہ میں ہمارے واسطے حد مقرر کر دی گئی ہے کہ ۴۰ دن سے زیادہ نہ چھوڑیں۔

(صحیح مسلم)

تشریح..... کنز العمال میں بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو نماز جمعہ کو نکلنے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے اور لبیں لیتے تھے۔“

اس لئے مسنون یہی ہے کہ ہر ہفتہ یہ جسمانی اصلاح و صفائی کا کام کیا جائے اور آخری حد ۴۰ دن تک کی ہے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ اگر اس سے زیادہ تغافل برتا تو ایک درجہ کی نافرمانی ہوگی اور علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے نماز بھی مکروہ ہوگی۔

۳۰۸ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ كُتِبَ الشَّوَارِبُ وَ اغْفُوا اللُّحَى. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مونچھوں کو خوب باریک کرو اور ڈاڑھیاں چھوڑو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء و مرسلین کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ ڈاڑھیاں رکھتے اور مونچھیں باریک کراتے تھے۔

جیسا کہ ظاہر ہے، ڈاڑھی رجولیت کی علامت اور وقار کی نشانی ہے۔ خود مغربی اقوام میں بھی جہاں ڈاڑھی نہ رکھنے کا عام رواج ہے (ڈاڑھی کو قابل احترام اور عظمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ کاش! ہم مسلمان محسوس کریں کہ ڈاڑھی رکھنا ہمارے ہادی برحق ﷺ اور سارے نبیوں، رسولوں کی سنت اور ان کے طریقہ سے وابستگی کی علامت ہے اور ڈاڑھی نہ رکھنا ان کے منکروں کا طریقہ ہے۔

اس حدیث میں صرف ڈاڑھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ ڈاڑھی کس حد تک چھوڑی جائے، بلکہ اس کے الفاظ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کو قینچی نہ لگائی جائے اور کم نہ کرایا جائے۔ لیکن آگے متصل امام ترمذی کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی جو

حدیث درج کی جا رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ اپنی ریش مبارک (برابر اور ہموار کرنے کیلئے) اس کے عرض میں سے بھی اور طول میں سے بھی کچھ ترشوادیتے تھے۔ اور مندرجہ بالا حدیث: **”انہکوا الشوارب واعفوا اللہی“** کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت میں ہے کہ ان کی ڈاڑھی کے جو بال ایک مشت سے زیادہ ہوتے وہ ان کو ترشوادیتے تھے۔ بعض دوسرے صحابہ کا طرز عمل بھی یہی روایت کیا گیا ہے۔ ان سب روایات کی روشنی میں زیر تشریح حدیث: **”انہکوا الشوارب واعفوا اللہی“** کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ ڈاڑھی رکھی جائے نہ منڈائی جائے نہ زیادہ کم کرائی جائے۔

ہمارے فقہانے ایک مشت سے کم کرانے کو نادرست کہا ہے۔ ایک مشت کی مقدار کی یہ تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ غالباً اس کی بنیاد یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ سے ایک مشت تک رکھنا تو ثابت ہے اس سے کم کرنا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۳۰۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا. (رواه الترمذی)

عمر بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے عرض سے بھی اور طول سے بھی کچھ ترشوادیتے تھے۔ (جامع ترمذی)

(۳۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے بال ہوں اس کو چاہئے کہ وہ ان بالوں کا اکرام کرے۔ (سنن ابوداؤد)

بالوں کا اکرام یہ ہے کہ ان کو دھویا جائے، حسب ضرورت تیل لگایا جائے ان میں کنگھی بھی کی جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل بھی یہی تھا آپ ﷺ ہمیشہ سر پر بال رکھتے تھے جو کبھی کانوں تک اور کبھی کانوں کے نیچے تک رہتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو اہتمام سے دھوتے بھی تھے ان میں تیل بھی لگاتے تھے، کنگھی بھی فرماتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حج اور عمرہ کے سوا کبھی سر کے بالوں کا منڈوانا آپ سے ثابت نہیں۔

(۳۱۱) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهَى عَنِ الْقَرْعِ. قِيلَ لِنَافِعٍ مَا الْقَرْعُ؟ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكَ الْبَعْضُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم (نافع) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ منع فرماتے تھے قزع سے۔ نافع سے پوچھا گیا کہ قزع کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ قزع یہ ہے کہ بچے کے سر کے کچھ حصہ کے بال مونڈ دیئے جائیں اور چھ حصہ کے چھوڑ دیئے جائیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بچہ کو دیکھا جس کے سر کے کچھ بال مونڈ دیئے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے تھے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ یا تو پورا سر مونڈا جائے یا پورے سر پر بال چھوڑ دیئے جائیں۔ اس حکم کی وجہ ظاہر ہے سر کے کچھ حصے کے بال مونڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا انتہائی بے ڈھنگے پن کی بات ہے اور اس سے بچے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس حکم پر اس سے ملتی جلتی دوسری صورتوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم

(۳۱۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ بَايَعُنِي فَقَالَ لَا أَبَايَعُكَ حَتَّى تُغَيِّرِي كَفِّكَ لَمَّا كُنَّا كَفًّا سَبْعَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: ”مجھے بیعت کر لیجئے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں تم کو اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم (مہندی لگا کر) اپنے ہاتھوں کی صورت نہ بدلو گی (تمہارے ہاتھ اس وقت) کسی درندے کے سے ہاتھ معلوم ہوتے ہیں۔“ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔ یہ ہند بنت عتبہ ابو سفیان کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں اور اسی دن قریش کی دوسری بہت سی عورتوں کے ساتھ پہلی بیعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہندہ کی طرف سے جس بیعت کی درخواست کا ذکر ہے بظاہر یہ انہوں نے بعد میں کسی وقت کی ہے اور اسی موقع پر حضور ﷺ نے ان کو ہاتھوں میں مہندی لگانے کی یہ ہدایت فرمائی۔ دوسری بعض روایات میں اور بھی بعض عورتوں کا ذکر ہے جن کو آپ ﷺ نے مہندی استعمال کرنے کی اسی طرح تاکید فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت و تعلیم سے اسلامی شریعت کا یہ نقطہ نظر معلوم ہو گیا کہ عورتوں کو جائز حد تک زینت اور سنگھار کے اسباب استعمال کرنے چاہئیں، ظاہر ہے یہ چیز ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان محبت اور قلبی تعلق میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

ستر اور پردے کے بارے میں ہدایات

انسان کی معاشی زندگی میں ستر اور پردے کے مسئلہ کی بھی خاص اہمیت ہے اور یہ ان خصائص میں سے جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ خالق کائنات نے دوسرے حیوانات میں حیا اور شرم کا وہ مادہ نہیں رکھا جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اس لئے حیوانات اپنے جسم کے کسی حصے کو اور اپنے کسی فعل کو

چھپانے کی وہ کوشش نہیں کرتے جو انسان کرتا ہے اور جس کے لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔
بہر حال ستر اور پردہ اصولی درجہ میں انسانی فطرت کا تقاضا ہے اسی لئے تمام اقوام و ملل اپنے عقائد و نظریات اور رسوم و عادات کے بہت سے اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس پر متفق ہیں کہ آدمی کو دوسرے حیوانات کی طرح ننگ دھڑنگ نہیں رہنا چاہئے۔

اسی طرح یہ بات بھی تمام انسانی گروہوں کے مسلمات بلکہ معمولات میں سے ہے کہ اس بارے میں غورت کا درجہ مرد سے بھی بلند ہے، گویا جس طرح ستر اور پردے کے باب میں انسانوں کو عام حیوانات کے مقابلے میں امتیاز و تفوق حاصل ہے اسی طرح اس معاملہ میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں فوقیت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ اس کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ اس میں جنسی کشش جو بہت سے فتنوں کا ذریعہ بن سکتی ہے مردوں سے کہیں زیادہ ہے، اسی لئے ان کے پیدا کرنے والے نے ان میں حیاء کا جذبہ بھی مردوں سے زیادہ رکھا ہے۔ بہر حال اولادِ آدم کیلئے بستر اور پردہ بنیادی طور پر ان کی فطرت کا تقاضا اور پوری انسانی دنیا کے مسلمات میں سے ہے۔

پھر جس طرح انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت کی تکمیل اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ ہوئی اسی طرح اس شعبہ میں بھی جو ہدایات آپ ﷺ نے دیں وہ بلاشبہ اس شعبہ کی تکمیلی ہدایات ہیں۔

اس باب میں اصولی اور بنیادی احکام تو آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب ہدایت قرآن مجید ہی میں دیئے گئے ہیں۔ سورۃ اعراف کے شروع ہی میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور انسانی دنیا کے آغاز کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے کہ: ”نسلِ آدم کو ستر چھپانے کی ہدایت اسی ابتدائی دور میں دے دی گئی تھی اور آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس بارے میں تم شیطان کے اغوا کا شکار نہ ہو جانا وہ تمہیں انسانیت کی بلند سطح سے گرا کر جانوروں کی طرح ننگا اور بے پردہ کرنے کی کوشش کرے گا۔“

پھر سورۃ نور اور سورۃ احزاب میں خاص کر عورتوں کے پردے کے بارے میں احکام دیئے گئے۔ مثلاً یہ کہ ان کی اصل جگہ اپنا گھر ہے، لہذا بے ضرورت سیر سپاٹے یا اپنی نمائش کے لئے گھروں سے باہر نہ گھومیں۔ اور اگر ضرورت سے نکلیں (جس کی اجازت ہے) تو پورے پردے والا لباس پہن اوڑھ کر نکلیں۔ اور گھروں میں شوہروں کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگوں یا آنے جانے والے عزیزوں، قریبوں کے سامنے لباس اور پردے کے بارے میں ان مقررہ حدود کی پابندی کریں۔ اور مردوں کو چاہئے کہ اپنے اہل قرابت یا دیگر اہل تعلق کے گھروں میں اچانک یا بلا اطلاع اور اجازت کے نہ جائیں۔ نیز مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو دیکھنے، تاکنے کی کوشش نہ کریں بلکہ سامنا ہو جائے تو نگاہیں نیچی کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل سلیم دی ہے اور ان کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے، وہ اگر غور کریں تو انشاء اللہ انہیں اس میں شبہ نہ ہو گا کہ یہ احکام انسان کے جذبہ حیا کے فطری تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان سے ان شیطانی اور شہوانی فتنوں کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے جو زندگی کو گندہ اور اخلاق کو برباد کرتے ہیں اور

کبھی کبھی بڑے شرمناک اور گھناؤنے نتائج کا باعث بن جاتے ہیں۔
اس تمہید کے بعد اور اسکی روشنی میں اس باب سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھیے:

ضروری ستر

(۳۱۳) عَنْ جَرَّهْدِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّ الْفَحِخْدَ عَوْرَةٌ. (رواہ العرمذی و ابو داؤد)
ترجمہ: حضرت جرہد بن خویلد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ران (بھی) ستر میں شامل ہے۔ (یعنی اس کا کھولنا جائز نہیں) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: انسانی جسم کے جو حصے عرف میں شرم گاہ کہلاتے ہیں۔ ان کے بارے میں تو ہر آدمی حتیٰ کہ خدا کے اور کسی دین و مذہب کے نہ ماننے والے بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا ستر یعنی چھپانا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انسانی جسم میں صرف شرم گاہ اور اس کے قریبی حصے ہی نہیں بلکہ ران تک ستر میں شامل ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔ یہ گویا ستر کے بارے میں تکمیلی تعلیم اور ہدایت ہے۔ اس حدیث میں فخذ (ران) کو عورۃ فرمایا گیا ہے۔ عورۃ کے لفظی معنی ہیں 'چھپانے کی چیز' جس کا کھلنا شرم و حیاء کے خلاف ہو۔

(۳۱۴) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ لَا تُبْرِزْ فَحِخْدَكَ وَلَا تَنْظُرْ إِلَى فَحِخْدِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ: اے علی! اپنی ران نہ کھولو اور کسی زندہ یا مردہ آدمی کی ران کی طرف نظر نہ کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۱۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف اور عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف نظر نہ کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جسم کے وہ مخصوص حصے جن کو چھپانا ضروری قرار دیا گیا ہے (یعنی ناف کے نیچے سے رانوں تک) ان کی طرف نظر کرنا ہم جنسوں کے لئے بھی جائز نہیں۔ اور بلاشبہ حیا اور شرم کا تقاضا یہی ہے ہاں ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہوں گے۔

تنہائی میں بھی ستر کا چھپانا ضروری

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر آدمی کسی وقت اور کسی جگہ بالکل تنہا ہو کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا نہ ہو تب بھی بلا ضرورت برہنہ نہ ہو اور ستر کی حفاظت کرے اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے شرم کرے۔

(۳۱۶) عَنْ ابْنِ عَمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِيَّاكُمْ وَالتَّعَرَّى فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُقَارِ فُكْمُ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَاکْرِمُوهُمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! (تنہائی کی حالت میں بھی) برہنگی سے پرہیز کرو (یعنی بے ضرورت تنہائی میں بھی ستر نہ کھولو) کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے برابر رہتے ہیں کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے، سوائے قضائے حاجت اور میاں بیوی کی صحبت کے وقت کے لہذا ان سے شرم کرو اور ان کا احترام کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کراما کاتین وغیرہ جو فرشتے انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں وہ ان اوقات میں الگ ہو جاتے ہیں جو آدمی اپنی فطری ضرورت سے بے پردہ ہوتا ہے۔

(۳۱۷) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ فُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا..... قَالَ قَالَ اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى مِنْهُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: بہز بن حکیم نے اپنے والد حکیم سے اور انہوں نے بہز کے دادا (یعنی اپنے والد) معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اپنی شرم گاہ محفوظ رکھو (کسی کے سامنے نہ کھولو) سوائے اپنی بیوی اور (شرعی) باندی کے (معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ: حضرت! کیا فرماتے ہیں اس حالت کے بارے میں جب آدمی بالکل تنہائی میں ہو؟ (کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہ ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اسکا زیادہ سزاوار ہے اور اسکا زیادہ حق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عورتوں کو پردہ ضروری، باہر نکلنا موجب فتنہ

(۳۱۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: عورت گویا ستر ہے (یعنی جس طرح ستر کو چھپا رہنا چاہئے اسی طرح عورت کو گھر میں پردے میں رہنا چاہئے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح: عربی زبان میں ”عورت“ اس چیز یا اس حصہ جسم کو کہتے ہیں جس کا چھپانا اور پردے میں رکھنا ضروری اور کھولنا معیوب سمجھا جائے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ“ یعنی صنفِ خواتین کی نوعیت یہی ہے ان کو پردے میں رہنا چاہئے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی خاتون باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتے ہیں۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو حتیٰ الوسع باہر نکلنا ہی نہ چاہئے تاکہ شیطانوں اور ان کے چیلے چانٹوں کو شیطنیت اور شرارت کا موقع ہی نہ ملے اور اگر ضرورت سے

نکلنا ہو تو اس طرح باپردہ نکلیں کہ زینت و آرائش کا اظہار نہ ہو۔ قرآن مجید کی آیت: ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى“ میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ضرورت سے باہر نکلنے کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضور ﷺ کا صریح ارشاد ہے: ”إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِكُنَّ“ یعنی بہ ضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

نظر بازی موجب لعنت

(۳۱۹) عَنْ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ النَّاطِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر جس کو دیکھا جائے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی نامحرم عورت کو یا کسی کے ستر کو (جس کا دیکھنا حرام ہے) دیکھے تو اس پر خدا کی طرف سے لعنت ہے، یعنی رحمت سے محرومی کا فیصلہ ہے اور اسی طرح وہ بھی رحمت خداوندی سے محروم ہے جس نے قصد دیکھنے والے کو دیکھنے کا موقع دیا اور دکھایا۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے کا حکم

(۳۲۰) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَظَرِ الْفَجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی یہ کہ اگر اچانک کسی نامحرم عورت پر یا کسی کے ستر پر نظر پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟) تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ادھر سے نگاہ پھیر لوں۔ (صحیح مسلم)

(۳۲۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے ایک دفعہ فرمایا: اے علی! (اگر کسی نامحرم پر تمہاری نظر پڑ جائے) تو دوبارہ نظر نہ کرو تمہارے لئے پہلی نظر (جو بلا ارادہ اور اچانک پڑ گئی وہ) تو جائز ہے (یعنی اس پر مواخذہ اور گناہ نہ ہوگا) اور دوسری جائز نہیں۔

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(۳۲۲) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوْ لَمَرَةٍ ثُمَّ يَغْضُ

بَصَرَهُ إِلَّا أَخَذَتْ اللَّهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوتَهَا. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے

فرمایا: جس مرد مؤمن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی دفعہ نظر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کر لے اور (اس کی طرف نہ دیکھے) تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی وہ لذت و حلاوت محسوس کرے گا۔ (مسند امام)

تشریح یعنی ایک ناجائز نفسانی لذت کی قربانی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ آخرت کے بے حساب اجر و ثواب سے پہلے اپنے اس مؤمن بندے کو حلاوتِ عبادت کی نہایت اعلیٰ روحانی لذت اسی دنیا میں عطا فرمائے گا۔

غیر عورت پر نظر پڑ جانے سے دل میں گندہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ کوئی کھانے پینے کی مرغوب چیز دیکھے یا خوشبو ہی آجائے تو اس کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ گرمی اور پیش کی حالت میں ٹھنڈی سایہ دار اور خوش منظر جگہ دیکھ کر وہاں ٹھہرنے اور آرام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی غیر عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے سے بسا اوقات شہوانی تقاضا پیدا ہو جاتا ہے جو اغواءِ شیطانی سے بہت برے نتائج تک بھی پہنچا سکتا ہے اور کم از کم آدمی ایک قسم کی بے چینی میں تو مبتلا ہو ہی جاتا ہے۔ نفس و روح کے معالجِ اعظم رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی علاج بتلایا ہے۔

۳۲۳ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ وَ تَذِيرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ إِذَا أَحَدُكُمْ أَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِي قَلْبِهِ فَلْيَعْمِدْ إِلَى امْرَأَتِهِ فَلْيُواقِعْهَا فَإِنَّ ذَلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عورت شیطان کی طرح آتی یا جاتی ہے (یعنی اس کا ڈھنگ اور اس کی چال آدمی کے لئے شیطانی فتنہ کا سامان بن سکتی ہے) تو اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ کوئی ایسی عورت اچھی لگے اور اس کے ساتھ دلچسپی اور دل میں اس کی خواہش پیدا ہو جائے تو آدمی کو چاہئے کہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور اپنی نفسانی خواہش پوری کرے اس سے اس کی اس گندی خواہش نفس کا علاج ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم)

نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت

معاشرے کو فواحش اور گندے اعمال و اخلاق سے محفوظ رکھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایات فرمائی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے ایسی صورت میں اس شیطان کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے جو ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

۳۲۴ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ. (رواہ الترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کہ کوئی (نامحرم) آدمی کسی عورت سے تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو۔ (جامع ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نامحرم شخص تنہائی میں کسی عورت سے ملے گا تو شیطان ان کو معصیت میں مبتلا کرنے کی ضرورت کو کش کرے گا۔ اس لعین دشمن ایمان کو اس کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

(۳۶۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِيَّاكُمْ وَالْدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ الْحَمْوَةَ؟ قَالَ الْحَمْوَةُ الْمَوْتُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بچو (اور اس معاملہ میں بہت احتیاط کرو) ایک شخص نے دریافت کیا کہ: شوہر کے قریبی رشتہ داروں (دیور وغیرہ) کے بارے میں حضور ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ (کیا ان کے لئے بھی یہی حکم ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ تو بالکل موت اور ہلاکت ہے۔ (جامع ترمذی و صحیح مسلم)

شوہر کے قریبی رشتہ داروں میں اس کے باپ اور اس کی اولاد تو بیوی کے لئے محرم ہیں ان کے علاوہ سارے رشتہ دار حتیٰ کہ حقیقی بھائی بھی نامحرم ہیں ان کا بھی آزادانہ طور پر گھر میں آنا اور خلوت و جلوت میں بے تکلف اور بے پردہ ملنا اور باتیں کرنا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق انتہائی خطرناک اور عفت و دیانت کے لئے گویا زہر قاتل ہے۔

(۳۶۶) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَلْجُوا عَلَى الْمَغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِئُ مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ؛ فَلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ وَمِنْنِي وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ. (رواه الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (خاصکر) ان خواتین کے گھروں میں نہ جایا کرو جن کے شوہر کہیں باہر (سفر وغیرہ) میں گئے ہوئے ہوں کیونکہ شیطان (یعنی اس کے اثرات و وسوس) سب میں اس طرح (غیر مری طور پر) جاری ساری رہتے ہیں جس طرح رگوں میں خون رواں دواں رہتا ہے۔ ہم نے عرض کیا: اور کیا آپ میں بھی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور مجھ میں بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری (اس معاملہ میں) خاص مدد فرمائی ہے اس لئے میں محفوظ رہتا ہوں۔

(جامع ترمذی)

شادی شدہ عورتیں جن کے شوہر کہیں سفر وغیرہ میں گئے ہوئے ہوں ان سے نامحرم مردوں کے ملنے میں ظاہر ہے فتنہ کا خطرہ زیادہ ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں یہ خاص ہدایت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کے وسوس و اثرات آدمی میں اس طرح دوڑ جاتے ہیں جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔ اس موقع پر کسی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ: حضرت! اس بارے میں (یعنی شیطانی وسوس و تصرفات کے بارے میں) حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان تو میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں میری خاص مدد فرمائی ہے جس کی وجہ سے میں اس کے وسوس اور اثرات سے محفوظ رہتا ہوں، مجھ پر اس کا داؤ نہیں چلتا اور وہ مجھے کسی غلطی

یافتہ میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ یہ دراصل عفتِ عنمت کا لازمی تقاضا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضور ﷺ نے شیطانی اثرات و وساوس سے محفوظ رہنے کو اپنا ذاتی کمال نہیں بتلایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور اعانت کا نتیجہ قرار دیا۔ یہ عبدیت کا خاص الخاص مقام ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَاَتْبَاعِهِ

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ہفتم

کُنَا الْبَغَاثَةَ وَالْعَامِلَاتِ

حصہ دوم

تألیف

مولانا محمد منظور نعمانی

اردو بازار، ایم ای جنت روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

دارالاشاعت

جملہ حقوق ملکیت برائے پاکستان بحق ”خلیل اشرف عثمانی“ دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مصنف سے جو دواوی حقوق اشاعت پہلے حاصل تھے اب انکے ورثا سے پاکستان کے لئے ”جملہ حقوق ملکیت مع اپنے تمام حقوق سے خلیل اشرف عثمانی کے حق میں دستبرداری کا معاہدہ عمل میں آگیا ہے“ اس کی اطلاع ور جسٹریشن کاپی رائٹ رجسٹرار کے ہاں عمل میں آچکی ہے۔ لہذا کوئی شخص یا ادارہ اس کی غیر قانونی اشاعت و فروخت میں ملوث پایا گیا تو بغیر پیشگی اطلاع کے قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ ناشر

طباعت کمپیوٹرائڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی گمرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے لئے ﴿﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارۃ اسلامیات ۱۹۰۔ اناکلی لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20، بھڑوڑ لاہور
بیت القیم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونیورسٹی بک اینڈ جنرلیز خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد	مکتبہ اسلام میگزین لاہور۔ ایبٹ آباد
مکتبہ المعارف محمد جنگلی۔ پشاور	کتاب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿﴾ انگلینڈ میں ملنے کے لئے ﴿﴾

ISLAMIC BOOKS CENTRE
100-111, LITTLE LONDON LANE
ROXTON ROAD, LONDON E8 5QX

AZHAR ACADEMY LTD.
408 LITTLE LONDON LANE
MANOR PARK, LONDON E2 5QA

﴿﴾ امریکہ میں ملنے کے لئے ﴿﴾

DARUL ULOOM AL-MADANIA
151 SOUTH ST. - FREE
ROXTON ROAD, LONDON E8 5QX

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
100-111, LITTLE LONDON LANE
ROXTON ROAD, LONDON E8 5QX

نکتہ سبھاں را صلائے عام دہ از نیے اُمیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں — جو ”نبی اُمّی“ سیدنا حضرت محمد
عربی (فداۃ اُمّی والی و روحی و قلبی) پر ایمان رکھتے ہیں
اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم
علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں
اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آئیے

علم و تصوّر ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر
آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمہٴ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

پیش لفظ

از مؤلف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَعَثَهُ وَجَلَّالِهِ تَتِمُّ الصَّلَاحُ

اس عاجز بندے پر اس کے رب کریم کا ایک عظیم احسان اس سلسلہ ”معارف الحدیث“ کی تالیف کی توفیق ہے۔ اس کی چھ جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی جلد کی حیثیت کتاب المعاشرة والمعاملات کے حصہ اول کی تھی اور یہ ساتویں جلد اس کا حصہ دوم ہے۔ پہلے ارادہ ان دونوں کو ایک ہی جلد میں شائع کرنے کا تھا، پھر صحافت بہت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے دو حصوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جلد ششم میں صرف معاشرت سے متعلق سواتین سواحدیث کی تشریح کی گئی تھی۔

پیش نظر جلد ہفتم میں نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات، معاشی معاملات اور تمدنی زندگی کے تمام بنیادی شعبوں اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے تقریباً دو سو ارشادات یا معمولات تشریح کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور پڑھنے اور سننے والوں کو اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

چھٹی جلد کے شروع میں جو دیباچہ ہے وہی اس ساتویں جلد کا بھی دیباچہ ہے۔ بہتر ہے کہ اس کے مطالعہ سے پہلے اس پر نظر ڈال لی جائے۔ البتہ اتنی بات کی طرف یہاں توجہ دلانا ہے کہ انسانی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا ایسا عادلانہ اور فطری حل پیش کرنے والا وہ نبی امی تھا جس نے نہ کسی قدیم آسمانی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ متمدن قوموں کے قوانین اور دستاویز کا، نہ کسی استاذ کے سامنے کبھی زانوئے تلمذ تہہ کیا بلکہ وہ حروف اور الفاظ کو پہچان بھی نہ سکتا تھا۔ کیا یہ آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی ایک روشن دلیل اور آپ ﷺ کا ایک جیتا جاگتا معجزہ نہیں ہے؟ ان تعلیمات سے یہ حقیقت بھی خوب روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانی زندگی اور فطرت کے تقاضوں کو کچل کر نہیں بلکہ ان کے فطری حل کے ذریعہ اس کی روحانی ترقی کا ضامن و داعی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام خصوصاً ہم کو اس نعمت کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں، بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ: حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص ”علمی سیر“ کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت اصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے

وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں۔ اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ازراہ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ راقم السطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ ادب نصیب فرمائے۔
آخری بات اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے اور اس کے اتمام کے لئے اس سے حسن توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۷ شوال ۱۴۰۲ھ ۸ اگست ۱۹۸۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نکاح و ازدواج اور اس کے متعلقات

نکاح اور شادی کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عربوں میں مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اولاد سے متعلق کئی طریقے اور ضابطے رائج تھے ان میں سے بعض نہایت گندے اور شرمناک تھے ایک طریقہ اصولی طور پر صحیح اور شریفانہ تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح فرما کر بس اسی کو باقی رکھا اور دوسرے سارے طریقے یکسر ختم فرمادیے اور ان کو سنگین گناہ اور جرم قرار دیا۔

آپ ﷺ نے اپنے طرز عمل اور ارشادات سے نکاح و شادی کا جو عمومی طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے اولیاء اور سرپرستوں کو پیام دیا جائے اور رشتہ کی طلب و استدعا کی جائے وہ اگر رشتہ کو مناسب اور قرین مصلحت سمجھیں تو عورت کے عاقلہ بالغہ اور صاحب رائے ہونے کی صورت میں اس کی مرضی معلوم کر کے اور کم سن ہونے کی صورت میں اپنی مخلصانہ اور خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق رشتہ منظور کر لیں اور نکاح کر دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی طریقہ فطرت و حکمت کے عین مطابق ہے۔

نکاح و شادی کی اصل ذمہ داریاں چونکہ منکوحہ عورت پر عائد ہوں گی اور وہی ساری عمر کے لئے ان کی پابند ہوگی اس لئے اس کی رائے اور رضامندی لینا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کے نفس کا اصل مختار خود اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ ولی اور سرپرست کو حق نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کا نکاح کر دے۔ اسی کے ساتھ عورت کے شرف نسوانیت کی رعایت سے ہدایت فرمائی گئی کہ معاملہ اولیاء اور سرپرستوں ہی کے ذریعہ طے ہو اور وہی عقد و نکاح کرنے والے ہوں۔ یہ بات عورت کے مقام شرف کے خلاف ہے کہ کسی کی بیوی بننے کا معاملہ وہ خود براہ راست طے کرے اور خود سامنے آکر اپنے کو کسی کے نکاح میں دے۔ علاوہ ازیں چونکہ کسی لڑکی کے نکاح کے کچھ اثرات اس کے خاندان پر بھی پڑتے ہیں اس وجہ سے بھی اولیاء (خاندانی بزرگوں) کو کسی درجہ میں دخیل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ عورت ہی کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اولیاء بے تعلق رہیں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بے چاری عورت دھوکا کھا جائے اور کسی کے دام فریب میں آکر خود اپنے حق میں غلط فیصلہ کر لے ان سب وجوہ کی بناء پر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ (خاص استثنائی صورتوں کے علاوہ) نکاح و شادی اولیاء ہی کے ذریعہ ہو۔

نکاح و شادی کے سلسلہ میں ایک رہنمائی یہ فرمائی گئی ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو

اگر دیکھی بھالی بالکل نہ ہو تو اگر ہو سکے تو پیام دینے سے پہلے ایک نظر دیکھ لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی خدشہ پیدا نہ ہو۔ یہ مقصد ایک درجہ میں قابل اعتماد عورتوں کے دیکھنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔

ایک ہدایت یہ بھی فرمائی گئی کہ اگر کسی عورت سے نکاح کے لئے کسی دوسرے مرد کی طرف سے پیام دیا جا چکا ہے تو جب تک اس کے لئے انکار نہ ہو جائے اور بات ٹوٹ نہ جائے اس کے لئے پیام نہ دیا جائے۔ اس کی حکمت ظاہر ہے۔

نکاح کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ خفیہ نہ ہو کچھ لوگوں کی موجودگی میں اعلانیہ ہو جو اس کے شاہد اور گواہ ہوں بلکہ بہتر بتایا گیا ہے کہ مسجد میں ہو اسی طرح نکاح کے موقع پر خطبہ بھی مسنون ہے۔ مرد کی طرف سے عورت کے لئے مہر کا نذرانہ بھی ضروری قرار دیا گیا ان سب امور اور نکاح کے دوسرے متعلقات سے متعلق احادیث ذیل میں پڑھیے!

مرد عورت کے جوڑ و ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے بارے میں زمانہ جاہلیت کے طریقے اور ضابطے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النِّكَاحَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَنْحَاءٍ فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ وَلَيْتَهُ أَوْ ابْنَتَهُ فَيُضِدُّهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ آخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ إِذَا طَهَرْتُ مِنْ طَمَثِهَا أَرْسِلِي إِلَى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِي مِنْهُ وَيَعْتَزِّلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمْسُهَا أَبَدًا حَتَّى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذَلِكَ الرَّجُلِ الَّذِي تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَإِذَا تَبَيَّنَ حَمْلُهَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا إِذَا أَحَبَّ وَإِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ رَغْبَةً فِي نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هَذَا النِّكَاحُ نِكَاحَ الْإِسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ آخَرُ يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ مَادُونِ الْعَشْرَةِ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ كُلُّهُمْ يُصِيبُهَا فَإِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ عَلَيْهَا لَيَالٍ بَعْدَ أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا أَرْسَلَتْ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ أَنْ يَمْتَنِعَ حَتَّى يَجْتَمِعُوا عِنْدَهَا تَقُولُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ فَهُوَ ابْنُكَ يَا فُلَانُ تُسَمِّي مَنْ أَحَبَّتْ بِاسْمِهِ فَيُلْحَقُ بِهِ وَلَدُهَا وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنْهُ الرَّجُلُ وَالنِّكَاحُ الرَّابِعُ يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيرُ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَهَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلَى أَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ تَكُونُ عَلَمًا فَمَنْ أَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَإِذَا حَمَلَتْ أَحَدَهُنَّ وَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوا لَهَا وَدَعُوا لَهُمُ الْقَافَةَ ثُمَّ أَلْحَقُوا وَلَدَهَا بِالَّذِي يَرَوْنَ فَالْتَأَطُّ بِهِ وَدُعَى ابْنَهُ لَا يَمْتَنِعُ مِنْ ذَلِكَ..... فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ.

(رواه البخاری)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (انہوں نے بیان فرمایا) کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح (یعنی مرد و عورت کے جوڑ و ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سے متعلق) چار طریقے رائج تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیام دیا جاتا ہے۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہوتی (اس وقت عورت میں حاملہ ہونے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے) تو وہ (کسی بڑی شان والے آدمی کے بارے میں) خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے نیوگ کر لے (یعنی اس سے تعلق قائم کر لے) اور اس کی صحبت سے حمل حاصل ہونے کی کوشش کر) اور پھر وہ شوہر اپنی بیوی سے خود اس وقت تک الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا، پھر جب اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا، اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، اور اس طریقہ کو ”نکاح استبضاع“ کہا جاتا تھا^①۔

اور ایک اور (تیسرا) طریقہ یہ تھا کہ چند آدمیوں کی ٹولی (روایت میں ”رہط“ کا لفظ ہے جو دس سے کم کے لئے بولا جاتا ہے) ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے ہر ایک اس سے صحبت کرتا (اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا) پھر اگر وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ ہو جاتا تو چند روز کے بعد وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی (اور دستور کے مطابق) کسی کے لئے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ اس لئے سب ہی پہنچ جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور (اس کے نتیجہ میں) میرے یہ بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کر کے کہتی اے فلا نے یہ تیرا لڑکا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کا مان لیا جاتا تھا اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (یہ تیسرا طریقہ تھا)

اور چوتھا طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی، یہ پیشہ ور لونڈیاں ہوتی تھیں، ان کے گھروں کے دروازے پر بطور علامت کے ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا ان کے پاس پہنچ جاتا، تو جب ان میں سے کسی کو حمل رہ جاتا اور پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے، پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے اسی کا لڑکا قرار دے دیتے اور بس وہ اس سے چپک جاتا۔ اور اسی کا بیٹا کہا جاتا، وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمانہ جاہلیت کے یہ سب طریقے بیان کرنے کے بعد

① یہ شرمناک طریقہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے بعض پست قبیلوں میں رائج تھا۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک پست سطح کا آدمی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا مثلاً بہادر اور شہسوار ہو یا شکیل و جمیل اور قد آور ہو تو وہ کسی ایسے آدمی کے متعلق جو ان صفات میں ممتاز ہوتا اپنی بیوی سے کہتا کہ تو اس آدمی سے تعلق قائم کر لے تاکہ اس کا حمل قرار پائے اور پھر بیٹا انہی صفات کا اور اسی طرح کا پیدا ہو، اور خود اس وقت بیوی سے الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا۔ عربی میں اس کو ”استبضاع“ کہا جاتا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ ”نیوگ“ کیا ہے۔ ہندو معاشرہ میں نیوگ کا رواج رہا ہے۔ اور اس کو جائز اور درست سمجھا جاتا ہے، اس کی صورت قریب قریب یہی ہوتی ہے۔ اسکی تفصیلات کیلئے بانی آریہ سماج سوامی دیانند سرسوتی کی ”ستیا رتھ پرکاش“ کا مطالعہ کیا جائے۔

فرمایا) پھر جب حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے ان سب (شر مناک اور حیا سوز) مروج طریقوں کو یکسر مٹا دیا۔ اور نکاح و شادی کا بس وہی (پاکیزہ) طریقہ رہ گیا جواب جاری ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کیسی گندگیوں اور تاریکیوں میں تھے اور پھر آپ ﷺ کی ہدایت اور تعلیم و تربیت نے ان کو آسمان ہدایت کا چاند اور سورج بنا دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ مُخْرِجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

جس عورت نکاح کر نیکا کا ارادہ ہوا اسکو ایک نظر دیکھ لینا گناہ نہیں، بلکہ بہتر ہے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَلْقَى اللَّهُ فِي قَلْبِ امْرَأَةٍ خُطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا. (رواه احمد وابن ماجه)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کے دل میں کسی عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا خیال ڈالے تو اس کے واسطے گناہ نہیں ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لے۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤَدِمَ بَيْنَكُمَا. (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک خاتون کے لئے نکاح کا پیام دیا (پیام دینے کا ارادہ کیا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا تو نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک نظر دیکھ لو یہ اس مقصد کے لئے زیادہ مفید ہو گا کہ تم دونوں میں الفت و محبت اور خوشگوار رہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد یہی ہے کہ نکاح و شادی کا مسئلہ بہت اہم ہے ساری عمر کے لئے ایک فیصلہ اور معاہدہ ہے، یہ مناسب نہیں کہ یہ معاملہ ناواقفی و بے خبری کے ساتھ اندھیرے میں ہو، بلکہ واقفیت اور بصیرت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قابل اعتماد لوگوں اور خاص کر عورتوں کے ذریعہ بھی صحیح معلومات حاصل ہو سکتے ہیں، جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے اس کا بہر حال لحاظ رکھا جائے کہ عورت کو یا اس کے گھر والوں کو گرانی اور ناگواری نہ ہو، بلکہ اچھا ہے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو، سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کے مطابق میں چھپ چھپ کر اس کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔

پیام پر دوسرا پیام نہ دیا جائے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خُطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے دوسرے بھائی کے پیامِ نکاح کے مقابلہ میں اپنا پیام دے، تا آنکہ وہ نکاح کر لے یا چھوڑ دے اور بات ختم ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کے لئے اپنا پیام دے دیا ہے تو جب تک ادھر کا معاملہ ختم نہ ہو جائے کسی دوسرے آدمی کے لئے درست نہیں کہ وہ اپنا پیام وہیں کے لئے دے، ظاہر ہے کہ یہ بات پہلے پیام دینے والے آدمی کے لئے ایذا اور ناگواری کا باعث ہوگی اور ایسی باتوں سے فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔

نکاح کے معاملے میں عورت کی مرضی اور ولی کا مقام

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الثِّيبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبَكْرُ يُسْتَأْذِنُهَا أَبُوْهَا فِي نَفْسِهَا وَآذِنُهَا صُمَاتُهَا. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق اور اختیار ہے اور باکرہ (کنواری) کے باپ کو بھی چاہئے کہ اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت حاصل کرے اور اس کی خاموشی بھی اجازت ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبَكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ أَنْ تَسْكُتَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے دریافت نہ کر لیا جائے اور باکرہ (کنواری) لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس کی اجازت کا طریق کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (دریافت کرنے پر) اس کا خاموش ہو جانا (اس کی اجازت سمجھا جائے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... ایام کے اصل معنی ہیں 'بے شوہر والی عورت'، لیکن اس حدیث میں اس سے مراد ایسی عورت ہے جو شادی اور شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد بے شوہر ہو گئی ہو، خواہ شوہر کا انتقال ہو گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو۔ (اسی کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اوپر والی حدیث میں "ثیب" کہا گیا ہے) ایسی عورت کے بارے میں ان دونوں حدیثوں میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کی رائے اور مرضی معلوم کئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا

جائے، یعنی یہ ضروری ہے کہ وہ زبان سے یا واضح اشارہ سے اپنی رضامندی ظاہر کرے، اس حدیث کے لفظ ”حتی تستامر“ کا یہی مطلب ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ”بکر“ سے مراد وہ کنواری لڑکی ہے جو عاقل بالغ تو ہو لیکن شوہر دیدہ نہ ہو۔ اس کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، لیکن ایسی لڑکیوں کو حیا و شرم کی وجہ سے چونکہ زبان یا اشارہ سے اجازت دینا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے دریافت کرنے اور اجازت مانگنے پر ان کی خاموشی کو بھی اجازت قرار دے دیا گیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی عاقل بالغ عورت کا نکاح خواہ وہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو، اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا ولی نہیں کر سکتا، ہاں اگر کوئی لڑکی صغیر السن ہے، ابھی نکاح شادی کے بارے میں سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں ہے اور کئی بہت اچھا رشتہ سامنے ہے اور خود لڑکی کی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا نکاح کر دیا جائے تو ولی (جو خیر خواہی کا ذمہ دار ہے) اپنی خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق نکاح کر سکتا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضور ﷺ سے صرف اپنی صوابدید کے مطابق اس وقت کر دیا تھا جب کہ ان کی عمر ۶-۷ سال کی تھی۔^①

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّهِ. (رواه احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجہ والدارمی)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کے بدون نکاح نہیں۔ (مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ مسند دارمی)

تشریح..... حدیث کا مقصد و مدعا بظاہر یہ ہے کہ نکاح ولی ہی کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ عورت کے لئے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرے۔ یہ اس کے شرف اور مقام حیا کے بھی خلاف ہے اور اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ ہاں جیسا کہ مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا اپنے بارے میں اصل اختیار عورت ہی کا ہے۔ ولی اس کی مرضی اور رائے کے خلاف اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔

ضروری ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اعلانیہ ہو

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَغْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالْأُفُوفِ. (رواه الترمذی)

① اس نکاح میں فریقین کے لئے بڑی مصلحتیں اور برکتیں تھیں، حضرت ابو بکر صدیق حضور پر سب سے پہلے ایمان لائے اور ایسی قربانیاں دیں اور صحبت و رفاقت کا ایسا حق ادا کیا کہ وفات سے کچھ پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ جس نے جو احسان کیا تھا یا جو خدمت کی تھی میں نے سب کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ابو بکر کی خدمات کا بدلہ نہیں دے سکا..... تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کی کم عمری کے باوجود ان سے نکاح اس لئے بھی کر لیا تھا کہ ابو بکر سے قربت کا بھی خاص الخاص تعلق ہو جائے اور ان کا اور ان کے گھر والوں کا جی خوش ہو۔ اس نکاح میں جو اور مصلحتیں اور برکتیں تھیں ان پر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نکاح بالا اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور دف بجوایا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے لہذا بالا اعلان کیا جائے۔ اور اس کے لئے آسان اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے، مسجد کی برکت بھی حاصل ہوگی اور لوگوں کو جمع کرنے جوڑنے کی زحمت بھی نہ ہوگی، گواہوں شاہدوں کی شرط بھی آپ سے آپ پوری ہو جائے گی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں نکاح و شادی کی تقریب کے موقع پر دف بجانے کا رواج تھا اور بلاشبہ اس تقریب کا تقاضا ہے کہ بالکل خشک نہ ہو، کچھ تفریح کا بھی سامان ہو اس لئے آپ ﷺ نے دف بجانے کی اجازت بلکہ ایک گونہ ترغیب دی۔

نکاح کے لئے شہادت ضروری

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْبَغَايَا الَّتِي يَنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورتیں اپنا نکاح شاہد گواہ کے بغیر (چوری چھپے) کر لیں وہ حرام کار ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے جس طرح کہ یہاں نقل کیا گیا ہے اور موقوفاً بھی روایت کیا ہے، یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباس کا قول اور فتویٰ ہے۔ اور سند کے لحاظ سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اگر یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ حضور ﷺ سے سنے بغیر ایسی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے فقہاء اور محدثین کے مسلمہ اصول پر یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے امت کے قریب قریب تمام آئمہ مجتہدین اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے شرائط میں سے ہے جس کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

خطبہ نکاح

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ أَنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○

(فی شرح السنة عن ابن مسعود فی خطبة الحاجة من النکاح وغیرہ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو (نکاح وغیرہ) ہر

اہم ضرورت (اور مواقع) کے لئے یہ خطبہ تعلیم فرمایا۔ ”الحمد لله نستعينه و نستغفره“ فقد فاز فوزاً عظيماً۔“ (ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے ہم (اپنی سب ضرورتوں اور تمام مقاصد میں) اسی سے مدد کے طالب اور خواستگار ہیں اور اسی سے (اپنے قصوروں اور گناہوں کی) معافی اور مغفرت کی استدعا کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اسی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کے لئے اللہ ہدایت سے محرومی کا فیصلہ فرمادے اس کو کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول برحق ہیں۔ اے ایمان والو! اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم باہم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کی حق تلفی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اس کے فرمانبردار ہو۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ سیدھی بات بولو وہ تمہارے اعمال درست فرمادے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو بندہ حکموں پر چلے اللہ اور اس کے رسول کے تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ (سنن ابی داؤد، مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ یہ خطبہ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے صرف نکاح کے موقع کے ہی لئے نہیں ہے بلکہ عمومی قسم کا ہے اس کا مضمون بہت ہی جامع ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ الہامی ہے اس کی بعض روایات میں ایک دو لفظوں کا اضافہ بھی ہے۔ یہاں جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں ابن ماجہ کی روایت میں شروع میں ”الحمد لله“ کے بعد ”نحمده“ کا اضافہ ہے۔ اسی طرح ”ونعوذ بالله من شرور أنفسنا“ کے بعد ”ومن سيئات أعمالنا“ کا بھی اضافہ ہے۔ آخر میں قرآن پاک کی تین آیتیں ہیں۔ ایک سورہ نساء کی پہلی آیت کا آخری حصہ ہے۔ ^① ”وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا“ اسکے بعد دوسری آیت سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۲ ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ“ الایۃ۔ اسکے بعد تیسری آیت سورہ احزاب کی آیت ۷۰ ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا“ الایۃ۔

کسی بھی اہم موقع پر ایک بندہ کو اللہ کے حضور میں اپنی بندگی اور نیاز مندی و وفاداری کے اظہار کے لئے بارگاہ خداوندی میں جو کچھ عرض کرنا چاہئے وہ سب اس خطبہ کے ابتدائی حصہ میں آ گیا ہے اور آخر میں جو تین آیتیں ہیں وہ بندہ کی ہدایت کے لئے بالکل کافی ہیں۔ یہ خطبہ عقد نکاح سے پہلے پڑھا جاتا ہے بلکہ اسی مقدس خطبہ سے نکاح کی کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ افسوس یہ خطبہ پڑھنا بھی اب ایک رسم بن کر رہ گیا ہے

① خطبہ میں یہاں حدیث کے کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے اور سورہ نساء کی یہ آیت اس طرح روایت کی گئی ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا“ حالانکہ یہاں شروع میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ نہیں ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر صرف یہ ہیں ”وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ“ الایۃ

ورنہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی نصیحت اور یاد دہانی کی نکاح کے فریقین کو اور سب ہی کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس خطبہ ہی پر عمل نصیب فرمادے تو دنیا اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی کے لئے کافی ہے۔

مہر کی اہمیت اور اس کا لزوم

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے جو نکاح کے سلسلہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں بھی مہر مقرر کیا جاتا تھا یعنی نکاح کرنے والے مرد کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیوی کو ایک معین رقم ادا کرنا اپنے ذمہ لے۔ اسلام میں اس طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔ یہ مہر اس بات کی علامت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے والا مرد اس کا طالب اور خواستگار ہے اور وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مہر کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت و استطاعت مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم (یا اس کے قریب) مقرر فرمایا اور آپ ﷺ کی اکثر ازواج مطہرات کا مہر بھی یہی تھا۔ لیکن حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے سامنے اس سے بہت کم اور بہت زیادہ بھی مہر باندھے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات والے مہر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مہر کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض فرضی اور رسمی بات اور زبانی جمع خرچ کے قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہے، الا یہ کہ بیوی خود ہی وصول کرنا نہ چاہے۔ قرآن پاک میں صراحۃً ارشاد ہے۔

وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. یعنی اپنی بیویوں کے مہر خوش دلی سے ان کو ادا کرو (النساء: ۴).....

اور رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں جو تاکید و تشدید فرمائی ہے وہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگی۔

عَنْ مِمْوْنِ الْكُرْدِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: **إِمَارُ جُلٍ تَزْوُجَ امْرَأَةً عَلَى مَا قُلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِي نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدَّى إِلَيْهَا حَقُّهَا لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُوَ زَانٍ.** (رواه الطبرانی)

فی الاوسط والصغیر

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہے تو قیامت میں اللہ کے حضور میں زنا کار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (بخاری الاوسط و الصغیر)

صغیر للطبرانی

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو شخص اداء مہر کے بارے میں شروع ہی سے بدنیت ہے اس نے مہر کا اقرار تو کر لیا ہے لیکن دل میں یہ ہے کہ یہ بس زبانی بات ہے، دینا دلانا کچھ نہیں ہے تو اس کے نکاح میں اتنا بڑا نقص

اور وہ اس درجہ کا گنہگار ہے کہ قیامت میں وہ زنا کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ قریب قریب اسی مضمون کی اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثیں مختلف کتب حدیث کے حوالہ سے کنز العمال میں نقل کی گئی ہیں۔ ان حدیثوں میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے جو مہر کو صرف زبانی اور رسمی بات سمجھتے ہوئے اتنی بڑی رقم کے مہر مقرر کر لیتے ہیں جن کی ادائیگی کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ صِدَاقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ كَانَ صِدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتِي عَشْرَةَ أَوْقِيَةً وَنَشْءٌ. (رواہ مسلم)

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا مہر کتنا تھا؟ تو انہوں نے بتلایا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے لئے جو مہر مقرر فرمایا تھا وہ ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا اس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیہ کے پورے پانچ سو درہم ہوتے تھے۔ یہ حساب اور تشریح خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس زمانے میں پانچ سو درہم کی رقم اچھی خاصی ہوتی تھی اس سے کم و بیش چالیس پچاس بکریاں خریدی جاسکتی تھیں۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ لَمَاتَ بَارِضُ الْحَبَشَةِ فَرَزَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَمَّهَرَهَا عَنْهُ أَرْبَعَةُ أَلْفِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَعَ شُرَحْبِيلِ بْنِ حَسَنَةَ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ وہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں (اور اپنے شوہر کے ساتھ انہوں نے مکہ سے ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی وہیں حبشہ میں) ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور حضور ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر باندھ کے خود ہی ان کو ادا کر دیا اور شرحبیل بن حسنہ صحابی کے ساتھ ان کو حضور ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح۔۔۔ یہ ام حبیبہؓ ابو سفیانؓ کی بیٹی تھیں جو فتح مکہ تک کفار مکہ کے لیڈر اور حضور ﷺ کے سخت ترین دشمن رہے، پھر ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی، لیکن ان کی بیٹی بہت پہلے دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر چکی تھیں، ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، پھر جب مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کو حد سے زیادہ ستایا گیا تو حضور ﷺ کی اجازت اور ایماء سے بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ام حبیبہؓ اور ان کے شوہر نے بھی ہجرت کی۔ پھر اللہ کی شان کچھ مدت کے بعد شوہر عبید اللہ بن جحش نے اسلام چھوڑ کر نصرانی مذہب اختیار کر لیا جو عام اہل حبشہ کا مذہب تھا اور شراب وغیرہ کثرت سے پینے لگے، پھر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا لیکن ام حبیبہؓ

استقامت کے ساتھ برابر اسلام پر قائم رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب عبید اللہ بن جحش کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ام حبیبہؓ کی قدر دانی و دل داری اور دوسرے اہم مصالح کے پیش نظر ان کو اپنے نکاح میں لے لینے کا ارادہ کیا اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس قاصد بھیجا کہ ام حبیبہؓ کو میری طرف سے نکاح کا پیام دیا جائے۔ نجاشی نے ابرہہ نامی اپنی باندی کے ذریعہ ام حبیبہؓ کو پیام دیا۔ انہوں نے بہت ہی مسرت اور ممنونیت کے ساتھ اس کو منظور کر لیا اور مہاجر مسلمانوں میں سے اپنے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید بن العاصی کو اپنا وکیل بنادیا اور جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی کی اس زیر تشریح روایت میں ہے نجاشی نے حبشہ ہی میں ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور خود ہی آپ ﷺ کی طرف سے مہر بھی نقد ادا کر دیا۔ ابو داؤد کی اس روایت میں مہر کی مقدار چار ہزار درہم بتائی گئی ہے لیکن مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں چار ہزار دینار ذکر کی گئی ہے اور اصحاب نقل و روایت نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال ازدواج مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری امہات المؤمنین کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا لیکن یہ حضور ﷺ نے نہیں بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا جو ایک بادشاہ تھا اور یہی اس کی شان اور حیثیت کے لائق تھا اور جیسا کہ حدیث میں ہے اس نے خود ہی ادا بھی کیا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا ہے۔

نجاشی حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا اس نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا وہ مہاجرین کے ذریعے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم سے واقف ہوا تھا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا ۸ھ یا ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا رسول اللہ ﷺ کو وحی سے اس کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی اطلاع دی اور مدینہ طیبہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ **رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه**

نکاح کے بعد مبارکباد اور دعا

دنیا کی مختلف قوموں اور گروہوں میں شادی اور نکاح کے موقع پر مبارکبادی کے مختلف طریقے رائج ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے اپنی تعلیم اور عمل سے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ دونوں کے لئے اللہ سے برکت کی دعا کی جائے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھرپور خیر اور بھلائی نصیب فرمائے اور اپنے کرم کے بادل برسائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَا الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكَمَا وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ. (رواه احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی ایسے آدمی کو جس نے شادی کی ہوتی مبارکباد دیتے تو یوں فرماتے اللہ تم کو مبارک کرے تم دونوں پر برکت نازل فرمائے اور خیر اور بھلائی میں تم دونوں کو ہمیشہ متفق اور مجتمع رکھے۔ (مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً أَوْ شَرَى

خَادِمًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا خدمت کرنے والا غلام یا باندی خریدے تو یہ دعا کرے۔ اے اللہ! اس میں جو خیر اور بھلائی ہے اور تو نے اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی رکھی ہے میں تجھ سے اسکا سائل ہوں وہ مجھے نصیب فرما۔ اور اسکے شر سے اور اسکی فطرت کے شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں تو اس سے میری حفاظت فرما۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح شادی اور نکاح انسان کی نفسانی شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں تعلیم فرما کر اس کو بھی قرب الہی کا وسیلہ اور ایک نورانی عمل بنادیا۔ (یہ دونوں دعائیں اسی سلسلہ معارف الحدیث کی ”کتاب النکاح“ میں بھی گزر چکی ہیں)

شادی جتنی ہلکی پھلکی اور آسان ہو اتنی ہی بابرکت ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَهٗ اَيَسْرُهُ مُؤْنَةً (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نکاح بہت بابرکت ہے جس کا بار کم سے کم پڑے۔ (شعب الایمان لمصطفیٰ)

تشریح ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد صرف ایک حقیقت بیان کر دینا نہیں ہے، بلکہ اس میں اُمت کو ہدایت اور رہنمائی دی گئی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہوا کریں اور بشارت سنائی گئی ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری شادیوں اور اس کے نتیجوں میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ آج ہم جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور خاص کر خانگی زندگی میں جو الجھنیں ہیں ان کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ نکاح و شادی کے بارے میں حضور ﷺ کی ان ہدایات سے انحراف کر کے ہم آسمانی برکات اور خداوندی عنایات سے محروم ہو گئے ہیں۔

فاطمی جہیز

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَهَّزَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ وَ قِرْبَةٍ وَ وِسَادَةٍ خَشَوْهَا اِذْ خُرُ.

(رواہ النسائی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جہیز کے طور پر یہ چیزیں دی تھیں، ایک پلودار چادر، ایک مشکیزہ، ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔ (سنن نسائی)

تشریح..... ہمارے ملک کے اکثر اہل علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر ”جہیز“

کے طور پر دی تھیں۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو ”جہیز“ کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج بلکہ تصور بھی نہیں تھا اور ”جہیز“ کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلہ میں بھی کہیں کسی قسم کے ”جہیز“ کا ذکر نہیں آیا، حدیث کے لفظ ”جہیز“ کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں بلکہ ضرورت کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے حضور ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علیؑ کے سر پرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور انہی کے پیسوں سے کیا تھا کیونکہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں۔ روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا۔

شادی کے بعد ولیمہ

اپنی حسبِ خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دلی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور اس کا حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار ہو، ولیمہ اس کی عملی شکل ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس کے ذریعہ شادی کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار ہو جاتا ہے کہ شادی کے اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابلِ شکر نعمت سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز منکوحہ عورت اور اس کے گھر والوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و مودت میں اضافہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل دونوں سے اس کی رہنمائی فرمائی۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ آثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هَذَا؟ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ أَوْلِمَ وَلَوْ بِشَاةٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کرے! ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ پوری ایک بکری کر ڈالو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح حضور ﷺ کے ارشاد ”أَوْلِمَ وَلَوْ بِشَاةٍ“ کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ دل کھول کے ولیمہ کرو، چاہو تو اس ولیمہ کے لئے ایک بکری مستقل ذبح کر ڈالو۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب اور رفقاء کی تطیب خاطر کے لئے کبھی ایسی بے تکلفی اور خوش طبعی کی باتیں بھی فرمایا کرتے تھے، حضرت عبد الرحمن بن عوف سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی اسی قبیل سے تھا۔

ایک بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت نے صحابہ کرام کو ایسا بنا

دیا تھا کہ وہ اپنی شادی نکاح کی تقریبات میں بھی حضور ﷺ کو شرکت کی زحمت نہیں دیتے تھے بلکہ اطلاع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف جو خواص اصحاب اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں انہوں نے خود اپنی شادی کی اور حضور ﷺ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔

حدیث میں عبدالرحمن بن عوف پر زردی کے اثر کا جو ذکر ہے اس کی حقیقت یہ سمجھنی چاہئے کہ نئی دالہنیں زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں اس کا اثر مرد کے کپڑوں یا جسم پر بھی آجاتا تھا رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کا اثر عبدالرحمن بن عوف پر محسوس کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ أَوْلَمَ بِشَاةٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع پر کیا۔ پوری ایک بکری پر ولیمہ کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور سب بیویوں کے نکاح پر آپ ﷺ نے جو ولیمہ کی دعوت کی وہ اس سے مختصر اور ہلکے پیمانہ پر کی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں صفیہ بنت شیبہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض بیویوں کے نکاح پر جو ولیمہ کی دعوت کی تو صرف دو سیر جو کام میں آئے اور اسی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت صفیہ کو اپنے نکاح میں لیا اور لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دی تو دسترخوان پر گوشت روٹی کچھ نہیں تھا کچھ کھجوریں تھیں اور کچھ پنیر اور مکھن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لئے باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں کھانے پینے کی جو بھی مناسب اور مرغوب چیز میسر ہو رکھ دی جائے۔ لیکن بد قسمتی کی انتہا ہے کہ ہم مسلمانوں نے جہیز کی طرح ولیمہ کو بھی ایک مصیبت بنالیا۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہئے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا. (رواہ)

(البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ دعوت قبول کرے اور آئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح۔۔۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت ولیمہ صحیح قسم کے ہی ہوتے تھے اور ایسے ولیمے جب بھی اور جہاں بھی ہوں ان کے لئے یہی حکم ہے۔ ایسی مخلصانہ دعوتیں بابرکت ہیں لیکن جن ولیموں میں کھلا اسراف اور نمائش اور تفاخر ہو یا دوسری قسم کی منکرات ہوں ان کے لئے ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ہاں کھانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

کیسے لوگوں کا کھانا نہ کھایا جائے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِكِينَ أَنْ يُؤْكَلَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باہم مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دیکھانے کے لئے شاندار دعوتیں کریں ان کے کھانے میں شرکت کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ولیمہ کا کھانا برا کھانا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور حاجتمندوں غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جس نے دعوت کو (بلاوجہ شرعی) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح حدیث کے پہلے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ جب کوئی ولیمہ کرے تو غریبوں حاجت مندوں کو نظر انداز نہ کرے ان کو ضرور دعوت دے جس ولیمہ میں ان کو نہ بلایا جائے صرف امیروں اور بڑے لوگوں کو مدعو کیا جائے اس کا کھانا اس لائق نہیں ہے کہ کھایا جائے۔ ظاہر ہے کہ ولیمہ کے علاوہ دوسری قسم کی دعوتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ حدیث کے دوسرے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی مانع یا مجبوری نہ ہو تو مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنا چاہئے۔ اس سے دلوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے اور قبول نہ کرنے سے دلوں میں دوری اور بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے بلاوجہ دعوت کا قبول نہ کرنا اللہ و رسول کی مرضی اور حکم کے خلاف ہے۔

مباشرت سے متعلق ہدایات اور احکام

وَعَا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا فَإِنَّهُ إِنْ يُقْلَرُ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے: ”بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ

جَنَبَ الشَّيْطَانُ مَا رَزَقْتَنَا۔ (بسم اللہ! اے اللہ تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان کبھی اسکا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح یہ حدیث معارف الحدیث ”**کتاب النکاحات**“ میں بھی ذکر کی جا چکی ہے اور وہاں تشریح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ”**اشعۃ اللمعات**“ کے حوالہ سے ان کا یہ عارفانہ نکتہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا نہ کی اور خدا سے غافل رہ کر جانوروں کی طرح شہوت نفس کا تقاضا پورا کر لیا تو ایسی مباشرت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ شیطان کے شر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ اس کے آگے شیخ نے فرمایا ہے کہ ”اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق، عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں اس کی خاص بنیاد یہی ہے۔“ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی ان ہدایات کی روشنی میں اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مباشرت ایک راز ہے اس کا افشاں بدترین گناہ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَشْرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں وہ آدمی بدترین درجہ میں ہوگا جو بیوی سے ہم بستری کے بعد اس کا راز فاش کرے۔ (صحیح مسلم)

خلاف وضع فطری عمل پر خدا کی لعنت ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیوی کے ساتھ خلاف وضع فطرت عمل کرے وہ ملعون ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مرد یا عورت کے ساتھ خلاف وضع فطرت حرکت کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح بے چارے حیوانات بھی جو عقل و تمیز سے محروم ہیں وہ بھی شہوت کا تقاضا خلاف فطرت طریقے سے پورا نہیں کرتے، پس جو انسان ایسا کرتے ہیں وہ حیوانوں سے بھی بدتر اور ”**ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ**“

سافلیں O کے مصداق ہیں۔ یہ بات قیامت اور آخرت ہی میں معلوم ہوگی کہ اللہ کی نظر کرم سے محروم ہو جانا کتنی بڑی بد بختی ہے۔

عزل

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کسی خاص وجہ سے (مثلاً بیوی کی صحت یا پہلے بچہ کی صحت کے تحفظ کے خیال سے) یہ نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کی بیوی کو حمل قرار پائے وہ اس غرض سے ایسا کرتا ہے کہ انزال کا وقت قریب آنے پر اپنے کو بیوی سے الگ کر لیتا ہے تاکہ مادہ منویہ باہر خارج ہو جائے اسی کو عزل کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسا کرتے تھے اس کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا جس کا ذکر آگے حدیث میں آرہا ہے اور بظاہر جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ممنوع اور ناجائز تو نہیں ہے لیکن اچھا بھی نہیں ہے۔ امت کے اکثر فقہانے اس باب کی حدیثوں سے یہی سمجھا ہے اور ان کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور مصالح کی وجہ سے عزل کرے تو گنجائش ہے گناہ نہیں ہے۔ لیکن فی زمانہ مغربی اقوام و ممالک کی تقلید و پیروی میں بعض ملکوں میں ملکی اور قومی پیمانے پر تحدید نسل کی مہمیں جس طرح چلائی جا رہی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نسل بڑھنے نہ پائے اگر بڑھتی رہی تو روٹی نہ ملے گی اس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے یہ وہی گمراہانہ نقطہ نظر ہے جس کی بناء پر زمانہ جاہلیت کے بعض عرب اپنے نو مولود بچوں کو ختم کر دیتے تھے۔ قرآن پاک میں انہی سے فرمایا گیا ہے۔

لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ O (الانعام: ۱۹)

اپنے بچوں کو مفلسی اور ناداری کی وجہ سے ختم نہ کرو، ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ اس تمہید کے بعد عزل سے متعلق مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعِزُّ زُلَّ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ. (رواہ البخاری و مسلم) **وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ فَلَمْ يَنْهَنَا**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں) جبکہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا ہم لوگ (یعنی بعض اصحاب) عزل کرتے تھے (اور اس کی ممانعت میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی) اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کو اس کی اطلاع بھی ہوئی مگر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْعِزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُونُ الْوَلَدُ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ پورے مادہ منویہ ہی سے بچہ ہو۔ (یعنی غیر ارادی طور پر خارج ہونے والے ایک قطرہ سے بھی اللہ کا حکم ہو تو حمل قرار پا سکتا ہے) اور جب

کسی چیز کی تخلیق کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو جائے تو پھر کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی۔ (صحیح مسلم)

تشریح آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ عزل کیا جائے گا تو بچہ نہیں ہوگا، اگر اللہ کی مشیت ہوگی تو بچہ بہر حال پیدا ہوگا۔ یہ مضمون آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ لِي جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَأَنَا أَطْوَفُ عَلَيْهَا وَآكُرُهُ أَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ إِعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ فَإِنَّهُ سَيَاتِيهَا مَا قُدِرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ أَخْبَرْتُكَ إِنَّهُ سَيَاتِيهَا مَا قُدِرَ لَهَا. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے اور وہی ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے حمل قرار پا جائے (غالباً مطلب یہ تھا کہ کیا میں عزل کر سکتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو عزل کرو۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس باندی کے لئے جو مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور ہوگا۔ کچھ دنوں کے بعد وہی آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس باندی کے تو حمل قرار پا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تم کو بتایا تھا کہ جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کے رہے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں اور اس سے پہلے والی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے وجود کا فیصلہ ہو چکا ہے تو اس کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کے رہے گا۔ مثلاً ایک آدمی اس مقصد سے کہ بیوی کے حمل قرار نہ پائے عزل کرتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی وقت بچہ پیدا ہونے کی ہوگی تو ایسا ہوگا کہ وہ بروقت عزل نہ کر سکے گا اور مادہ منویہ اندر ہی خارج ہو جائے گا یا وہ عزل کرے گا لیکن مادہ کا کوئی جز پہلے ہی خارج ہو جائے گا اور اس کو شعور بھی نہ ہوگا۔ الغرض انسانی تدبیر قلیل ہوگی اور ارادۃ الہیہ پورا ہو کے رہے گا۔ واللہ اعلم۔

چار بیویوں تک کی اجازت

جو لوگ انسانوں کی فطرت اور ان کے مختلف طبقات کے حالات سے واقف ہیں وہ یقین کے ساتھ جانتے ہوں گے کہ بہت سے آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے اور بہت سے اپنے یا اپنی بیوی کے مخصوص حالات کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہ ہو تو اس کا بڑا خطرہ ہوگا کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائیں اسی لئے آسمانی شریعتوں میں جن میں زنا شدہ حرام قرار دیا گیا ہے عام طور سے اس کی اجازت رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں خاص کر شادی شدہ آدمی کے لئے زنا ناشدید گناہ ہے کہ اس کی سزا سنگساری ہے ایسی شریعت میں اگر کسی حال میں بھی تعدد ازواج کی اجازت نہ ہو تو انسان پر قانون کی یہ

بہت زیادتی ہوگی۔ جن مغربی ملکوں اور قوموں کے قانون میں تعدد ازواج کی بالکل گنجائش نہیں ہے ان میں زنا کو قانونی جواز حاصل ہے اور عملاً بھی وہاں زنا کی جتنی کثرت ہے وہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہے۔ اسلامی شریعت نے زنا کو ختم کرنے کے لئے ایک طرف تو اس کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کی اور دوسری طرف مناسب شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے وجوہ و اسباب ہیں جن کا یہی تقاضا ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کی بہت سی دوسری قوموں کی طرح عربوں میں بھی بیویوں کی تعداد کا کوئی تحدیدی ضابطہ نہ تھا، بعض لوگ دس دس اور اس سے بھی زیادہ بیویاں رکھتے تھے، اسلامی شریعت میں انسانوں کی مختلف حالتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی آخری حد چار مقرر فرمادی گئی۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ غِيلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ اسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَسْلَمَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقِ سَائِرَهُنَّ (رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی نے اسلام قبول کیا اور اس وقت ان کی دس بیویاں تھیں ان سب نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تو حضور ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ چار بیویاں تو رکھو اور باقیوں کو جدا کر دو۔ (مسند احمد)

بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں عدل و مساوات

اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس کے لئے بطور فریضہ کے لازم کیا گیا ہے کہ وہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے کسی کے ساتھ ادنیٰ بے انصافی نہ ہو۔ قرآن مجید میں سورہ نساء کی جس آیت میں چار تک کی اجازت دی گئی ہے اس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ ”وَإِنْ لَّمْ تَعْدُوا فَوَاحِدَةً“ یعنی اگر تم ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنے کی صورت میں عدل پر قائم نہ رہ سکو اور ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ کر سکو تو بس ایک ہی بیوی پر قناعت کرو ایک سے زیادہ نکاح مت کرو۔

بیویوں کے ساتھ عدل نہ کرنے والے شوہروں کو آخرت میں جو خاص رسوا کن عذاب ہو گا رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی ذکر فرمایا تاکہ لوگ اس معاملے میں ڈرتے رہیں۔ ہاں دل کے میلان پر انسان کا اختیار نہیں اس میں بندہ معذور ہے لیکن معاملہ اور برتاؤ میں فرق نہ ہونا چاہئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد والنسائی و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی آدمی کی دو (یا زیادہ) بیویاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ عدل و مساوات کا برتاؤ نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک دھڑگرا ہوا ہو گا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح دنیا کے گناہوں اور آخرت کی سزاؤں میں جو مناسب اور مشابہت ہوگی یہ بھی اس کی ایک مثال

ہے، وہ معاملہ اور برتاؤ میں ایک بیوی کی طرف جھکتا تھا، قیامت کے دن وہ اس حال میں ہوگا کہ اس کا ایک دھڑگر اہوا ہوگا اور سب اس کو اس حال میں دیکھیں گے۔ اللہ کی پناہ کیسا منظر ہوگا اور کیسی رسوائی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ وَيَقُولُ اَللّٰهُمَّ هَذَا قَسْمِيْ فَيَمَّا اَمْلِكُ

فَلَا تَلْمِزْنِيْ فَيَمَّا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سب بیویوں کے ہاں باری باری رہتے تھے اور پورے عدل کا برتاؤ فرماتے تھے اور اس کے ساتھ اللہ سے عرض کرتے تھے کہ اے میرے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان معاملات میں اور اس عملی برتاؤ میں جو میرے اختیار میں ہیں۔ پس میری سرزنش اور محاسبہ نہ فرما (دل کے) اس معاملے میں جو تیرے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔ (جامع ترمذی مسنن ابی داؤد مسنن نسائی مسنن ابن ماجہ مسند دارمی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جہاں تک رہن سہن اور عملی برتاؤ کا تعلق ہے اس میں رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مثالی اور کامل عدل فرماتے تھے جو معاملہ اور برتاؤ کسی ایک کے ساتھ تھا وہ سب کے ساتھ تھا، لیکن قلبی محبت اور دل کا میلان ایسی چیز ہے جس پر کسی بشر کا قابو نہیں، آپ ﷺ کا بھی قابو نہیں تھا، اس کا حال یکساں نہیں تھا، اس کے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح معذرت فرماتے تھے کہ ”اے اللہ! یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے آپ کے اختیار میں ہے اس پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہو۔ یہ آپ ﷺ کا کمال عہدیت تھا ورنہ قرآن مجید میں فرمادیا گیا ہے..... لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اَلًا وَّ سَعْيًا“

طلاق اور عدت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، نکاح و شادی کا مقصد یہ ہے کہ مرد و عورت یہ رشتہ قائم کر کے اور باہم وابستہ ہو کر عفت و پاکبازی کے ساتھ مسرت و شادمانی کی زندگی گزار سکیں اور جس طرح وہ خود کسی کی اولاد ہیں اسی طرح ان سے بھی اولاد کا سلسلہ چلے اور وہ اولاد ان کے لئے دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اور آخرت میں حصول جنت کا وسیلہ بنے۔ اور ان مقاصد کے لئے ضروری ہے کہ دونوں میں محبت اور خوشگواری کا تعلق رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شوہروں اور بیویوں کو باہم برتاؤ کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا محور اور مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس کے باوجود کبھی ایسے حالات ہو جاتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان سخت سختی اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ رہنا بجائے راحت و مسرت کے مصیبت بن جاتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ترغیب یہی ہے کہ حتی الوسع دونوں ناگواریوں کو جھیلیں، نباہنے اور تعلقات کو خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن آخری چارہ کار کے طور پر ”طلاق“ کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اگر کسی حالت میں بھی طلاق اور علیحدگی کی اجازت نہ ہو تو پھر یہ تعلق اور رشتہ دونوں کیلئے عذاب بن سکتا ہے۔ پھر طلاق کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ طلاق اور اس کے ذریعے شوہر و بیوی کے تعلقات کا ٹوٹنا اللہ تعالیٰ کو بے حد ناپسند ہے لہذا جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنا ہی چاہئے نہ مرد خود یہ اقدام کرے نہ عورت اس کا مطالبہ کرے بس انتہائی مجبوری کی صورت ہی میں ایسا کیا جائے جس طرح کسی عضو میں بڑا فساد پیدا ہو جانے کی صورت میں آپریشن گوارا کیا جاتا ہے۔

پھر اس طلاق اور علیحدگی کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ شوہر طہر کی حالت میں (یعنی جن دنوں میں عورت کی ناپاکی کی خالص حالت نہ ہو) صرف ایک رجعی طلاق دے تاکہ زمانہ عدت میں رجعت یعنی رجوع کر لینے کی گنجائش رہے پھر اگر شوہر رجوع کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے تو عدت کی مدت گزر جانے دے اس سے رجعت کی گنجائش تو نہ رہے گی لیکن دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا رشتہ قائم ہو سکے گا۔

ایک وقت تین طلاقیں دینے کو تو ناجائز اور سخت گناہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا، لیکن متفرق اوقات میں تین طلاقیں دینے کو بھی سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اور اس کی یہ سزا اس دنیا ہی میں مقرر کی گئی ہے کہ اگر وہ شوہر اپنی اس مطلقہ بیوی سے پھر نکاح کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا، جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آکر اس کی زیر صحبت نہ رہی ہو، پھر یا تو اس کے انتقال کر جانے سے بیوہ ہو گئی ہو یا اس نے بھی طلاق دے دی ہو۔

..... الغرض صرف اسی صورت میں عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کا دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ یہ سخت پابندی دراصل شوہر کو تین طلاق دینے ہی کی سزا ہے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی چند احادیث ذیل میں پڑھیے:

طلاق سخت ناپسندیدہ فعل

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض ”طلاق“ ہے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا مَعَاذُ مَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ. (رواہ

الدارقطنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہو۔ اور روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو طلاق دینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہو۔“ (سنن دارقطنی)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلْتُ زَوْجَهَا طَلَقًا فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ

عَلَيْهِ رَاحَةُ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ مسند دارمی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد کے ساتھ رہنے میں واقعی زیادہ تکلیف ہو اور وہ طلاق طلب کرے تو اس کے لئے یہ وعید نہیں ہے ہاں اگر بغیر کسی بڑی تکلیف اور مجبوری کے طلاق چاہے گی تو یہ اس کے لئے سخت محرومی اور گناہ کی بات ہوگی۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُطَلِّقُوا النِّسَاءَ إِلَّا مِنْ رِيَّةٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يُحِبُّ الذَّوَاقِينَ وَالذَّوَاقَاتِ. (رواہ البزار و الطبرانی فی الکبیر والایوسط)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہیں دینی چاہئے الا یہ کہ ان کا چال چلن مشتبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو ذائقہ چکھنے کے شوقین اور خوگر ہوں۔ (مسند بزار، ترمذی، کبیر و ایوسط الطبرانی)

تشریح..... حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد اللہ کی محبت اور پسندیدگی سے محروم ہیں جو بیوی کو اس لئے طلاق دیں کہ اس کی جگہ دوسری بیوی لا کر نیذاائقہ چکھیں اسی طرح وہ عورتیں بھی محروم ہیں جو اس غرض سے شوہروں سے طلاق لیں کہ کسی دوسرے مرد کی بیوی بن کر نیامز اچکھیں۔

طلاق کا وقت اور طریقہ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَتَغَيَّطَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لِيرَا جِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكُهَا حَتَّى تَطْهَرُ ثُمَّ تَحِيضُ فَتَطْهَرُ فَإِنْ بَدَّالَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يُمْسِكُهَا فَإِنَّكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود انہوں نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں کہ اس کی ناپاکی کے ایام جاری تھے طلاق دے دی تو ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے اس پر بہت سخت برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا اور حکم دیا کہ عبد اللہ بن عمر کو چاہئے کہ وہ اس طلاق سے رجعت کر لے اور بیوی کو اپنے پاس اپنے نکاح میں رکھے یہاں تک کہ ناپاکی کے ایام ختم ہو کر طہر (یعنی پاکی کے ایام) آجائیں اور پھر اس طہر کی مدت ختم ہو کر دوبارہ ناپاکی کے ایام آجائیں اور اس کے بعد وہ پھر طہر کی حالت میں آجائے۔ تو اس حالت میں اگر وہ طلاق ہی دینا مناسب سمجھے تو اس طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر اس کو طلاق دے دے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے (فَطَلِّقُوا هُنَّ

لَعَدْتُهُنَّ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے اور اگر غلطی سے کوئی ایسا کرے تو اس کو رجعت کر لینی چاہئے۔ پھر اگر طلاق ہی دینے کی رائے قائم ہو تو اس طہر میں طلاق دینی چاہئے جس میں صحبت کی نوبت نہ آئی ہو۔ اس کی حکمت ظاہر ہے کہ ناپاکی کی حالت میں عورت قابلِ رغبت نہیں ہوتی۔ طہر کی حالت میں اس کا کافی امکان ہے کہ شوہر کے دل میں رغبت پیدا ہو جائے اور طلاق دینے کا خیال ہی ختم ہو جائے اور اللہ و رسول کی زیادہ خوشی اسی میں ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ جو طلاق انہوں نے حیض کی حالت میں دے دی تھی وہ اس سے رجعت کر لیں اور ایک طہر گزر جانے دیں اور اگر طلاق دینی ہی ہو تو پھر دوسرے طہر میں دیں۔ اس کا مقصد بھی بظاہر یہی تھا کہ درمیان کے طہر کی پوری مدت میں جب دونوں ساتھ رہیں گے تو اس کا امکان ہے کہ تعلقات میں پھر خوشگوازی آجائے اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور طلاق دینے ہی کا فیصلہ ہو تو آپ ﷺ نے اجازت دی کہ دوسرے طہر میں قبل از صحبت طلاق دی جائے۔ ”قبل از صحبت“ کی پابندی لگانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب ناپاکی کے ایام ختم ہوتے ہیں تو فطری طور پر صحبت کی رغبت ہوتی ہے اس طرح یہ پابندی بھی طلاق دینے میں رکاوٹ کا سبب بن سکتی ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رجعت کرنے کا جو حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو حیض کے ایام میں طلاق دینا اگرچہ ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے لیکن یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہ ہوئی ہوتی تو رجعت کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور آنحضرت ﷺ رجعت کا حکم دینے کے بجائے یہ فرماتے کہ طلاق واقع ہی نہیں ہوئی۔

بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ

عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ قَالَ أَخْبَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا فَقَامَ غَضْبَانٌ ثُمَّ قَالَ أَيْلَعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ حَتَّى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا أَقْتُلُهُ. (رواہ النسائی)

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدی ہیں تو آپ ﷺ سخت غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ ابھی جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا؟ (یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا اس کتاب اللہ کے ساتھ گستاخانہ کھیل اور مذاق ہے جس میں طلاق کا طریقہ اور قانون پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ تو کیا میری موجودگی میں اور میری زندگی ہی میں کتاب اللہ اور اس کی تعلیم سے مذاق کیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے سخت غصہ کی حالت میں یہ بات ارشاد فرمائی) تو ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس

آدمی کو قتل ہی نہ کر دوں جس نے یہ حرکت کی ہے؟ (سنن نسائی)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ اور قرآن مجید کے بتلائے ہوئے طریق طلاق سے انحراف اور اس کے ساتھ ایک طرح کا کھیل اور مذاق ہے، لیکن جس طرح حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سخت گناہ اور معصیت ہونے کے باوجود پڑ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے عورت ”مطلقاتہ“ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں بھی جمہور آئمہ امت کے نزدیک پڑ جاتی ہیں۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو ”کتاب اللہ کے ساتھ کھیل اور مذاق“ غالباً اسی بناء پر فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی آیت ”الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ..... اِلٰی قَوْلِهِ تَعَالٰی“ **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ طلاقیں دینی ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نہیں، بلکہ مختلف دفعات میں درمیان میں مناسب وقفوں کے ساتھ دی جائیں، جس کی شرح اور تفصیل حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے۔

حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جن صحابی نے اس غلط کار آدمی کو قتل کر دینے کے بارے میں حضور ﷺ سے عرض کیا تھا ان کو آپ ﷺ نے کیا جواب دیا؟ بظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور خاموشی ہی سے یہ بتلادیا کہ اگرچہ اس آدمی نے سخت گمراہانہ کام کیا ہے، لیکن یہ ایسا گناہ نہیں ہے جس کی سزا قتل ہو۔ واللہ اعلم۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں خاص کر ہمارے ملک میں طلاق کے جو واقعات سامنے آتے ہیں ان میں قریباً نوے فیصد وہ ہوتے ہیں جن میں جاہل شوہر ایک ساتھ تین طلاقیں دیتے ہیں اور وہ بالکل نہیں جانتے کہ یہ سخت گناہ بھی ہے اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کا مسئلہ بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے۔

تین طلاقیں دینے کا نتیجہ اور شرعی حکم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ امْرَأَةً رِفَاعَةَ الْقُرَضِيِّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَمَا مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هَذَبَةِ الثُّوبِ، فَقَالَ أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتِكَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ میں رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھی اس نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق کا پورا کورس ختم کر دیا (یعنی اس نے مجھے تین طلاقیں دے دیں) تو اس کے بعد میں نے عبد الرحمن بن الزبیر سے نکاح کر لیا لیکن وہ بالکل ازکار رفتہ ہے (یعنی نکاح سے جو خاص مقصد ہوتا ہے وہ اس کے قابل نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تو کیا یہ چاہتی ہے کہ پھر رفاعہ کے نکاح میں چلی جائے؟ اس نے کہا ہاں یہی چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس وقت

تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم دونوں میں باہم صحبت کا عمل نہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... شریعت کا یہ حکم قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے 'سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" (مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے شوہر کے نکاح میں نہ رہی ہو۔) اس کے بعد وہ دوسرا شوہر اگر انتقال کر جائے یا طلاق دے دے تو عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔

پھر اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں سے اس آیت کی تفسیر تشریح یہ معلوم ہوئی کہ دوسرے شوہر کے ساتھ صرف عقد نکاح ہو جانا کافی نہیں بلکہ وہ عمل بھی ضروری ہے جو نکاح سے خاص طور پر مقصود ہوتا ہے۔ جمہور آئمہ امت کا مسلک اس مسئلہ میں یہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دوسرے شوہر کے ساتھ زنا شوقی کی پابندی نہ ہو تو نکاح ثانی کی شرط بالکل لغو اور بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

ہنسی مذاق کی طلاق بھی طلاق ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرُّجْعَةُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے۔ نکاح، طلاق، رجعت۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے ہنسی مذاق میں نکاح کیا یا اسی طرح ہنسی مذاق میں بیوی کو طلاق دی یا مطلقہ بیوی سے ہنسی مذاق میں رجعت کی، تو شریعت میں یہ سب چیزیں واقع اور معتبر ہوں گی۔ یعنی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ طلاق پڑ جائے گی اور رجعت ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں اسلامی شریعت میں اتنی نازک اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے بارے میں ہنسی مذاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ آدمی کی زبان سے نکلے گا اس کو حقیقت اور سنجیدہ بات ہی سمجھا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلامی شریعت میں یہ میدان ہی ہنسی مذاق کا نہیں ہے۔

مغلوب العقل کی طلاق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ وَالْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر طلاق درست و نافذ ہے سوائے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل و فہم مغلوب ہو گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرض یا صدمہ کی وجہ سے آدمی کی عقل دانش غیر متوازن اور مغلوب

ہو جاتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو عقل و فہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا اور اسے اپنی باتوں کا پورا شعور بھی نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کو ”معتوہ“ اور ”مغلوب العقل“ کہا جائے گا۔ پس اگر ایسا شخص اس حالت میں بیوی کو طلاق دے تو وہ واقعہ نہ ہوگی جس طرح دیوانے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں مانی جاتی۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تین آدمی شریعت میں ”مرفوع القلم“ ہیں، یعنی ان کے کسی قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا۔ ایک وہ جو نیند کی حالت میں ہو، دوسرے نابالغ بچہ اور تیسرے مغلوب العقل آدمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی سونے کی حالت میں بڑبڑائے اور اس میں بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی، اسی طرح چھوٹے بچے کی اور مغلوب العقل کی طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

زبردستی کی طلاق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ. (رواہ

ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ زبردستی کی طلاق اور زبردستی کے ”عتاق“ کا اعتبار نہیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح یعنی اگر کسی آدمی کو مجبور اور بالکل بے بس کر کے اس سے بیوی کو طلاق دلوائی گئی یا اس کے غلام کو آزاد کرایا گیا (یعنی اس کی زبان سے زبردستی طلاق یا عتاق کی بات کہلوائی گئی) تو شریعت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اکثر آئمہ مجتہدین کا مسلک یہی ہے کہ جو طلاق زبردستی لی جائے (جس کو اصطلاح میں ”طلاق مکروہ“ کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ ہنسی مذاق کی طرح زبردستی والی طلاق کو بھی نافذ مانتے ہیں اور مصنفین احناف اس حدیث کی تاویل و توجیہ دوسری طرح کرتے ہیں۔۔۔ ملحوظ رہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ منفرد نہیں ہیں۔ سلف میں سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، اور سفیان ثوری کا مذہب بھی شروح حدیث میں یہی نقل کیا گیا ہے۔

عدت

اسلامی شریعت میں طلاق یافتہ عورت کے لئے عدت کا قانون بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی حکم ہے کہ جس بیوی کو اس کا شوہر طلاق دے دے وہ ایک مقررہ مدت تک عدت گزارے جس کی مختصر تفصیل (جو خود قرآن مجید میں بیان فرمادی گئی ہے) یہ ہے کہ اگر اس عورت کو حیض کے ایام ہوتے ہوں تو ان کے پورے تین دور گزر جائیں اور اگر عمر کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں اور حمل بھی نہ ہو تو تین مہینے اور اگر حمل کی حالت ہو تو پھر عدت کی مدت وضع حمل تک ہے، کم ہو یا زیادہ۔

عدت کے اس قانون میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ رشتہ نکاح کی عظمت اور تقدس کا اظہار ہوتا ہے، اگر عدت کا قانون نہ ہو اور عورت کو اجازت ہو کہ شوہر کی طرف سے طلاق کے بعد وہ اپنے حسبِ خواہش فوراً نکاح کر لے تو یقیناً یہ بات نکاح کی عظمت شان کے خلاف ہوگی اور نکاح بچوں کا ایک کھیل سا ہو جائے گا۔ ایک دوسری مصلحت خاص کر طلاق رجعی کی صورت میں یہ بھی ہے کہ عدت کی اس مدت میں مرد کے لئے امکان ہوگا کہ وہ معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے رجعت کر لے اور پھر دونوں میاں بیوی بن کے زندگی گزارنے لگیں۔ یہ ہی بات اللہ و رسول کو زیادہ پسند ہے۔ اسی لئے طلاق رجعی کی عدت میں عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے کو بنانے سنوارنے کا ایسا اہتمام کرے اور اپنا رویہ ایسا رکھے کہ شوہر کی طبیعت پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ رجعت کر لے۔ اور طلاق بائنہ کی صورت میں اگرچہ رجعت کا امکان تو نہیں رہتا لیکن زمانہ عدت میں عورت کو دوسرا نکاح نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کی زیادہ گنجائش رہتی ہے کہ دونوں باہم راضی ہو کر دوبارہ نکاح کے ذریعے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑ لیں۔

ایک تیسری مصلحت یہ بھی ہے کہ عدت کے اس قانون کی وجہ سے عورت سے آئندہ پیدا ہونے والے بچہ کے نسب میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی..... بہر حال قانون عدت کی یہ چند کھلی ہوئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اکثر متمدن قوموں کے قوانین میں میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں کسی نہ کسی شکل میں عدت کا ضابطہ ہے لیکن بعض قوموں کے قانون میں یہ عدت بہت طویل رکھی گئی ہے جو بے چاری عورت کے لئے تکلیف مالا یطاق ہے..... شریعت اسلام نے جو مدت مقرر کی ہے وہ یقیناً معتدل اور متوسط ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت کا قانون اس وقت نازل ہوا تھا جب ایک صحابیہ اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ بْنِ السَّكَنِ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ إِنَّهَا طُلِّقَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُطَلَّقَةِ عِدَّةٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ الْعِدَّةَ لِلطَّلَاقِ فَكَانَتْ أَوَّلَ مَنْ نَزَلَ فِيهَا الْعِدَّةُ لِلطَّلَاقِ.

(رواہ ابو داؤد)

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان کو طلاق ہو گئی تھی اور اس وقت تک مطلقہ عورت کے لئے عدت کا کوئی حکم نہیں آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وہ آیات نازل فرمائیں جن میں طلاق والی عدت کا بیان ہے تو یہ اسماء بنت یزید وہ پہلی طلاق یافتہ خاتون ہیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں عدت سے متعلق جس آیت کے نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے **وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ..... الْآیۃ**۔ اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے جن کو ایام ہوتے ہیں۔ اور جن کو صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں یا ان کو حمل ہو تو ان کی عدت سورہ طلاق کی آیات میں بیان فرمائی گئی ہے۔

عدت وفات اور سوگ

شریعت اسلام میں جس طرح مطلقہ عورت کے لئے عدت کا حکم ہے اسی طرح اس بیوہ عورت کے لئے بھی عدت کا حکم ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو اس عدت کا حکم بھی قرآن مجید میں صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا**۔ (تم میں سے جو لوگوں کا انتقال ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے کوزو کے رکھیں گی چار مہینے دس دن) یہ عدت ان بیوہ عورتوں کے لئے ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حمل کی حالت میں ہوں ان کی عدت دوسری آیت میں وضع حمل تک کی مدت قرار دی گئی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اور اس عدت وفات میں سوگ کا بھی حکم ہے یعنی بیوہ ہو جانے والی عورت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ عدت کی پوری مدت میں سوگ منائے جو چیزیں زینت اور سنگھار کے لئے استعمال ہوتی ہیں وہ اس مدت میں بالکل استعمال نہ کرے الغرض اس پوری مدت میں اس طرح رہے کہ اس کی شکل صورت و لباس و ہیئت سے اس کی بیوگی اور غمزدگی ظاہر ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ظاہری حالت سے محسوس ہو کہ شوہر کے انتقال کا اس کو ویسا ہی رنج و صدمہ ہے جیسا کہ ایک شریف و پاکدامن بیوی کو ہونا چاہئے۔ لیکن یہ حکم صرف مدت عدت کے لئے ہے عدت کے ایام ختم ہو جانے کے بعد اس کو ختم ہو جانا چاہئے۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی عورت بیوہ ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے سوگ کا طریقہ اختیار کر لے۔

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے اپنے عزیز قریب مثلاً بھائی باپ وغیرہ کے انتقال پر اگر کوئی عورت اپنا دلی صدمہ اور تاثر سوگ کی شکل میں ظاہر کرے تو صرف تین دن تک کی اجازت ہے اس سے زیادہ منع ہے۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوَمِّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.

(رواہ البخاری و مسلم)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی ایمان والی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے عزیز قریب کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے اس کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمَتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعْصَفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلَى وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ. (رواه ابو داؤد والنسائی)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، وہ کسم کے رنگے ہوئے اور اسی طرح سرخ، گیر وے رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، نہ زیورات پہنے، نہ خضاب (مہندی وغیرہ) کا استعمال کرے نہ سرمہ لگائے۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو خواتین زیب و زینت کے لئے کپڑے رنگتی تھیں وہ زیادہ تر یہی دو چیزیں استعمال کرتی تھیں کسم یا خاص قسم کا لال گیر و اس لئے آپ ﷺ نے ان کا خاص طور سے ذکر فرمایا، ورنہ ان دو چیزوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسے رنگین اور شوخ کپڑے استعمال نہ کئے جائیں جو زیب و زینت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح زیورات اور سرمہ مہندی جیسی چیزیں بھی استعمال نہ کی جائیں جو زینت اور سنگھار کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، زمانہ عدت میں سوگ کے ان احکام کا مقصد یہی ہے کہ شوہر کے انتقال کا بیوی کو جو رنج و صدمہ ہو اس کا اثر دل اور باطن کی طرح ظاہر یعنی جسم اور لباس میں بھی ہو یہ جوہر نسوانیت کا فطری تقاضا ہے اور اسی میں نسوانیت کا شرف ہے۔

معارفُ الحديث

حصّة هفتم

کتابُ المعاملات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاشی معاملات — انسانوں کی فطری ضرورت

اس باب میں خداوندی ہدایت اور اسکے بنیادی اصول

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے یعنی انسان کی فطری ساخت ایسی ہے کہ وہ اپنی اس زندگی میں باہمی تعاون اور معاملاتی لین دین کے محتاج ہیں ہر فرد اور طبقہ کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے۔ مثلاً ایک مزدور جس کی زندگی کی ضرورتیں بہت مختصر ہیں جو صبح سے شام تک محنت مزدوری کر کے بس گزارہ کے پیسے حاصل کرتا ہے اسے بھی ضرورت ہے اس آدمی کی جس سے وہ اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے غلہ وغیرہ خرید سکے اور غلہ پیدا کرنے والے کاشتکار کو ضرورت ہے اس مزدور کی جس سے وہ اپنی کھیتی باڑی کے کاموں میں مدد لے سکے اسی طرح مزدور اور کاشت کار دونوں کو ضرورت ہے اس آدمی کی جو ان کے لباس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کپڑا تیار کرے اور یہ اس سے بلا واسطہ یا بالواسطہ کپڑا خرید سکیں اور کپڑا تیار کرنے والے کو ضرورت ہے اس آدمی یا اس ایجنسی کی جس سے وہ سوت یا ریشم اور کپڑے کی صنعت کی دوسری ضروریات نقد یا قرض ادھار خرید سکے پھر ان میں سے کسی کو رہنے کے لئے مکان تعمیر کرانا ہو تو اس کو ضرورت ہوگی کسی سے اینٹ سیمنٹ وغیرہ تعمیری ضروریات خریدنے کی اور اس کے بنوانے کے لئے معماروں اور مزدوروں کی۔ پھر خدا نخواستہ ان میں سے کوئی بیمار پڑ جائے تو ضرورت ہوگی حکیم ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی اور دواؤں کی دکان سے دوا خریدنے کی۔ الغرض اشیاء کی خرید و فروخت اور تجارتی مبادلہ اور محنت و مزدوری اور صنعت و زراعت اور قرض و عاریت وغیرہ معاشی معاملات اس دنیا میں انسانی زندگی کے لوازم ہیں پھر ان معاملات میں کبھی کبھی تنازعات کا پیدا ہونا بھی ناگزیر ہے ان کے حل کے لئے ضرورت ہے عدل و انصاف کے کسی نظام کی اور کسی دستور و قانون کی۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا کوئی فلسفہ یا منطق کا مسئلہ نہیں ہے سب مشاہدہ اور ہم سب کا روزمرہ کا تجربہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور سب سے آخر میں خاتم الانبیاء سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذریعے جس طرح انسانوں کو یہ ہدایت دی کہ وہ اپنے آغاز و انجام کے بارے میں اپنے پیدا کرنے والے مالک و معبود کی ذات و صفات اور توحید و آخرت وغیرہ کے بارے میں کیا عقیدہ اور یقین رکھیں اور کس طرح اس کی عبادت کریں اور کون سے اعمال ان کی روحانیت اور انسانی شرافت کے لئے مضر اور مہلک ہیں جن سے وہ بچیں اور پرہیز کریں اور اخلاق اور معاشرت کے بارے میں ان کا رویہ کیا رہے اسی طرح اس نے خرید و فروخت، صنعت و تجارت اور محنت مزدوری وغیرہ ان معاشی معاملات کے بارے میں بھی جو انسانی شرافت

و عظمت سے مطابقت رکھتے ہیں اور جن میں انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح ہے۔

اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اس خداوندی ہدایت اور اس شعبہ سے متعلق شریعت محمدی کے احکام کی پابندی اور پیروی کرتے ہوئے ان کاموں کا کرنا اب دنیا نہیں بلکہ عین دین اور ایک معنی کر عبادت ہے اور اللہ کی طرف سے اس پر اسی طرح اجر و ثواب اور جنت کے درجات عالیہ کا وعدہ ہے جس طرح نماز، روزہ اور ذکر و تلاوت وغیرہ عبادات اور اچھے اخلاق پر اور دین کی دعوت اور خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی پر۔

انسانی زندگی کے اس شعبہ یعنی معاملات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جو ہدایتیں اور جو احکام امت کو ملے ہیں ان کی بنیاد جہاں تک ہم نے سمجھا ہے چار اصولوں پر ہے۔ ایک خلق اللہ کی نفع رسانی۔ دوسرے عدل، تیسرے سچائی و دیانت داری، چوتھے سماحت، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے ساتھ رعایت اور خیر خواہی کا معاملہ کرے، خاص کر کمزور اور ضرورت مند فریق کو حتیٰ الوسع سہولت دی جائے۔

اس تمہید کے بعد ناظرین کرام معاشی معاملات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات ذیل میں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے گنہگار بندہ کو نیز پڑھنے والوں اور سننے والوں کو ان ہدایات و ارشادات کی پیروی کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

سب سے پہلے حضور ﷺ کے چند وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں معاشی معاملات کی بہت افزائی فرمائی گئی ہے اور ان پر اجر و ثواب کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔

حلال روزی حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرائض میں سے ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (رواه البيهقي)

(فی شعب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حلال حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اکثر شارحین نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے اور بظاہر یہی اللہ و رسول پر ایمان اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ جو اسلام کے اولین اور بنیادی ارکان و فرائض ہیں، درجہ اور مرتبہ میں ان کے بعد حلال روزی حاصل کرنے کی فکر اور کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔ بندہ اگر اس سے غفلت برتے اور کوتاہی کرے گا تو خطرہ ہے حرام روزی سے پیٹ بھرے اور آخرت میں اس کا انجام وہ ہوگا جو حرام سے پیٹ بھرنے والوں کا بتلایا گیا ہے۔ اللہ کی پناہ!

پھر یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے کسی فریضہ کا ادا کرنا اس کی بندگی اور عبادت ہے اور بندہ اس پر اس اجر و ثواب کا مستحق ہے جو فریضہ کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا چاہئے۔ پس کسب حلال کی فکر و کوشش اور اس میں مشغول ہونا عین دین و عبادت اور موجب اجر و ثواب ہے۔ اس میں کسب

حلال کے طالب ہر تاجر، ہر مزدور، ہر کاشتکار اور ہر دست کار کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے لیکن یہ بہر حال پیش نظر رہے کہ اس حدیث میں صرف کمائی کرنے کو نہیں بلکہ کسب حلال کی تلاش و فکر کا فریضہ بتلایا گیا ہے اور اس ارشاد کا خاص مقصد اور مطمع نظر حرام سے بچانا ہے۔

بعض حالات میں روپیہ پیسہ کی ضرورت اور اہمیت

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرَبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّينَارُ وَالدِّرْهَمُ. (رواہ احمد)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے لوگوں کے لئے ایک وقت آئے گا جب روپیہ پیسہ ہی کام آئے گا۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث کو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ایک تابعی ابو بکر بن ابی مریم ہیں انہوں نے واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت مقدامؓ کے یہاں دودھ دینے والے جانور تھے ان کی ایک باندھی دودھ فروخت کرتی اور اس کی قیمت خود حضرت مقدامؓ لے لیتے تھے اس پر بعض لوگوں نے ناپسندیدگی کے ساتھ تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ دودھ فروخت کراتے ہیں اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا کرتا ہوں اور اپنے طرز عمل کے جواز کی سند میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حوالہ دیا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اپنی چیز فروخت کر کے روپیہ پیسہ حاصل کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ روپیہ پیسہ ہی آدمی کے کام آئے گا۔ یعنی میں اسی خیال سے دودھ فروخت کر کے روپیہ پیسہ حاصل کرتا ہوں، مطلب یہ تھا کہ یہ اگر عزیمت نہیں تو رخصت ضرور ہے۔

سچائی اور دیانتداری کیساتھ کاروبار کر نیوالے انبیاء صدیقین اور شہداء کیساتھ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالدَّارِقُطْنِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عَمْرٍ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن دارمی، سنن دارقطنی)..... اور ابن ماجہ نے یہی حدیث اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

تشریح..... ”الصدوق“ اور ”الامین“ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، حدیث کا مطلب اور پیغام واضح ہے کہ جو تاجر اور سوداگر اپنے کاروبار میں سچائی اور امانت یعنی دیانت داری کی پورے اہتمام سے پابندی کریں گے، قیامت اور آخرت میں وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ ”وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ

النَّسِیْنِ وَالصَّادِقِیْنَ وَالشَّهَدَاءَ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِیقًا (جو بندے اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے، وہ (قیامت و آخرت میں) ان مقبولین و مقربین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین (کے ساتھ) اور یہ سب بہت ہی اچھے رفیق ہیں) تجارت اور سوداگری بڑی آزمائش کی چیز ہے، تاجر کے سامنے بار بار ایسی صورتیں آتی ہیں کہ اگر وہ خدا کے حکم کے مطابق سچائی اور دیانت داری کا لحاظ کرنے کے بجائے اس وقت وہ اپنی تجارتی مصلحت کے مطابق بازاری بات کرے تو ہزاروں لاکھوں کا نفع ہوتا ہے۔ پس جو تاجر اپنی تجارتی مصلحت اور نفع نقصان سے صرف نظر کر کے اللہ کے حکم کے مطابق ہر حال میں سچائی اور ایمانداری کی پابندی کرتا ہے وہ خدائی امتحان میں بڑا کامیاب ہے اور اس حدیث میں ایسے تاجروں کو بشارت سنائی گئی ہے کہ قیامت و آخرت میں وہ اللہ کے مقبول ترین بندوں یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان کی سچائی و دیانت داری کا صلہ ہوگا۔

تنبیہ: اسی سلسلہ معارف الحدیث میں قرآن و حدیث کے نصوص کی بنیاد پر بار بار یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ ایسی تمام بشارتیں اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں کہ وہ آدمی ان خبیث اور مہلک باتوں سے پرہیز کرے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں۔

دستکاری، صنعت و حرفت اور محنت مزدوری کی فضیلت

عَنِ الْمُقَدَّامِ بْنِ مَعْدٍ يَكْرَبُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدِيهِ وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدِيهِ. (رواہ البخاری)

حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نے کبھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کے کھائے اور اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تحصیل معاش کی صورتوں میں بہت اچھی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کام کرے جس سے کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات پوری ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی سنت بھی ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسی کو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد نے دستکاری اور ذاتی محنت کو بہت بلند مقام عطا فرمادیا۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْكَسَبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ. (رواہ احمد)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام

کرنا اور ہر تجارت جو پاکبازی کے ساتھ ہو۔ (مسند احمد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ سب سے اچھی کمائی تو وہ ہے جو خود اپنے دست بازو اور اپنی محنت سے ہو اور اس تجارت کی کمائی بھی پاکیزہ ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق اور دیانت داری کے ساتھ ہو ”کُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ“ کا یہی مطلب ہے۔

زراعت و باغبانی کا عظیم اجر و ثواب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی صاحب ایمان بندہ درخت کا پودا لگائے یا کاشت کرے پھر اس میں سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی جانور تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ باغات لگانے والوں اور کاشت کاری کرنے والوں کے لئے اس حدیث نبوی میں کتنی عظیم بشارت ہے کہ اگر کوئی آدمی یا چلتا پھرتا جانور یاڑتا ہو یا پرندہ ان کے درخت کا پھل یا کھیت کے دانے کھائے تو باغ والے اور کھیت والے بندہ کو فی سبیل اللہ صدقہ کا ثواب ہوگا۔ اس حدیث پاک میں باغبانی اور کاشتکاری کے لئے جن پر انسانوں کی بنیادی ضرورتوں کا دار و مدار ہے، کتنی بڑی ترغیب اور ہمت افزائی ہے۔

جائز مال و دولت بندہ مؤمن کیلئے اللہ کی نعمت ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ أُرِيدُ أَنْ أَبْعَثَكَ عَلَى جَيْشٍ فَيُسَلِّمَكَ اللَّهُ وَ يَغْنِمُكَ وَأَزْعَبَ لَكَ مِنَ الْمَالِ زَعْبَةً صَالِحَةً فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَسْلَمْتُ مِنْ أَجْلِ الْمَالِ وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ وَأَنْ أَكُونَ مَعَكَ فَقَالَ يَا عَمْرُو نِعَمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. (رواه احمد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں، پھر تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح سالم لوٹو (اور وہ مہم تمہارے ہاتھ پر فتح ہو) اور تم کو مالِ غنیمت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو مال و دولت کا اچھا عطیہ ملے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام مال و دولت کے لئے قبول نہیں کیا ہے بلکہ میں نے اسلام کی رغبت و محبت کی وجہ سے اس کو قبول کیا ہے اور اس لئے کہ آپ ﷺ کی معیت و رفاقت مجھے نصیب ہو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرو! اللہ کے صالح بندہ کے لئے جائز و پاکیزہ مال و دولت اچھی چیز (اور قابل قدر نعمت) ہے۔ (مسند احمد)

تشریح..... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال و دولت اگر جائز

طریقہ سے حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کی قابل قدر نعمت اور اس کا خاص فضل ہے۔ اور زہد و رقاق کے عنوانات کے تحت متعدد وہ حدیثیں اسی سلسلہ معارف الحدیث (جلد دوم) میں ذکر کی جا چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و مسکنت اور مال و دولت سے خالی ہاتھ رہنے کو افضلیت حاصل ہے۔ اور امت کے فقر و اغنیاء سے افضل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں، اگر فقر و مسکنت کے ساتھ صبر اور تسلیم و رضا اور تعفف نصیب ہو تو پھر بلاشبہ یہ فقر و مسکنت بہت بلند مقام ہے اور اس میں بڑی خیر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے یہی پسند فرمایا تھا اور آپ ﷺ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے (اس سلسلے کی آپ ﷺ کی دعائیں پہلے اپنے موقع پر (جلد پنجم میں) ذکر کی جا چکی ہیں)..... اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جائز اور پاک ذرائع سے مال و دولت نصیب فرمائے اور شکر کی اور صحیح مصارف میں خرچ کرنے کی توفیق ملے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور بڑی قابل قدر نعمت ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت داؤد و سلیمان اور حضرت ایوب و یوسف علیہم السلام اور ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل سے نوازا تھا اور اکابر صحابہ میں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام وغیرہم رضی اللہ عنہم کو بھی اس فضل خداوندی سے وافر حصہ عطا ہوا تھا، بہر حال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی قابل قدر اور لائق شکر نعمت ہے۔ (نعم المال الصالح للفرء الصالح)

مالی معاملات کی نزاکت و اہمیت

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَ عَنْ مَالِهِ مِنْ آيِنٍ اكْتَسَبَهُ وَ فِيمَا أَنْفَقَهُ وَ مَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (جب حساب کتاب کے لئے بارگاہ خداوندی میں پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کر لی جائے۔ ایک اس کی پوری زندگی کے بارے میں کن کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟ اور دوسرے خصوصیت سے اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں میں بوسیدہ اور پرانا کیا۔ اور تیسرے اور چوتھے مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر آدمی کو اپنے پورے آمد و خرچ کا بھی حساب دینا ہوگا کہ کتنا کمایا، حلال طریقہ سے کمایا یا خدا نخواستہ حرام طریقہ سے؟ اور کمائی کو کن مدتوں میں خرچ کیا، جائز میں یا ناجائز میں؟ الغرض اس دنیا اور اس کی زندگی میں ہم جو کچھ کماتے اور خرچ کرتے ہیں آخرت میں اس کا

پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ وہ بندے بڑے خوش نصیب اور خوش قسمت ہیں جو قیامت کے دن کے اس حساب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمانے اور خرچ کرنے میں اور سارے مالی معاملات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے احکام کی پابندی کرتے ہیں اور انکا انجام بہت خطرناک ہے جو اس طرف سے بے فکر اور بے پرواہ ہیں۔

حرام مال کی نحوست اور بد انجامی

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلَ مِنْهُ فَيَبَارِكَ لَهُ فِيهِ وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ؛ إِنَّ اللَّهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ؛ إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيثَ. (رواه احمد)

و کذا فی شرح السنۃ.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمانے اور اس میں سے اللہ صدقہ کرے، تو اس کا صدقہ قبول ہو۔ اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (من جانب اللہ) برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔“ (مسند احمد، نیز شرح السنۃ میں بھی اسی طرح ہے)

تشریح..... حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی، اور جب کوئی آدمی ناجائز و حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مرنے کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کے لئے وبال ہی کا باعث ہوگا اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہوگا اور وارثوں کو حرام کھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کے لئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملنے والا ہے) آگے جو فرمایا گیا ہے ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ الْخ“ اس میں مال حرام کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعث وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک مال سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے وہ گناہوں کی گندگی کو دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا پاک صاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا وَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلُ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ يَأْرَبُ يَأْرَبَ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُلْدِي بِالْحَرَامِ فَأَنَّى

يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے کہ ”اے پیغمبرو! تم کھاؤ پاک اور حلال غذا اور عمل کرو صالح۔“ اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ ”اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)۔“

اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پر اگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے دعا کرتا ہے۔ اے میرے رب! اے میرے پروردگار! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے اس کا لباس حرام ہے اور حرام غذا اسے اس کا نشوونما ہوا ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح — حدیث کا مطلب اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدس اور پاک ہے اور وہ اسی صدقہ اور اسی نذر و نیاز کو قبول کرتا ہے جو پاک مال سے ہو۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ حرام سے بچنے اور صرف حلال استعمال کرنے کا حکم وہ امر الہی ہے جو تمام اہل ایمان کی طرح سب پیغمبروں کو بھی دیا گیا تھا۔ لہذا ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ اس حکم الہی کی عظمت و اہمیت کو محسوس کرے اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حرام مال اتنا خبیث اور ایسا منحوس ہے کہ اگر کوئی آدمی سر سے پاؤں تک درویش اور قابل رحم فقیر بن کے کسی مقدس مقام پہ جا کے دعا کرے لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام سے ہو تو اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ اشْتَرَى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَ فِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَوةً مَا دَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ ادْخَلَ اِصْبَعِيهِ فِيْ اُذُنِيْهِ قَالَ صَمْتًا اِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُهُ. (رواہ)

احمد والبیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ ”جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم بھی حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگی۔“ (یہ بیان کر کے) حضرت ابن عمر نے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دے لیں اور بولے ”بہرے ہو جائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے نہ سنا ہو۔“ (یعنی میں نے جو کہا یہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے اپنے کانوں سے سنا ہے۔) (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتْ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتْ مِنَ السُّحْتِ كَانَتْ النَّارُ أَوْلَى بِهِ. (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی نشوونما حرام مال سے ہوئی ہو۔ اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ (مسند احمد، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح اللہ کی پناہ! اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے۔ الفاظ حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ دنیا میں جو شخص حرام کمائی کی غذا سے پلا بڑھا ہو گا وہ جنت کے داخلہ سے محروم رہے گا اور دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اللہم احفظنا۔

شارحین حدیث نے قرآن و حدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسا آدمی حرام خوری کی سزائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔ ہاں اگر وہ مؤمن ہوگا تو حرام کا عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جاسکے گا اور اگر مرنے سے پہلے اس کو صادق توبہ و استغفار نصیب ہو گیا یا کسی مقبول بندہ نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور قبول ہو گئی یا خود رحمت الہی نے مغفرت کا فیصلہ فرمادیا تو عذاب کے بغیر بھی بخشا جاسکتا ہے۔ **رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ**

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالَى السَّرُّ مَا أَخَذَ مِنْهُ مِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ. (رواه البخاری و زاد رزین علیہ فاذا ذلك لا تجاب لهم دعوة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اسکی پروا نہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام جائز ہے یا ناجائز۔ (صحیح بخاری)

تشریح حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جس زمانہ کی اس حدیث میں خبر دی ہے بلاشبہ وہ آپ کا ہے آج امت میں ان لوگوں میں بھی جو دین دار سمجھے جاتے ہیں کتنے ہیں جو اپنے پاس آنے والے روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں یہ سوچنا اور تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ ہو سکتا ہے کہ آگے اس سے بھی زیادہ خراب زمانہ آنے والا ہو۔ (مسند رزین کی اسی حدیث کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی)

حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز نہ کرنا روح ایمانی کی موت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سلسلہ کی تعلیمات و ہدایات نے صحابہ کرام کی زندگیوں اور ان کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا اس کا اندازہ ان دو واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی آپ نے اس میں سے کچھ کھالیا اس کے بعد اس غلام نے بتلایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کو میں نے اپنے کو کاہن ظاہر کر کے دھوکا دیا تھا اور اس کو کچھ بتلادیا تھا۔ جیسے کہ کاہن لوگ بتلادیا کرتے تھے تو آج وہ آدمی ملا اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی۔ حضرت ابو بکرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کی اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔

اسی طرح امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دودھ پیش کیا، آپ نے اس کو قبول فرمایا اور پی لیا، آپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے بتلایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے میں گزر رہا تھا وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں بکریاں وغیرہ تھیں لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے، انہوں نے مجھے بھی دیا، میں نے لے لیا، یہ وہی دودھ تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کی طرح حلق میں انگلی ڈال کر آپ نے بھی قے کر دی اور اس دودھ کو اس طرح نکال دیا۔ (مشکوٰۃ)

ان دونوں واقعوں میں ان دونوں بزرگوں نے جو کھایا یا پیا تھا چونکہ لاعلمی اور بے خبری میں کھایا یا پیا تھا اس لئے ہر گز گناہ نہ تھا لیکن حرام غذا کے بارے میں حضور ﷺ سے جو کچھ ان حضرات نے سنا تھا اس سے یہ اتنے خوفزدہ تھے کہ اس کو پیٹ سے نکال دینے کے بغیر چین نہ آیا۔ بے شک حقیقی تقویٰ یہی ہے۔

مقام تقویٰ، مشتبہ سے بھی پرہیز ضروری

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمَهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں، ان کو (یعنی ان کے شرعی حکم کو) بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (آزراہ احتیاط) پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور بے داغ رہے گا۔ اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا اور مبتلا ہو گا وہ (خدا نکر دہ) حرام کے حدود میں جا گرے گا۔ اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور محفوظ سرکاری علاقے کے آس پاس بالکل قریب میں چراتا ہے تو اس کا قریبی خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جانور اس محفوظ سرکاری علاقے میں داخل ہو کر چرنے لگیں (جو قابل سزا جرم ہے) اور معلوم ہونا چاہئے کہ ہر بادشاہ اور فرمانروا کا ایک حمی (محفوظ علاقہ) ہوتا ہے (جس کی حدود میں بغیر اجازت داخلہ جرم سمجھا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا وہ حمی (محفوظ علاقہ) اس کے محارم یعنی محرمات ہیں (آدمی کو چاہئے کہ اس کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے) اور خبردار! انسان کے جسم میں ایک مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہے (جس کی شان یہ ہے) کہ اگر وہ ٹھیک ہو (یعنی اس میں نور ایمان، خدا کی معرفت اور اس کا خوف ہو) تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے (یعنی اس کے اعمال و احوال صحیح و درست ہوتے ہیں) اور اگر اس کا حال خراب ہو تو سارے جسم

کا حال بھی خراب ہوتا ہے۔ (یعنی اس کے اعمال و احوال خراب ہو جاتے ہیں۔) آگاہ ہو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ حدیث کے پورے ذخیرہ میں چند حدیثیں وہ ہیں جن کو امت کے علماء اور فقہانے بہت اہم اور اصولی سمجھا ہے، انہی میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں اور جو معاملات صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیئے گئے ہیں ان کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے، لیکن ان کے علاوہ بہت سی چیزیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا جائز یا ناجائز ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہ ہو سکے گا بلکہ دونوں رایوں کی گنجائش ہوگی، مثلاً شریعت کے ایک اصول کی روشنی میں ان کو جائز اور کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز قرار دیا جاسکے گا تو ایسی شبہ والی چیزوں اور ایسے معاملات کے بارے میں بندہ مؤمن کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ ازراہ احتیاط و تقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے، اسی میں دین اور آبرو کی حفاظت ہے۔ آگے آپ نے ارشاد فرمایا کہ..... ”جو شخص ایسی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کا اہتمام نہ کرے گا تو وہ بے احتیاطی کا عادی بن کر محرمات کا بھی مرتکب ہو جائے گا۔“ پھر اس بات کو مثال سے سمجھاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مثلاً جو چرواہا اپنے جانوروں کو اس سرکاری محفوظ علاقے کے قریب اور بالکل اس کی سرحد پر چرائے گا جس میں عوام کے لئے جانوروں کا چرانا جرم ہے تو بعید نہیں کہ اس کے جانور کسی وقت اس محفوظ علاقہ کی حدود میں داخل ہو کر چرنے لگیں، پس جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو سرکاری علاقہ سے دور ہی رکھے اور اس کے قریب بھی نہ جانے دے اسی طرح بندہ مؤمن کو چاہئے کہ وہ مشتبہ چیزوں اور مشتبہ معاملات سے بھی پرہیز کرے، اس طرح وہ محرمات اور معصیات سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ یہی مقام تقویٰ ہے۔

آخر میں حضور ﷺ نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسانی وجود کے بگاڑ اور سدھار، سعادت اور شقاوت کا دار و مدار اس کے قلب کے حال پر ہے جو انسان کے پورے جسمانی وجود پر اور تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے اگر وہ درست ہو گا اور اس میں خدا کی معرفت کا خوف اور ایمان کا نور ہو گا تو انسان کا پورا جسمانی وجود درست رہے گا اور اس کے اعمال و احوال صحیح اور صالح ہوں گے اور اگر قلب میں فساد و بگاڑ ہو گا اور اس پر حیوانی و شیطانی جذبات کا غلبہ ہو گا تو اس کا پورا جسمانی وجود فاسد اور غلط کار ہو گا اور اس کے اعمال و احوال شیطانی و حیوانی ہوں گے۔

اس حدیث میں قلب سے مراد انسان کا وہ باطنی حاسہ ہے جس کا رجحان خیر یا شر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کو مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں بائیں جانب صنوبری شکل کا جو ایک خاص عضو اور مضغہ لحم ہے جس کو قلب اور دل کہا جاتا ہے وہ اس باطنی حاسہ کا خاص محل اور گویا اس کا تخت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث پاک میں پہلے تو محرمات کے علاوہ مشتبہات سے بھی بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی جو تقویٰ کی بنیادی شرط ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے قلب کے بارے میں یہ آگاہی دی اور بتلا کر کہ انسان کی سعادت و شقاوت کا دار و مدار قلب کے صلاح و فساد پر ہے، اس کی حفاظت اور نگرانی کی

طرف توجہ دلائی۔ مبارک ہیں وہ بندے جو قلب اور باطن کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قلب اور ظاہر سے زیادہ اپنے قلب اور باطن کی فکر رکھتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کا یہی امتیاز ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کی اہمیت کو سب سے زیادہ انہوں نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔ بعض شارحین نے اس حدیث پاک کے مضامین کی ترتیب سے یہ بھی سمجھا ہے کہ قلب کی صفائی اور طہارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے میں محرّمات کے علاوہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔

عَنْ عَطِيَّةِ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ

مَالًا بَاسًا بِهِ حَلْزًا لِمَا بِهِ بَاسٌ" (رواه الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ متقیوں میں شمار ہو جب تک کہ اس کا رویہ یہ نہ ہو کہ گناہوں سے بچنے کے لئے وہ مباحات کو بھی ترک نہ کرے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح بہت سی چیزیں اور بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فی نفسہ جائز اور مباح ہوتے ہیں لیکن اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی اُن میں مبتلا ہو کر گناہ تک پہنچ جائے اس لئے مقام تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان جائز و مباح چیزوں اور کاموں سے بھی پرہیز کرے۔ اس کے بغیر آدمی مقام تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ معاملات اور دوسرے ابواب میں تقویٰ کا جو تقاضا ہے وہ ان تین حدیثوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اللّٰهُمَّ اِنِّ نَفُوْسَنَا تَقْوَاهَا وَ زَكَّاهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔

مالی معاملات میں دوسروں کے ساتھ نرمی اور رعایت

رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم میں ایمان اور اللہ کی عبادت کے بعد بندگانِ خدا اور عام مخلوق کے ساتھ حسن سلوک، خاص کر کمزوروں اور حاجت مندوں کی خدمت اور اعانت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا یہ نہایت وسیع اور اہم باب ہے۔ اسی سلسلہ معارف الحدیث کی کتاب الاخلاق^۱ اور کتاب^۲ المعاشرہ میں ناظرین کرام مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ پچاسوں ارشادات پڑھ چکے ہیں جن کا تعلق اسی وسیع باب کے مختلف شعبوں سے ہے۔

خرید و فروخت اور قرض وغیرہ لین دین کے معاملات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مختلف عنوانات سے اس کی ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ ہر فریق دوسرے کی رعایت اور خیر خواہی کرے، جس پر کسی کا حق ہے وہ اس کو ادا کرنے کی کوشش کرے اور جس کا کسی دوسرے پر حق ہے وہ اس کے وصول کرنے میں فراخ دلی، نرمی اور فیاضی سے کام لے اور سخت اور بے لچک رویہ اختیار نہ کرے۔ آپ ﷺ نے بتلایا کہ جو بندے ایسا کریں گے وہ ارحم الراحمین کی خاص الخاص رحمت کے مستحق ہوں گے۔ اس سلسلہ کے حضور ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمَحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا اقْتَضَى.

(رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس بندے پر جو بیچنے میں خریدنے میں اور اپنے حق کا تقاضا کرنے اور وصول کرنے میں نرم اور فراخ دل ہو۔
(صحیح بخاری)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ آتَاهُ الْمَلِكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيلَ لَهُ أَنْظِرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أَبَايَعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأَجَارِيهِمْ فَأَنْظِرُ الْمُسِيرَ أَتَجَاوِزُ عَنِ الْمُسِيرِ فَأَدْخِلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ. (رواہ البخاری و مسلم و فی رواية لمسلم)

نحوہ عن عقبہ بن عامر و ابی مسعود الانصاری فقال اللہ انا احق بذا منک تجاوزوا عن عبدی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلی کسی امت میں ایک آدمی تھا جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا (اور قبض روح کے بعد وہ اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو گیا) تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا؟ (جو تیرے لئے وسیلہ نجات بن سکے) اس نے عرض کیا کہ میرے علم میں میرا کوئی (ایسا) عمل نہیں ہے۔ اس سے کہا گیا کہ (اپنی زندگی پر) نظر ڈال (اور غور کر!) اس نے پھر عرض کیا کہ میرے علم میں (میرا ایسا کوئی عمل اور) کوئی چیز نہیں سوا اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ کاروبار اور خرید و فروخت کا معاملہ کیا کرتا تھا تو میرا رویہ ان کے ساتھ درگزر اور احسان کا ہوتا تھا میں پیسے والوں اور اصحاب دولت کو بھی مہلت دے دیتا تھا (کہ وہ بعد میں جب چاہیں ادا کر دیں) اور غریبوں مغسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے جنت میں داخلہ کا حکم فرمادیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت حذیفہ کی یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اسی طرح روایت کی گئی۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابو مسعود انصاری سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے اور اس کے آخر میں بجائے "فَادْخُلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ" کے یہ الفاظ ہیں **فَقَالَ اللَّهُ أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوِزُوا عَنْ عَبْدِی**۔ (اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے فرمایا کہ احسان اور درگزر کا جو معاملہ تو میرے بندوں سے کرتا تھا (کہ غریبوں مغسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا) یہ (کریمانہ رویہ) میرے لئے زیادہ سزاوار ہے اور اس کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں (کہ معافی درگزر کا معاملہ کروں) اور اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس بندے سے درگزر کرو (یہ معاف کر دیا یہ بخش دیا گیا۔)

تشریح۔۔۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانہ کے کسی شخص کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے ظاہر ہے کہ

وہ آپ ﷺ کو وحی سے ہی معلوم ہوا ہو گا یہ شخص دنیا سے ایسے حال میں گیا کہ خود اس کی نظر میں اس کا کوئی عمل ایسا نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ نجات اور جنت کی امید کر سکتا، سو اس کے کہ وہ کاروباری معاملات اور لین دین میں اللہ کے بندوں کے ساتھ رعایت کیا کرتا اور ان کو سہولت دیا کرتا تھا۔ اگر کسی غریب شخص کے ساتھ کوئی چیز ادھار بیچی ہوتی یا قرض دیا ہوتا اور وہ ادا نہ کر سکتا تو اس کو معاف کر دیا کرتا تھا اور پیسے والوں سے بھی فوراً ادائیگی پر اصرار نہیں کرتا تھا بلکہ ان کو مہلت دے دیتا تھا کہ آئندہ ادا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی عمل کی بنیاد پر مغفرت فرمادی۔ اور اس کو جنت کا پروانہ عطا ہو گیا۔ تعلیم اور نصیحت کا یہ مؤثر ترین طریقہ ہے کہ اگلوں کے سبق آموز واقعات بیان کئے جائیں۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں یا بعض اشخاص و افراد کے جو واقعات اور قصص بیان فرمائے گئے ہیں ان کا خاص مقصد و مدعا یہی ہے۔ اس حدیث میں اور اس سے آگے والی حدیث میں حضور ﷺ نے نصیحت اور تربیت کا یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَدُ الْإِنْسَانِ فَيَقُولُ لِفَتَاهُ إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِيَ اللَّهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی تھا جو لوگوں کو قرض ادھار دے دیا کرتا تھا (تو جب اپنے غلام کو تقاضے کے لئے اور قرض وصول کرنے کے لئے بھیجتا) تو غلام سے کہتا اور اس کو ہدایت کر دیتا کہ جب تم قرض وصول کرنے کے لئے کسی غریب اور مفلس کے پاس جاؤ تو اس سے درگزر کیجیو شاید (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے اور معاف فرماوے۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر جب مرنے کے بعد وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح — اس حدیث میں جس شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی اگلی امتوں میں سے کسی امت کا فرد تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَنْجَاهُ اللَّهُ مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس بندہ نے کسی غریب تنگ دست کو مہلت دی یا (اپنا مطالبہ کل یا اس کا جز) معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے اس بندہ کو نجات عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي الْيَسْرِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو یسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا

آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ کسی غریب تنگ دست کو (جس پر اس کا قرضہ وغیرہ ہو) مہلت دے دے یا (مطالبہ کل یا جز) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ أَخْرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ (رواه احمد)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الادا ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لئے دیر تک مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا۔ (مسند احمد)

تشریح..... ان سب حدیثوں کا مضمون اور پیغام بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قرض کی فضیلت اور اس سے متعلق ہدایات

ظاہر ہے کہ حاجت مند اور ضرورت مند کو قرض دینا اس کی مدد ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اجر و ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔ اسی کے ساتھ قرض کے بارے میں سخت وعیدیں بھی ہیں۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فَرَأَى عَلَى بَابِهَا مَكْتُوبًا الصَّدَقَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةِ عَشَرَ. (رواه الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح..... حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں کہ حضور ﷺ نے یہ کس آدمی کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہوا تو اس نے اس کے دروازے پر مندرجہ بالا جملہ لکھا دیکھا ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ کسی مرد صالح کے خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود آپ ﷺ کا مشاہدہ یا مکاشفہ ہو اور آپ ﷺ نے اس انداز میں اس کو بیان فرمایا ہو اس دوسرے احتمال کی کسی قدر تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ:

فقلت لجبريل ما بال القرض افضل من الصدقة؟ قال لان السائل يسئل و عنده والمستقرض لا يستقرض الا من حاجة (جمع الفوائد)

میں نے جبریل سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک غریب مگر شریف و عقیف بندہ انتہائی حاجت مند اور گویا اضطراب کی

حالت میں ہوتا ہے لیکن نہ وہ کسی سے سوال کرنا چاہتا ہے اور نہ صدقہ خیرات لینے کے لئے اس کا دل آمادہ ہوتا ہے ہاں وہ اپنی ضرورت پوری کرنے اور بچوں کو فاقہ توڑنے کے لئے قرض چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو قرض دینا صدقہ سے افضل ہوگا۔ نیز خود راقم السطور کا تجربہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی ضرورت مند کی زکوٰۃ خیرات سے مدد کرنے کے لئے توتیار ہو جاتے ہیں لیکن اس کو قرض دینے پر ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا اس کے لئے اس حدیث میں خاصا سبق ہے۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے (جو ابن ماجہ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے) یہ بھی اشارہ ملا کہ صدقہ کے مقابلہ میں وہی قرض افضل ہے جو کسی حاجتمند کو اس کی حاجت رفع کرنے کے لئے دیا جائے۔

قرض کا معاملہ بڑا سنگین اور اس کے بارے میں سخت وعیدیں

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو اصحاب و سعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں اور اس کی ادائیگی کے لئے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت ہو ادا کرے اور نادار مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جز معاف کر دیں اور اس کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا اور دوسری طرف قرض لینے والوں کو آگاہی دی کہ وہ جلد سے جلد قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں، اگر خدا نخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو آخرت میں اس کا انجام ان کے حق میں بہت برا ہوگا کبھی کبھی آپ ﷺ نے اس کو سنگین ترین اور ناقابل معافی گناہ بتلایا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی میت کے متعلق آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو اس نے ادا نہیں کیا ہے، تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ ﷺ کی طرف سے آخری درجہ کی تنبیہ تھی۔

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الذُّنُوبِ عِنْدَ اللَّهِ أَنْ يُلْقَاهُ عَبْدٌ بَعْدَ الْكِبَائِرِ الَّتِي نَهَى اللَّهُ عَنْهَا أَنْ يَمُوتَ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَدْعُ لَهُ قَضَاءً. (رواه احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے (جیسے شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑے گیا ہو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ. (رواه الشافعی و احمد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن بندہ کی روح اس کے قرضہ کی وجہ سے بیچ میں معلق اور رکی رہتی ہے جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دیا جائے جو اس پر ہے۔ (مسند شافعی، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ ایسی حالت میں دنیا سے گیا جس کو ایمان بھی نصیب ہے اور اعمال صالحہ بھی اس کے اعمال میں ہیں جو نجات اور جنت کا وسیلہ بنتے ہیں لیکن اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو وہ ادا

کر کے نہیں گیا اور اس معاملہ میں اس نے غفلت اور کوتاہی کی تو جب تک اس کی طرف سے قرضہ ادا نہ ہو جائے وہ راحت و رحمت کی اس منزل اور مقام تک نہیں پہنچ سکے گا جو مؤمنین صالحین کیلئے موعود ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدِّينَ. (رواه مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید ہونے والے مرد مؤمن کے سارے گناہ (راہِ خدا میں جان کی قربانی دینے کی وجہ سے) بخش دیئے جاتے ہیں بجز قرض کے۔ (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ راہِ خدا میں شہید ہونا ایسا مقبول عمل ہے کہ وہ آدمی کے سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اس کی برکت سے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے اور بخش دیئے جاتے ہیں، لیکن اگر اس پر کسی بندہ کا قرضہ تھا تو اس کے حساب میں وہ گرفتار بنا رہے گا کیونکہ وہ حق العبد ہے اس سے نجات اور رہائی کی صورت یہی ہے کہ وہ قرضہ ادا کیا جائے۔ (یا جس کا قرضہ ہے وہ لوجہ اللہ معاف کر دے) آگے درج ہونے والی دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت سے معلوم ہوگی کہ اس معاملہ میں اللہ کا قانون کس قدر بے لاگ اور سخت ہے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُذْبِرٍ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ..... فَلَمَّا أَذْبَرَ نَا دَاهُ فَقَالَ نَعَمْ إِلَّا الدِّينَ كَذَلِكَ قَالَ جَبْرِئِلُ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بتلائیے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اور اللہ کی رضا اور ثوابِ آخرت کی طلب ہی میں جہاد کروں اور مجھے اس حالت میں شہید کر دیا جائے کہ میں پیچھے نہ ہٹ رہا ہوں بلکہ پیش قدمی کر رہا ہوں تو کیا میری اس شہادت اور قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف کر دے گا؟ آپ ﷺ نے جواب فرمایا ہاں (اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا) پھر جب وہ آدمی آپ سے یہ جواب پا کر (لوٹنے لگا تو آپ ﷺ نے اس کو پھر پکارا اور فرمایا ہاں (تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے) سوائے قرضہ کے یہ بات اللہ کے فرشتہ جبرئیل امین نے اسی طرح بتلائی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ شہید ہونے سے بندے کے سارے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی کے قرضہ کا بار لے کر گیا ہے تو اس کی وجہ سے گرفتار رہے گا۔ میں خدا کی وحی کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں جو جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا بِفَنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوَضَّعُ الْجَنَائِزُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَاطَأَ

بَصْرَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيدِ؟ قَالَ فَسَكَنَّا يَوْمَنَا وَلَكَلْنَا فَلَمْ نَرَ إِلَّا خَيْرًا حَتَّى أَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا التَّشْدِيدُ الَّذِي نَزَلَ؟ قَالَ فِي الدِّينِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَقْضَى دَيْنُهُ. (رواه احمد)

حضرت محمد بن عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے ہیں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اچانک آپ ﷺ نے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیکھا۔ پھر نگاہ نیچی فرمائی اور (ایک خاص فکر مندانہ انداز میں) اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر رکھ کر بیٹھ گئے اور اسی حالت میں فرمایا۔ ”سبحان اللہ سبحان اللہ“ (اللہ پاک ہے اس کا ہر حکم اور فیصلہ برحق) کس قدر سخت وعید اور سنگین فرمان نازل ہوا ہے“ حدیث کے راوی محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ اس دن اور اس رات ہم سب خاموش رہے (اور منتظر رہے کہ کیا ظہور میں آتا ہے مگر) خیریت ہی رہی تو اگلے دن صبح کو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت وہ کیا سخت اور بھاری چیز تھی جو کل نازل ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نہایت سخت وعید اور بھاری فرمان قرضہ کے بارے میں نازل ہوا ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس خداوندی فرمان اور وعید کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا) قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہِ خدا میں شہید ہو اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جاسکے گا جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

تشریح بظاہر ان سب حدیثوں اور وعیدوں کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ قرضہ کے ادا نہ کرنے میں بد نیتی اور غفلت و لاپرواہی کا دخل ہو اگر ادا کرنے کی نیت تھی اور فکر مند بھی تھا لیکن بے چارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ عند اللہ معذور ہوگا جیسا کہ عنقریب ہی درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں جنازوں کی نماز مسجد سے باہر میدان میں ہوتی تھی حنفیہ کے نزدیک یہی بہتر ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَتَى بِجَنَازَةٍ فَقَالُوا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوا لَا فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ أَتَى بِجَنَازَةٍ أُخْرَى فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوا ثَلَاثَةَ دَنَانِيرَ فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ أَتَى بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قَالُوا ثَلَاثَةُ دَنَانِيرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوا لَا قَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا

رَسُولُ اللَّهِ وَ عَلَى دِينِهِ، فَصَلَّى عَلَيْهِ. (رواہ البخاری)

حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک میت کا جنازہ لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ حضرت اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس آدمی پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے اس جنازہ کی نماز پڑھادی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا اس کے بارے میں آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس میت پر کسی کا قرضہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہاں اس پر قرض ہے، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو جائے) لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی، پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں بھی دریافت فرمایا کہ کیا اس مرنے والے پر کچھ قرضہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں اس پر تین دینار کا قرضہ ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو سکے) لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں چھوڑا تو آپ ﷺ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ اپنے اس ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ تو ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! اس کی نماز پڑھا دیں اور اس پر جو قرضہ ہے وہ میں نے اپنے ذمہ لے لیا (میں ادا کروں گا) تو اس کے بعد آپ ﷺ نے اس جنازہ کی بھی نماز پڑھادی۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل بظاہر زندوں کو تنبیہ کے لئے تھا کہ وہ قرضوں کے ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی نہ کریں اور ہر شخص کی یہ کوشش ہو کہ اگر اس پر کسی کا قرضہ ہے تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کرے اور دنیا سے اس حال میں جائے کہ اس کے ذمہ کسی کا کچھ مطالبہ نہ ہو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اسی بارے میں مروی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل (کہ قرض دار میت کی نماز جنازہ سے خود معذرت فرمادیتے اور صحابہ کرامؓ سے فرمادیتے تھے کہ تم لوگ پڑھ لو) ابتدائی دور میں تھا بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور افلاس و ناداری کا دور ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں انتقال کر جائے کہ اس پر قرض ہو (اور ادائیگی کا سامان نہ چھوڑا ہو) تو وہ قرض میرے ذمہ ہے میں اس کو ادا کروں گا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی مسلمان کے ذمہ کسی دوسرے کا حق باقی نہ رہ جائے۔

بہر حال ان سب حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قرض ادا نہ کرنا اور اس حال میں دنیا سے چلا جانا بڑا سنگین گناہ ہے اور اس کا انجام بہت ہی خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے سبق لینے کی ہم سب کو توفیق دے اور دنیا سے اس حال میں اٹھائے کہ کسی بندہ کا قرض اور کوئی حق ہمارے ذمہ نہ ہو۔

قرض ادا کرنے کی نیت ہو تو اللہ تعالیٰ ادا کر اہی دے گا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ آدَاءَ هَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ اتِّلَا فَهَا اتَّلَفَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ. (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی لوگوں سے (قرض ادھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کر دے گا۔ (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر زندگی میں وہ ادا نہ کر سکا تو آخرت میں اس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو سبکدوش فرما دے گا) اور جو کوئی کسی سے (قرض ادھار) لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف اور تباہ ہی کر دے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ اس بد نیت آدمی کو لینا نہ ہو گا اور آخرت میں اس کے لئے وبال عظیم ہو گا۔) (صحیح بخاری)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ خَلِيلِي وَصَفِيَّ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ أَحَدٍ يُدَانُ دَيْنًا فَيَعْلَمُ اللَّهُ أَنَّهُ يُرِيدُ قَضَاءَهُ إِلَّا آدَاهُ اللَّهُ عَنْهُ فِي الدُّنْيَا. (رواه النسائي)

حضرت عمران بن حصین ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی بندہ قرض لے اور اللہ کے علم میں ہو کہ اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرضہ دنیا ہی میں ادا کر دے گا۔ (سنن نسائی)

تشریح حضرت عمران بن حصین کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بہت قرض لیا کرتی تھیں (غالباً مصارف خیر میں صرف کرنے کے لئے لیتی ہوں گی) تو ان کے خاص اعزہ اور متعلقین نے اس بارے میں ان سے بات کی (اور اس معاملہ میں احتیاط کا مشورہ دیا) تو آپ ﷺ نے صاف فرما دیا کہ میں اس کو نہیں چھوڑوں گی اور ان کو حضور ﷺ کا یہی ارشاد سنایا، مطلب یہ تھا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی بناء پر مجھے کامل یقین ہے کہ میں جو کچھ قرض لیتی رہوں گی اس کی پائی پائی اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں ادا کر دے گا، مجھے اس کی ضمانت اور کفالت پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے۔ بے شک ایسے اصحاب یقین کیلئے یہ طرز عمل درست ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الدَّائِنِ حَتَّى يَقْضِيَ دَيْنَهُ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْمَا يَكْرَهُ. (رواه ابن ماجه)

حضرت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا ہو بشرطیکہ یہ قرضہ کسی برے کام کے لئے نہ لیا گیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اپنی صحیح ضرورت و حاجت یا کسی نیک کام کے لئے قرض لے اور وہ اس

کی ادائیگی کی نیت اور فکر رکھتا ہو تو قرضہ ادا ہونے تک اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مدد اس کے ساتھ رہے گی۔ سنن ابن ماجہ کی اسی روایت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حدیث کے راوی عبد اللہ بن جعفرؓ اس حدیث کی بناء پر ہمیشہ مقروض رہتے تھے، فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ گزرے جس میں اللہ تعالیٰ کی ”معیت“ یعنی خاص عنایت مجھے نصیب نہ ہو۔

ان کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بہت سخی تھے اس لئے بھی ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

قرض لینے اور ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل

رسول اللہ ﷺ کو بھی قرض لینے کی ضرورت پڑتی تھی اور آپ ﷺ قرض لیتے تھے اسی سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ غیر مسلموں یہودیوں سے بھی قرض لیتے تھے اور اس میں جو عظیم دینی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں وہ بھی وہاں بیان کی جا چکی ہیں۔ یہاں اس سلسلہ میں صرف تین حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَيْنٌ فَقَضَيْتُ لِي وَزَادَنِي. (رواہ ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا تو آپ ﷺ نے جب وہ ادا فرمایا تو (میری واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح قرض دار کا ادائیگی کے وقت اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کرنا جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ چونکہ یہ کسی شرط اور معاہدہ کی بناء پر نہیں ہوتا اس لئے یہ ”ربوا“ (سود) نہیں بلکہ تبرع اور احسان ہے۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کو بتلانے اور رواج دینے کی ضرورت ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ أَصْحَابُهُ فَقَالَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرَوْا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ قَالُوا لَا نَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ قَالَ اشْتَرَوْهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے قرضہ کا تقاضا کیا اور سخت کلامی کی تو آپ ﷺ کے اصحاب کرامؓ نے (جو اس وقت موجود تھے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا) ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ”اس کو چھوڑ دو کچھ نہ کہو کیونکہ صاحب حق کو کہنے کا حق ہے اور اس کا قرض ادا کرنے کے واسطے ایک اونٹ خرید لاؤ اور اس کو دے دو۔“ انہوں نے واپس آکر کہا (اس شخص کا اونٹ جس حیثیت کا تھا اس طرح کا اونٹ نہیں مل رہا ہے) صرف ایسا اونٹ ملتا ہے جو اس کے اونٹ سے زیادہ عمر کا اور زیادہ بڑھیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو، کیونکہ وہ آدمی زیادہ اچھا ہے جو بہتر اور برتر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلکہ اس سے پہلے سے عرب میں یہ عام رواج تھا کہ ایک آدمی اپنی ضرورت کے لئے دوسرے آدمی سے اونٹ قرض لے لیتا اور یہ معاملہ روپیہ پیسے کے حساب سے نہ ہوتا بلکہ یہ طے ہو جاتا کہ اس عمر اور اس حیثیت کا دوسرا اونٹ اس کے بدلے مقررہ مدت تک دے دیا جائے گا۔ تو

رسول اللہؐ نے اس رواج کے مطابق کسی وقت کسی شخص سے اونٹ قرض لیا تھا۔ غالباً مقررہ وقت آجانے پر وہ تقاضا کرنے آیا اور اس نے ادب و تمیز کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا، صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات اس وقت حاضر و موجود تھے انہوں نے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو، اس کا ہم پر حق ہے اور صاحب حق کو سخت سست کہنے کا حق ہے۔ ہاں تم یہ کرو کہ جس عمر کا اور جس حیثیت کا اس شخص کا اونٹ تھا ویسا ہی خرید کر لا دو اور اس کو ادا کر دو۔ صحابہ کرامؓ نے ویسا اونٹ تلاش کیا، لیکن کہیں نہیں ملا، ہاں عمر اور حیثیت کے لحاظ سے اس سے بڑا اور بڑھیا اونٹ ملتا تھا انہوں نے واپس آکر حضور سے یہی عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو بڑا اور بڑھیا مل رہا ہے وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ جو آدمی زیادہ بہتر اور برتر ادا کرتا ہے وہی زیادہ اچھا ہے۔ اس حدیث میں امت کے لئے جو سبق ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں۔

کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ شخص جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اور جس نے تقاضا کرنے میں ادب و تمیز کے خلاف رویہ اختیار کیا تھا، کون تھا غالب گمان یہی ہے کہ کوئی غیر مسلم یہودی وغیرہ ہو گا۔ اس سلسلہ معارف الحدیث میں اس حدیث کی تشریح میں جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ مبارک ۳۰ صاع جو کے عوض ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی ہوئی تھی (تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ یہودیوں وغیرہ غیر مسلموں سے بھی قرض لے لیتے تھے اور وہیں اس کی حکمتیں و مصالحتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ قَالَ اسْتَفْرَضَ مِنِّي النَّبِيُّ ﷺ اَرْبَعِينَ اَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَلَدَعَهُ اِلَى وَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ تَعَالَى فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاْعُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ. (رواه النسائي)

حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیا پھر آپ کے پاس سرمایہ آگیا تو آپ نے مجھے عطا فرمادیا اور ساتھ ہی مجھے دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ قرض کا بدلہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور (قرض دینے والے کی) تعریف اور شکر یہ ادا کیا جائے۔ (سنن نسائی)

تشریح — ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قرض بھی لیتے تھے اور ادائیگی کے وقت ”ہل جزاء الا احسان الا الاحسان“ کے اصول پر حق واجب سے زیادہ اور بہتر ادا فرماتے تھے اور دعائے خیر سے بھی نوازتے تھے۔ آخری حدیث میں چالیس ہزار قرض لینے کا ذکر ہے۔ بظاہر اس سے مراد چالیس ہزار درہم ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات آپ بڑی بڑی رقمیں بھی قرض لیتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے قرض آپ ﷺ جہاد وغیرہ دینی مہمات ہی کے لئے لیتے ہوں گے ورنہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کی معیشت کا حال تو یہ تھا کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کبھی دو دن متواتر پیٹ بھر کے جو کی روٹی بھی نہیں کھائی اور بسا اوقات فاقوں کی نوبت آتی تھی اور مہینوں گھر میں چولہا گرم نہیں ہوتا تھا صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ربا (سود)

دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کی طرح عربوں میں بھی سودی لین دین کا رواج تھا اور ہمارے یہاں کے سود خور مہاجنوں کی طرح وہاں بھی کچھ سرمایہ دار یہ کاروبار کرتے تھے جس کی عام مروج و معروف صورت یہی تھی کہ ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے اور طے ہو جاتا کہ یہ رقم وہ فلاں وقت تک اتنے اضافے کے ساتھ ادا کر دیں گے۔ پھر اگر مقررہ وقت پر قرض لینے والا ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت لے لیتا اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اضافہ طے ہو جاتا۔ اس طرح غریب قرض داروں کا بوجھ بڑھتا رہتا اور سود خور مہاجن ان کا خون چوستے رہتے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلام کی روح اور اس کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ اسلام کی تعلیم اور ہدایت تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی جائے، کمزوروں کو سہارا دیا جائے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے اور یہ سب اپنی کسی دنیوی مصلحت و منفعت کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں جس طرح انہجائات شراب سے لوگوں کو بچانے کے لئے تدریجی روئے اختیار فرمایا اسی طرح سود کے ظالمانہ اور لعنتی کاروبار کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بھی اسی حکمت عملی کو استعمال کیا گیا۔ شروع میں طویل مدت تک صرف مثبت انداز میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اپنی دولت فی سبیل اللہ خرچ کرو، غریبوں کی مدد کرو، کمزوروں کو سہارا دو، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ رحم، سخاوت اور ایثار جیسے اخلاق کو اپناؤ بتلایا گیا کہ تم بھی فانی ہو، تمہاری دولت بھی فنا ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس دولت کے ذریعہ آخر کی ابدی فلاح اور جنت کماؤ، قارون جیسے پرستار ان دولت کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

اس تعلیم و ہدایت اور اس کے مطابق عمل نے معاشرہ کا مزاج ایسا بنادیا اور فضا اس کے لئے ایسی سازگار ہو گئی کہ اس ظالمانہ اور انسانیت کش کاروبار (ربوا۔ سود) کی قطعی حرمت کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ چنانچہ اواخر سورہ بقرہ کی ۲۷۵ سے ۲۸۰ تک کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں واضح طور پر ربوا (سود) کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ (یعنی **”الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا“** سے لے کر **”وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ“** تک۔)

ان آیتوں میں یہ بھی صراحت کر دی گئی اگر پچھلے لین دین کے سلسلے میں کسی کی کوئی سودی رقم کسی مقروض کے ذمے باقی ہے تو وہ بھی اب نہیں لی دی جائے گی۔ انہی آیتوں میں آخر میں یہ بھی اعلان فرمادیا گیا کہ سودی کاروبار کی حرمت کے اس اعلان کے بعد بھی جو لوگ باز نہ آئیں اور خداوندی قانون کی نافرمانی کریں ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے (فاذنبوا بحرب من اللہ ورسولہ)۔ اللہ کی پناہ! یہ وعید (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ کی وعید) سودی کاروبار کے سوا زنا،

شراب، خون ناحق وغیرہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں یہ گناہ دوسرے سب گناہوں سے زیادہ شدید و غلیظ ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود خوری کو انتہائی درجہ کے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ اور سود لینے والوں کے ساتھ اس کے دینے والوں یہاں تک کہ سودی دستاویز لکھنے والوں اور سودی معاملے کے گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض روایات میں سود کا گناہ زنا سے ستر گنا زیادہ بتلایا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس باب کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اجْتَبُوا السَّبْعَ الْمُؤَبَّاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللَّهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلَّى يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کن گناہوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سے سات گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں کسی کو) شریک کرنا، اور جادو کرنا، اور ناحق کسی آدمی کو قتل کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور (اپنی جان بچانے کے لئے) جہاد میں لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا اور اللہ کی پاک دامن بھولی بھالی بندیوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جن گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے یہ شدید ترین اور خبیث ترین کبیرہ گناہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ”مؤبقات“ فرمایا ہے (یعنی آدمی کو اور اس کی ایمانی روح کو ہلاک و برباد کر دینے والے) ان میں آپ ﷺ نے شرک اور سحر اور قتل ناحق کے بعد اکل ربا (سود لینے اور کھانے) کا ذکر فرمایا اور اس کو روح ایمانی کے لئے قاتل اور مہلک بتلایا ہے۔ جس طرح اطباء اور ڈاکٹر اپنے تحقیقی علم و فن اور تجربہ کی بناء پر اس دنیا میں زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں، دواؤں، غذاؤں وغیرہ کے خواص بیان کرتے ہیں کہ فلاں چیز میں یہ خاصیت اور تاثیر ہے اور یہ آدمی کے فلاں مرض کے لئے مفید یا مضر ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کی بنیاد پر انسانوں کے عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے خواص اور نتائج بتلاتے ہیں کہ فلاں ایمانی عقیدہ اور فلاں نیک عمل اور فلاں اچھی خصلت کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں جنت کی نعمتیں اور دنیا میں قلب و روح کا سکون ہے اور فلاں کفرانہ و مشرکانہ عقیدے اور فلاں ظلم و معصیت کا انجام اللہ کی لعنت اور دوزخ کا عذاب اور دنیا میں طرح طرح کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اور غور و فکر میں غلطی کا امکان ہے اور کبھی کبھی غلطی کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے علم کی بنیاد خالق کائنات اور علیم کل اللہ تعالیٰ کی وحی پر ہوتی ہے اس میں کسی بھول چوک یا غلطی کا احتمال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر عجب معاملہ ہے کہ

حکیموں ڈاکٹروں کی تجویز کی ہوئی دواؤں کو سب بلاچون و چرا ان کے اعتماد پر استعمال کرتے ہیں، پر ہیز کے بارے میں وہ جو ہدایت دیں اس کی بھی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسی کو عقل کا تقاضا سمجھا جاتا ہے اور کسی مریض کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ کہے کہ میں دوا جب استعمال کروں گا جب اس کی تاثیر کا فلسفہ مجھے سمجھا دیا جائے۔ لیکن اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول برحق خاتم الانبیاء ﷺ مثلاً سود کے بارے میں فرمائیں کہ وہ شدید و خبیث کبیرہ گناہ اور ”موبقات“ میں سے ہے۔ خدا کی لعنت و غضب کا موجب اور روح ایمان کے لئے قاتل ہے اور سود خوروں کے لئے آخرت میں لرزہ خیز عذاب ہے تو بہت سے مدعیان عقل و ایمان کے لئے یہ کافی نہ ہوا اور وہ اس کا ”فلسفہ“ معلوم کرنا ضروری سمجھیں۔ اللہ دلوں کو ایمان و یقین نصیب فرمائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرَى بِي عَلَى قَوْمٍ يُكُونُهُمْ كَأَلْبُيُوتٍ فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا.

(رواہ احمد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو باہر سے نظر آتے ہیں، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جو ایسے عذاب میں مبتلا ہیں) انہوں نے بتلایا کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔

(مسند احمد، مسند ابن ماجہ)

تشریح۔۔۔ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو عالم غیب کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسی ضمن میں جنت اور دوزخ کے بعض مناظر بھی دکھائے گئے تاکہ خود آپ ﷺ کو ”حق الیقین“ کے بعد ”عین الیقین“ کا مقام بھی حاصل ہو جائے اور آپ ﷺ ذاتی مشاہدہ کی بناء پر بھی لوگوں کو عذاب و ثواب سے آگاہ کر سکیں اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے ایک منظر یہ بھی دیکھا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ کچھ لوگوں کے پیٹ اتنے بڑے ہیں جیسے کہ اچھا خاصا گھر اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو دیکھنے والوں کو باہر ہی سے نظر آتے ہیں اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت جبریل نے بتلایا کہ یہ سود لینے والے اور کھانے والے لوگ ہیں جو اس لرزہ خیز عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے اس مشاہدہ کو خود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے بعد کے راویان حدیث کو ان کی محنت و عنایت کے طفیل میں حدیث کی مستند کتابوں کے ذریعہ یہ مشاہدہ ہم تک بھی پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا یقین نصیب فرمائے کہ دل کی آنکھوں سے یہ منظر ہم کو بھی نظر آئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْرِّبَا سَبْعُونَ جُزْءًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ.

(رواہ ابن ماجہ و البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود خوری کے

ستر حصے ہیں ان میں سے ادنیٰ اور معمولی ایسا ہے کہ جیسے اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرنا۔

(سنن ابن ماجہ شعبہ الایمان للبیہقی)

تشریح۔۔۔ اس سلسلہ معارف الحدیث میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی محاورہ اور قرآن وحدیث کی زبان میں ”سبعون“ کا لفظ خاص معین عدد (۷۰) کے علاوہ کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ اکثر اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود خوری اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدرجہا زیادہ شدید و خبیث گناہ ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے صرف یہی وہ گناہ ہے جس سے باز نہ آنے والوں کے خلاف قرآن پاک میں اللہ و رسول کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے۔

(فَاذْنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْلَ الرِّبَا وَمُوكَلَّهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدِيهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ.

(رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود لینے اور کھانے والے پر اور سود دینے اور کھلانے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ (گناہ کی شرکت میں) یہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے اور عقل سلیم کے نزدیک بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اصل خبیث اور موجب لعنت ظالمانہ گناہ سود لینا اور کھانا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے روایت کئے ہوئے اس ارشاد نبوی کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ سودی کاروبار ایسا خبیث اور لعنتی کاروبار ہے کہ اس میں کسی طرح کی شرکت بھی لعنت الہی کا موجب ہے اس بناء پر سود دینے والا سودی دستاویز کا کاتب اور اس کے گواہ بھی لعنت میں حصہ دار ہیں۔ اس لئے جو خدا اور رسول کی لعنت اور ان کے غضب سے بچنا چاہے وہ اس کاروبار سے دور دور رہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَقْرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأَهْدَى إِلَيْهِ أَوْ حَمَلَهُ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبُهُ وَلَا يَقْبَلُهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ قَبْلَ ذَلِكَ.

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعبہ الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کسی کو قرض دے تو اگر وہ مقروض و مدیون آدمی قرض دینے والے کو کوئی چیز بطور ہدیہ دے یا سواری کے لئے اپنا جانور پیش کرے تو چاہئے کہ وہ اس کے ہدیہ کو قبول نہ کرے اور اس کے جانور کو سواری میں استعمال میں نہ کرے۔ (الایہ کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے اس کا تعلق اور معاملہ ہوتا رہا ہو۔)

(سنن ابن ماجہ شعبہ الایمان للبیہقی)

تشریح۔۔۔ حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود کا معاملہ اتنا سنگین اور خطرناک ہے کہ اس کے ادنیٰ شبہ سے بھی بچنا چاہئے۔ جب کسی بندہ کو آدمی قرض دے تو اس کی پوری احتیاط کرے کہ اس قرض کی وجہ سے ذرہ

برابر بھی دنیوی فائدہ حاصل نہ ہو اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ اخْرَمًا نَزَلَتْ آيَةُ الرَّبْوَا وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا لِلرَّبْوَا وَالرَّيْبَةِ. (رواه ابن ماجه والدارمي)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ربوا والی آیت (یعنی سورہ بقرہ کی جس آیت میں ربوا کی حرمت کا قطعی اعلان فرمایا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات کے آخری دور میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ہے۔ حضور ﷺ اس دنیا سے اٹھائے گئے اور آپ ﷺ نے ہمارے لئے اس کی پوری تفسیر و تشریح نہیں فرمائی، لہذا ربوا کو بالکل چھوڑ دو اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی پرہیز کرو۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح — ”ربوا“ عربی زبان کا ایک عام معروف لفظ تھا جو نزول قرآن سے پہلے بھی بولا جاتا تھا اور وہاں کا ہر شخص اس کا مطلب سمجھتا تھا اور وہ وہی تھا جو اوپر تمہیدی سطروں میں بیان کیا گیا ہے اس لئے جب حرمت ربوا والی آیت نازل ہوئی تو وہاں سب نے اس سے یہی سمجھا کہ سودی کاروبار (جس کا وہاں رواج تھا) حرام قرار دے دیا گیا اس میں نہ کسی کو کوئی شبہ ہو اور نہ کسی شبہ کی گنجائش تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں جو (آگے درج ہو رہے ہیں) خرید و فروخت کی بعض ایسی صورتوں کے بھی ”ربوا“ کے حکم میں ہونے کا اعلان فرمایا جن میں کسی پہلو سے ربوا کا شائبہ تھا اور جن کو وہاں پہلے ”ربوا“ نہیں کہا اور سمجھا جاتا تھا مگر اس سلسلہ کی ساری جزئیات رسول اللہ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں بلکہ جیسا کہ حکمت شریعت کا تقاضا تھا اصولی ہدایت فرمادی اور یہ کام امت کے مجتہدین اور فقہاء کے لئے رہ گیا کہ وہ آپ کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں جزئیات کے بارے میں فیصلہ کریں (تمام ابواب شریعت کا یہی حال ہے) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو امت کے فقہاء و مجتہدین کی صف اول میں ہیں ربوا کے بارے میں سخت وعیدوں سے ڈرتے اور لرزتے ہوئے یہ خواہش رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس باب (ربوا) کی وہ جزئیات بھی بیان فرما جاتے جو آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں اور جن کے بارے میں اب اجتہاد سے فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اپنے اس انتہائی خدا ترسانہ اور محتاط نقطہ نظر کی بناء پر انہوں نے اپنے اس ارشاد کے آخر میں فرمایا ”فَدَعُوا الرَّبْوَا وَالرَّيْبَةَ“ یعنی اب اہل ایمان کے لئے راہِ عمل یہ ہے کہ وہ ”ربوا“ اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی اپنے کو بچائیں لیکن اس کے برعکس ہمارے زمانہ کے بعض دانشور مدعیان اجتہاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ”ربوا“ کی حقیقت مشتبہ بلکہ نامعلوم ہے اور پھر اس کی بنیاد پر وہ سود کی بہت سی مروجہ صورتوں کا جواز نکالتے ہیں۔

”ہیں تفاوت رہ از کجا ست تا کجا“

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيرُ إِلَى قُلٍّ. (رواه

احمد و ابن ماجه والبيهقي في شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود

اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے لیکن اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔

(مسند احمد، مسند ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح - اگر حدیث کے لفظ عاقبہ سے اخروی انجام مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی صاحب ایمان کو اس میں شک شبہ نہیں ہوگا، عالم آخرت میں پہنچ کر ہم سب دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کیا اور یہاں وہ لکھ پتی کروڑ پتی ہو گئے، آخرت میں وہ بالکل مفلس کوڑی کوڑی کے محتاج ہوں گے اور ان کی وہ دولت ہی ان کے لئے وبال اور عذاب ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اطلاع دی ہے۔ اور اگر حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ سود کے ذریعہ دولت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن آخر کار دنیا میں بھی اس پر زوال آئے گا تو ظاہر بینوں کو تو اس میں شک اور کلام ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو حقائق دیکھنے والی نگاہ دی ہے انہیں اس میں بھی کوئی شک شبہ نہ ہوگا۔ بکثرت ایسے واقعات مشہور ہیں کہ ایک شخص سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہا اور وہ اپنے وقت کا قارون بن گیا، پھر کبھی اس شخص کی زندگی ہی میں اور کبھی اس کے بعد کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا اور ایسی کوئی آفت آئی جس نے سارا حساب برابر کر دیا اور کبھی کبھی تو وہ لکھ پتی اور کروڑ پتی دیوالیہ اور محتاج ہو کر رہ گیا۔ اور یہ بات سو فیصدی مشاہدہ اور تجربہ میں ہے کہ سود خور لوگ اس حقیقی راحت اور عزت و احترام سے یکسر محروم رہتے ہیں جو دولت کا اصل مقصد اور ثمرہ ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کوئی سود خور سودی کاروبار کے ذریعہ خواہ کتنی ہی دولت پیدا کر لے وہ دولت کے حقیقی لطف و ثمرہ سے ہمیشہ محروم ہی رہتا ہے، اس حساب سے وہ دولت مند ہونے کے باوجود مفلس اور تہی دست ہی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَسْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا" (ربا اور سود سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ برکت سے محروم رکھتا ہے اور اس پر دیر سویر بربادی آتی ہے) حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَقْبَلُ أَحَدٌ إِلَّا رِبًّا فَإِنْ لَمْ

يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ (وَيُرْوَى مِنْ غُبَارِهِ) (رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہر شخص سود کھانے والا ہوگا (کوئی بھی اس سے محفوظ نہ ہوگا اگر خود سود نہ بھی کھاتا ہوگا

تو اس کے بخارات یا اس کا غبار ضرور اس کے اندر پہنچے گا۔) (مسند احمد، مسند ابن ماجہ، مسند ابی داؤد، مسند نسائی، مسند ابن ماجہ)

تشریح - اس ارشاد سے حضور ﷺ کا مقصد مستقبل کے بارے میں صرف ایک پیش گوئی کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد امت کو خبردار کرنا ہے کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب سود کی وباء عام ہو جائے گی اور اس سے محفوظ رہنا بہت ہی دشوار ہوگا۔ لہذا چاہئے کہ ہر صاحب ایمان اور صاحب تقویٰ اس بارے میں چوکنا رہے اور اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھنے کی فکر اور کوشش کرتا رہے۔ یقیناً ہمارا زمانہ بھی وہی زمانہ ہے اللہ کے جو بندے سود کو لعنت سمجھتے اور بتوفیق خداوی اس سے پرہیز کرتے ہیں وہ بھی اپنا غدائی سامان یا پہننے کا کپڑا جن

دکانداروں سے خریدتے ہیں ان کے کاروبار کا رشتہ بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی سودی سلسلہ سے ضرور ہے، آج کل کسی کاروباری سلسلہ کا اس سے محفوظ رہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا جنگل کے کسی درخت کا ہوا سے محفوظ رہنا۔ اللہم احفظنا

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ** مِثْلًا بِمِثْلِ سَوَاءٍ بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَجْنَاسُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ. (رواه مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی بیج سونے کے بدلے اور چاندی کی چاندی کے بدلے اور گیہوں کی گیہوں کے بدلے اور جو کی جو کے بدلے اور کھجوروں کی کھجوروں کے بدلے اور نمک کی نمک کے بدلے یکساں اور برابر اور دست بدست ہونی چاہئے اور جب اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔ (صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ** مِثْلًا بِمِثْلِ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ اسْتَرَادَ فَقَدْ أَرَبَى الْأَخِذَ وَالْمُعْطَى فِيهِ سَوَاءٌ. (رواه مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض اور گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جو کے عوض اور کھجوریں کھجوروں کے عوض دست بدست برابر برابر بیچا خرید جائے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا (اور وہ سود کے گناہ کا مرتکب ہوا) اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس مضمون کی حدیثیں اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابو بکرؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ان کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے (یعنی سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک) اگر ان میں سے کسی جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے (مثلاً گیہوں دے کر اس کے بدلے میں گیہوں لئے جائیں) تو یہ معاملہ جب جائز ہو گا جب برابر برابر اور دست بدست لیا جائے۔ اگر کسی بیشی ہوئی یا لین دین دست بدست (ہاتھ کے ہاتھ) نہ ہو بلکہ قرض ادھار کی بات ہوئی تو جائز نہ ہو گا بلکہ یہ ایک طرح کا سود کا معاملہ ہو جائے گا اور دونوں فریق سود کے مرتکب اور گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ”حجة الله البالغة“ میں ان حدیثوں کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور اس سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جس ربا (سود) کا رواج تھا اور

جس کو ”ربا“ کہا جاتا تھا وہ قرض ادھار والا ہی سود تھا جس کی صورت (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا) یہ تھی کہ جو سرمایہ دار مہاجر سودی کاروبار کرتے تھے، ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے تھے اور طے ہو جاتا تھا کہ اتنے اضافہ کے ساتھ فلاں وقت تک وہ یہ قرض ادا کر دیں گے، پھر اگر مقررہ ميعاد پر وہ ادا نہ کر سکتے تو اور مہلت لے لیتے اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اور اضافہ طے ہو جاتا (شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ) اسی سودی کاروبار کا رواج تھا اور اسی کو ”ربا“ کہا جاتا تھا، قرآن مجید میں براہ راست اسی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے خرید و فروخت کی بعض صورتوں کے بھی ربوا کے حکم میں داخل ہونے کا اعلان فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔ ان حدیثوں میں اسی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اور مقصد و مدعا یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ان میں کسی جنس کا بھی اگر اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے تو کسی طرف کمی بیشی نہ ہو بلکہ برابر برابر ہو اور لین دین ہاتھ کے ہاتھ ہو اگر تبادلہ میں کمی بیشی ہوئی یا لین دین ہاتھ کے ہاتھ نہ ہو تو یہ ربوا اور سود کی ایک قسم ہوگی اور دونوں فریق گنہگار ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے معمول کے مطابق اس حکم کی جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تعیش اور ”رفاہیت بالغہ“ یعنی زیادہ بلند معیار اور ریئسانہ ٹھٹھاٹ باٹ کی زندگی پسند نہیں فرماتا کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی تعیش کی زندگی گزارے گا وہ لازمی طور پر طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہوگا اور آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے اور روح کے تزکیہ کی فکر سے وہ اسی حساب سے غافل ہوگا، علاوہ ازیں معاشرہ میں زیادہ اونچ نیچ سے جو طرح طرح کے مفاسد پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پیدا ہوں گے اور تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی ہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے گی ہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے، کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں، سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائیں جس کی عملی صورت اکثر یہی ہوتی تھی کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہیں ہے بلکہ معمولی درجہ کی ہے تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر ان کے بدلے میں اعلیٰ معیار کی تھوڑی مقدار میں لے لی جائے، بہر حال کمی بیشی کے ساتھ ایک جنس کا اسی جنس سے تبادلہ عموماً تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی کے تقاضے سے ہی کیا جاتا تھا تو اس کی ممانعت کے ذریعہ اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈالی گئی اور ایک حد تک اس کا سدباب کیا گیا۔ واللہ اعلم

باسرار احکامہ۔

حدیث میں صرف مذکورہ بالا چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے لیکن امت کے فقہاء مجتہدین کا اس پر قریب اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جو چیزیں اس نوعیت کی ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے اگرچہ تفصیلات میں فقہاء کی رایوں میں کچھ فرق و اختلاف ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِتَمَرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَيْنَ هَذَا؟ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا تَمَرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ أَوْهَ عَيْنُ الرَّبَالَا تَفْعَلُ وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمَرَ بِبَيْعٍ آخَرَ لَمْ أَشْتَرِبْهُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت اچھی قسم کی (برنی) کھجوریں لائے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجوریں تھیں میں نے وہ دو صاع دے کر یہ برنی ایک صاع خرید لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا او ہوا! یہ تو عین ربا ہوا، آئندہ ایسا کبھی نہ کرو، جب تم (کھجوروں سے) کھجوریں خریدنی چاہو تو پہلے اپنی کھجوریں بیچ دو۔ پھر ان کی قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ (جو یقیناً اس سے ناواقف نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ربوا کو حرام قرار دے دیا ہے) انہوں نے جس طرح کھجوریں خریدی تھیں اس کو انہوں نے ربوا نہیں سمجھا تھا وہ ”ربوا“ قرض والے سود ہی کو سمجھتے تھے جس کو عام طور سے ربوا کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتلایا کہ کمی بیشی کے ساتھ کھجوروں کا تبادلہ بھی ربوا کے حکم میں ہے، بقول حضرت شاہ ولی اللہ قرض والا ربوا ”حقیقی ربوا“ ہے اور حضرت ابو سعید وغیرہ کی حدیثوں میں جس کو ربوا قرار دیا گیا ہے وہ ”حکمی ربوا“ ہے یعنی ربوا کے حکم میں ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بَاعَ سِقَايَةَ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَرَقٍ بِأَكْثَرٍ مِنْ وَزْنِهَا فَقَالَ أَبُو الْوَلَدِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هَذَا إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ مَا أَرَى بِمِثْلٍ هَذَا بَأْسًا فَقَالَ أَبُو الْوَلَدِ مَنْ يُعْلِلُنِي مِنْ مُعَاوِيَةَ أَنَا أُخْبِرُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يُخْبِرُنِي عَنْ رَأْيِهِ لَا أَسَاكِنُكَ بَارِضٍ أَنْتَ بِهَا ثُمَّ قَدِمَ أَبُو الْوَلَدِ عَلَى عُمَرَ فَلَذَّكَرَ لَهُ ذَلِكَ فَكَتَبَ عُمَرُ إِلَى مُعَاوِيَةَ أَنْ لَا تَبِعَ ذَلِكَ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَزَنًا بِوَزْنٍ. (رواه مالك في الموطأ والنسائي في مسنده)

عطاء بن یسار تابعی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ (یا جگ) اسی جنس کے اس سے زیادہ وزن کے عوض فروخت کیا تو حضرت ابوالدرداءؓ نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ آپ ﷺ اس طرح کی بیع فروخت سے منع فرماتے تھے۔ الا یہ کہ برابر برابر ہو، تو حضرت معاویہؓ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی مضائقہ اور گناہ کی بات نہیں ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے (سخت رنجیدہ ہو کر) کہا کہ مجھے معاویہؓ کے بارے میں معذور سمجھا جائے۔ میں ان کو رسول اللہ ﷺ کا حکم بتاتا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتاتے ہیں۔ (اس کے بعد خود حضرت معاویہؓ سے کہا کہ) میں تمہارے ساتھ اس سر زمین میں نہیں رہوں گا جہاں تم ہو گے۔ اس کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے اور آپؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اس طرح کی بیع فروخت نہ کرو، سونا، چاندی وغیرہ کا اسی جنس سے تبادلہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ دونوں طرف وزن یکساں اور

برابر برابر ہو۔ (موطا امام مالک، سنن نسائی)

تشریح۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ علاقہ شام کے حاکم (گورنر) تھے،

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قیام بھی وہیں تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی سے بنا ہوا پانی کا ایک برتن (پیالہ یا جگ) بطور قیمت اسی جنس سے وزن میں کچھ زیادہ لے کر فروخت کیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، حضرت ابوالدرداءؓ نے ان سے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے، حکم یہ ہے کہ سونے یا چاندی کی کوئی چیز اگر اسی جنس کے عوض بیچی یا خریدی جائے تو وزن میں کمی بیشی نہ ہونی چاہئے وزن برابر برابر ہونا چاہئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال غالباً یہ تھا کہ سونے یا چاندی سے بنی ہوئی چیز (زیوریا برتن) اگر فروخت کیا جائے تو بنوائی کی اجرت کا لحاظ کر کے کچھ زیادہ لینا ناجائز نہ ہوگا، اس بناء پر انہوں نے کہا کہ ”میرے نزدیک تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔“

لیکن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہؓ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے جو کچھ سنا تھا وہ اس کی روشنی میں اس رائے یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتے تھے۔ بہر حال وہ ناراض ہو کر وہاں کی سکونت ترک کر کے مدینہ چلے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے واقعہ بیان کیا، آپؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ شرعی حکم وہی ہے جو ابوالدرداءؓ نے بتلایا لہذا ایسی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ربا (سود) کی اس دوسری قسم (ربائے حکمی) کے بارے میں بھی صحابہؓ کرامؓ میں کتنی شدت تھی اور اس بارے میں کسی کی اجتہادی غلطی بھی ان کے لئے قابل برداشت نہیں تھی۔

خرید و فروخت کے متعلق احکامات

پھلوں کی فصل تیاری سے پہلے نہ بیچی، خریدی جائے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ حَتَّى يَنْدُو صَلاَحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُسْتَرِيَّ. (رواه البخاری و مسلم)

وَفِي رَوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتَّى يَبْيَضُ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا پھلوں کی بیج سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے۔ ”آپ ﷺ نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا کھجوروں کی فصل کی بیج سے جب تک ان پر سرخی نہ آجائے اور کھیت کی بالوں کی بیج سے جب تک ان پر سفیدی نہ آجائے اور پتہ تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

تشریح..... جس طرح ہمارے ملک اور ہمارے علاقوں میں آم کے باغوں کی فصل آم تیار ہونے سے پہلے، بہت پہلے بھی فروخت کر دی جاتی ہے اسی طرح مدینہ منورہ وغیرہ عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور یا انگور کے باغات اور درختوں کے پھل تیاری سے پہلے فروخت کر دیئے جاتے تھے اور کھیتوں میں پیدا ہونے والا غلہ بھی تیاری سے پہلے فروخت کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ اس میں خطرہ اور امکان ہے کہ فصل پر کوئی آفت آجائے مثلاً تیز آندھیاں یا آسمان سے گرنے والے اولے غلہ کو یا پھلوں کو ضائع کر دیں یا ان میں کوئی خرابی اور بیماری پیدا ہو جائے تو بے چارے خریدنے والے کو بہت نقصان پہنچ جائے گا، پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو۔ بہر حال اس بیج فروخت میں یہ کھلے ہوئے مفاسد اور خطرات ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ حَتَّى تَزْهِيَ، قِيلَ وَمَا تَزْهِي؟ قَالَ حَتَّى يَحْمَرَ، وَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللَّهُ الثَّمَرَةَ بِمَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیج سے منع فرمایا تھا تا آنکہ ان پر رونق آجائے، عرض کیا گیا کہ رونق آجانے سے کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ سرخی آجائے۔ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل

عطا نہ فرمائے (یعنی بحکم خداوندی کسی آفت سے پھل تیار ہونے سے پہلے ضائع ہو جائیں) تو بیچنے والا کس چیز کے عوض میں (خریدنے والے) اپنے بھائی سے مال وصول کرے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح..... علماء نے لکھا ہے کہ اگر پھل میں ایسا نقصان ہو گیا ہے کہ خریدار کو کچھ بھی نہیں بچا، سب برباد ہو گیا تو باغ فروخت کرنے والے کو چاہئے کہ قیمت بالکل نہ لے اور لے چکا ہے تو واپس کر دے اور اگر نہیں بلکہ کچھ نقصان ہو گیا ہے تو اس کا لحاظ کر کے قیمت میں تخفیف اور کمی کر دے۔ ان احکام کی روح یہ ہے کہ ہر ایک کی خیر خواہی اور مناسب حد تک ہر ایک کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

چند سالوں کے لئے باغوں کی فصل کا ٹھیکہ نہ دیا جائے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ السِّنِّينَ وَأَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا (باغ کو) چند سالوں کے واسطے فروخت کرنے سے اور آپ ﷺ نے حکم دینا گہانی آفات (کے نقصان) کو وضع کر دینے کا۔

(صحیح مسلم)

تشریح..... باغ کی فصل کئی سال کے لئے فروخت کرنے سے اسی لئے منع فرمایا گیا کہ معلوم نہیں کہ پھل آئے گا بھی یا نہیں، اور باقی رہے گا یا خدا نخواستہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں بے چارے خریدار کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ قیمت ادا کرنا نہ چاہے گا جس سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہو گا جو سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا کہ اگر باغ کی فصل فروخت کی گئی اور پھلوں پر کوئی آفت آگئی تو باغ کے مالک کو چاہئے کہ نقصان کا لحاظ کر کے قیمت میں کمی اور تخفیف کر دے۔

ظاہر ہے کہ ان سب احکام کا مقصد اہل معاملہ کی خیر خواہی اور ان کو باہمی اختلاف و نزاع سے بچانا اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری اور ایثار و قربانی کا عادی بنانا ہے۔

جو چیز فی الحال اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے

کاروباری دنیا میں حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوتا تھا اور ہمارے زمانہ میں بھی ہوتا ہے کہ تاجر کے پاس ایک چیز موجود نہیں ہے لیکن اس کے طالب خریدار سے وہ اس کا سودا اس امید پر کر لیتا ہے کہ میں کہیں سے خرید کر اس کو دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ وہ چیز فراہم نہ ہو سکے یا فراہم ہو جائے مگر خریدار اس کو پسند نہ کرے، اس صورت میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَبِيعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي. (رواہ الترمذی)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ

جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے میں اس کی بیع فروخت کا کسی سے معاملہ کروں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... یہ حکیم بن حزام ایک دولت مند تاجر تھے، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ بعض اوقات کسی چیز کا خریدار میرے پاس آتا ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو میں اس سے معاملہ کر لیتا ہوں اور بازار سے وہی چیز خرید کے اس کو دے دیتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کی بیع فروخت نہ کرو۔

اگر غلہ وغیرہ خریداجائے تو اٹھالینے سے پہلے اُسکو فروخت نہ کیا جائے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِيعُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غلہ (وغیرہ) خریدے تو جب تک اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لے اس وقت تک کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حکم کا مقصد بھی یہی ہے کہ کوئی جھگڑا مٹنا پیدا نہ ہو۔ اس حدیث میں اگرچہ صرف طعام (یعنی غلہ) کا ذکر ہے لیکن تمام اموال منقولہ کا یہی حکم ہے۔

مضطر (سخت ضرورت مند) سے خرید و فروخت کی ممانعت

بعض اوقات آدمی فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور ”مضطر“ ہوتا ہے۔ ایسے وقت پر دردتاجر اس شخص کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی کو ”بیع مضطر“ کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ أَنْ تُدْرِكَ (رواه ابو داؤد)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ”مضطر“ کی خرید و فروخت سے اور ایسی چیز کی بیع سے جس کا ملنا یقینی نہ ہو اور پھلوں کی تیاری سے پہلے ان کی بیع فروخت سے۔“ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... ”مضطر کی بیع“ کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے اس کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مجبور و مضطر آدمی سے خرید و فروخت کا تاجر نہ معاملہ نہ کیا جائے بلکہ اس بھائی کی خدمت اور اعانت کی جائے۔ دوسری چیز جس سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے ”بیع غرر“ ہے یعنی ایسی چیز کی بیع جو فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اس کا ملنا یقینی نہیں ہے جیسے کہ کوئی جنگل کے ہرن کی یا کسی پرند کی یادریا کی مچھلی کی اس امید پر بیع کرے کہ شکار کر کے فراہم کر دوں گا۔ یہ ”بیع غرر“ ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ بچی جانے والی چیز نہ بائع کے پاس موجود ہے اور نہ اس کا ملنا یقینی ہے اور مل بھی جائے تو نوعیت کے بارے میں نزاع و اختلاف کا خطرہ ہے۔ تیسری چیز جس کی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے تیار ہونے

سے پہلے پھلوں کی فصل کی فروخت ہے۔ اس کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے۔

فروختنی چیز کا عیب چھپانے کی سخت ممانعت اور وعید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَتَأَلَّتْ أَصَابِعُهُ بَلْكَالًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ فَقَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو ایک دکاندار کا تھا) آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں نے گیل پن محسوس کیا، آپ ﷺ نے اس غلہ فروش دکاندار سے فرمایا کہ (تمہارے ڈھیر کے اندر) یہ تری و گیل کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ غلہ پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں (تو میں نے اوپر کا بھیگ جانے والا غلہ نیچے کر دیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بھیگے ہوئے غلہ کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تاکہ خریدنے والے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ (سن لو) جو آدمی دھوکے بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اور طبرانی نے معجم کبیر و معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ ”وَالْمَكْرُ وَالْخَدَاعُ فِي النَّارِ“ (یعنی اس طرح کی دغا بازی اور فریب کا انجام جہنم ہے) **اللہم احفظنا!**

عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا وَلَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللَّهِ أَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلَكَةُ تَلْعَنُهُ. (رواه ابن ماجہ)

حضرت وائلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ میں نے خود سننا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو وہ عیب بتلا نہیں دیا تو اس پر ہمیشہ کا عذاب رہے گا۔۔۔ یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔۔۔ کہ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... بعض اوقات حدیث کے کسی راوی کو حضور ﷺ کے الفاظ کے بارے میں شبہ ہو جاتا ہے تو اُزراہ احتیاط وہ روایت کے وقت اس شبہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں بھی راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ”لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللَّهِ“ فرمایا تھا یا ”لَمْ تَزَلِ الْمَلَكَةُ تَلْعَنُهُ“ فرمایا تھا۔ حدیث کے ترجمہ میں اس شک کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

بیچنے والے یا خریدنے والے کی ناواقفی سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور ہر طرح کے

دھوکے فریب کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَلْقُوا الْجَلْبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرِ مِنْهُ فَإِذَا أَلَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو، جس تاجر نے آگے جا کر راستہ ہی میں سودا کیا اور خرید لیا تو مال کا مالک جب بازار پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے تو وہ معاملہ فسخ کر دے) (صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ غلہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لا کر شہروں کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں آتے تھے، (ان تجارتی قافلوں کو "جلب" کہا جاتا تھا) چالاک تاجر ایسا کرتے تھے کہ بازار اور منڈی پہنچنے سے بہت پہلے راستہ ہی میں ان کے پاس پہنچ کر مال کا سودا کر لیتے تھے اس میں اس کا بہت امکان ہوتا تھا کہ بازار کے بھاؤ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال لانے والے اپنا مال ان تاجروں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیں اور اس سے ان کو نقصان پہنچے۔ اور اس سے بڑی دوسری خرابی اس طریقہ میں یہ تھی کہ باہر سے آنے والا سارا غلہ اور دیگر سامان ان چالاک سرمایہ دار تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا تھا پھر یہ اس کو عام صارفین کے ہاتھ نہ مانے داموں پر بیچتے اور زیادہ سے زیادہ نفع کماتے۔ اگر مال بازار میں آکر بکتا تو لانے والوں کو بھی مناسب قیمت ملتی اور عام ضرورت مند بھی مناسب داموں پر خرید سکتے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی کہ غلہ وغیرہ لانے والوں سے بازار پہنچنے سے پہلے راستے میں جا کر خریداری نہ کی جائے اور اگر اس طرح کسی نے کوئی سودا کیا تو مال لانے والا اگر بازار پہنچ کر محسوس کرے کہ بازار کے بھاؤ سے بے خبری کی وجہ سے اس کو دھوکا اور نقصان ہو گیا تو اس کو معاملہ فسخ کر دینے کا اختیار ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا تَلْقُوا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنْ ابْتِاعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يُحْلِبَهَا إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخَطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو، اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے بیع کے معاملہ میں اپنے معاملہ بیع سے مداخلت نہ کرے اور (کسی سودے کے نمائشی خریدار بن کر اس کی قیمت بڑھانے کا کام نہ کرو، اور شہری تاجر بدویوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں۔ اور (بیچنے کے لئے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا

دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دے اور

(جانور کے مالک کو) ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی دے دے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں تجارت اور خرید و فروخت سے متعلق چند ہدایتیں دی گئی ہیں پہلی ہدایت تو وہی ہے جو اس سے اوپر والی حدیث میں دی گئی تھی کہ غلہ وغیرہ ضروریات باہر سے لانے والے تجارتی قافلوں سے بازار اور منڈی میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں جا کر ان سے مال نہ خریدا جائے بلکہ جب وہ بازار اور منڈی میں مال لے آئیں تو ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے۔ اس ہدایت کی حکمت اور مصلحت بھی لکھی جا چکی ہے۔

دوسری ہدایت کے الفاظ یہ ہیں **”وَلَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ“** اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک دکاندار سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرے دکاندار کو نہ چاہئے کہ وہ معاملہ میں مداخلت کرے اور خریدار سے کہے کہ یہی چیز تم مجھ سے خرید لو، ظاہر ہے کہ اس سے دکانداروں میں باہم عداوت اور ایک دوسرے کی بدخواہی پیدا ہوگی جو شر و فساد کی جڑ ہے۔

تیسری ہدایت کے الفاظ ہیں **”وَلَا تَنَاجَشُوا“** بازار کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دکاندار سے کوئی چیز خریدنے کی بات چیت کر رہا ہے تو کوئی صاحب اسی چیز کے صرف نمائشی خریدار بن کے کھڑے ہو گئے اور زیادہ قیمت لگا دی تاکہ جو اصلی اور واقعی خریدار ہے وہ زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے، ظاہر ہے کہ بے چارے خریدار کے ساتھ یہ ایک طرح کا فریب ہے **”لَا تَنَاجَشُوا“** میں اسی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چوتھی ہدایت کے الفاظ ہیں **”لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ“** اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تاجروں کو چاہئے کہ دیہات کے لوگ جو سامان غلہ وغیرہ فروخت کرنے کے لئے لائیں تو ان کا وہ مال اپنے پاس اس غرض سے نہ رکھیں کہ جب دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت فروخت کریں گے، بلکہ دیہات کے لوگ جب مال لائیں تو اس کو فروخت ہو جانا چاہئے۔ اس صورت میں ان اشیاء کی قلت نہیں ہوگی، عوام کے لئے قیمتیں نہیں چڑھیں گی اور گرانی نہیں بڑھے گی۔ اور دیہات سے مال لانے والوں کو جبکہ دن کے دن اور ہاتھ کے ہاتھ اپنے مال کی قیمت مل جائے گی تو جلد ہی وہ بازار میں دوسرا مال لاسکیں گے اس طرح ان کی تجارت بڑھ جائے گی اور نفع بھی بڑھے گا۔

پانچویں اور آخری ہدایت ہے **”لَا تُصَرُّوْا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ الْخ“** اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے کہ جب اس کو اپنا دودھ دینے والا جانور (اونٹنی، بکری وغیرہ) بیچنا ہو تو ایک دو وقت پہلے سے اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دے تاکہ خریدار اس کے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر سمجھے کہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے اور زیادہ قیمت میں خرید لے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکا فریب ہے۔ آگے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایسا جانور خرید اتو اس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر پر دوہنے کے بعد اگر جانور کو ناپسند کرے تو واپس کر دے اور پسند کرے تو اپنے پاس رکھ لے۔ اور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی جانور کے مالک کو پیش کر دے۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روایت میں الفاظ ہیں **”فَهُوَ بِالْخِيارِ“**

ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جانور خریدنے والے کو تین دن تک واپسی کا اختیار رہے گا۔ (اس کے بعد واپسی کا حق نہ ہوگا۔) نیز **”مُسْلَمٌ“** کی اس روایت میں **”صَاعًا مِنْ تَمْرٍ“** کے بجائے **”صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَاسْمُرًا“** کے الفاظ ہیں، ان کی بناء پر ایک صاع کھجوروں کی جگہ گیہوں کے علاوہ ایک صاع کوئی غلہ (جو وغیرہ) دینا بھی صحیح ہوگا۔ جانور کی واپسی کی صورت میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور وغیرہ پیش کرنے کی ہدایت کی حکمت و مصلحت شاید یہ ہو کہ خریدنے والے نے ایک دن یا دو دن یا تین دن (جب تک جانور کو اپنے پاس رکھا) اس کا دودھ دوا اور استعمال کیا، ساتھ ہی اس کے کھلانے پلانے پر خرچ بھی کیا، اس طرح حساب گویا برابر ہو گیا۔ پھر بھی جو کسر رہی ہو اور واپسی سے جانور کے مالک کی جودل شکنی ہوئی ہو اس کی مکافات اور واپسی کے معاملہ کی ناخوشگوار ختم کرنے یا کم کرنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَاعَ جِلْسًا وَقَدْ حَاقَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْجِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذَهُمَا بَدْرِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَزِيدُ عَلَيَّ دِرْهَمٍ فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بچھانے کا) ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ اس طرح فروخت کیا کہ آپ نے (مجلس کے حاضرین کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ یہ ٹاٹ اور پیالہ کون خریدنا چاہتا ہے (وہ بولی بولے) ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں..... آپ نے فرمایا کون ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہے؟ تو ایک دوسرے صاحب نے آپ کو دو درہم پیش کر دیئے تو آپ نے وہ دونوں چیزیں اُنکے ہاتھ بیچ دیں۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت جائز ہے اور خود آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ نیلام کے جس واقعہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر ہے وہ پوری تفصیل کے ساتھ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے..... کہ ایک نہایت مفلس اور مفلوک الحال انصاری صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حاجت مندی کا حال بیان کیا اور آپ ﷺ سے امداد و اعانت کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کر کے کمانے کے قابل ہیں) ان سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کچھ سامان ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں ہے بس ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم (بطور فرش کے) بچھا لیتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور اس کے علاوہ بس ایک پیالہ ہے جو پانی پینے کے کام آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں لے آؤ، وہ لے آئے، آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں کتنی ہیں؟ آپ لوگوں میں سے کون ان کا خریدار ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک درہم میں دونوں چیزیں لے سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا **”مَنْ يَزِيدُ“** (یعنی جو کوئی اس سے زیادہ قیمت میں خریدنے والا ہو، وہ بولے!) ابو داؤد کی

روایت میں ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے ۲، ۳ دفعہ فرمائی تو ایک صاحب نے دو درہم نکال کر حضور ﷺ کو پیش کر دیئے تو آپ ﷺ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں۔ اور جو دو درہم انہوں نے دیئے تھے وہ آپ ﷺ نے ان انصاری صحابی کو دیئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا تو کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کے اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم سے ایک کلبھڑی خرید کے میرے پاس لے آؤ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلبھڑی خرید کے حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور ان سے کہا کہ یہ کلبھڑی لے کے جنگل نکل جاؤ، لکڑیاں لاؤ اور بیچو! حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اب ۱۵ دن تک ہر گز میرے پاس نہ آؤ (یعنی زیادہ سے زیادہ وقت محنت اور کمائی ہی میں صرف کرو) انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس محنت اور کمائی کے نتیجہ میں ان کے پاس دس درہم جمع ہو گئے اس سے انہوں نے گھر والوں کے لئے غذائی سامان اور کچھ کپڑا وغیرہ خرید اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ محنت کر کے گزارا کرنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ سائل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت میں تمہارے چہرے پر اس کا داغ اور نشان ہو۔

اس حدیث میں امت کے لئے کتنی عظیم رہنمائی ہے مکاش ہم اس سے سبق لیتے۔

زیادہ نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

جس طرح ہمارے زمانہ میں بہت سے تاجر غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مہنگائی اور گرانی بڑھ جاتی ہے اور عام صارفین پر بوجھ پڑتا ہے اور ان کے لئے گزارہ دشوار ہو جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی کچھ تاجر ایسا کرتے تھے (اور غالباً اس کو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو سختی سے منع فرمایا اور گناہ قرار دیا۔ عربی زبان میں اس کو ”احتکار“ کہا جاتا ہے۔

عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِي (رواہ مسلم)

حضرت معمر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تاجر احتکار کرے (یعنی غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کا ذخیرہ عوام کی ضرورت کے باوجود مہنگائی کے لئے محفوظ رکھے) وہ خطاکار گنہگار ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ. (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جالب (یعنی غلہ وغیرہ باہر سے لا کر بازار میں بیچنے والا تاجر) مرزوق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا کفیل ہے) اور محتکر (یعنی مہنگائی کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنے والا) ملعون ہے (یعنی اللہ کی طرف سے پھٹکارا ہوا اور اس کی رحمت و برکت سے محروم ہے) (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا رخ یہ ہے کہ معاشی نظام ایسا ہو جس میں عوام خاص کر غربا یعنی کم آمدنی والوں کو زندگی گزارنا دشوار نہ ہو، تجارت پیشہ اور دولت مند طبقہ زیادہ نفع اندوزی اور اپنی دولت میں اضافہ کے بجائے عوام کی سہولت کو پیش نظر رکھے اور اس مقصد کے لئے کم نفع پر قناعت کر کے اللہ کی رضا و رحمت اور آخرت کا اجر حاصل کرے۔ اگر ایمان یقین نصیب ہو تو بلاشبہ یہ تجارت بڑی نفع بخش ہے۔

”تَسْعِيرٌ“ یعنی قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ

کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ غذا جیسی ضروری اشیاء کی قیمتوں پر حکومت کی طرف سے یا کسی بااختیار ادارہ کی طرف سے کنٹرول کیا جائے اور تاجروں کو من مانے طریقہ پر زیادہ نفع خوری کی اجازت نہ دی جائے تاکہ عوام خاص کر غربا کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔ اسی کو عربی زبان میں تسعیر کہا جاتا ہے۔ یہاں اسی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد درج کیا جا رہا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَا السَّعْرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ سَعِرْنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسْعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنَّ الْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ بَدَمٍ وَلَا مَالٍ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ مہنگائی بڑھ گئی تو لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) آپ نرخ مقرر فرمادیں (اور تاجروں کو اس کا پابند کر دیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ نرخ کم و بیش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی تنگی یا فراخی کرنے والا ہے، وہی سب کا روزی و رساں ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے جان و مال کے ظلم اور حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح..... اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کی طرف سے مہنگائی کی شکایت اور تسعیر (یعنی قیمتوں پر کنٹرول) کی درخواست کرنے کے باوجود اپنے لئے اس کو مناسب نہیں سمجھا اور اندیشہ ظاہر فرمایا کہ اس طرح کے حکم سے کسی پر زیادتی اور کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ غلہ وغیرہ کی گرانی اور مہنگائی کبھی قحط اور پیداوار کی کمی جیسے قدرتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی تاجر اور کاروباری لوگ زیادہ نفع کمانے کے لئے مصنوعی قلت کی صورت پیدا کر کے قیمتیں بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کا جو جواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی گرانی قدرتی اسباب کی پیدا کی ہوئی تھی، تاجروں کی نفع اندوزی کا اس میں دخل نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے کنٹرول نافذ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آپ ﷺ کو خطرہ ہوا کہ تاجروں پر زیادتی نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر حاکم وقت یقین کے ساتھ محسوس کرے کہ

تاجروں کی طرف سے عام صارفوں پر زیادتی ہو رہی ہے اور افہام تفہیم اور نصیحت سے تاجر اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتے تو وہ قیمتیں مقرر کر کے کنٹرول نافذ کر سکتا ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ تاجروں کو ظالمانہ نفع اندوزی کی چھوٹ دینا تو فساد فی الارض اور اللہ کی مخلوق پر تباہی لانا ہے^۱..... لیکن بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مقتضی یہی ہے کہ حتیٰ الوسع اس سے بچا جائے اور یہ قدم اسی وقت اٹھایا جائے جب تاجروں کی طرف سے نفع اندوزی کے جذبہ کے تحت عوام کے ساتھ کھلی زیادتی ہو رہی ہو اور تسعیر کی کارروائی ناگزیر ہو جائے۔

امام مالک نے مؤطائیں حضرت سعید بن المسیب تابعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ خشک انگور (یعنی منقی) ایسے نرخ پر فروخت کر رہے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نامناسب حد تک گراں ہے، تو آپ نے ان سے فرمایا:

اما ان تزيد في اسعروا ما ان ترفع من سوقنا

یا تو تم بھاؤ بڑھاؤ (یعنی قیمت مناسب حد تک کم کرو) اور یا پھر اپنا مال ہمارے بازار سے اٹھاؤ۔ شریعت کے عام قواعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر ہی کی روشنی میں علماء محققین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو عوام کو تاجروں کے استحصال سے بچانے کے لئے حکومت کی طرف سے ضروری اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دینی چاہئیں اور کنٹرول نافذ کر دینا چاہئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اپنے بعض رسائل میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کا اختیار

خرید و فروخت کے معاملہ میں اگر دونوں فریق (بیچنے والا اور خریدنے والا) یاد و نول میں سے کوئی ایک یہ شرط کر لے کہ ایک دن یا دو تین دن تک مجھے اختیار ہو گا کہ میں چاہوں تو اس معاملہ کو فسخ کر دوں، تو شرعاً جائز ہے۔ اور شرط کرنے والے فریق کو فسخ کر دینے کا اختیار ہو گا۔ فقہ کی اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو ”خیار شرط“ کہا جاتا ہے، اس کا حدیث میں صراحت ذکر ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ کے نزدیک اس طرح کی شرط اور قرارداد کے بغیر بھی فریقین کو معاملہ فسخ کرنے کا اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ دونوں اسی جگہ رہیں جہاں سودا طے ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک بھی اس جگہ سے ہٹ جائے اور علیحدہ ہو جائے تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس کو فقہ کی زبان میں ”خیار مجلس“ کہا جاتا ہے، امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے آئمہ اس ”خیار مجلس“ کے قائل نہیں ہیں۔ اس بارے میں ان کا مسلک یہ

۱ حجة الله البالغة میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: ”فان

روى منهم جور ظاهر لا يشك فيه الناس جاز تغييره فانه من الفساد في الارض“ حجة الله البالغة ص ۱۱۳ ج ۲

۲ جمع الفوائد ص ۶۶۲ ج ۱

ہے کہ خرید و فروخت کی بات جب فریقین کی طرف سے بالکل طے ہو گئی اور سودا پرکا ہو گیا اور لین دین بھی ہو گیا تو اگر پہلے سے کسی فریق نے بھی فسخ کے اختیار کی شرط نہیں لگائی ہے تو اب کوئی فریق بھی ایک طرفہ طور پر معاملہ فسخ نہیں کر سکتا، ہاں باہمی رضامندی سے معاملہ فسخ کیا جاسکتا ہے جس کو شریعت کی اور فقہ کی زبان میں ”اقالہ“ کہا جاتا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَتَبَّاعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَتَّفَقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں کو (فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں، سوائے خیار شرط والی بیع کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی فریق کی طرف سے بھی فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہیں لگائی گئی ہے تو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار صرف اس وقت تک ہے جب تک دونوں فریق جدا نہ ہوں۔ امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال آئمہ نے اس حدیث کے لفظ ”ما لم يتفقا“ سے خیار مجلس سمجھا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بات بالکل ختم اور طے نہ ہو جائے اس وقت تک ہر فریق کو اختیار ہے کہ وہ اپنی پیش کش واپس لے لے اس کے بعد کسی کو فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا۔ وہ ”تفرق“ سے مکافی علیحدگی نہیں بلکہ معاملاتی اور قولی علیحدگی و جدائی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں یہی لفظ اس معنی میں آیت ”وَإِنْ يَتَّفَقَا فَبَيْنَهُمَا كَلِمَةٌ سَعِيدَةٌ“ میں طلاق کے سلسلہ میں استعمال کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَّفَقَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ صَفْقَةً خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ. (رواه الترمذی و

ابو داؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خریدار اور فروخت کرنے والے دونوں فریقوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک باہم جدا نہ ہوں (اس کے بعد اختیار نہیں) سوائے اس صورت کے کہ (شرط لگا کے) اختیار کر لیا گیا ہو۔ دونوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اقالہ اور واپسی کے خطرہ کی وجہ سے دوسرے سے جدا ہو۔ (جامع ترمذی)

سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... اس حدیث کا مدعا بھی وہی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں (بائع و مشتری) کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ متفرق اور جدا نہ ہوں۔ جدا ہونے کے بعد صرف اسی صورت میں فسخ کا اختیار ہوگا جب شرط کے طور پر یہ طے کر لیا گیا ہو۔ اس کے آگے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت بھی ہے کہ ’فریقین میں سے کوئی

بھی اس خطرہ کی وجہ سے الگ اور جدا نہ ہو کہ وہ اپنی بات واپس لے کر معاملہ فسخ نہ کر دے۔“

خیار عیب، یعنی عیب کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کی اختیار کی دو صورتوں کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے (ایک ”خیار شرط“ دوسرے ”خیار مجلس“ ایک تیسری شکل یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہیں تھا اس صورت میں بھی خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اس کی ایک مثال وہ ہے جو حضرت عائشہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا ابْتَعَ غُلَامًا فَأَقَامَ عِنْدَهُ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَخَاصَمَهُ إِلَى النَّبِيِّ
فَرَدَّ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ اسْتَعْلُ غُلَامِي فَقَالَ ۞ الْخِرَاجُ بِالضَّمَانِ.

(ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے ایک غلام خریدا اور وہ (کچھ دن) جتنے اللہ نے چاہا اس کے پاس رہا پھر اسے معلوم ہوا کہ غلام میں ایک عیب ہے تو وہ شخص اس معاملہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ ﷺ سے فیصلہ چاہا تو آپ ﷺ نے (اس عیب کی بنیاد پر) غلام واپس کر دینے کا فیصلہ فرمادیا۔ مدعا علیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس بھائی نے (اتنے دن تک) میرے غلام سے کام لیا ہے اور فائدہ اٹھایا ہے (لہذا مجھے اس کا معاوضہ بھی ملنا چاہئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”الخراج بالضممان“ (یعنی نفع کا مستحق وہی ہے جو نقصان کا ضامن ہے) (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح حدیث کے آخر میں آپ ﷺ کا ارشاد ”الخراج بالضممان“ شریعت کے ان اصولی قواعد میں سے ہے جن سے فقہاء نے سینکڑوں مسئلوں کا حکم نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منفعت کا مستحق وہی ہوتا ہے جو نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر بالفرض غلام خریدنے والے کے پاس یہ غلام مر جاتا یا کسی حادثہ سے اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جاتا تو یہ نقصان خریدنے والے ہی کا ہوتا۔ اس لئے ان دونوں میں جو فائدہ خریدنے والے نے غلام سے اٹھایا وہ اس کا حق تھا لہذا اس کے معاوضے کا کوئی سوال نہیں۔

یہاں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں نقل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں کسی شخص کے ہاتھ بیچا اور یہ وضاحت کر دی کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بعد میں غلام خریدنے والے نے کہا کہ اس کو فلاں بیماری ہے جس کے بارے میں آپ نے بتلایا نہیں تھا (حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے غالباً کہا کہ یہ بیماری اس کو میرے ہاں نہیں تھی) بہر حال یہ مقدمہ خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپؓ نے معاملہ سن کے (اور یہ دیکھ کے کہ خریدار اس بات کے گواہ پیش نہیں کر سکتا کہ غلام کو یہ بیماری پہلے سے تھی) قانون شریعت کے مطابق حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ آپ قسم کے ساتھ یہ بیان دے دیں کہ غلام کو یہ مرض آپ کے ہاں نہیں تھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے قسم کے ساتھ یہ بیان دینے

سے معذرت کر دی اور اپنا غلام واپس لے لیا۔ پھر اللہ نے کیا کہ بیماری کا اثر ختم ہو کے غلام بالکل صحیح تندرست ہو گیا اور اس کے بعد وہی غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔ آئمہ فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب نکل آئے (جس کی وجہ سے اس کی قیمت اور حیثیت کم ہو جائے) تو یہ ثابت ہو جانے پر کہ یہ عیب خرید و فروخت کے معاملے سے پہلے کا ہے، خریدار کو معاملہ فسخ کر دینے اور خریدی ہوئی چیز واپس کر کے اپنی ادا کی ہوئی قیمت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اسی کو ”خیار عیب“ کہا جاتا ہے۔

اقالہ یعنی بیع کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد فسخ اور واپسی

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں کے درمیان کسی چیز کی بیع کا معاملہ ہو اور فریقین کی طرف سے بات بالکل ختم ہو گئی لیکن دین بھی ہو گیا، اس کے بعد کسی ایک نے اپنی مصلحت سے معاملہ فسخ کرنا چاہا، مثلاً خریدار نے جو چیز خریدی تھی اس کو واپس کرنا چاہا یا بیچنے والے نے اپنی چیز واپس لینی چاہی تو اگرچہ قانون شریعت کی رو سے دوسرا فریق مجبور نہیں ہے کہ وہ اس کے لئے راضی ہو لیکن رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی انداز میں اس کی اپیل کی ہے اور اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ شریعت کی زبان میں اسی کو ”اقالہ“ کہا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللَّهُ عَشْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ. رواه ابو

داؤد و ابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اقالہ کا معاملہ کرے (یعنی اس کی بیچی یا خریدی ہوئی چیز کی واپسی پر راضی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں (یعنی اس کے گناہ) بخش دے گا۔ (سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح کسی چیز کو خرید کر یا بیچ کر آدمی واپس کرنا یا واپس لینا جب ہی چاہتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، میں اس معاملہ میں نقصان اور خسارہ میں رہا اور دوسرا فریق نفع میں رہا۔ اس صورت میں دوسرے فریق کا معاملہ فسخ کر کے واپسی پر راضی ہو جانا بلاشبہ ایثار ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اس ایثار ہی کی ترغیب دی ہے اور ایسا کرنے والے کو بشارت سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کے قصوروں اور گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ بلاشبہ بڑا نفع بخش ہے یہ سودا۔

سودا گروں کو قسمیں کھانے کی ممانعت

بعض سوداگر اور دکاندار اپنا سودا بیچنے کے لئے بہت قسمیں کھاتے ہیں اور قسموں کے ذریعے گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا بہت بے جا استعمال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اس سے منع فرمایا اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا ہے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يُنْفِقُ لَكُمْ

يَمْحَقُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیع فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بہت بچو کیونکہ اس سے (اگرچہ بالفعل) دکانداری خوب چل جاتی ہے لیکن بعد میں یہ برکت کھودیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ اس حدیث میں سوداگروں، دکانداروں کو زیادہ قسمیں کھانے کی بری عادت سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سودا بیچنے کے لئے کثرت سے قسم کھانا اگرچہ وہ قسم جھوٹی نہ ہو سچی ہو، اللہ تعالیٰ کے باعظمت نام کا بہت نامناسب استعمال ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانا تو ایک دفعہ بھی گناہ عظیم ہے۔ صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو سوداگر جھوٹی قسم کھا کر اپنا کاروبار چلاتا ہے وہ ان مجرمین میں شامل ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ”لَا يَكْلَمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يَرْكِبُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابُ أَلِيمٌ“ (یعنی قیامت میں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی ہم کلامی کی لذت و عزت سے اور نگاہِ رحمت و نظرِ عنایت سے محروم رکھے گا اور فسق و فجور کی نجاست سے ان کو پاک نہیں کیا جائے گا ان کا حصہ بس خدا کا دردناک عذاب ہوگا۔

دکانداری میں قسمیں کھانے اور دوسری نامناسب باتوں کا کفارہ

عَنْ قَيْسِ بْنِ غَرْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ إِنْ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشَوْبُوهُ بِالصَّدَقَةِ. (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

قیس بن غرزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اے معشرِ تجارت (اے سوداگرو!) بیع میں لغو اور بے فائدہ باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور قسم بھی کھائی جاتی ہے تو (اس کے علاج اور کفارہ کے طور پر) اس کے ساتھ صدقہ ملا دیا کرو۔“ (سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ)

تشریح۔۔۔ یہ واقعہ ہے کہ اپنا سودا بیچنا اور گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنے کے لئے بہت سے دکاندار قسمیں بھی کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک لغو و لاف یعنی اور ناپسندیدہ ہوتی ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں ہدایت فرمائی کہ اس کے کفارہ کے طور پر تاجر لوگ صدقہ (یعنی فی سبیل اللہ غریباور مساکین وغیرہ کی خدمت و اعانت) کو اپنے کاروبار میں شامل کر لیں، یہ انشاء اللہ حُسنِ مال کی اس بیماری کا علاج بھی ہوگا جو کاروباری لوگوں سے ناپسندیدہ باتیں اور غلط کام کراتی ہے۔

اگر تجارت نیکی سچائی اور تقوے کے ساتھ نہیں تو حشر بہت خراب

عَنْ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لُجَّارًا إِلَّا مَنْ اتَّقَى وَبَرَّ وَصَدَقَ

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تاجر لوگ سوائے ان کے جنہوں نے (اپنی تجارت میں) تقوے اور نیکی اور سچائی کا رز یہ اختیار کیا۔ قیامت میں

فاجر اور بدکار اٹھائے جائیں گے۔

تشریح..... اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے خوفِ خدا احکامِ شریعت اور سچائی و نیکو کاری سے آزاد ہو کر تجارت اور سوداگری کرتے ہیں اور جھوٹ سچ، جس طرح بھی ہو سکے بس اپنی دولت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر ”فاجروں“ یعنی بدکار مجرموں کی حیثیت سے ہوگا اور اسی حیثیت سے بارگاہِ خداوندی میں ان کی پیشی ہوگی۔ اللہ کی پناہ؟ اس کے برخلاف جو تجارت پیشہ بندے اپنی تجارت اور کاروبار میں آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھتے ہوئے سچائی اور دیانت داری کی پابندی کے ساتھ تجارت اور کاروبار کریں ان کو رسول اللہ ﷺ نے خوش خبری سنائی ہے کہ:

”وہ قیامت میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کرام کے ساتھ ہوں گے۔“

یہ حدیث جامع ترمذی اور سنن دارمی وغیرہ کے حوالہ سے (اسی سلسلہ معارف الحدیث میں) کچھ ہی پہلے درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کی جا چکی ہے۔

مکان وغیرہ جائیداد کی فروخت کے بارے میں ایک مشفقانہ ہدایت

مکان باغ یا کاشت کی زمین جیسی غیر منقولہ چیزوں کی یہ خصوصیت ہے کہ نہ ان کو کوئی چرا سکتا ہے نہ ان پر اس طرح کے دوسرے حادثے آسکتے ہیں جو اموال منقولہ پر آتے ہیں دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت اور مصلحت کے ان چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے اور اگر فروخت کیا جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ اس قیمت سے کوئی غیر منقولہ جائیداد ہی خریدی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو امت کے حال پر جو شفقت تھی اس کی بناء پر آپ ﷺ نے اس طرح کے مشورے بھی دیئے ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث اسی قبیل سے ہے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا أَوْ عَقَارًا فَمِنْ أَنْ لَا يُبَارِكَ لَهُ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ فِي مِثْلِهِ. (رواه ابن ماجہ والدارمی)

حضرت سعید بن حرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو کوئی اپنا گھر یا جائیداد بیچے تو سزاوار ہے کہ اس کے اس عمل میں برکت و فائدہ نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس کی قیمت کو اسی طرح کی کسی جائیداد میں لگا دے تو پھر ٹھیک ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح..... جیسا کہ اوپر تمہید میں عرض کیا گیا حضور ﷺ کے اس ارشاد کی حیثیت ایک مشفقانہ ہدایت اور مشورہ کی ہے۔ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم اُمّتیوں کو حضور ﷺ کے اس طرح کے مشفقانہ مشوروں، بلکہ اشاروں پر بھی چلنے کی رفیق عطا فرمائے۔

کاروبار میں شرکت کا جواز اور دیانتداری کی تاکید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ
فَإِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنَهُمَا. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو دو آدمی شرکت میں کاروبار کریں تو تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت اور برکت ان کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساتھ دار کے حق میں خیانت اور بددیانتی نہ کر لے۔ پھر جب کسی شریک کی طرف سے خیانت اور بددیانتی کا صدور ہوتا ہے تو میں ان سے الگ ہو جاتا ہوں (اور وہ میری معیت کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح..... علماء و مصنفین کی اصطلاح کے مطابق یہ ”حدیث قدسی“ ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تجارت اور کاروبار میں شرکت جائز ہے۔ بلکہ باعث برکت بھی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت اور کاروبار کی شرکت ہی کے باب میں زہرہ بن معبد تابعی کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ میرے دادا عبد اللہ بن ہشام کو ان کے بچپن ہی میں ان کی والدہ (زینب بنت حمید) حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ حضرت میرے اس بچے کو بیعت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”هو صغير“ یعنی یہ ابھی بہت کم عمر ہے، اور آپ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی (آگے زہرہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ) پھر میرے یہ دادا عبد اللہ بن ہشام جب تجارت اور کاروبار کرنے لگے تو میں ان کے ساتھ بازار اور منڈی جایا کرتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ تجارت کے لئے غلہ کی خریداری کرتے تو حضرت عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر (دونوں بزرگ صحابی) ان کو ملتے اور ان سے کہتے کہ ہم کو بھی شریک کر لو اور حصہ دار بنا لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی (تو اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ خوب نفع ہوگا) تو میرے دادا عبد اللہ ابن ہشام سودے میں ان دونوں صاحبوں کو بھی شریک کر لیتے تھے، تو بسا اوقات اتنا نفع ہوتا کہ پورا ایک اونٹ بھر غلہ نفع سے بچ جاتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے۔ (صحیح بخاری کتاب الشریک)

تجارت اور کاروبار میں کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِيَشْتَرِيَ شَاةً فَأَشْتَرِي لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ أَحَدَهُمَا بِدِينَارٍ وَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ فَدَعَا لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَبِيعَهُ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوْ اشْتَرَى ثَرَابًا لَرَبِحَ فِيهِ. (رواه البخاری)

عروہ بن ابی الجعد باریقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس مقصد سے ایک دینار دیا کہ وہ آپ کے لئے ایک بکری خرید لائیں وہ گئے اور انہوں نے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید

لیں۔ پھر ان میں سے ایک، ایک دینار کی بیچ دی اور واپس آکر حضور ﷺ کی خدمت میں ایک بکری بھی پیش کر دی اور ایک دینار بھی (اور واقعہ بتلادیا) تو آپ ﷺ نے ان کے واسطے (خاص طور سے) خرید و فروخت میں یعنی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے ان کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا۔ (صحیح بخاری)

تشریح عروہ بن ابی الجعد باری نے بکریوں کی یہ خرید و فروخت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ کے وکیل کی حیثیت سے کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اور چونکہ پہلے خریدی ہوئی دو بکریوں میں سے ایک حضور ﷺ سے اجازت لئے بغیر فروخت کر دی اور حضور ﷺ نے ان کے اس فعل کو غلط اور خلاف شریعت قرار نہیں دیا بلکہ شاباشی اور دعادی تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وکیل اپنے مؤکل کی چیز اس کی اجازت کے بغیر بھی فروخت کر سکتا ہے اور مؤکل اگر اس کو قبول کر لے تو وہ بیع جائز اور نافذ ہوگی۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ مَعَهُ بِدِينَارٍ لِيَشْتَرِيَ لَهُ بِهِ أَضْحِيَّةً فَأَشْتَرِيَ كَبْشًا بِدِينَارٍ وَبَاعَهُ بِدِينَارَيْنِ فَرَجَعَ فَأَشْتَرِيَ أَضْحِيَّةً بِدِينَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّينَارِ الَّذِي اسْتَفْضَلَ مِنَ الْآخَرَى فَتَصَدَّقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالدِّينَارِ فَدَعَا لَهُ أَنْ يُبَارَكَ لَهُ فِي تِجَارَتِهِ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک دینار دے کر اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ آپ کے لئے قربانی کا جانور خرید لائیں۔ تو انہوں نے اس دینار سے ایک مینڈھا (یاد نبہ) خر لیا اور پھر وہیں اس کو (کسی خریدار کے ہاتھ) دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر لوٹے اور ان میں سے ایک دینار میں قربانی کا جانور خرید لیا اور آکر حضور ﷺ کی خدمت میں قربانی کے جانور کے ساتھ وہ دینار بھی پیش کر دیا جو دوسرا جانور (یعنی پہلا خرید ا ہوا مینڈھا یاد نبہ) فروخت کر کے بچا لیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے وہ دینار صدقہ کر دیا اور حکیم بن حزام کے لئے تجارت اور کاروبار میں برکت کی دعا فرمائی۔

(جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

تشریح حکیم بن حزام کی اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلے والی حضرت عروہ باری کی حدیث کا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی سے وہ مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا۔

اجارہ (یعنی مزدوری اور کرایہ داری)

کسی کو اجرت اور مزدوری دے کر اپنا کام کرانا یا استعمال کے لئے کسی کو اپنی چیز دے کر اس کا کرایہ لینا۔ شریعت اور فقہ کی زبان میں اسکو ”اجارہ“ کہا جاتا ہے اور یہ ان معاملات میں سے ہے جن پر انسانی تمدن کی بنیاد

۱ یہ حکیم بن حزام ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ قریش کے بڑے لوگوں میں تھے۔ دولت مند بھی تھے اور فیاض بھی۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قریباً ۶۰ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اس کے بعد بھی قریباً ساٹھ سال زندہ رہے کچھ کم سوا سو سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ وارضاه

قائم ہے۔ اس موضوع سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَابَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ؟ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَى عَلَى قَرَارِيطٍ لِأَهْلِ مَكَّةَ. (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا اور حضرت آپ نے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں، میں چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح حضور ﷺ نے اس حدیث میں چند قیراط مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چرانے کا اپنا جو واقعہ بیان فرمایا ہے یہ غالباً ابتدائی عمر کا ہے جب آپ ﷺ اپنے چچا خواجہ ابوطالب کے ساتھ رہتے تھے تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چراتے تھے جس کے عوض آپ ﷺ کو چند قیراط مل جاتے تھے۔ یہی اس زمانہ میں آپ ﷺ کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک قیراط درہم کا قریباً بارہواں حصہ ہوتا تھا۔ بکریاں چرانا بڑا صبر آزما کام ہے اور اگر آدمی میں صلاحیت ہو تو اس سے اس کی بڑی تربیت ہوتی ہے۔ غرور اور تکبر جیسے رزائل کا علاج ہوتا ہے، صبر کی اور غصہ پینے کی عادت پڑتی ہے اور شفقت و رحم کی مشق ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سب پیغمبروں نے یہ کورس پورا کیا ہے۔ ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح کی مزدوری نہ صرف جائز بلکہ سنت انبیاء ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَغْطُوا لِأَجِيرٍ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجُفَّ عَرَفُهُ. (رواه ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح مطلب یہ ہے کہ اجیر اور مزدور جب تمہارا کام پورا کر دے تو اس کی مزدوری فوراً ادا کر دی جائے تاخیر بالکل نہ کی جائے۔

لگان یا بٹائی پر زمین دینا

اجارہ ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کسی کو دی جائے کہ وہ اس سے کاشت کرے اور طے شدہ کرایہ نقد کی شکل میں ادا کرے جس کو زر لگان کہا جاتا ہے یا بجائے نقد لگان کے بٹائی طے ہو جائے کہ پیداوار کا اتنا حصہ زمین کے مالک کو دیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں کا تعلق ان دونوں صورتوں سے ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (فتح خیبر کے بعد) خیبر کی زمین وہاں کے یہودیوں کے سپرد کر دی اور اس شرط پر کہ وہ محنت کریں اور کاشت کریں اور پیداوار کا

نصف حصہ ان کا ہو۔ (صحیح بخاری)

تشریح یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی ہے اس میں صراحت کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہے کہ کاشت والی زمینوں کے علاوہ خیبر کے نخلستان بھی رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر وہاں کے یہودیوں کے سپرد کر دیئے تھے کہ ان کی پیداوار کا نصف ان کو ملے گا۔ یہ گویا بٹائی والا معاملہ تھا۔

عَنْ عَمْرِو قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ لَوْ تَرَكْتُ الْمُخَابِرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْهُ قَالَ أَيْ عَمْرُو وَأُعْطِيَهُمْ وَأَعَيْنُهُمْ وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِي يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلَكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُومًا. (رواه البخاری و مسلم)

عمر بن دینار تابعی نے فرمایا کہ میں نے جناب طاؤس (تابعی) سے ایک بار کہا کہ آپ بٹائی (یا لگان) پر زمین اٹھانا چھوڑ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کاشت کاروں کو کاشت کے لئے زمین بھی دیتا ہوں اور اس کے علاوہ بھی ان کی مدد کرتا ہوں۔ اور امت کے بڑے عالم یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو بٹائی یا لگان پر اٹھانے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ البتہ یہ فرمایا تھا کہ اپنی زمین اپنے دوسرے بھائی کو کاشت کے لئے (بغیر کسی معاوضہ کے) دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر کوئی مقررہ لگان وصول کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح عمر بن دینار کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں کچھ حضرات کا خیال تھا کہ اپنی مملوکہ زمین کی بٹائی یا لگان پر اٹھانا درست نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد اور فیض یافتہ طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ وضاحت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا تھا بلکہ اخلاقی طور پر فرمایا تھا کہ اپنے کسی بھائی کو مقررہ لگان یا بٹائی پر زمین دینے سے بہتر یہ ہے کہ حسبہ اللہ بغیر کسی معاوضہ کے اس کو کاشت کے لئے زمین دے دی جائے۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت اور فتوے کی روشنی میں اپنی زمینیں بٹائی یا لگان پر اٹھاتے تھے اور ان کاشتکاروں کی کاشت کے اخراجات وغیرہ میں مزید امداد و اعانت بھی کرتے تھے۔

دم کرنے اور جھاڑنے پر معاوضہ لینا

اپنے عمل اور اپنی محنت کا معاوضہ لینا اجارہ ہے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مریض وغیرہ پر قرآن شریف یا کوئی دعا پڑھ کر دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے اور اس کا معاوضہ لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دم کرنے کا معاوضہ لیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز اور طیب قرار دیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَرُّوا بِمَاءٍ فِيهِمْ لَدِيغٌ أَوْ سَلِيمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ

رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيكُمْ مِنْ رَاقٍ إِنَّ فِي الْمَاءِ رَجُلًا لَدِينًا أَوْ سَلِيمًا فَاَنْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ فَبَرَأَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ فَكَّرَ هُوَ ذَلِكَ وَقَالُوا أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا حَتَّى قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ. (رواه البخاری) وَفِي رَوَايَةٍ أَصَبْتُمْ أَقْسَمُوا وَاضْرَبُوا إِلَى مَعَكُمْ سَهْمًا.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ایک بستی پر گزری تو بستی کا ایک آدمی ملا اور اس نے کہا کہ کیا تم لوگوں میں کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ہماری بستی میں ایک آدمی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے یا کہا کہ بچھونے کاٹ لیا ہے۔ (غالباً یہ راوی کاشک ہے) تو جماعت صحابہ میں سے ایک آدمی اُٹھ کر چل دیا اور بستی میں جا کر کچھ بکریاں بطور معاوضہ مقرر کر کے اس کاٹے ہوئے آدمی پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بالکل اچھا ہو گیا تو صاحب ٹھہرائی ہوئی بکریاں ساتھ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے۔ تو ان حضرات نے اس کو برا سمجھا اور ان سے کہا کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھنے کا معاوضہ لے لیا۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات مدینہ آگئے۔ لوگوں نے مسئلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ ہمارے فلاں ساتھی نے کتاب اللہ (سورہ فاتحہ) پڑھ کر معاوضہ لے لیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر معاوضہ لیا جائے۔ (صحیح بخاری)..... اور اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ تم نے ٹھیک کیا ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

تشریح..... صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اور اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں بھی روایت کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اسی طرح کے ایک سفر میں ایک دیوانے اور پاگل پر لوگوں نے دم کر لیا ایک صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر صبح و شام تین دن دم کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ انہوں نے بھی معاوضہ وصول کیا۔ لیکن ان صحابی کو خود تردد ہو گیا کہ میرا معاوضہ لینا جائز ہے یا ناجائز۔ چنانچہ واپسی پر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اس کو صحیح اور جائز قرار دیا۔

انہی حدیثوں کی روشنی میں علماء و فقہا کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ اس طرح دم کرنے یا تعویذ لکھنے پر معاوضہ لینا جائز ہے جس طرح طبیبوں اور ڈاکٹروں کے لئے علاج کی فیس لینا جائز ہے۔ ہاں اگر بغیر معاوضہ فی سبیل اللہ بندگانِ خدا کی خدمت کی جائے تو وہ بلند درجہ کی بات ہے اور انبیاء علیہم السلام سے نیابت کی نسبت رکھنے والوں کا طریقہ یہی ہے۔

عاریت (منگنی)

تمدنی زندگی میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ وقتی ضرورت کے لئے کسی سے کوئی چیز (بغیر اجرت اور معاوضہ) کے استعمال کے لئے مانگ لی جائے اور ضرورت پوری ہو جانے پر واپس کر دی جائے اسی کو

”عاریت“ کہا جاتا ہے یہ ایک طرح کی اعانت اور امداد ہے اور بلاشبہ کسی ضرورت مند کو عاریت پر اپنی چیز دینے والا اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ضرورت کے موقعوں پر بعض چیزیں بطور عاریت کے لے کر استعمال فرمائی ہیں اور اس کے بارے میں ہدایت بھی دی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا مِنْ أَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمُنْدُوبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا آتَانَا مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی شبہ کی بناء پر) مدینہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی (غالباً دشمن کے لشکر کی آمد کا شبہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے عوام میں گھبراہٹ اور خطرہ کے احساس کی کیفیت پیدا ہو گئی) تو رسول اللہ ﷺ نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا عاریتاً مانگا جس کو ”مندوب“ کہا جاتا تھا (جس کے معنی ہیں ست رفتار اور مٹھا) اور آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر (اس جانب تشریف لے گئے جدھر سے خطرہ کا شبہ تھا) جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا (یعنی کوئی خطرہ والی بات نظر نہیں آئی لہذا لوگوں کو مطمئن ہو جانا چاہئے) اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ابو طلحہ کے اس گھوڑے کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اس کو بحر رواں پایا۔

(صحیح بخاری)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا عاریتاً لے کر اس پر سواری کی۔ نیز اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور احساس ذمہ داری کی صفت بھی سامنے آئی کہ خطرہ کے موقع پر تحقیق و تجسس کے لئے تنہا تشریف لے گئے اور واپس آ کر لوگوں کو مطمئن کر دیا تاکہ وہ بے خوف ہو کر اپنے کاموں میں لگیں۔ ضمنی طور پر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو طلحہ کا وہ گھوڑا جو اتنا ست رفتار اور مزاج کا مٹھا تھا کہ اس کا نام ہی لوگوں نے ”مندوب“ (مٹھا) رکھ دیا تھا رسول اللہ ﷺ کی سواری میں آ کر ایسا تیز رواں سبک رفتار ہو گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے تو اس کو ”بحر رواں“ پایا (بہترین تیز رفتار گھوڑے کو ”بحر“ کہا جاتا تھا)

عَنْ أُمِّئَةَ بِنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعَارَ مِنْهُ أَذْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ اغْضَبَا يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ بَلْ عَارِيَّةٌ مَضْمُونَةٌ. (رواه ابو داؤد)

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد صفوان بن امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر ان کی زرہیں ان سے مانگیں (یعنی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لئے ہم کو دے دو) تو صفوان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا کہ کیا (میری زرہیں) غصب کے طور پر لینا چاہتے ہو؟ (یعنی چونکہ تم فاتح ہو اور قوت و اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اس لئے زبردستی لے لینا چاہتے ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت کے طور پر (لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح یہ صفوان بن امیہ قریش مکہ کے سردار اور رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمنوں میں تھے ۸ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا اور وہاں رسول اللہ ﷺ کا اور اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا تو یہ صفوان اس دن مکہ مکرمہ سے فرار ہو گئے۔ ان سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ نے ان کے لئے رسول اللہ ﷺ سے امان کی درخواست کی، آپ ﷺ نے قبول فرمائی وہ ان کی تلاش میں نکلے اور یہ مل گئے تو وہ ان کو واپس لے آئے لیکن یہ اپنے کفر پر قائم رہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے فارغ ہو کر حنین کا قصد کیا تو مکہ کے ایسے بہت سے لوگ بھی آپ ﷺ کی اجازت سے اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، ان میں یہ صفوان بن امیہ بھی تھے۔ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے آہنی زر ہیں عاریتاً لگی تھیں، تو ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میری یہ زر ہیں غصب اور ضبط کر لی جائیں گی اور مجھے واپس نہیں ملیں گی، انہوں نے صفائی سے اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا، آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ ”یہ زر ہیں تم سے صرف عاریت کے طور پر مانگی جا رہی ہیں ان کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔“ تو انہوں نے وہ زر ہیں آپ کے حوالہ کر دیں۔

اسی غزوہ حنین کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اور آپ کے طور طریقوں اور خاص کر اپنے جیسے قدیمی اور خون کے پیارے دشمن کے ساتھ آپ کا غیر معمولی حسن سلوک دیکھ کر آپ ﷺ کے نبی صادق ہونے کا ان کو یقین ہو گیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال یہ صحابی ہیں اور ان سے اس واقعہ کے نقل کرنے والے ان کے بیٹے امیہ بن صفوان بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما وعن سائر الصحابة لجمعین۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالذَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزُّعْمُ غَارِمٌ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ عاریت (والی چیز لازماً) واپس کی جائے۔ اور منحہ (یعنی جو چیز فائدہ اٹھانے کے لئے دی گئی ہو وہ عرف کے مطابق فائدہ اٹھا کر مالک کو) لوٹائی جائے گی۔ اور قرض (حسب قرارداد) ادا کرنا ہو گا۔ اور کفالت کرنے والا ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث میں شریعت کے چار حکم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اپنی ضرورت اور استعمال کیلئے کسی کی کوئی چیز عاریت کے طور پر لی جائے تو اس کا واپس کرنا لازم ہے، اس میں تساہل نہیں کرنا چاہئے۔ دوسرا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ ”منحہ“ کا لوٹنا ضروری ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ فیاض اور فراخ حوصلہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا اپنی ملکیت کی کوئی چیز صرف فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے لئے دوسرے کسی بھائی کو دے دیتے۔ مثلاً اپنا اونٹ سواری کے لئے یا اونٹنی یا بکری دودھ پینے کے لئے دے دیتے تھے کہ اس کو اپنے پاس رکھو اور کھلاؤ پلاؤ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ یا پھلوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا باغ یا کاشت کے لئے اپنی زمین بغیر کسی معاوضہ کے دے دیتے۔ اس کو ”منحہ“ کہا جاتا تھا۔ تو اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ جس شخص کو ”منحہ“ کے طور پر کوئی چیز دی گئی وہ اس کو اپنی ملک نہ بنالے بلکہ عرف کے مطابق

اس سے فائدہ اٹھا کے اصل مالک کو واپس کر دے۔ بلاشبہ بڑا مبارک تھا یہ رواج اور کچھ دن پہلے تک ہمارے علاقوں میں بھی یہ رواج تھا۔ لیکن اب اس طرح کی ساری خوبیاں اور نیکیاں اٹھتی اور مٹتی جا رہی ہیں، خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے۔ فالی اللہ المشتکی

تیسرا حکم اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا کہ جس کسی نے اللہ کے کسی بندہ سے قرض لیا ہو وہ اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ (قرض کی ادائیگی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے سخت تاکید و ارشادات اور شدید وعیدیں اسی سلسلہ معارف الحدیث میں قرض کے زیر عنوان پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔) چوتھا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کسی دوسرے کا قرض یا کسی قسم کا مالی حق ہو اور کوئی اس کا کفیل اور ضامن بن جائے تو وہ ادائیگی کا ذمہ دار ہے، یعنی اگر بالفرض اصل مدیون ادا نہ کرے تو اس کفیل اور ضامن کو ادا کرنا پڑے گا۔

غصب (کسی دوسرے کی چیز ناحق لے لینا)

اگر کسی کی کوئی چیز قیمت دے کر لی جائے تو شریعت اور عرف میں اس کو بیع و شراء (خرید و فروخت) کہا جاتا ہے اور اگر اجرت اور کرایہ معاوضہ دے کر کسی کی چیز استعمال کی جائے تو شریعت اور عرف میں وہ ”اجارہ“ ہے اور اگر بغیر کسی معاوضہ اور کرایہ کے کسی کی چیز وقتی طور پر استعمال کے لئے لی جائے اور استعمال کے بعد واپس کر دی جائے تو وہ ”عاریت“ ہے۔ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و ارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کی نظر سے گزر چکے ہیں۔ کسی دوسرے کی چیز لے لینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اور ظالمانہ طور پر اس کی مملوکہ چیز لے لی جائے۔ شریعت کی زبان میں اس کو ”غصب“ کہا جاتا ہے اور یہ حرام اور سخت ترین گناہ ہے اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات ناظرین کرام پڑھ لیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ. (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی دوسرے کی کچھ بھی زمین ناحق لے لی تو قیامت کے دن وہ اس زمین کی وجہ سے (اور اس کی سزا میں) زمین کے ساتوں طبق تک دھنسیا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے ایک دو لفظوں کے فرق کے ساتھ متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی زمین کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی ناحق غصب کیا (ایک روایت میں ہے کہ اگر صرف بالشت بھر بھی غصب کیا) تو قیامت کے دن اس گناہ کی سزا میں وہ زمین میں دھنسیا جائے گا اور آخری حد تک گویا تحت الثریٰ تک دھنسیا جائے گا..... اللہ کی پناہ! صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک بڑا عبرت آموز واقعہ زمین کے غصب ہی کے بارے میں روایت کیا

گیا ہے۔ جس کا تعلق اس حدیث ہی سے ہے اور وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ انہوں نے میری فلاں زمین دہالی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا انہوں نے مروان سے کہا کہ میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں یہ سخت وعید سنی ہے..... (یہ بات حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا) اور اس نے کہا کہ اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا۔ اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دُکھے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دے اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنادے۔ (واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) پھر ایسا ہی ہوا۔ میں نے خود اس عورت کو دیکھا وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئی اور خود کہا کرتی تھی کہ سعید بن زید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جا رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔ (مجتبیٰ بخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ مَنْ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه الترمذی)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی کی کوئی چیز چھین لی اور لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح اگر دل میں ایمان کا ذرہ ہو تو یہ وعید انتہائی سخت وعید ہے کہ کسی کی چیز کا چھیننے والا اور غصب کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی جماعت اور آپ ﷺ کے لوگوں میں سے نہیں ہے جس کو آپ ﷺ نے اپنے سے الگ اور دور کر دیا وہ بڑا محروم اور بد بخت ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَا عِبَاجًا وَلَا فَمَنْ

أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيُرُدِّهَا إِلَيْهِ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کی لکڑی اور چھڑی بھی نہ لے نہ ہنسی مذاق میں اور نہ لینے کے ارادہ سے۔ پس اگر لے لیوے تو اس کو واپس لوٹائے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

تشریح مطلب یہ ہے کہ کسی بھائی کی لکڑی اور چھڑی کی طرح کی حقیر اور معمولی چیز بھی بغیر اس کی مرضی اور اجازت کے نہ لی جائے، ہنسی مذاق میں بھی نہ لی جائی اور اگر غفلت یا غلطی سے لی گئی ہو تو واپس ضرور لوٹائی جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی معمولی چیز کا واپس کرنا کیا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی ان ہدایات کی اہمیت محسوس کرنے کی توفیق دے۔

عَنْ أَبِي حُرَّةٍ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **أَلَا لَا تَظْلِمُوا أَلَا يُحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ.** (رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى)

ابو حرہ رقاشی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو! خبردار کسی آدمی کی ملکیت کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا حلال اور جائز نہیں ہے۔ (شعب الإيمان للبیہقی، مجتبى للدارقطني)

عَنْ جَابِرِ ابْنِ النَّبِيِّ ﷺ مَرَّ وَأَصْحَابُهُ بِامْرَأَةٍ فَدَبَحَتْ لَهُمْ شَاةً وَاتَّخَذَتْ لَهُمْ طَعَامًا فَأَخَذَ لُقْمَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُسَيِّغَهَا فَقَالَ هَذِهِ شَاةٌ دُبِحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَقَالَتِ الْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَا نَخْتَشِمُ مِنْ آلِ مُعَاذٍ نَأْخُذُ مِنْهُمْ وَيَأْخُذُونَ مِنَّا. (رواه احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کے چند اصحاب و رفقاء کا گزر ایک خاتون کی طرف سے ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے کھانا تناول فرمانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ (تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا) اور آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے حاضر کر دیا) آپ ﷺ نے اس میں سے ایک لقمہ لیا مگر اس کو آپ ﷺ حلق سے نہیں اُتار سکے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے) یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر لی گئی ہے۔ اس خاتون نے عرض کیا کہ ہم لوگ (اپنے پڑوسی) معاذ کے گھروالوں سے کوئی تکلف نہیں کرتے ہم ان کی چیز لے لیتے ہیں اور اسی طرح وہ ہماری چیز لے لیتے ہیں۔ (مسند احمد)

تشریح جیسا کہ دعوت کرنے والی خاتون کے جواب سے معلوم ہوا واقعہ یہی تھا کہ وہ بکری جو ذبح کی گئی تھی پڑوس کے ایک گھرانے آل معاذ کی تھی اور باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بکری ذبح کر کے اور کھانا تیار کر کے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے پیش کر دیا گیا، لیکن آپ ﷺ نے جب پہلا ہی لقمہ اس میں سے لیا تو آپ ﷺ کی طبیعت مبارک نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ حلق سے اتر ہی نہیں سکا اور آپ ﷺ پر یہ منکشف کر دیا گیا کہ یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کر لی گئی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں عام انسانوں کو ایک ذوق اور احساس دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کڑوی کیسلی چیزوں کا کھانا اور حلق سے اتارنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے بعض خاص بندوں کو جن کو وہ ناجائز غذاؤں سے حفاظت فرمانا چاہتا ہے ایسا ذوق عطا فرما دیتا ہے کہ ناجائز غذا ان سے کھائی جاسکتی ہے اور نہ حلق سے اتاری جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا لقمہ منہ میں لے لینے کے باوجود نہ کھا سکا اللہ تعالیٰ کی اسی خاص الخاص عنایت کا ظہور تھا۔ امت کے بعض اولیاء اللہ سے بھی اسی طرح کے واقعات منقول ہیں۔ ”دالک

فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔“

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ بکری نہ چرائی گئی تھی نہ غصب کی گئی تھی بلکہ

باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور ذبح کر لی گئی تھی، اس کے باوجود اس میں ایسی خباثت اور خرابی پیدا ہو گئی کہ حضور ﷺ اس کو نہیں کھا سکے اور حلق سے نہیں اُتار سکے۔ اس میں سبق ہے کہ دوسروں کی چیز بغیر اجازت لے لینے اور استعمال کرنے کے بارے میں کس قدر احتیاط کرنی چاہئے۔

ہدیہ تحفہ دینا لینا

تمدنی زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کر دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اسکی بڑی ترغیب دی ہے۔ اسکی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دلوں میں محبت و الفت اور تعلقات میں خوشگوار پیماہوتی ہے جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت و سکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق خاطر ظاہر کرنے کے لئے دیا جائے اور اس کے ذریعے رضائے الہی مطلوب ہو۔ یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے، اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ ازدیادِ محبت کا وسیلہ ہے، اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی تطہیب خاطر کا ذریعہ ہے اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے اور ”نذرانہ“ ہے۔

اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہو گا صدقہ ہو گا۔ ہدیہ جب ہی ہو گا جبکہ اس کے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلق خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اس کے ذریعے رضائے الہی مطلوب ہو۔

ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہو گا۔ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ شکر یہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکر یہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے، دوسروں ہی کو مرحمت فرمادیتے تھے۔

افسوس ہے کہ امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کی لین دین کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ بعض خاص حلقوں میں بس اپنے بزرگوں، عالموں، مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں وغیرہ کے ہاں ہدیہ بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب میں محبت و الفت اور تعلقات میں خوشگوار پیماہوتی اور زندگی میں چین و سکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضائے الہی حاصل کرنے کے لئے یہ رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا ”سُنو کہ کیا تھا۔“ اس تمہید کے بعد ہدیہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات پڑھئے!

ہدیہ دلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الصُّغَائِرَ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آپس میں ہدیے تحفے بھیجا کرو ہدیے تحفے دلوں کے کینے ختم کر دیتے ہیں۔“ (جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصُّدْرِ وَلَا تُحَقِّرَنَّ جَارَةً لِّجَارَتِهَا وَلَوْ شِقُّ فَرْسَنِ شَاةٍ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو ہدیہ سینوں کی کدورت ورنجش دور کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کے لئے بکری کے گھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ہدیے تحفے دینے سے باہمی رنجشوں اور کدورتوں کا دور ہونا دلوں میں جوڑ تعلقات میں خوشگوار پیذا ہونا بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زریں ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جو یہ اضافہ ہے کہ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے لئے بکری کے گھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اس سے حضور ﷺ کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کے لئے ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا ہی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اس لئے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کے لئے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیج دیا جائے۔

(واضح رہے کہ یہ ہدایت اس حالت میں ہے جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کرے گی اور اس کو اپنی توہین و تذلیل نہ سمجھے گی، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ماحول ایسا ہی تھا۔)

ہدیہ کا بدلہ دینے کے بارے میں آپ ﷺ کا معمول اور آپ ﷺ کی ہدایت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِبُ عَلَيْهَا. (رواه البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول و دستور تھا کہ آپ ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جب کوئی محبت و مخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ“ کے مطابق اس ہدیہ دینے والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے (خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت) آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے امت کو بھی اس طرز عمل کی ہدایت فرمائی اور بلاشبہ مکارم اخلاق کا تقاضا یہی ہے لیکن افسوس ہے کہ امت میں بلکہ خواص امت میں بھی اس کریمانہ سنت کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُشْنِ فَإِنَّ مِنْ أَلْنَىٰ لَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلَّىٰ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلًا بِسِ ثَوْبِي زُورٍ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس بدلہ میں دینے کے لئے کچھ موجود ہو تو وہ اس کو دے دے اور جس کے پاس بدلہ میں تحفہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ (بطور شکریہ کے) اس کی تعریف کرے اور اس کے حق میں کلمہ خیر کہے جس نے ایسا کیا اس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور احسان کے معاملہ کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔ اور جو کوئی اپنے کو آراستہ دکھائے اس صفت سے جو اس کو عطا نہیں ہوئی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جو دھوکے فریب کے دو کپڑے پہنے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس کو کسی محبت کی طرف سے ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر ہدیہ پانے والا اس حال میں ہو کہ اس کے جواب اور صلہ میں ہدیہ تحفہ دے سکے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو اس کے حق میں کلمہ خیر کہے اور اس کے اس احسان کا دوسروں کے سامنے بھی تذکرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو بھی شکر سمجھا جائے گا۔ (اور آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہو گا کہ "جزاك الله" کہنے سے بھی یہ حق ادا ہو جاتا ہے) اور جو شخص ہدیہ تحفہ پانے کے بعد اس کا اخفا کرے زبان سے ذکر تک نہ کرے "جزاك الله" جیسا کلمہ بھی نہ کہے تو وہ کفرانِ نعمت اور ناشکری کا مرتکب ہو گا۔

حدیث کے آخری جملے "وَمَنْ تَحَلَّىٰ بِمَا لَمْ يُعْطَ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان یا طرزِ عمل یا خاص قسم کے لباس وغیرہ کے ذریعے اپنے اندر وہ کمال (مثلاً عالمیت یا مشیخت) ظاہر کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس دھوکہ باز اور فریبی بہر و پیئے کی طرح ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے باعزت اور باوقار لوگوں کا سالباس پہنے۔ بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی شخص تھا جو نہایت گھٹیا اور ذلیل درجہ کا آدمی تھا لیکن وہ باعزت اور باوقار لوگوں کے سے نفیس اور شاندار کپڑے پہنتا تھا تا کہ اس کو معززین میں سمجھا جائے اور اس کی گواہی پر اعتبار کیا جائے حالانکہ وہ جھوٹی گواہیاں دیتا تھا۔ اسی کو "لابس ثوبی زور" کہا گیا ہے۔ ہدیہ تحفہ سے متعلق مذکورہ بالا ہدایت کے ساتھ اس آخری جملہ کے فرمانے سے حضور ﷺ کا مقصد غالباً یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں وہ کمالات اور وہ اوصاف نہ ہوں جن کی وجہ سے لوگ ہدیہ وغیرہ پیش کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسا شخص اگر لوگوں کے ہدیے تحفے حاصل کرنے کے لئے اپنی باتوں اور اپنے لباس اور اپنے طرزِ زندگی سے وہ کمالات اور اوصاف اپنے لئے ظاہر کر دے تو یہ فریب اور بہر و پیان ہو گا اور یہ آدمی اس روایتی "لابس ثوبی زور" کی طرح مکار اور دھوکے باز ہو گا۔ واللہ اعلم۔

محسنوں کا شکریہ اور ان کے لئے دعائے خیر

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ. (رواه

احمد والترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

تشریح بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس بندے کے ہاتھ سے کوئی ہدیہ تحفہ، کوئی نعمت ملے یا وہ کسی طرح کا بھی احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے لئے کلمہ خیر کہا جائے، تو جس نے ایسا نہیں کیا اس نے خدا کی بھی ناشکری اور نافرمانی کی۔ بعض شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو احسان کرنے والے بندوں کا شکر گزار نہ ہو گا وہ ناشکری کی اس عادت کی وجہ سے اللہ کا بھی شکر گزار نہ ہو گا۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللَّهُ

خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الشَّاءِ. (رواه الترمذی)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی پر کسی نے کوئی احسان کیا اور اس نے اس محسن کے لئے یہ کہہ کے دعا کی کہ ”جزاک اللہ خیراً“ (اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر بدلہ اور صلہ عطا فرمائے) تو اس نے (اس دعائیہ کلمہ ہی کے ذریعہ) اس کی پوری تعریف بھی کر دی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ”جزاک اللہ خیراً“ بظاہر صرف دعائیہ کلمہ ہے لیکن اللہ کا بندہ جب کسی احسان کرنے والے کے لئے ان الفاظ میں دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کا اظہار و اعتراف کرتا ہے کہ میں اس کا بدلہ دینے سے عاجز ہوں بس میرا کریم پروردگار ہی تم کو اس کا اچھا بدلہ دے سکتا ہے میں اسی سے عرض و استدعا کرتا ہوں کہ تمہارے اس احسان کا وہ اپنی شانِ عالی کے مطابق بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ اس طرح اس دعائیہ کلمہ میں اس احسان کرنے والے کی تعریف اور اس کے احسان کی قدر شناسی بھی مضمر ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ آتَاهُ الْمُهَاجِرُونَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا رَأَيْنَا قَوْمًا أَبْدَلُ مِنْ كَثِيرٍ وَلَا أَحْسَنَ مُوَاسَاةٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤَنَةَ وَأَشْرَكُونَا فِي الْمَهْنَةِ حَتَّى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمْ اللَّهَ لَهُمْ وَانْتَبِئْتُمْ عَلَيْهِمْ. (رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے (اور مہاجرین نے انصار کی میزبانی اور ان کے ایثار و تسخیر پر) تو ایک دن مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے کہیں ایسے لوگ نہیں دیکھے جیسے یہ لوگ ہیں جن کے ہاں

آ کے ہم اُترے ہیں (یعنی انصارِ مدینہ) زیادہ ہو تو اس کو (فراخ جو صلگی اور دریا دلی سے ہماری میزبانی پر) خوب خرچ کرنے والے اور (کسی کے پاس) تھوڑا ہو تو اس سے بھی ہماری غم خواری اور مدد کرنے والے، انہوں نے محنت مشقت کی ساری ذمہ داری ہماری طرف سے بھی اپنے ذمہ لے لی ہے اور منفعت میں ہم کو شریک کر لیا ہے (ان کے اس غیر معمولی ایثار سے) ہم کو اندیشہ ہے کہ سارا اجر و ثواب انہی کے حصہ میں آجائے (اور آخرت میں ہم خالی ہاتھ رہ جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، ایسا نہیں ہوگا جب تک اس احسان کے عوض تم ان کے حق میں دعا کرتے رہو گے اور ان کے لئے کلمہ خیر کہتے رہو گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کے مدینہ پاک تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی بھی اچھی خاصی جماعت تھی جو آپ ﷺ سے پہلے یا آپ ﷺ کے بعد اپنے اپنے گھر چھوڑ کے مدینہ طیبہ آئے، تو جیسا کہ معلوم ہے ابتدائی ایام میں ان سب کو مدینہ طیبہ کے انصار نے للہ فی اللہ اپنا مہمان بنا لیا۔ کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں خود محنت کرتے اور جو کچھ حاصل ہوتا اس میں مہاجرین کو شریک کر لیتے۔ ان انصار میں اچھے دولت مند بھی تھے اور نادار غریبا بھی لیکن اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہاجرین کی خدمت میں سب حصہ لیتے، جو دولت مند تھے وہ پوری دریا دلی سے مہاجرین پر اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتے اور جو غریبا تھے وہ بھی اپنا پیٹ کاٹ کے ان کی خدمت اور مہمان داری کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مہاجرین کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کے اس غیر معمولی ایثار و احسان کی وجہ سے ہماری ہجرت اور عبادات وغیرہ کا ثواب بھی ہمارے انہی محسن میزبانوں کے حصہ میں آجائے اور ہم خسارہ میں رہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا یہ خدشہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے اطمینان دلایا کہ ایسا نہ ہوگا، شرط یہ ہے کہ تم ان کے اس احسان کے عوض ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور دل و زبان سے ان کے احسان کا اعتراف اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اتنے ہی عمل کو ان کے احسان کے بدلے اور شکریے کے طور پر قبول فرمائے گا اور تمہاری طرف سے ان کے اس احسان و ایثار کا پورا بدلہ اپنے خزانہ کرم سے عطا فرمائے گا۔

وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہئے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ عَرَضَ عَلَيْهِ رِيحَانٌ فَلَا يَرُدُّهُ فَإِنَّهُ خَفِيفُ الْمَحْمَلِ طَيْبُ الرِّيحِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو ہدیہ کے طور پر خوشبودار پھول پیش کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو بھی قبول ہی کرے ورنہ کرے کیونکہ وہ بہت ہلکی اور کم قیمت چیز ہے اور اس کی خوشبو باعثِ فرحت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح پھول جیسی کم قیمت چیز قبول کرنے سے اگر انکار کیا جائے تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بے چارے

پیش کرنے والے کو خیال ہو کہ میری چیز کم قیمت ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی گئی اور اس سے اسکی دل شکنی ہو۔ اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ ”جس کو خوشبودار پھول کا ہدیہ دیا جائے وہ واپس نہ کرے کیونکہ خوشبودار پھول جنت کا تحفہ ہے اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود حضور ﷺ کا یہ معمول بھی منقول ہے کہ ”آپ ﷺ خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔“

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **فَلَيْتَ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَاللُّهُنُ وَاللِّبْنُ**. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہئے، قبول ہی کر لینا چاہئے۔ تکیہ اور تیل اور دودھ۔

(جامع ترمذی)

تشریح..... ان تینوں چیزوں کی خصوصیت یہی ہے کہ دینے والے پر ان کا زیادہ بار نہیں پڑتا اور جس کو دی جائیں وہ ان کو استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جس سے دینے والے کا جی خوش ہوتا ہے۔ اور بھی جو چیزیں اس حیثیت کی ہوں ان کو بھی انہی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

ہدیہ دے کر واپس لینا بڑی مکروہ بات

عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدُ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ، وَمَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّى إِذَا شَبِعَ فَأَعَادَ ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ. (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی آدمی کے لئے یہ جائز اور درست نہیں ہے کہ وہ کسی کو کوئی چیز عطیہ کے طور پر دے دے پھر اس کو واپس لے۔ ہاں اگر باپ اپنی اولاد کو کچھ دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کے لئے واپسی کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اولاد پر باپ کا ہر طرح کا حق ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدیہ اور عطیہ کی واپسی کی قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) جو شخص ہدیہ اور عطیہ دے کر واپس لے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اس نے ایک چیز کھائی یہاں تک کہ جب خوب پیٹ بھر گیا تو اس کو قے کر کے نکال دیا، پھر اپنی اسی قے ہی کو کھانے لگا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... ہدیہ دے کر واپس لینے کے لئے اس سے زیادہ صحیح اور مؤثر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

کن لوگوں کو ہدیہ لینا منع ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **هَذَا يَأِي الْإِمَامَ غُلُولٌ**. (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام وقت (یعنی حاکم اور فرمانروا) کے ہدیے ”غلول“ (یعنی ایک سر کی خیانت و رشوت اور ناجائز استحصال کے قبیل سے) ہیں۔ (مجموع لوسط للطبرانی)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ شَفَعَ لِأَحَدٍ شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ آتَى أَبَا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرَّبِّ. (رواه أبو داود)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی شخص کے لئے (کسی معاملہ میں) سفارش کی تو اگر اس شخص نے اس سفارش کرنے والے کو کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کی ایک بڑی خراب قسم کے گناہ کا مرتکب ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت جابر اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہدیہ وہی قابل قبول ہے جو اخلاص کے ساتھ ہو اور غلط قسم کے اغراض کا شبہ اور شائبہ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کی لین دین کے سلسلہ کی ان تمام ہدایات کی روح کو سمجھیں اور ان کی پابندی اور پیروی کو اپنی زندگی کا اصول بنائیں۔

وقف فی سبیل اللہ

ہدیہ اور صدقہ و خیرات جیسے باعثِ ثواب مالی معاملات و تصرفات میں سے ایک وقف بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ رسول اللہ ﷺ سے پہلے وقف کے تصور اور طریقہ سے واقف نہیں تھے، آپ ﷺ ہی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے اس کی تعلیم و ترغیب دی۔ وقف کی حقیقت یہ ہے کہ جائیداد جیسی باقی رہنے والی اپنی کوئی مالیت جس کا نفع جاری رہنے والا ہو اپنی طرف سے مصارفِ خیر کے لئے محفوظ کر دی جائے۔ اس کی پیداوار یا آمدنی وقف کرنے والے کی منشاء کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ مصارفِ خیر میں صرف ہوتی رہے اور خود وقف کرنے والا اپنے مالکانہ حق تصرف سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جائے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ أَصَابَ أَرْضًا بِخَيْرٍ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْرٍ لَمْ أَصُبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ فَقَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبَى وَفِي الرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے (وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے) اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے نہیں پائی، آپ ﷺ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کر دو اور (اس کی پیداوار اور آمدنی کو) صدقہ قرار

دے دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو (اسی طرح وقف کر دیا اور) فی سبیل اللہ صدقہ قرار دے دیا اور طے فرمادیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے نہ بہہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو فقیروں، مسکینوں اور اہل قربت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں۔ اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ عہد میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زر خیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گر افقد چیز ہے۔ اور قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ" (تم نیکی اور مقبولیت کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں کر سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب و مرغوب چیزیں راہ خدا میں صرف نہ کر دو گے) اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ آیا کہ خیبر کی یہ جائیداد جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس سے بہتر قیمتی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت حاصل کر لوں۔ لیکن خود فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی میرے لئے سب سے بہتر صورت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ تو آپ ﷺ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کر دیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرمادیئے۔ یہ مصارف قریب قریب وہی ہیں جو قرآن پاک میں زکوٰۃ کے بیان میں فرمائے گئے ہیں۔ (سورہ توبہ، آیت: ۶۰)

آخر میں وقف کے متولی اور اس کا انتظام و اہتمام کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے تو اس میں سے کچھ نہ لے لیکن کھانے پینے اور اپنے اہل و عیال اور مہمانوں وغیرہ کو کھلانے کے لئے اس میں سے بحد مناسب لے سکتا ہے، یہ اس کے لئے جائز ہے۔ (شریعت کے دوسرے ابواب کی طرح وقف کے مسائل بھی تسبیحہ میں دیکھے جائیں)

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أُمِّي مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرُ بَيْرٍ وَقَالَ هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ. (رواه ابو داؤد والنسائی)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے (میں ان کے لئے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں) تو کونسا صدقہ زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانی (یعنی کہیں کنواں بنوا دینا اور اس کو وقف عام کر دینا جس سے اللہ کے بندے اپنی پینے وغیرہ کی ضرورتوں کے لئے پانی حاصل کرتے رہیں) چنانچہ

انہوں نے ایک کنواں کھدوا اور بنو ادیا اور کہا کہ یہ میری والدہ ام سعد کے لئے ہے (کہ اس کا ثواب ان کو پہنچتا رہے۔) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو وہ سفر میں تھے سفر سے واپسی پر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، میرا خیال ہے کہ اگر میں موجود ہوتا تو وہ اپنی آخرت کے لئے صدقہ وغیرہ کی وصیت کرتیں۔ اب میں ان کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو کس طرح کا صدقہ بہتر اور ان کے حق میں زیادہ ثواب کا باعث ہوگا؟ آپ ﷺ نے ان کو کنواں بنوادینے کا مشورہ دیا چنانچہ انہوں نے ایسی جگہ پر جہاں اس کی ضرورت تھی کنواں بنوایا اور اپنی والدہ کے نام پر یعنی ان کے ایصالِ ثواب کے لئے اس کو وقف کر دیا۔ بعض روایات میں باغ وقف کرنا کا بھی ذکر ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی باغ میں کنواں بنوایا ہو۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کی ہدایت پر وقف کی یہ دوسری مثال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی مرنے والے کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کوئی نیک کام کرنا صحیح ہے اور ایصالِ ثواب کا نظریہ برحق ہے اور اصولی درجہ میں اس پر آئمہ اہل سنت کا اتفاق ہے۔

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنٍ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ الدَّارِجِينَ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ قَالَ أَنْشَدُكُمْ اللَّهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِينَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْدَبُ غَيْرُ بَيْرِ رُومَةَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي بَيْرَ رُومَةَ يَجْعَلْ دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِي وَأَنْتُمْ الْيَوْمَ تَمْنَعُونَنِي أَنْ أَشْرَبَ مِنْهَا حَتَّى أَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوا اللَّهُمَّ نَعَمْ..... فَقَالَ أَنْشَدُكُمْ اللَّهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِأَهْلِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ يَشْتَرِي بَقْعَةً أَلِ فُلَانٍ فَيَزِيدَهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِي فَأَنْتُمْ الْيَوْمَ تَمْنَعُونَنِي أَنْ أَصَلِّيَ فِيهِ رَكَعَتَيْنِ فَقَالُوا اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشَدُكُمْ اللَّهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُونَ إِنِّي جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِي قَالُوا اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشَدُكُمْ اللَّهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ عَلَى ثُبَيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتَّى تَسَاقَطَتْ حِجَارَةٌ بِالْحَضِيضِ فَرَكَّضَهُ بِرِجْلِهِ قَالَ أَسْكَنْ ثُبَيْرُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ قَالُوا اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ شَهِدُوا وَرَبُّ الْكُعْبَةِ أَنِّي شَهِيدٌ ثَلَاثًا. (رواه الترمذی والنسائی)

ثمامہ بن حزن قشیری (تابعی) نے بیان کیا کہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب موجود تھا (جب باغیوں کے لشکر نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا) تو انہوں نے مکان کے اوپر سے ان کو دیکھا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا، تم کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں اور تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ”بیر رومہ“ کے علاوہ

بیٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا (اور وہ کسی شخص کی ملکیت تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے اللہ کا بندہ جو بیر رومہ کو خرید کے عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے کہ اس کی طرح عام مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کا حق ہو اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر دے، تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا (اور وقف عام کر دیا) اور آج تم مجھے اس کا پانی بھی نہیں پینے دیتے اور مجبور کرتے ہو کہ سمندر کا سا کھاری پانی پیو۔۔۔۔۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں خداوند! (ہم کو اس کا علم ہے) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں تم کو اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ مسجد نبوی نمازیوں کے لئے بہت تنگ ہو گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ اللہ کا کوئی بندہ ہے جو فلاں گھرانے کی زمین کا قطعہ (جو مسجد کے قریب ہے) خرید کے مسجد میں شامل کر دے، تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ جنت میں اس سے بہتر اس کو عطا فرمائے، تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا تھا (اور مسجد میں شامل کر دیا تھا) اور آج تم لوگ مجھے اس میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے ہو۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ خداوند! یہ بھی ہمارے علم میں ہے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کی ترغیب و ایماء پر) تبوک کے لشکر کا ساز و سامان میں نے اپنی ذاتی رقم سے کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ خداوند! یہ بھی ہمارے علم میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں خدا کا اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مکہ کے پہاڑ شہیر پر تھے اور آپ ﷺ کی ساتھ ابو بکر اور عمر تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ چلنے لگا یہاں تک کہ کچھ پتھر اس کے نیچے گر گئے، تو آپ ﷺ نے اس پر اپنے قدم شریف سے ضرب لگائی اور فرمایا شہیر ساکن ہو جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (حضرت عثمانؓ کی اس بات کے جواب میں بھی) لوگوں نے کہا کہ خداوند! ہاں ہم کو اس کا بھی علم ہے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ نے کہا ”اللہ اکبر! ربّ کعبہ کی قسم یہ لوگ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میں شہید ہوں۔“ یہ بات حضرت عثمانؓ نے تین دفعہ فرمائی۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح۔۔۔۔۔ اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب اور اپیل پر آپؐ نے کئے۔ پہلے بیر رومہ کا وقف جو غالباً اسلام میں سب سے پہلا وقف ہو گا کیونکہ وہ اس وقت عمل میں آیا جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، اس سے پہلے مکہ معظمہ میں کسی وقف کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرا وقف اس زمین کا جو انہوں نے خرید کر مسجد نبوی میں شامل کی۔

یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے باب کی ہے اور اکثر کتب حدیث میں اسی باب کے تحت درج کی گئی ہے لیکن چونکہ اس میں حضرت عثمانؓ کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب پر کئے گئے تھے اس لئے یہاں اس کا درج کرنا مناسب سمجھا گیا۔

اس حدیث میں عبرت کا بڑا سامان ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان فضائل و مناقب اور ان کارناموں سے اور ان بشارتوں سے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دی تھیں۔ ان کے زمانہ کے لوگ

عام طور سے واقف تھے۔ اور یہ باتیں ایسی مشہور و مسلم تھیں کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں تھی لیکن جن لوگوں پر شیطان سوار تھا اور جن کے لئے شقاوت مقدر ہو چکی تھی انہوں نے اس سب کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہایت ظالمانہ طریقہ سے شہید کیا۔ اور پھر امت پر اس کا اجتماعی عذاب یہ آیا کہ باہم قتل و قتال کا ایک لانتناہی سلسلہ چل پڑا۔

وصیت

مالی معاملات و تصرفات کے ابواب میں سے ایک ”وصیت“ کا باب بھی ہے۔ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جس کے پاس جائیداد یا کسی شکل میں سرمایہ ہو وہ یہ طے کر دے کہ میری فلاں جائیداد یا سرمایہ کا اتنا حصہ میرے انتقال کے بعد فلاں مصرفِ خیر میں صرف کیا جائے یا فلاں شخص کو دے دیا جائے۔ شریعت میں اس طرح کی وصیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور اس کے خاص شرائط اور احکام ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گے اور مزید تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اپنے متروکہ مال کے بارے میں اس طرح کی وصیت اگر لوجہ اللہ اور ثوابِ آخرت کی نیت سے کی گئی ہے تو ایک طرح کا صدقہ ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور اگر کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہے یا اس پر کسی شخص کا قرض ہے یا کسی طرح کا حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے اور جو بھی وصیت ہو اس کو لکھ کر محفوظ کر دینا چاہئے۔ اس باب کی چند حدیثیں ذیل میں مطالعہ کی جائیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا حَقُّ أَمْرِي مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان بندے کے لئے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائیداد یا سرمایہ یا امانت اور قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی چاہئے تو دو رست نہیں کہ وہ دو راتیں گزار دے مگر اس حال میں کہ اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا اس کے پاس ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے اور وصیت نامہ لکھنے یا لکھانے کے لئے اس کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ جب موت قریب نظر آئے گی اس وقت وصیت کر دیں گے۔ بلکہ ہر مرد و مومن کو چاہئے کہ وہ ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور اپنا وصیت نامہ تیار رکھے، ورنہ بھی ایسے گزرنے نہیں چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے۔ معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ کس وقت آجائے۔ حضرت ابن عمرؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے ان کے خادم نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سننے کے بعد

ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرا وصیت نامہ میرے پاس نہ ہو۔
افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کا رواج امت میں اب بہت ہی کم ہے۔ بس خواص بلکہ انحصار خواص کو اس کی توفیق ہوتی ہے حالانکہ اس میں دنیوی لحاظ سے بھی بہت خیر ہے وصیت نامہ کے ذریعہ عزیزوں، قریبوں اور وارثوں کے درمیان بعد میں اٹھنے والے بہت سے نزاعات اور جھگڑوں کا بھی انسداد ہو سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ مَاتَ عَلَى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلَى سَبِيلٍ وَ سُنَّةٍ وَ مَاتَ عَلَى تَقَى وَ شَهَادَةٍ وَ مَاتَ مَغْفُورًا لَهُ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وصیت کی حالت میں انتقال کیا (یعنی اس حالت میں جس کا انتقال ہوا کہ اپنی مالیت اور معاملات وغیرہ کے بارے میں جو وصیت اس کو کرنی چاہئے تھی وہ اس نے کی اور صحیح اور لوجہ اللہ کی) تو اس کا انتقال ٹھیک راستہ پر اور شریعت پر چلتے ہوئے ہوا اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی۔

(سنن ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں وصیت کرنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي وَأَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ أَنْ يَمُوتَ بِالْأَرْضِ الَّتِي هَاجَرَ مِنْهَا، فَقَالَ يَرْحَمُ اللَّهُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْصِنِي بِمَا لِي كَلِّهِ؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالْشُّطْرَ؟ قَالَ لَا، قُلْتُ فَالثَّلْثُ؟ قَالَ الثَّلْثُ وَالثَّلْثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدْعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ وَأَنْتَ مَهْمَا أَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللَّقْمَةِ الَّتِي تَرْفَعُهَا إِلَى فِي إِمْرَأٍ بِكَ وَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعَ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا ابْنَتُهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں (سخت مریض ہوا) تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور میں اس بات کو بہت برا سمجھتا تھا کہ میری موت مکہ کی اس سرزمین میں ہو جس سے میں ہجرت کر چکا ہوں (اور جس کو اللہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے چھوڑ چکا ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے (دعا کے طور پر مجھے تسلی دینے کے لئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرمائے عفراء کے بیٹے (سعد) پر (حضرت سعد کی والدہ کا نام یا لقب عفراء تھا) میں نے آپ ﷺ سے (بطور استفسار کے عرض کیا کہ) (حضرت کی کیا رائے ہے) میں اپنی ساری دولت کو (فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں) صرف کرنے کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں (ایسا نہ کرو) میں نے عرض کیا کہ پھر آدھی دولت کے بارے میں یہ وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (اتنا بھی نہیں) میں نے عرض کیا کہ تو پھر تہائی کے لئے وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تہائی کی وصیت کر دو اور تہائی بھی بہت ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ) تمہارے لئے یہ بات کہ تم

اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ کے جاؤ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں چھوڑ کے جاؤ کہ وہ (اپنی ضروریات کے لئے) دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اور تم جو کچھ بھی (لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے) خرچ کرو گے (اگرچہ وہ خرچ اپنے عزیزوں، قریبوں اور وارثوں پر ہو) تو وہ تمہاری طرف سے ”صدقہ“ ہوگا، حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کے اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (وہ بھی عند اللہ تمہارا صدقہ ہوگا) آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی امید ہے کہ وہ تم کو اس مرض سے صحت و شفاء دے کر (مستقبل میں تم کو بلند مرتبہ پر پہنچائے پھر تم سے بہت سے بندگان خدا کو نفع پہنچے گا اور بہت لوگوں کو نقصان۔) (اس حدیث کو حضرت سعد سے روایت کرنے والے (ان کے صاحبزادے عامر بن سعد) کہتے ہیں کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے) اس زمانے میں حضرت سعد کے صرف ایک بیٹی تھیں (اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حجۃ الوداع کے سفر میں یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے مکہ معظمہ میں یہ سخت بیمار پڑے اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں ”اشفیت علی الموت“ یعنی میں گویا موت کے کنارہ پہنچ گیا تھا اور چونکہ وہ مہاجرین میں سے تھے اس لئے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ جس مکہ کو وہ اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہیں اور ہجرت کر چکے ہیں وہاں ان کا انتقال ہو اور اس کی سرزمین میں دفن ہوں۔ رسول اللہ ﷺ جب ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کی یہ فکر اور پریشانی آپ ﷺ کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے ”یرحمہم اللہ ابن عفرأء“ کہہ کر ان کے لئے دعا کی اور تسلی دی، پھر حضرت سعد نے (جو دولت مند صحابہ میں سے تھے) آپ ﷺ سے اپنے مال و دولت کے بارے میں وصیت سے متعلق دریافت کیا (اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کی دی ہوئی میرے پاس بہت دولت ہے اور میری صرف ایک بیٹی (ہے) میں اپنی آخرت بہتر بنانے کے لئے سوچتا ہوں کہ اپنی ساری دولت کے لئے وصیت کر جاؤں کہ وہ فی سبیل اللہ مصارفِ خیر میں صرف کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی، پھر آدمی دولت کے لئے ایسی وصیت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، صرف تنہائی کی اجازت دی اور فرمایا کہ تنہائی بھی بہت ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ عند اللہ اور تمہاری آخرت کے لئے بھی یہی بہتر ہے کہ تم تنہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو۔ عزیزوں، قریبوں پر خرچ کرنا اور وارثوں کے لئے چھوڑنا بھی عند اللہ صدقہ ہے۔ (بشرطیکہ رضائے الہی اور ثواب کی نیت ہو) اس حدیث کی بعض روایات میں اس شرط کی صراحت ہے) اسی سلسلہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حتیٰ کہ اس نیت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دینے میں بھی تمہارے لئے ثواب ہے حالانکہ اس میں حظِ نفس بھی ہے۔

سب سے آخر میں آپ نے جو فرمایا کہ ”عسی اللہ ان یرفعک الخ۔“ یہ حضرت سعد کے حق میں ایسی پیشین گوئی تھی جس کا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی تم سے بہت کام لینا ہے، تم انشاء اللہ اس مرض سے صحت یاب ہو کر اٹھ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو

ایسے بلند مرتبہ پر پہنچائے گا کہ تمہارے ہاتھوں قوموں کی تقدیریں بنیں گی اور بگڑیں گی۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اچھے میں ایسی حالت میں ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت سعدؓ اپنے کو موت کے کنارے سمجھ رہے تھے لیکن حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت سعدؓ اس کے بعد قریباً آدھی صدی تک اس دنیا میں رہے اور اللہ نے ان کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ حکومت فارس کے قریباً سارے زیر اقتدار علاقے انہی کی قیادت میں فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اللہ کے لاکھوں بندوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی، پھر وہ عراق کے حاکم بھی رہے اور ۵۵ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت سعد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی اور اس کا اس طرح ظہور میں آنا بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

اس حدیث سے ”وصیت“ کے بارے میں یہ اصولی حکم معلوم ہوا کہ جس شخص کے وارث ہوں اس کو فی سبیل اللہ اور مصارفِ خیر کے لئے بھی اپنے تنہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنی جائز نہیں اس پر امت کے آئمہ و علماء کا تقریباً اتفاق ہے۔ ہاں اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ اور مصارفِ خیر میں جو کچھ خرچ کرنا چاہے کر سکتا ہے تنہائی کی یہ قید موت کے بعد سے متعلق وصیت ہی کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ واقعہ حجۃ الوداع کے سفر کا ہے جو ۱۰ھ کے اواخر میں ہوا تھا صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد روایات میں اس کی صراحت ہے لیکن ترمذی کی ایک روایت میں اس کو فتح مکہ والے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے۔ جو ۸ھ میں ہوا تھا۔ محدثین کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ ترمذی کی روایت میں ایک راوی کو سہو ہوا ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں ”وہم“ کہا جاتا ہے۔^۱

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللَّهَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ. (رواه أبو داود وابن ماجه)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ ﷺ نے اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی کتاب پاک میں وارثوں میں سے) ہر صاحبِ حق کو اس کا حصہ عطا فرما دیا ہے۔ لہذا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ (سنن ابی داود، سنن ابن ماجہ)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد جب معاشرت وغیرہ سے متعلق احکام کا نزول شروع ہوا تو ابتداء سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۰ (كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ (الْآيَةُ) کے

۱ اس کی تفصیل فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الوصایا میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث کے بارہ میں مشکوٰۃ المصابیح میں بھی ایک سہو ہوا ہے اور وہ یہ کہ جامع ترمذی کی اس روایت کو جس میں اس واقعہ کو ”فتح مکہ“ کے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے، فصل اول میں درج کر دیا گیا ہے اور متفق علیہ (یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت) قرار دیا گیا ہے حالانکہ جیسا عرض کیا گیا وہ روایت صحیحین میں نہیں ہے جامع ترمذی میں ہے۔

ذریعے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کچھ مال و دولت ہو اس کو چاہئے کہ مرنے سے پہلے اپنے ماں باپ اور دوسرے قریبی عزیزوں کے لئے وہ مناسب طریقہ پر وصیت کر جائے۔ اس کے کچھ مدت بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وراثت کا مفصل قانون سورۃ النساء میں نازل فرما دیا گیا اس طرح وصیت کا پہلا حکم کم از کم شرعی وارثوں کے حق میں منسوخ ہو گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور بہت سے ضروری احکام کا اعلان فرمایا وہاں یہ اعلان بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون نازل فرما کر سب وارثوں کا حق مقرر فرمادیا ہے لہذا اب کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی جائے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اسی کا ذکر فرمایا اور ”مشکوٰۃ المصابیح“ میں حضرت ابو امامہؓ کی مندرجہ بالا حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ اضافہ ہے۔

وَفِي رِوَايَةِ الدَّارِقُطْنِيِّ قَالَ لَا تَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِّوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرِثَةُ

اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب کسی وارث کیلئے وصیت جائز (اور نافذ) نہیں الّا یہ کہ دوسرے وارث چاہیں اور راضی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے شرعی وارث اس پر راضی ہو جائیں کہ موثر کسی وارث کے حق میں (اس کے شرعی حصے کے علاوہ مزید کی) وصیت کر دے اور ان کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ وصیت جائز اور نافذ ہو جائے گی۔ (بشرطیکہ یہ دوسرے وارث عاقل بالغ ہوں)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللَّهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُ هُمَا الْمَوْتُ فَيَصَارُانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ.

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (کبھی ایسا ہوتا ہے) کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی گزارتے رہتے ہیں پھر جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (حق داروں کو) نقصان پہنچا دیتے ہیں (تو اس ظلم اور حقدار بندوں کی اس حق تلفی کی وجہ سے) ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

تشریح مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شرعی وارث موجود ہیں جو اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ کے حق دار ہوں گے تو یہ آدمی کسی ناراضی وغیرہ کی وجہ سے ان کو محروم کرنے کے لئے کسی غیر آدمی کے حق میں یا کسی خاص مصرف کے لئے وصیت کر دیتا ہے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرتا ہے جس سے وہ وارث محروم ہو جائیں تو یہ (اس حدیث کے مطابق) اتنا بڑا گناہ اور ایسا ظلم ہے کہ اس کی وجہ سے ساٹھ سالہ اطاعت و فرمانبرداری برباد ہو جاتی ہے اور آدمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ایک تہائی دولت کے بارے میں وصیت کرنے کی اجازت ہے لیکن نیک نیتی شرط

ہے۔ وارثوں اور حقداروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بہر حال گناہ اور ظلم ہے۔

نظام عدالت

لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مختلف قسم کے نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے اور حقداروں کو ان کا حق دلوانے، نیز تعزیر و سزا کے مستحق چوروں، ڈاکوؤں جیسے مجرموں کو سزا دینے کے لئے محکمہ قضا یعنی نظام عدالت کا قیام بھی انسانی معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی معاملات کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کی زندگی میں تو اس کا سوال ہی نہیں تھا لیکن جب آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور یہاں اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو اس وقت نظام عدالت بھی اپنی ابتدائی سادہ شکل میں قائم ہو گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نبی و رسول ہونے کے ساتھ قاضی اور حاکم عدالت بھی تھے، نزاعی معاملات آپ ﷺ کے سامنے آتے اور آپ ﷺ ان کا فیصلہ فرماتے، حدود جاری کرتے یعنی سزا کے مستوجب مجرمین کو قانون خداوندی کے مطابق سزائیں دلاتے۔ قرآن مجید میں براہِ راست آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَأَن احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ. (المائدہ: آیت: ۴۹)

(اے پیغمبر!) آپ لوگوں (کے نزاعات و معاملات) کا فیصلہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت اور اس کے قانون کے مطابق کیا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ. (النساء: آیت: ۱۰۵)

ہم نے نازل کی آپ کی طرف ”کتاب“ حق (کی ہدایت) کیسا تھ تاکہ آپ لوگوں کے باہمی معاملات کا فیصلہ کریں اللہ کی رہنمائی کے مطابق۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نزاعات و خصومات کے فیصلے خود فرماتے تھے نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں قاضی کی حیثیت سے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے اور جب یمن کا علاقہ بھی اسلامی اقتدار کے دائرہ میں آگیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بھی وہاں قاضی بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو کسی علاقہ میں عدل و انصاف کے ذمہ دار (قاضی) بنائے جائیں سخت تاکید فرمائی کہ وہ اس ذمہ داری کو اپنے امکان اور اپنی فہم و فکر کی آخری حد تک عدل و انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ انجام دینے کی پوری کوشش کریں اور ایسا کرنے والوں کو آپ ﷺ نے خدا کی مدد اور رہنمائی کی اور آخرت میں عظیم انعامات اور بلند درجات کی بشارتیں سنائیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بالفرض ایسے لوگوں

سے نادانستہ اجتہادی غلطی بھی ہو جائے گی تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ اپنی نیک نیتی اور حق سمجھنے کی محنت و کوشش کا ان کو اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس کے بالمقابل آپ ﷺ نے جانبداری اور بے انصافی کرنے والے حاکموں کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرایا اور سخت وعیدیں سنائیں۔ نیز آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حاکم اور قاضی ایسے بندگان خدا کو بنایا جائے جو اس منصب اور عہدے کے خواہش مند نہ ہوں اور جو لوگ اس کے طالب اور خواہش مند ہوں ان کو ہر گز یہ منصب اور عہدہ نہ دیا جائے۔ قضا اور عدالت کے طریقہ کار کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی اور اس کے لئے کچھ بنیادی اصول بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عادل اور غیر عادل حاکم و قاضی

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرٍ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ وَكَلَّمَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا دُلُّوا.

(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اہل حکومت اور ارباب اقتدار میں سے) عدل و انصاف کرنے والے بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی آخرت میں) نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال کے بارے میں عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔ اس حدیث میں اُن اہل حکومت اور ارباب اختیار کو جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اختیارات کے استعمال اور سارے معاملات میں عدل و انصاف کا اہتمام اور اس کی پابندی کریں یہ عظیم بشارت سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا یہ اعزاز و اکرام ہوگا کہ وہ اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر بٹھائے جائیں گے۔ اس دنیا کے شاہی درباروں میں کسی کی کرسی کا تخت شاہی کے داہنی جانب ہونا اس کے خاص الخاص اعزاز و اکرام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس بناء پر اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہوگا کہ جو بندے برسر حکومت اور صاحب اختیار ہونے کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کی پوری پابندی کریں تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کے ساتھ ایسا ہی خاص الخاص اعزاز و اکرام ہوگا ان کی نورانی نشست گاہیں (منبر کہنے یا کرسیاں) اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب ہوں گی۔

حدیث کے لفظ ”عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ“ (خداوند رحمن کے داہنی جانب) سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح ہم لوگوں کے داہنے ہاتھ کے ساتھ دوسرا بائیں ہاتھ ہوتا ہے (جو داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں کمزور اور کمتر ہوتا ہے) اسی طرح خداوند رحمن کا بھی دوسرا بائیں ہاتھ ہوگا۔ تو رسول اللہ ﷺ کی اس وضاحت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں یا اس طرح کی دوسری احادیث یا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو

”یمنین“ یا ”ید“ (باتھ یاد اپنے ہاتھ) کے الفاظ میں کہیں استعمال ہوئے ہیں ان سے ہمارے جیسے ہاتھ مراد نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے ”لیس کمثلہ شیء“ (کوئی چیز بھی اللہ کی مثل یا مثال نہیں ہے) یہی بات کہ پھر ”ید“ جیسے الفاظ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے بارے میں آئمہ سلف کے اس مسلک میں زیادہ سلامتی اور احتیاط ہے کہ ہم اس کا اعتراف اور اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی نوعیت اور حقیقت کی دریافت سے ہم عاجز ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ہیں ”الذین يعدلون فی حکمهم واهلہم وماو لوا“ یعنی یہ بشارت ان عادل و منصف بندوں کے لئے ہے جو اپنے عدالتی اور حکومتی فیصلوں میں انصاف کریں اور اپنے اہل و عیال اور اہل تعلق کے ساتھ بھی ان کا رویہ عادلانہ اور منصفانہ ہو، اور اگر وہ کسی کے ولی اور سرپرست ہوں یا کسی جائیداد یا ادارہ کے متولی اور ذمہ دار ہوں تو اس کے معاملات میں بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کی پابندی کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف کا حکم اور اس پر بشارت کا تعلق صرف ارباب حکومت اور حاکمان عدالت ہی سے نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں ہر شخص اس کا مکلف ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَأَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ وَإِنَّ أَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَأَشَدَّهُمْ عَذَابًا إِمَامٌ جَائِرٌ (رواه الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم قیامت کے دن اللہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارے ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ اور (اس کے برعکس) وہ ارباب حکومت قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے اور بے انصافی کے ساتھ حکومت کریں گے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَاضِي مَالِهِمْ يَجْرُ فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ. (رواه الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قاضی (یعنی حاکم عدالت) کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے (یعنی اس کی مدد اور توفیق اس کی رفیق رہتی ہے) جب تک وہ عدل و انصاف کا پابند رہے پھر جب وہ (عدل و انصاف کی پابندی چھوڑ کے) بے انصافی کا رویہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ اس سے الگ اور بے تعلق ہو جاتا ہے (یعنی اس کی مدد اور رہنمائی اس کو حاصل نہیں رہتی) اور پھر شیطان اس کا ہدم اور رفیق ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ حاکم اور قاضی کی نیت اور کوشش جب تک یہ رہے کہ میں حق و انصاف ہی کے مطابق فیصلے کروں اور مجھ سے بے انصافی سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد اور رہنمائی ہوتی

رہتی ہے۔ لیکن جب خود اس کی نیت خراب ہو جائے اور ظلم و بے انصافی کا راستہ اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مدد اور رہنمائی سے محروم فرمادیتا ہے اور پھر شیطان ہی اس کا رفیق و رہنما بن جاتا ہے اور وہ اسکو جہنم کی طرف لیجانے والے راستہ پر چلاتا ہے۔

قاضی اور حاکم سے اگر اجتہاد غلطی ہو جائے۔۔۔۔۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدُوا أَخْطَا فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب حاکم (کسی معاملہ کا) فیصلہ کرنا چاہے اور (حق کے مطابق اور صحیح فیصلہ کرنے کے لئے) غور و فکر اور کوشش کرے اور صحیح فیصلہ کر دے تو اس کو دہرا اجر ملے گا۔ (ایک صحیح فیصلہ کرنے کی نیت اور کوشش و محنت کا اور دوسرا صحیح فیصلہ کرنے کا) اور اگر اس نے حقیقت کو جاننے سمجھنے اور صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے باوجود فیصلہ غلط کر دیا تو بھی اس کو ایک اجر و ثواب ملے گا (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی نیت اور محنت کا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

توضیح: حدیث کے مطلب کی بقدر ضرورت تشریح ترجمہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

اس حدیث سے ایک بڑی اہم اصولی بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر حاکم اور مجتہد کسی معاملہ اور مسئلہ میں حق و صواب کو جاننے سمجھنے کی امکان بھر کوشش کرے تو اگر وہ صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تب بھی وہ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس کی نیت حق و صواب کو سمجھنے کی تھی اور اس کے لئے اس نے غور و فکر اور محنت و کوشش بھی کی۔ اور وہ اسی کا مکلف تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق انہی لوگوں سے ہے جو اس کے اہل ہوں۔ نااہلوں کو اجتہاد کی اجازت تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ جس شخص نے قدیم یا جدید طب کا فن حاصل ہی نہیں کیا وہ اگر مطلب کھول کر بیٹھ جائے اور بیماروں کا علاج کرنے لگے تو مجرم اور جیل خانہ کا مستحق ہوگا۔ ہماری زبان کی صحیح مثل ہے ”نیم حکیم خطرہ جان اور نیم مٹا خطرہ ایمان“ آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ شخص ضروری درجہ کے علم اور اہلیت کے بغیر فیصلے کرے وہ دوزخ کا مستحق ہے۔

جنتی اور دوزخی قاضی و حاکم

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ اِثْنَانِ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَ رَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَ رَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قاضی (حاکمان عدالت) تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت کا مستحق اور دو دوزخ کے مستحق ہیں۔ جنت کا مستحق وہ حاکم عدالت

ہے جس نے حق کو سمجھا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور جس حاکم نے حق کو سمجھنے کے باوجود ناحق فیصلہ کیا وہ دوزخ کا مستحق ہے اور اسی طرح وہ حاکم بھی دوزخ کا مستحق ہے جو بے علم اور ناواقف ہونے کے باوجود فیصلے کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

رشوت لینے اور دینے والے مستحق لعنت

حاکمان عدالت کو حق و انصاف کے خلاف فیصلہ پر آمادہ کرنے والے اسباب میں ایک بڑا سبب رشوت کی طمع ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے کو موجب لعنت گناہ بتلایا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجہ و

رواه الترمذی عنه و عن ابی ہریرۃ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ۔۔۔ اور امام ترمذی نے اس کو حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے)

تشریح..... کسی مجرم کے لئے اللہ یا اس کے رسول کی طرف سے لعنت اس سے انتہائی ناراضی و بے زاری کا اعلان اور نہایت سنگین سزا ہے۔ اللہ کی طرف سے کسی پر لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خداوند رحمن و رحیم نے اس مجرم کو اپنی وسیع رحمت سے محروم کر دینے کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ اور اللہ کے رسول یا فرشتوں کی طرف سے لعنت کا مطلب اس شخص سے بے زاری اور اس کے قابل لعنت ہونے کا اعلان اور اس کی رحمت سے محروم کر دیئے جانے کی بددعا ہوتی ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والوں اور رشوت دینے والوں سے اپنی انتہائی ناراضی و بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے بددعا فرمائی کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دے۔ اللہ کی پناہ! رحمت للعالمین شفیع المذنبین ﷺ جس بد نصیب سے بیزاری کا اعلان فرمائیں اور اس کے لئے رحمت خداوندی سے محروم کئے جانے کی بددعا فرمائیں اس بد بخت کا کہاں ٹھکانہ!

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ایک لفظ ”والرائش“ کا اضافہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رشوت لینے اور دینے والے کے علاوہ اس درمیانی آدمی (دلال) پر بھی رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی جو رشوت کے لین دین کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔

حاکم اور قاضی بننا بڑی آزمائش اور بہت خطرناک

ظاہر ہے قاضی اور حاکم بن جا۔ نہ کے بعد اس کے بہت امکانات پیدا ہو جاتے ہیں کہ آدمی کی نیت اور اس کے اخلاق میں فساد آجائے اور وہ ایسے ”اکام کرنے لگے جن سے اس کا دین و ایمان برباد اور آخرت خراب ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لئے اس سے بت ڈرایا ہے اور حتی الوسع اس سے بچنے کی تاکید فرمائی

ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حکومتی عہدے اور عدالتی مناصب ان لوگوں کو نہ دیئے جائیں جو ان کے طالب اور خواہش مند ہوں بلکہ ایسے لوگوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی جائے جو اس کے طالب نہ ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سَكِينٍ.

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قاضی (حاکم عدالت) بنایا گیا تاکہ لوگوں کے مقدمات نزاعات کا فیصلہ کرے تو وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

(مسند احمد جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

تشریح جس آدمی کو چھری سے ذبح کیا جائے وہ ۲-۳ منٹ میں ختم ہو جائے گا لیکن اگر کسی کو چھری کے بغیر ذبح کرنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے اس کا جلدی کام تمام نہ ہو سکے گا اور اس کی تکلیف طویل المیعاد ہوگی۔ حدیث کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ قاضی اور حاکم عدالت بننا اپنے کو بڑی آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ اور اس منصب اور ذمہ داری کے قبول کرنے والے کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سر پہ کانٹوں کا تاج رکھ رہا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَكُونُ نَدَامَةِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ

لِنُعْمَتِ الْمُرْضِعَةِ وَبِنَسْتِ الْفَاطِمَةِ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ تم لوگ حکومت اور اس کے عہدوں کی حرص کرو گے اور وہ قیامت کے دن ندامت و پشیمانی کا باعث ہوگی۔ بڑی اچھی لگتی ہے حکومت کی آغوش میں لے کر دودھ پلانے والی اور بہت بری لگتی ہے دودھ چھڑانے والی۔ (صحیح بخاری)

تشریح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے منکشف فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی امت میں حکومت اور اس کے عہدے حاصل کرنے کا شوق اور اس کی حرص پیدا ہوگی۔ ایسے لوگوں کو آپ ﷺ نے آگاہی دی کہ یہ حکومت قیامت میں سخت ندامت اور پشیمانی کا باعث ہوگی جب ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حکومت کا حساب دینا ہوگا۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکومت جب کسی کو ملتی ہے تو بڑی اچھی لگتی ہے جیسے بچہ کو دودھ پلانے والی دایہ اچھی لگتی ہے اور جب وہ ماتھ سے جاتی ہے (خواہ موت کے وقت یا زندگی ہی میں اس سے محروم یا دست بردار ہنا پڑے) تو بہت بری لگتی ہے جیسے کہ دودھ چھڑانے والی دایہ بچہ کو بہت بری لگتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت کے شوقین اور طالبوں کو اس کے اخروی انجام سے غافل نہ ہونا چاہئے، قیامت میں ان کو اپنے زیر حکومت لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا یہ اثر پڑا تھا کہ بہت سے صحابہ کرام حکومتی اور عدالتی عہدوں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ

خلافت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی بنانا چاہا لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

حکومت کے طالب اللہ کی مدد اور رہنمائی سے محروم

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مُسْئَلَةٍ وَكِلْتَا إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مُسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے لئے حکومت کا عہدہ طلب مت کرو اگر تمہارے طلب کرنے پر تم کو حکومت کی ذمہ داری سپرد کی گئی تو تم اس کے حوالے کر دینے جاؤ گے (اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد اور رہنمائی نہیں ہوگی) اور تمہاری طلب کے بغیر تم کو کوئی حکومتی ذمہ داری سپرد کی گئی تو اللہ کی طرف سے اس میں تمہاری مدد ہوگی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَالَ وَكَلَّ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی منصب قضا کا طالب ہوگا اور درخواست کرے گا تو اس کو اس کے نفس اور اس کی ذات کے حوالے کر دیا جائے گا (کہ وہ خود ہی اس کی ذمہ داریوں سے نمٹے جو بہت مشکل اور بڑا خطرناک کام ہے) اور جس شخص کو مجبور کر کے قاضی اور حاکم عدالت بنایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کے لئے خاص فرشتہ نازل فرمائے گا جو اس کو ٹھیک ٹھیک چلائے گا۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

تشریح دونوں حدیثوں کا مدعا اور مطلب یہی ہے کہ حکومتی عہدہ یا عدالتی منصب اپنے نفس کی خواہش سے نہیں لینا چاہیے جو کوئی اس طرح حاصل کرے گا اس کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہ ہوگی اور جس کو بغیر اس کی ذاتی خواہش کے یہ ذمہ داری سپرد کی جائے وہ متوکل علی اللہ اس کو قبول کر لے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے بندوں کی مدد اور رہنمائی فرمائی جائے گی۔

قاضیوں کے لئے رہنما اصول اور ہدایات

مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو رہنما اصول مقرر فرمایا اور جو ہدایات دیں ان کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ أَلْ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ؟ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ قَالَ أَحْتَدِثُ بِرَأْيٍ وَلَا أَلْوَا قَالَ فَضَرْبَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رُءُوسِ الْأُمَّةِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

(رواه الترمذی و ابو داؤد و الدارمی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو قاضی بنا کر یمن کے لئے روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ اور قضیہ پیش ہوگا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید کی ہدایت) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تمہیں (اس کے بارے میں کوئی حکم اور ہدایت) نہ ملے؟ (تو کیا کرو گے؟) انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تمہیں (اس بارے میں) حکم اور ہدایت نہ ملے؟ (تو کیا کرو گے؟) انہوں نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لوں گا اور اجتہاد کروں گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھوں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کا سینہ ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد بغدادی)

تشریح..... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان چند ممتاز صحابہ کرام میں سے ہیں جن کو اپنے طالب علمانہ مزاج اور حضور ﷺ کی طویل صحبت اور خصوصی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں کتاب و سنت کے علم اور تفقہ فی الدین میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اسی سلسلہ معارف الحدیث میں پہلے بھی متعدد حدیثوں میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دور میں ان کو یمن کا قاضی اور حکم بنا کر بھیجا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کے طریقہ کار کے مسلسل مطالعہ سے ان کو یہ اصول معلوم ہو چکا تھا کہ جب کوئی فیصلہ طلب معاملہ پیش آئے تو اس کے بارے میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اگر وہاں سے ہدایت نہ مل سکے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کار سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے وہاں بھی نہ ملے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و قیاس کیا جائے۔ تو جب آنحضرت نے ان کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو امتحان کے طور پر ان سے دریافت کیا کہ تمہارے سامنے جو معاملات اور مقدمات آئیں گے تم ان کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انہوں نے اس کا وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو شاباش دی، ان کا سینہ ٹھوکا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے آپ ﷺ کی مرضی اور منشاء کے مطابق جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے آپ ﷺ کی تعلیم اور صحبت سے اچھا استفادہ کیا ہے۔

اس حدیث کی اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت ہے کہ دین و شریعت میں اجتہاد و قیاس کی یہ سب سے زیادہ واضح بنیاد ہے اور امت کے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین نے اسی حدیث کو بنیاد بنا کر اجتہاد و قیاس سے کام لیا ہے اور ان ہزاروں مسائل و معاملات کا فیصلہ کیا ہے جن کے بارے میں واضح ہدایت اور حکم کتاب و سنت میں نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرات محدثین کے مقررہ معیار کے لحاظ سے اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے بلکہ اس میں ضعف ہے (جس کی تفصیل شروح حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے)۔ لیکن اس کے

باوجود امت کے آئمہ و فقہاء نے اس کو قبول کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر قیاس و اجتہاد کا سلسلہ چلا ہے۔ شیخ ابن القیم وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ آئمہ فقہاء کے اس کو قبول کر لینے کے بعد اس کی صحت کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی معاملہ اور مسئلہ میں قیاس و اجتہاد کی گنجائش جب ہی ہے جب کہ اس کے بارے میں کتاب و سنت میں کوئی حکم و ہدایت نہ مل سکے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ.

(رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مقدمہ کے

دونوں فریق حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ (مسند احمد سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں (مدعی اور مدعا علیہ) کے ساتھ اس کا برتاؤ مساویانہ ہو، کسی فریق کی کسی خصوصیت یا تعلق کی وجہ سے اس کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ ہو، قاضی کے سامنے دونوں کی نشست یکساں ہو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ

كَلَامَ الْآخَرِ فَسَوْفَ تَذَرِي كَيْفَ تَقْضِي، قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدَ هَذَا. (رواہ الترمذی)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا جب تمہارے پاس دو آدمی (کوئی نزاعی معاملہ اور مقدمہ لے کر) فیصلہ کرانے آئیں، تو تم پہلے ہی فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے دو جب تک کہ دوسرے کا بیان نہ سن لو، ایسا کرو گے تو تم سمجھ لو گے اور جان لو گے کہ تم کس طرح اور کیسا فیصلہ کرو۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں برابر قاضی رہا ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میری عمر بہت کم ہے اور میں مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنا نہیں جانتا، تو آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور راہنمائی فرمائے گا اور تم سے صحیح فیصلہ کرائے گا اور ساتھ ہی یہ اصولی ہدایت فرمائی کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے آئے تو جب تک تم دونوں فریقوں کا بیان نہ سن لو اس وقت تک کوئی رائے قائم نہ کرو اور نہ فیصلہ دو۔ جب دونوں کی بات سننے کے بعد معاملہ پر غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہوگی اور صحیح فیصلہ کی توفیق ملے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں جو فرمایا تھا اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ مقدمات و نزاعات کے فیصلہ کے باب میں طبقہ صحابہؓ میں آپ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمَ بَيْنَ النَّيْنِ وَهُوَ غَضَبَانِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی قاضی اور حاکم (کسی معاملہ کا فیصلہ) ایسی حالت میں ہرگز نہ کرے کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح غصہ کی حالت میں آدمی کا ذہنی توازن صحیح نہیں ہوتا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ایسی حالت میں کوئی حاکم عدالت کسی مقدمہ اور قضیہ کا فیصلہ نہ کرے، ایسے وقت غور فکر کر کے رائے قائم کرے اور فیصلہ کرے جب دماغ ٹھنڈا اور اعتدال و سکون کی حالت میں ہو۔ (اور اگر حاکم کو غصہ مقدمہ کے کسی فریق پر ہو تو اس کا بھی خطرہ ہے کہ فیصلہ میں نا انصافی ہو جائے۔)

دعوے کے لئے دلیل اور ثبوت ضروری

اگر کوئی شخص حاکم اور قاضی کی عدالت میں کسی دوسرے آدمی کے خلاف کوئی دعویٰ یا شکایت کرے تو خواہ دعویٰ کرنے والا کیسا ہی ثقہ صالح اور کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو محض اس کے دعوے کی بنیاد پر قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکے گا، اسلامی قانون میں ہر دعوے کے لئے ضابطہ کے مطابق ثبوت اور شہادت ضروری ہے۔ اگر مدعی شہادت اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ اگر اس کو دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو وہ حلف کے ساتھ کہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعا علیہ اس طرح کے حلف سے انکار کرے تو دعویٰ صحیح سمجھ کے ڈگری کر دیا جائے گا اور اگر وہ حلف کے ساتھ مدعی کے دعوے کو غلط قرار دے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔ یہ عدالتی قانون اور ضابطہ ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی اور جو خود آپ ﷺ کا طریقہ کار بھی تھا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَا دَعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى عَلَيْهِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر محض دعوے پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جاتا تو لوگ دوسروں کے خلاف (بیباکی سے) خون (یا مال کے) جھوٹے سچے دعوے کرنے لگیں گے۔ لیکن (محض کسی کے دعوے پر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ ثبوت طلب کیا جائے گا اور ثبوت و شہادت نہ ہونے کی صورت میں) مدعی علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح صحیح مسلم کی اس روایت کے الفاظ میں مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے، صرف مدعی علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لینے کا ذکر ہے لیکن صحیح مسلم کے شارح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اسی حدیث کو امام بیہقی نے بھی حسن یا صحیح سند سے روایت کیا ہے اور اس میں پہلے مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر ہے، اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ ”وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ“ امام نووی کا یہ کلام صحیح مسلم کی اس حدیث کے ساتھ ہی مشکوٰۃ المصابیح میں بھی نقل کیا گیا ہے، اسی لئے حدیث کے ترجمہ میں ہم نے قوسین میں اس کا اضافہ کر دیا ہے۔ متعدد دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں۔

عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدْ مَتَّهَ إِلَيَّ

النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَلَيْكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُودِيِّ إِحْلِفْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا يَحْلِفُ يَذْهَبُ بِمَالِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِهِمْ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک زمین میری اور ایک یہودی کی مشترکہ ملکیت تھی، اس نے میری ملکیت سے انکار کر دیا اور تنہا اس کا مالک بن بیٹھا میں اس یہودی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا (اور اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ”تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل (یعنی گواہ شاہد ہے)؟“ میں نے عرض کیا کوئی گواہ شاہد تو نہیں ہے۔ آپ نے یہودی سے فرمایا، کہ (اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو) تم قسم کھاؤ (کہ زمین میں مدعی کا کوئی حصہ نہیں ہے تنہا میری ہے۔۔۔۔۔ اشعث کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت یہ یہودی (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرا مال یعنی میری جائداد ہڑپ کر لے گا۔۔۔۔۔ تو اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی ”إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ..... وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ (جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو توڑ کر) اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ ”ثمن قلیل“ یعنی دنیا کا تھوڑا سا نفع حاصل کرتے ہیں، آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی بات نہ فرمائے گا اور وہ اس کی نگاہ کرم سے بھی محروم رہیں گے اور وہ ان کو پاک صاف بھی نہ کرے گا اور ان کو نہایت دردناک عذاب ہو گا۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی مسلم اور مدعا علیہ غیر مسلم ہو تب بھی اس قانون کے مطابق کارروائی کی جائے گی اور مدعی کے پاس ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں اگر غیر مسلم مدعا علیہ کے ساتھ انکاری بیان دے گا تو اسکو قبول کر لیا جائے گا۔ اور اگر فی الواقع اس نے بددیانتی کی ہے اور جھوٹا حلفیہ بیان دیا ہے تو آخرت میں وہ اس کی سخت ترین سزائے گا۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتَ وَ رَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَفِي يَدِي لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَيْكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ؟ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا أَذْبَرَ لَيْنُ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لِيَلْقِيَنَّ اللَّهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ. (رواہ مسلم)

علقمہ بن وائل نے اپنے والد وائل کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص حضر موت کے رہنے والے اور ایک قبیلہ کندہ کے (اپنا مقدمہ لے کر) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرمی نے (جو مدعی تھا) عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کندہ نے میری ایک زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ کندہ نے (جو مدعا علیہ

تھا) جواب میں کہا کہ وہ زمین فی الواقع میری ہی ملکیت ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدعی حضری سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دعوے کی دلیل (گواہ شاہد) ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ گواہ شاہد تو نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو تم کو صرف یہ حق ہے کہ اپنے مدعا علیہ کندی سے قسم لے لو۔ حضری نے عرض کیا کہ حضرت یہ آدمی تو فاجر (بدکار و بد چلن اہل بد دیانت) ہے اس کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کس بات کی قسم کھا رہا ہے اور کسی بھی (بری) بات سے اس کو پرہیز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (کچھ بھی ہو جب تمہارے پاس دعوے کے گواہ شاہد نہیں ہیں تو) تم کو بس یہی حق ہے کہ اس آدمی سے قسم لے لو! تو جب وہ کندی حلف اٹھانے کے لئے دوسری طرف کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے (اس کو آگاہی دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اگر اس نے حضری کا مال ظالمانہ اور ناجائز طور پر ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ کے حضور میں یہ اس حال میں پیش ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب و ناراضی کی وجہ سے اس کی طرف سے رخ پھیر لیں گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح بلاشبہ آخرت میں کسی بندے کی یہ انتہائی بدبختی اور بد نصیبی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ غضب و ناراضی کی وجہ سے اس کی طرف سے رخ پھیر لیں، یہ اس کے مرد و بارگاہ اور ناقابل معافی ہونے کی علامت ہوگی۔ اس سے پہلی اشعث بن قیس کی حدیث میں ایسے لوگوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی تھی (اولئک لا ینالون فی الاخرۃ ولا یکلّمہم اللہ... ولہم عذاب الیم) واکل کی اس حدیث میں **وہو عنہ معرض** اسی کی اجمالی تعبیر ہے اور آیت کا مضمون گویا اس کی تفصیل ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ایک جملہ یہ تھا **فانطلق لیحلف فقال رسول اللہ ﷺ لما اذہر الخ** جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے ”کہ جب وہ کندی حلف اٹھانے کیلئے دوسری طرف کو چلا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غالباً اس کندی سے کہا گیا ہو گا کہ مسجد چل کر نماز کے بعد سب کے سامنے تم کھاؤ یا یہ کہ منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھاؤ۔ تو جب وہ قسم کھانے کیلئے اُدھر کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو آگاہی دی کہ جو کوئی جھوٹی قسم کھا کر پر ایمال ناجائز طور پر حاصل کریگا آخرت میں اس کا یہ انجام ہوگا۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ پھر اس شخص نے قسم کھائی یا قسم کھانے سے باز آگیا۔ لیکن سنن ابی داؤد میں حضری اور کندی کے اسی مقدمہ سے متعلق اشعث بن قیس کی ایک حدیث ہے اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے برے انجام کی وعید سنائی تو کندی قسم کھانے سے رُک گیا اور اس نے اقرار کر لیا کہ وہ زمین مدعی حضری ہی کی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔

جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسم والوں کا ٹھکانہ جہنم

جیسا کہ معلوم ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی عموماً اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصاً اصل حیثیت نبی و رسول اور بشیر و نذیر کی ہے ^①..... وہ اللہ کے حکم سے اس کے بندوں کو ایمان اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی

① سورہ نساء میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا **”رسلاً مبشّرین و منذّرین“** اور سورہ بنی اسرائیل اور

سورہ فرقان میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا **”وما ارسلناک الا مبشّراً و نذیراً“**

دعوت و ترغیب دیتے اور ان پر خداوندی فضل و انعام اور رحمت و جنت کی بشارت سناتے ہیں۔ اور کفر و شرک اور بد اعمالیوں و بد اخلاقیوں اور جرائم سے بندگانِ خدا کو روکتے ان کو برے انجام سے آگاہی دیتے اور خدا کے غضب و عذاب سے ڈراتے ہیں یہی ان کی دعوت و ہدایت کی بنیاد اور یہی ان کا سب سے کارگر ہتھیار اور یہی ان کی اصل طاقت ہوتی ہے۔

عدالت میں جھوٹا دعویٰ کرنا اور اسی طرح ناجائز طور پر کسی کی چیز حاصل کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کے لئے جھوٹی قسم کھانا بدترین اور شدید ترین گناہوں میں سے ہے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی ایسی چیز پر دعوے کرے جو فی الحقیقت اس کی نہیں ہے، تو وہ ہم میں سے (یعنی ہمارا آدمی اور ہمارا ساتھی) نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

(صحیح مسلم)

تشریح..... اپنے کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں میں شمار کرنے والے شخص کے لئے اس سے زیادہ سخت و شدید وعید کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں فرمادیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے، ہماری جماعت سے خارج ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کی پناہ!

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِمِثْلِهِ فَقَدْ أَوجِبَ اللَّهُ لَهُ النَّارَ وَ حَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ قَضِيًّا مِنْ أَرَاكَ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا کوئی حق مارا (اور عدالتی فیصلے سے اس کی کوئی چیز حاصل کر لی) تو اللہ نے اس شخص کے لئے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت حرام۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ چیز بالکل معمولی اور تھوڑی سی ہو (تب بھی یہی سزا ہوگی؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ (جنگلی درخت) پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے عدالت میں جھوٹی قسم کھا کے کسی دوسرے بندے کی بالکل معمولی اور بے قیمت چیز بھی حاصل کی تو اس نے بھی اتنا بڑا گناہ کیا جس کی سزا میں اس کو دوزخ کا عذاب ضرور بھگتنا ہو گا اور مؤمنین صالحین والی جنت سے محروم رہے گا۔

حدیث میں ”مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ“ فرمایا گیا، یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہی تھا اور آپ ﷺ کے سامنے عموماً مسلمانوں ہی کے باہمی مقدمات آتے تھے۔ ورنہ

کسی غیر مسلم کی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر حاصل کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی چیز حاصل کرنا۔ اس کی واضح دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جس کا حوالہ خود رسول اللہ ﷺ نے (ایک حدیث میں جو پہلے درج ہو چکی ہے) جھوٹی قسم کے عذاب ہی کے سلسلہ میں دیا ہے۔ یعنی **اِنَّ الدِّينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَاِيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا اُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابُ الْيَمِّ**۔ (ال عمران ۷۷)

خود حضور ﷺ کے فیصلہ سے بھی دوسرے کی چیز حلال نہیں ہو سکتی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چالاک مقدمہ باز آدمی دوسرے کی چیز پر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے کہ قاضی اس کو برحق سمجھ کر اسکے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے۔ اور اسی طرح کبھی کوئی جھوٹا مدعا علیہ اپنی چرب زبانی سے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنی سچائی کا قاضی کو یقین دلادیتا ہے اور وہ اسکے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے، تو قاضی شریعت کے اس فیصلہ سے وہ چیز اس جھوٹے مدعی یا مدعا علیہ کیلئے حلال و جائز نہیں ہو جاتی، حرام ہی رہتی ہے اور جھوٹا مقدمہ لڑانے اور جھوٹی قسم کھانے سے وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک بشر ہوں اور کسی مقدمہ باز کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر مجھ سے بھی ایسا فیصلہ ہو سکتا ہے تو میرے فیصلہ سے بھی وہ چیز اس کیلئے حلال نہ ہوگی حرام ہی رہے گی۔ حدیث یہ ہے:

عن ام سلمة ان رسول الله ﷺ قال انما انا بشر و انکم تَخْتَصِمُونَ اِلَيَّ و لعل بعضکم ان یکون الحن بحُجَّتِهِ من بعض فاقضی له علی نحو ما اسمع منه فمن قضیت له بشیء من حق اخیه فلا یأخذنه فانما اقطع له قطعة من النار۔ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے نزاعات اور مقدمات لاتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک زیادہ اچھا بولنے والا اور بہتر انداز میں تقریر کر کے اپنی دلیل پیش کرنے والا ہو دوسرے سے اور پھر میں اس کی بات سن کر اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو اس طرح میں جس کے لئے اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو ہرگز نہ لے (اس کے جھوٹے دعوے یا جھوٹی قسم کے نتیجہ میں) اس کو جو دیتا ہوں وہ (انجام کے لحاظ سے) اس کے واسطے دوزخ کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ میں ایک انسان اور بندہ ہوں عالم الغیب نہیں ہوں، ہو سکتا ہے کہ کسی مدعی یا مدعا علیہ کی تقریر و استدلال سے متاثر ہو کر اسکے حق میں فیصلہ دیدوں اور فی الواقع وہ اس کا حق نہ ہو تو میرے فیصلہ سے بھی دوسرے فریق کی چیز اس کیلئے حلال اور جائز نہ ہوگی بلکہ وہ اس کے حق میں دوزخ ہوگی۔

جھوٹی قسم شدید ترین گناہ کبیرہ

عن عبد الله بن أنیس قال قال رسول الله ﷺ إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكِبَايِرِ الشُّرْكَ بِاللَّهِ وَعَقْوُقُ الْوَالِدَيْنِ وَالْيَمِينَ الْغَمُوسَ وَمَا حَلَفَ بِاللَّهِ حَالِفٌ يَمِينٍ صَبْرًا فَادْخُلَ فِيهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوضَةٍ

إِلَّا جُعِلَتْ نَكْتَةٌ فِي قَلْبِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے (اور سب سے خبیث) گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ اور ماں باپ کی نافرمانی۔ اور (حاکم کے سامنے) جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ اور عدالت میں جو قسم کھانے والا قسم کھائے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر گڑ بڑ کرے (یعنی ذرہ برابر بھی جھوٹ یا خیانت شامل کرے) تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک داغ بنادیا جاتا ہے۔ (یعنی اس کا وبال قیامت میں ظاہر ہوگا)۔ (جامع ترمذی)

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ بِالْإِشْرَاقِ بِاللَّهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرَّجْسَ مِنَ الْاَوْتَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حَنْفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ (رواه ابو داؤد)

خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) صبح کی نماز پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو (اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر کر دی گئی۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی پھر آپ ﷺ نے (قرآن پاک کی) یہ آیت پڑھی **فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين به**۔ (اے لوگو! بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی گواہی سے بچو، یکسوئی کے ساتھ بس اللہ ہی کے ہو کے اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ ہو۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح رسول اللہ ﷺ نے جو آیت اس خطاب میں تلاوت فرمائی اس میں شرک و بت پرستی کے ساتھ **”قول زور“** سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دونوں کے لئے امر کا ایک ہی صیغہ اور ایک ہی کلمہ **”اجتنبوا“** استعمال فرمایا گیا ہے اس سے رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھا اور مخاطبین کو سمجھایا کہ شہادت زور (جھوٹی شہادت) ایسا ہی گندہ اور خبیث گناہ ہے جیسا کہ شرک و بت پرستی اور ایمان والوں کو اس سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہئے جتنا کہ شرک و بت پرستی سے۔

کن لوگوں کی گواہی معتبر نہیں

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبي ﷺ قال لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانية ولا ذی غمر علی اخیه وردّ شهادة القانع لاهل البيت. (رواه ابو داؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے والد شعیب سے نقل کیا اور انہوں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے کسی مرد اور (اسی طرح) خیانت کرنے والی کسی عورت کی شہادت درست نہیں (یعنی قابل قبول نہیں) اور کسی زانی اور زانیہ کی شہادت بھی قابل قبول نہیں) اور کسی دشمنی رکھنے والے کی شہادت بھی اس بھائی کے خلاف جس سے

اس کی دشمنی ہو قابل قبول نہیں، اور جو شخص (اپنی روزی اور ضروریات زندگی کے لئے) کسی گھرانے سے وابستہ ہو کر پڑ گیا ہو اس گھر والوں کے حق میں اس کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے ناقابل قبول قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث میں پہلے خیانت اور زنا کا ارتکاب کرنے والے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی شہادت قابل قبول نہیں۔ ان دونوں گناہوں کو بطور مثال کے سمجھنا چاہئے، اصول اور قانون یہ ہو گا کہ جو شخص ایسے کبائر اور فواحش کا مرتکب ہو، دوسرے لفظوں میں فاسق و فاجر ہو اس کی شہادت قبول نہ ہو گی کیونکہ ایسے گناہوں کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اس لئے اس کی سچائی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی دشمنی رکھنے والے کی مخالفانہ گواہی کے قابل قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ اسی طرح جو آدمی کسی گھرانے سے وابستہ ہو، اس کا رہنا سہنا، کھانا پینا انہیں کے ساتھ ہو وہ گویا اسی گھرانے کا ایک فرد ہے اس لئے اس گھرانے کے حق میں اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی، اس سے معلوم ہو گیا کہ گھر والوں کی بدرجہ اولیٰ قابل رد ہو گی۔

نظام حکومت..... خلافت و امارت

جیسا کہ معلوم ہے ”اسلام“ انسانی زندگی کے سارے ہی شعبوں پر حاوی ہے۔ وہ عقائد و ایمانیات، عبادات، اخلاق، آداب معاشرت اور معاملات کی طرح نظام حکومت کے بارے میں بھی اپنے پیروؤں کی رہنمائی کرتا اور احکام و ہدایات دیتا ہے، بلکہ سلطنت و حکومت کا شعبہ اس کا اہم ترین شعبہ ہے کیونکہ دوسرے بہت سے شعبوں کا وجود اس سے وابستہ اور اسی پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرز عمل اور ارشادات سے اس شعبہ کے بارے میں بھی امت کی پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو غیر رسمی طور پر ایک چھوٹی سی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے نبی و رسول ہونے کے ساتھ اس حکومت کے سربراہ اور فرمانروا بھی تھے، ہجرت کے بعد قریباً دس سال آپ ﷺ اس دنیا میں رہے، اس مدت میں اس حکومت کا دائرہ اقتدار برابر وسیع ہوتا رہا اور تیزی سے وسیع ہوا یہاں تک کہ حیات مبارک کے آخری دور میں پورا عرب بلکہ یمن اور بحرین کے علاقے بھی اس حکومت کے زیر اقتدار آ گئے۔ ان دس سالوں میں اس دور کے معیار کے مطابق وہ سب ہی کام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے کرائے جو حکومت کے سربراہوں ہی کے کرنے کے ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والی دشمن طاقتوں سے جہاد بھی کیا، اس سلسلے میں فوجی مہمیں اور فوجی دستے بھی بھیجے۔ صلح کے معاہدے بھی کئے، جزیہ اور خراج اور زکوٰۃ کی وصولی کا نظام بھی قائم فرمایا۔ زیر اقتدار آ جانے والے علاقوں میں قاضی، والی اور عامل بھی مقرر کئے اور ان سب کاموں کے بارے میں آپ ﷺ کی ہدایات میں اسلامی حکومتوں اور ان کے سربراہوں کے لئے اصولی درجہ میں پوری رہنمائی موجود ہے۔ آپ ﷺ کے

بعد آپ ﷺ کے تربیت یافتہ خواص واصحاب ورفقاء میں سے جو چار حضرات یکے بعد دیگرے اس حکومتی نظام کو چلانے میں آپ ﷺ کے جانشین ہوئے۔ (حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم) انہوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے امکان بھر اس کی کوشش کی کہ حکومت سے متعلق سارے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے طور طریقوں اور آپ ﷺ کی ہدایت کی پوری پابندی اور پیروی کی جائے، ان کا یہی وہ امتیاز ہے جس کی وجہ سے ان کو ”**خلفائے راشدین**“ کہا جاتا ہے۔ ”**خلافت راشدہ**“ وہی حکومت ہے جس میں آپ ﷺ کی ہدایت اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی حتی الامکان پوری پابندی و پیروی کی جائے۔

اس تمہید کے بعد نظام حکومت و امارات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔ انہیں سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی حکومت اور اس کے سربراہ کی کیا خاص ذمہ داریاں ہیں اور عام مسلمانوں کا رویہ ان کے ساتھ کیسا رہنا چاہئے۔

عوام کو امیر کی اطاعت اور امیر کو تقویٰ اور عدل کی ہدایت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ يُطِيعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يُعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيَتَّقَى بِهِ فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرًا وَإِنْ قَالَ بغيرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور امام (یعنی اسلامی حکومت کا سربراہ) سپر اور ڈھال ہے، قتال کیا جاتا ہے اس کے پیچھے سے اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاتا ہے، پس اگر وہ خدا ترسی اور پرہیزگاری کا حکم کرے اور عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرے تو اس کے لئے اس کا بڑا اجر و ثواب ہے اور اگر وہ اس کے خلاف بات کرے تو اس پر اس کا وبال و عذاب پڑے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ ”**مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ**“ (جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی) کیونکہ اللہ کے رسول جو احکام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے اس لئے ان کے احکام کی تعمیل اللہ تعالیٰ کے احکام اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ پھر چونکہ اللہ ہی کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کی جائے اور اس کا حکم مانا جائے (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو) تو امیر کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہوگی اور اس کی نافرمانی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی

ہوگی) ملحوظ رہے کہ عربی میں خاص کر قرآن و حدیث کی زبان میں ”امیر“ کے معنی حکمران کے ہیں۔
 بظاہر حضور ﷺ کے اس ارشاد کا خاص مقصد و مدعا امیر (حاکم وقت) کی اطاعت فی المعروف کی اہمیت
 جتلا نا ہے کہ اس کی فرمانبرداری اور نافرمانی اللہ کے رسول کی اور بالواسطہ خود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور
 نافرمانی ہے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ امیر بمنزلہ سپہ اور ڈھال کے ہے، سپہ اور ڈھال کے ذریعہ اپنی
 حفاظت اور دشمن کے حملہ سے بچاؤ کیا جاتا ہے اسی طرح امام وقت (اسلامی حکومت کا سربراہ) مسلمانوں کا
 اور دین کا محافظ اور پاسبان ہے یہ حفاظت اور دفاع اس کی خاص ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں جہاد و قتال کی
 نوبت آئے گی۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی وفاداری اور اطاعت کریں اس کے حکم
 کو مانیں اس کے بغیر وہ دفاع اور حفاظت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔

اگر میں ان امراء (اصحاب حکومت) کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اور عدل و انصاف کو لازم پکڑیں
 یعنی ہمیشہ یہ بات ان کے پیش نظر رہے کہ خدا ہر وقت اور ہر حال میں ہم کو دیکھ رہا ہے اور قیامت میں اس
 کے حضور میں پیشی ہوگی اور امیر و حاکم کی حیثیت سے جو کچھ ہم نے یہاں کیا ہوگا اس کا بڑا سخت محاسبہ ہوگا،
 اس سے کبھی غافل نہ ہوں اور عدل و انصاف پر قائم رہنے کی پوری کوشش کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو
 آخرت میں بڑا اجر پائیں گے اور اگر اس کے خلاف چلیں گے تو اس کا شدید عذاب و وبال بھگتنا پڑے گا۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا مُعَاوِيَةُ إِنَّ وَلِيْتَ أَمْرًا فَاتَّقِ اللَّهَ وَاعْدِلْ، قَالَ فَمَا زِلْتُ
 أَظُنُّ أَنِّي مُبْتَلَى بِعَمَلِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ. حَتَّى ابْتُلِيتُ. (رواہ احمد)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا
 کہ اے معاویہ! اگر تم کو حاکم مقرر کیا جائے تو خوف خدا اور عدل و انصاف کو اپنا شعار بنانا۔ معاویہ کہتے
 ہیں کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے برابر یہ خیال رہا کہ غالباً میں حکومت کی لائن کے کام
 میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ منجانب اللہ اس میں مبتلا کیا گیا۔ (مسند احمد)

تشریح..... پہلی حدیث کی طرح اصحاب حکومت کو اس حدیث کا پیغام بھی یہی ہے کہ وہ خدا ترسی اور عدل و
 انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر غالباً یہ منکشف
 ہو گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ معاویہ صاحب امر اور حاکم ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ شام کے گورنر رہے۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ سے صلح
 کے بعد ایک وقت آیا کہ وہ پوری اسلامی مملکت کے امیر و سربراہ تسلیم کر لئے گئے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَفْضَلَ عِبَادِ اللَّهِ مَنْزِلَةَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِمَامٌ
 عَادِلٌ وَإِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ. (رواہ البيهقی فی شعب الایمان)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے
 دن اللہ کے بندوں میں سب سے افضل اللہ کے نزدیک نرم خو، رحم دل اور عادل و منصف سربراہ

حکومت ہوں گے اور بدترین درجہ میں سخت دل اور ظالم و غیر منصف سربراہ حکومت ہوں گے۔

(شعب الایمان، تہقیق)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلیفہ اور امیر کو خدا ترس اور عادل و منصف ہونے کے ساتھ نرم خو اور رحم دل بھی ہونا چاہئے، جیسا کہ حکومت کے معاملہ میں خود رسول اللہ ﷺ کا رویہ تھا۔

امیر کو عوام کی خیر خواہی کی تاکید

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يُحِطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا راعی (یعنی حاکم و نگران بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ حاکم جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور حکمران کا فرض ہے کہ جو لوگ اس کے زیر حکومت ہیں ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے، اگر عوام کی خیر خواہی میں کوتاہی کرے گا تو جنت سے بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض حدیثوں میں بھی امیر یعنی صاحب حکومت کو ”راعی“ اور اس کے زیر حکومت عوام کو ”رعیت“ کہا گیا ہے۔ اصل عربی زبان میں راعی کے معنی چرواہے اور نگہبان کے ہیں اور ”رعیت“ وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی حفاظت و نگہبانی اس کے ذمہ ہو۔ صرف یہ دو لفظ یہ بتلانے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام میں حکومت و امارت کا کیا تصور ہے اور حکمرانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ فرض شناس چرواہے ان جانوروں کو جن کا چرانا اور جن کی نگہبانی ان کے ذمہ ہوتی ہے سرسبز چراگا ہوں میں لے جاتے ہیں، درندوں اور چوروں رہزنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور شام کو گھر واپس لاتے ہیں، اُس طرح ان کو کھلانا پلانا اور ان کی دیکھ بھال ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ ان حدیثوں نے بتلایا کہ اسلام میں یہی حیثیت خلیفہ اور حکمران کی ہے وہ عوام کا محافظ اور رکھوالا ہے اور ان کی ضروریات کی فکر اس کی ذمہ داری ہے اور اگر وہ اس سلسلہ میں بے پروائی برتے گا تو اللہ کے نزدیک مجرم ہوگا۔

اہل حاجت کے لئے امیر کا دروازہ کھلا رہنا چاہئے

عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةٍ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُونَ دَوَى الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمُسْكِنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللَّهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمُسْكِنَتِهِ.

(رواه الترمذی)

حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ جو حکمران ضرورت مندوں اور کمزور بندوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت، اس کی ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کر لے گا۔

(یعنی اس کی ضرورت مندی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہیں ہوگی)۔ (بخاری، ترمذی)

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی طریقہ یہ تھا کہ اصحاب حاجت بلا روک ٹوک پہنچ کر مل سکتے تھے اور اپنے مسئلے پیش کر سکتے تھے ان کے لئے دروازہ بند نہیں رہتا تھا۔ لیکن جب خوارج کی طرف سے خفیہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگا دی اسی موقع پر حدیث کے راوی حضرت عمرو بن مرہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا: اسی روایت میں آگے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت معاویہ نے دروازہ پر ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جو لوگوں کی حاجت و ضروریات معلوم کر کے حضرت معاویہ تک پہنچاتا تھا۔

امیر کا حکم اگر خلاف شریعت نہیں ہے تو بہر حال اس کی اطاعت کی جائے لیکن معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصحاب امر کے احکام سننا اور ماننا ہر مرد و مؤمن کے لئے ضروری ہے ان امور میں بھی جو پسند ہوں اور ان امور میں بھی جو ناپسندیدہ ہوں جب تک کہ کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ لیکن جب کوئی صاحب امر کسی خلاف شریعت بات کا حکم دے تو پھر سماع و اطاعت (سننے اور ماننے) کا حکم نہیں۔ (بخاری، ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسی بات کا حکم دے جو آپ کی طبیعت یا آپ کی ذاتی رائے کے خلاف ہو لیکن شریعت کے خلاف نہ ہو تو اپنی طبیعت کے رجحان اور رائے کو نظر انداز کر کے اس کی اطاعت کرنی ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو ظاہر ہے کہ قدم قدم پر اختلاف و انتشار ہو گا۔ ہاں اگر شریعت کے خلاف امیر کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اللہ کا اور اس کی شریعت کا حکم مقدم اور سب سے بالا ہے۔

ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل الجہاد ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةً حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِلٍ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔ (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد، ابن ماجہ)

کافر دشمنوں سے قتال کرنے میں اگرچہ شکست اور اپنی موت کا خطرہ بھی ہوتا ہے لیکن فتح اور کامیابی کی امید بھی ہوتی ہے۔ مگر ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے میں اپنی جان کا یا کم سے کم سزا کا خطرہ ہی ہوتا ہے غالباً اسی وجہ سے اس کو افضل الجہاد فرمایا گیا ہے۔

عورت کو سربراہ حکومت بنانا صحیح نہیں

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ أَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَكَوْا عَلَيْهِمْ بِنْتُ كِسْرَى قَالَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ أَمْرَاءٌ. (رواه البخاری)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے ایک عورت ذات کو اپنا حکمران اور فرمانروا بنالیا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت میں جو کھلا ہوا فرق ہے وہ اسکی روشن دلیل ہے کہ عورت کی تخلیق و ملک و قوم پر حکمرانی جیسے کاموں کیلئے نہیں ہوئی ہے اگر کہیں کہیں اس کے خلاف عمل میں آتا ہے تو وہ یقیناً فطرت کے خلاف ہے اور ان خلاف فطرت کاموں میں سے ہے جو دنیا میں ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

خلیفہ اپنا جانشین نامزد بھی کر سکتا اور اہل حل و عقد کے انتخاب پر بھی چھوڑ سکتا ہے

دورِ حاضر کے مغربی نظام جمہوریت سے مرعوبیت کے نتیجے میں جو کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ "اسلامی نظام" میں استخلاف (یعنی سربراہ حکومت کی طرف سے اپنے جانشین کی نامزدگی) کی گنجائش نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف مرعوبیت کی پیداوار ہے۔ استخلاف اور نامزدگی کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا انحصار حالات اور اشخاص پر ہے اگر خلیفہ وقت (موجودہ سربراہ حکومت) کسی شخص کے بارے میں پوری دیانتداری کے ساتھ سو فیصدی مطمئن ہے کہ اس منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت ہے اور عوام بھی اس کی سربراہی کو بخوشی قبول کر لیں گے تو اس صورت میں خلافت کے لئے اس کی نامزدگی نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہوگی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی صورت حال میں خلیفہ نامزد کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض و وفات میں صدیق اکبر کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر آپ ﷺ پر انکشاف و یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ اور جانشین صدیق اکبر ہی ہوں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہی مسلمانوں کا فیصلہ ہوگا تو آپ ﷺ نے ان کو باضابطہ نامزد نہیں کیا۔ اگرچہ اپنے مرض و وفات میں اپنی جگہ انہی کو امام نماز بنا کر اس طرف کھلا اشارہ فرمادیا۔

الغرض اگر خلیفہ برحق دین اور امت کے حق میں کسی اہل کی نامزدگی کو بہتر سمجھے تو اس کو اس کا حق ہے اور اس طرح ذہ نازد شخص خلیفہ برحق ہوگا۔ اور اگر خود نامزد کرنے کے بجائے ارباب حل و عقد کی ایک مجلس کو انتخاب کا اختیار دینا مناسب سمجھے اور ایسا کرے تو یہ بھی صحیح ہوگا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اور اگر کسی وقت انتخاب کے دائرہ کو امت کے عام اہل دین و فہم کی حد تک وسیع کرنا مناسب سمجھا جائے تو ایسا کرنا بھی درست ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے طرز عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل قابل لحاظ چیز مقصد ہے استخلاف اور انتخاب امیر کا کوئی خاص طریقہ اور ضابطہ متعین نہیں ہے اور وہ دینی مقاصد اور شرعی حدود و احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے حالات کے مطابق تجویز کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ ادْعِينِي لِيْ اَبَا بَكْرٍ اَبَاكَ وَاَخَاكِ حَتَّى اَكْتُبَ

كِتَابًا فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّى مُتَمَنٍّ وَيَقُولُ قَاتِلْ أَنَا وَلَا وَيَأْبَى اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ.

(رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں مجھ سے فرمایا کہ (اے عائشہ!) اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمن بن ابی بکر) کو میرے پاس بلوادو تاکہ میں (خلافت کے بارے میں) تحریر لکھوادوں، مجھے اندیشہ ہے کہ (خلافت کی) تمنار کھنے والا کوئی آدمی اس کی تمنار کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں ہوں اس کا مستحق اور وہ نہیں ہوگا مستحق، اور اللہ تعالیٰ کو اور مؤمنین کو ابو بکر کے سوا کوئی منظور نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اپنے بعد خلیفہ کی حیثیت سے ابو بکر صدیق کو نامزد فرمادیں اور ”خلافت نامہ“ تحریر کرادیں اور اس کی تکمیل کے لئے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمن بن ابی بکر کو بلوانا بھی چاہا تھا لیکن پھر آپ ﷺ کو یہ انکشاف و یقین ہو گیا کہ مشیت الہی میں یہی طے ہو چکا ہے اور میرے بعد اہل ایمان ابو بکر کے سوا کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہی مناسب سمجھا کہ میری نامزدگی کے بغیر ہی اہل ایمان کے انتخاب سے وہ خلیفہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ بہر حال اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ استخلاف اور نامزدگی بھی ایک طریقہ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے سوچا تھا اور اس کا اظہار فرمادیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو غالباً ان کے سامنے دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا یہی ارادہ تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کرنے کے بجائے مسئلہ کو ایک مجلس شوریٰ کے سپرد کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے عمل سے روشنی حاصل کی۔ الغرض اسی ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ استخلاف و نامزدگی بھی درست ہے اور انتخاب بھی۔

خلافت علی منہاج النبوة صرف ۳۰ سال

عَنْ سَفِينَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: خِلَافَةُ النَّبِيِّ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُوتِي اللَّهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ.

(رواہ ابو داؤد)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خلافت النبوة (یعنی نبوی اصول و طریق کار کی پابندی کے ساتھ نظام حکومت کی سربراہی) صرف ۳۰ سال تک رہے گی اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گبادشاہت دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف کر د گئی تھی کہ آپ ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے بعد خلافت علی منہاج النبوة یعنی ممکن حد تک آپ ﷺ کے اصول اور طور طریقوں کے ساتھ نظام حکومت صرف ۳۰ سال تک چلے گا۔ اس کے بعد بادشاہی اور حکمرانی کا دور آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور ﷺ کی وفات کے ٹھیک تیسویں سال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ آپ ﷺ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین اور خلیفہ ہوئے، لیکن انہوں نے چند ہی مہینے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت کے یہ چند مہینے شامل کر لئے جائیں تو پورے تیس سال ہو جاتے ہیں۔ خلافت علی منہاج النبوة اور خلافت راشدہ جس کو اس حدیث میں ”**خلافت النبوة**“ کہا گیا ہے بس ان تیس سالوں تک رہی۔ اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا اور شدہ شدہ خلافت علی منہاج النبوة کی جگہ بادشاہت کا رنگ آ گیا۔ آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا جس کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی اطلاع دی اور وہی وقوع میں آیا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ہی ذریعہ ہوا تھا۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کا صحیح طریقہ

عَنْ عِيَّاضِ بْنِ عُنْمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْصَحَ لِذِي سُلْطَانٍ بِأَمْرٍ فَلَا يَنْدُلُهُ عِلَانِيَةً وَلَكِنْ لِيَأْخُذَ بِيَدِهِ فَيُخْلُو بِهِ فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَلِكَ وَإِلَّا كَانَ قَدْ آذَى الَّذِي عَلَيْهِ.

(رواہ احمد)

حضرت عیاض بن عنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی صاحب حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ علانیہ (اور دوسروں کے سامنے) نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے۔ پھر اگر وہ اس کو قبول کر لے اور مان لے تو فیہا (یعنی مقصد حاصل ہو گیا) اور اگر اس نے نصیحت قبول نہ کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (مسند احمد)

تشریح بے شک حکمت نصیحت کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کر اہل حکومت اور اصحاب وجاہت کو نصیحت ان سے تنہائی میں ملاقات کر کے کی جائے، یہ طرز عمل مخاطب کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ نصیحت کرنے والا مخلص اور میرا خیر خواہ ہے اور اگر اچھی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت سے اس کا دل بالکل غالی اور محروم نہیں ہے تو قبول کرنے کی پوری امید ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف علانیہ اور دوسروں کے سامنے نصیحت میں وہ اپنی توہین محسوس کر سکتا ہے اور اس کا ردِ عمل بہت برا بھی ہو سکتا ہے۔ رازدارانہ خط و کتاب کے ذریعہ نصیحت کرنا بھی تنہائی کی ملاقات ہی کے حکم میں ہے۔

حکمرانوں کا ظلم و تشدد ہماری بد اعمالیوں کا نتیجہ اور خدا کا عذاب ہوتا ہے لہذا ارباب حکومت کو کوسنے کے بجائے خدا کی طرف رجوع ہو اور اس سے دعا کرو!

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا مَالِكُ الْمُلُوكِ وَمَلِكُ الْمُلُوكِ فَدُرْتُ الْمُلُوكِ فِي يَدَيَّ وَإِنَّ الْعِبَادَ إِذَا أَطَاعُونِي حَوَّلْتُ قُلُوبُ مَلُوكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرِّبِّ. إِنَّ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوبَهُمْ بِالسَّخَطِ وَالنَّفَمَةِ فَسَامُوهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ فَلَا تُشْعِرُوا أَنْفُسَكُمْ بِالْدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوكِ وَلَكِنْ أَشْعِلُوا

أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ حَتَّىٰ أَكْفِيَكُمْ مَلُوكَكُمْ. (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں، میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہانِ عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) جب میرے بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کے ساتھ ان بندوں پر متوجہ کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور عذاب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں، پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لئے بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ اپنے کو میری یاد میں اور میری بارگاہ میں الحاح و زاری میں، تاکہ تمہارے لئے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لئے۔

(حلیۃ الاولیاء الی نعیم)

تشریح اس دنیا میں جو اچھے برے حالات آتے ہیں تو ان کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جن کو دنیا کی عام سمجھ رکھنے والے سمجھ لیتے ہیں اور کچھ غیبی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود خداوند تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے کہ بندوں پر دنیا میں جو اچھے برے حالات ان کے حکمرانوں کی طرف سے آتے ہیں وہ دراصل ان کے اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، میں بادشاہوں کا بادشاہ اور سب حاکموں کا حاکم ہوں۔ سب حکمرانوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں اور میرا یہ قانون و دستور ہے کہ جب بندوں کی عام زندگی اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے تو میں ان کے حاکموں کے قلوب میں ان کے لئے رحمت و شفقت ڈال دیتا ہوں تو ان کا برتاؤ رحمت و شفقت کا ہوتا ہے اور اگر ان کی زندگی نافرمانی و بدکرداری کی ہوتی ہے اور معصیت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں ان کے حکاموں کے قلوب میں ان کے لئے غصہ اور تکلیفیں دینے کا جذبہ ڈال دیتا ہوں پھر وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں اور ستاتے ہیں، تو دراصل یہ میرا عذاب ہوتا ہے، تمہارے احکام صرف آلہ کار ہوتے ہیں۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جب حاکموں سے تم کو تکلیفیں پہنچیں تو ان کے لئے بددعا میں نہ کرو، ان کو نہ کو سو، اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مجھے یاد کرو معصیتوں کی زندگی سے توبہ کر کے میری فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرو، آہ و زاری کے ساتھ میری طرف رجوع ہو، اس طرح تم حاکموں کے مظالم سے نجات پاسکو گے۔

جب نادر شاہ نے دلی کو تاراج کیا اور دلی والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو اس وقت کے عارف حضرت مرزا مظہر جان جانا نے فرمایا تھا:

”شامتِ اعمالِ ماصورتِ نادر گرفت“